

حَقِيقَت  
خِلَافَتِ وَ مَلُوكِيَّتِ



مُحَمَّدُ رَا حَمْدُ عِبَّاسِي



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝۱

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۲ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝۳

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝۴ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝۵

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ ۝۷ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝۸

یہ کتاب، عقیدہ لا بیری

([www.aqeedeh.com](http://www.aqeedeh.com))

سے ڈائلوڈ کی گئی ہے۔

حقیقت  
خلافت و ملوکیت

مؤلف  
محمود احمد عباسی

ناشر: مکتبہ محمود بی ایریا۔ لیاقت آباد کراچی

حقیقت  
خلافت و بلوکیت

مؤلف  
محمد احمد عباسی

ناشر: مکتبہ محمود بی ایریا لیاقت آباد کراچی



## فہرست عنوانات حقیقتِ خلافت و ملوکیت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۷۴	ایک دوسرا اقتزار	۲۱	۱ حقیقتِ خلافت و ملوکیت	۱
۷۸	حضرت عبدالرشید بن عامر اموی	۲۲	۵ ایضاً	۲
۸۰	حضرت عبدالرشید بن سعد عامری	۲۳	۱۰ قرآنِ خلافت	۳
۸۶	اندر دنی نقص روایت	۲۴	۱۲ ملوکیت	۴
۸۷	بیرونی شہادت	۲۵	۱۸ ایک لغو اور بے پایہ روایت	۵
۸۸	حضرت سعید بن جابر اموی	۲۶	۲۳ حضرت فاروق اعظم کی جانشینی	۶
۹۳	حضرت مروان بن	۲۷	۲۲ خطرہ	۷
۱۰۰	شوری حکومت	۲۸	۲۶ وضعی روایت	۸
۱۰۴	بیت المال	۲۹	۳۵ راولوں کی حیثیت	۹
۱۰۸	وضعی روایت	۳۰	۴۰ دو کذاب راوی	۱۰
۱۱۲	لغو اتہام	۳۱	۴۲ امیر المؤمنین فاروق اعظم کی وصیتیں	۱۱
۱۱۵	شہادتِ منطلبت عثمان بن عفان	۳۲	۴۵ عبدالغنی بن عثمان	۱۲
۱۲۳	بیعتِ خلافت علی بن	۳۳	۴۸ قبائلی عصبیت	۱۳
۱۲۷	عقدِ بیعت	۳۴	۵۲ امیر المؤمنین عثمان بن عفان	۱۴
۱۳۹	تصاویف امیر المؤمنین عثمان بن عفان	۳۵	۵۲ فرد جرم مرتبہ مورودی صاحب	۱۵
۱۴۸	جنگِ جمل	۳۶	۵۵ عدل و نصیب	۱۶
۱۵۲	غلط تصور	۳۷	۵۷ فہرستِ عمالِ مملکتِ نبویہ	۱۷
۱۵۵	قاتلِ طلحہ	۳۸	۵۸ طلقاء	۱۸
۱۵۶	موقفِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	۳۹	۶۰ حضرت ولید بن عقبہ	۱۹
۱۶۳	قتلِ عمار	۴۰	۶۳ شربِ خمر	۲۰

نام کتاب :- حقیقتِ خلافت و ملوکیت۔

نام مؤلف :- محمود احمد عباسی۔

ناشر :- مکتبہ محمود بی ای ریالیانقت آباد کراچی ۱۹۔

مطبع :- باب الاسلام پریس کراچی۔

اشاعت اول :- فروری ۱۹۶۶ء ۲۰۰۰ ہزار

قیمت

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۲۰	امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؑ	۱۰۵	۲۳۶	مسلم بن عقبینؑ	۸۴
۲۳۰	حسینوں کی بغارت	۱۰۶	۲۳۹	شہادت	۸۵
۲۳۱	انقلاب حکومت	۱۰۷	۲۴۰	خروج	۸۶
۲۵۲	اموی و عباسی خلافتیں	۱۰۸	۲۴۶	اصالت فتویٰ	۸۷
۲۵۷	انفقاد و بیعت	۱۰۹	۲۴۹	موقف صحابہؓ	۸۸
۲۶۱	بیت المال اور امام ابوحنیفہؒ	۱۱۰	۲۵۲	علی بن الحسینؑ	۸۹
۲۶۳	خلافت سے تعاون	۱۱۱	۲۵۵	مقتولین کے سر	۹۰
۲۷۰	امام ابوحنیفہؒ پر ایک اور خواہنامہ	۱۱۲	۲۵۶	اقتسامیہ	۹۱
۲۸۱	مذہب کی اشاعت	۱۱۳	۲۵۸	باب البغاة	۹۲
۲۸۲	قیادت کی تقسیم	۱۱۴	۲۶۰	ایک اور گستاخی	۹۳
۲۸۸	دوسرے مذاہب	۱۱۵	۲۶۳	صالح اور فاسد نظام	۹۴
۲۹۰	جعفری زیدی مذاہب	۱۱۶	۲۶۴	امت کا مہر	۹۵
۲۹۱	اصل صورت حال	۱۱۷	۲۶۷	واقعہ حرہ	۹۶
۲۹۳	تدرین فقہ	۱۱۸	۲۶۸	اصل واقعہ حرہ	۹۷
۲۹۵	امام ابوحنیفہؒ	۱۱۹	۲۶۹	قطعہ اشعار با عیان مدینہ کی	۹۸
۲۹۷	امام مالکؒ	۱۲۰	۲۷۰	نمائش میں	۹۹
۲۹۹	امام اوزاعیؒ	۱۲۱	۲۷۱	سحرین شریفین	۱۰۰
۵۰۲	حنفی فقہ	۱۲۲	۲۷۲	ابن الزبیرؑ	۱۰۱
۵۰۴	امام ابوحنیفہؒ قانون ساز	۱۲۳	۲۷۳	امام ابوحنیفہؒ در سیاسی شخصیات	۱۰۲
۵۰۸	قانونی نظام	۱۲۴	۲۷۴	خروج زید بن علی	۱۰۳
۵۱۳	حاصل کلام	۱۲۵	۲۷۵	امام اعظمؒ پر بہتان	۱۰۴
۵۱۹	حدیث و تاریخ کا فرق ایک عجیب	۱۲۶	۲۷۶	امیر ابن ہبیرہ و امام ابوحنیفہؒ	۱۰۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۲۶	ایک خیالی مکروہ بدعت	۶۲	۱۷۰	الفتمۃ الباغیہ	۲۱
۲۵۰	حضرت علیؑ کا ساتھ	۶۳	۱۸۵	گشتی مراسلہ	۲۲
۲۵۱	سردوں کی نمائش	۶۴	۱۸۷	ثالثی	۲۳
۲۵۲	حضرت عمارؓ کا سر	۶۵	۱۹۱	تقریر حکمین	۲۴
۲۵۶	عمر بن الحکم	۶۶	۱۹۲	ثالثی نامہ	۲۵
۲۵۹	محمد بن ابی بکر	۶۷	۱۹۳	اجتماع حکمین اور فیصلہ	۲۶
۲۶۳	مال غنیمت	۶۸	۱۹۵	ترک عبادت بہ مصلحت	۲۷
۱۶۷	جزیرہ و خراج	۶۹	۱۹۸	اکابر صحابہؓ پر اتہام	۲۸
۱۶۹	خراج	۷۰	۲۰۰	پہلے کی مفروضہ	۲۹
۷۰	فجی	۷۱	۲۰۲	موقف حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ	۵۰
۲۷۳	جزیرہ	۷۲	۲۰۶	تاکامی کا اعتراف	۵۱
۲۷۸	امیر زیدؑ کی ولایت عہد	۷۳	۲۰۹	انفقاد خلافت حضرت معاویہؓ	۵۲
۳۱۶	حضرت بن عمرؓ	۷۴	۲۱۶	امیر المومنین یا بادشاہ	۵۳
۳۱۸	حضرت عبدالملکؑ	۷۵	۲۱۷	حضرت معاویہؓ کی تقریر میں درودی	۵۴
۳۱۹	امیر المومنین الولیدؑ	۷۶	۲۲۰	کی مذموم تبلیغ	۵۵
۳۲۰	خواجہ حسین بصریؑ	۷۷	۲۲۵	تقریر خلیفہ	۵۶
۳۲۳	زیاد بن ابی سفیانؑ حملہ	۷۸	۲۳۰	شاہی جرس	۵۷
۳۲۵	امیر المومنین زیدؑ کے دور میں	۷۹	۲۳۱	رعیت کے حالات	۵۸
۳۲۹	بدر بن شاہ	۸۰	۲۳۲	آزادی رائے	۵۹
۳۳۰	حادثہ کربلا	۸۱	۲۳۳	قانون سے بالاتر	۶۰
۳۳۰	اصل واقعہ	۸۲	۲۳۷	حضرت بسر بنی اشعرنہ	۶۱
۳۳۲	لڑہ ہر اندام	۸۳	۲۴۰	قانون کی بالاتری کا فخر کا نام	۶۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حقیقتِ خلافت و ملوکیت

حضرت عثمان ذی النورین اور ان کے عہدِ خلافت کے بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے  
تو ساہا سال پہلے سے اپنے اس خیال کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ۔

حضرت عثمان جن پر اس کا عظیم یعنی خلافت کا بار رکھا گیا تھا ان تمام  
خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروں کو عطا ہوئے تھے۔

اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھسنے کا راستہ  
مل گیا۔ (ترجمان القرآن ص ۳۵-۳۶ دسمبر ۱۹۶۹ء و جنوری ۱۹۷۰ء)

اپنی جہدِ تبلیغ "خلافت و ملوکیت" میں انہوں نے اموی نسب خلیفہ سوم کی  
قدح و مذمت میں اقر بانواری اور بے جا تصرف بیت المال کے ان ہی داہی اتہامات کا  
اعادہ قدرے تفصیل سے کیا ہے جو ان سے صدیوں پہلے نبی البلاغہ کے عالی مولف  
نے حضرت علیؑ کے خدیوہ تشفیہ سے روک کر تھے حضرت عثمانؓ اور بنو امیہ کے بارے میں یہ بدگلامی کی تھی۔

الٰہی ان قام ثالث القوم ناجیاً  
حقیقۃً، بین نسیلہ و متعلقہ  
وقام معہ بنو ابیہ یخصمون  
مال اللہ خصمۃ الابل نیتہ  
الربیع الی ان اتکلت قتله و  
احرم علیہ عملہ و کبت بہ بطنہ  
پھر یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد تیسرا  
آدمی یعنی حضرت عثمانؓ (متکبرانہ انداز  
میں پریٹ پھلا کر چارہ ولید کی چھبھی لید  
میں یعنی منصبِ خلافت میں اگھڑا ہوا گیا  
اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکے باپ کی اولاد  
رہی امیہ) گھڑی ہو گئی اور خدا کا مال خوب  
چبا چا کر کھلنے لگے جسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے یہاں تک کہ اس تیسرے کے بل بھی نکلے اسے  
اس کے زوتوں نے نرا۔ اور برصغیر کے بل گرا دیا۔

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۷	خلافت و ملوکیت کی ضرورت	۱۲۷	۵۲۸	اموی و عباسی خلافت	۵۲۸
۱۲۸	اور وجہ تالیف	۵۲۸	۱۳۸	اسلامی تاریخ غلط رنگ میں	۵۲۳
۱۲۹	کتاب تاریخ کی نوعیت	۵۲۹	۱۳۹	مستشرقین	۵۲۲
۱۳۰	مکذوبہ روایتیں	۵۳۱	۱۴۰	مسلمان مصنفین	۵۲۸
۱۳۱	کذاب راوی	۵۳۲	۱۴۱	نفسیات مودودی بحیثیت	۵۵۰
۱۳۲	اجتماع و امتلاک امت	۵۳۳	۱۴۲	دلیل الزام	۵۵۰
۱۳۳	وحدت ملت و اسلامی فتوحات	۵۳۴	۱۴۳	خلافت معاویہ و وزیر	۵۵۲
۱۳۴	فتح یورپ قسطنطنیہ کا عثمانی نقص	۵۳۵	۱۴۴	غیر معتدل ذہن و مزاج	۵۵۲
۱۳۵	مجاہدین بصرہ کو جنت کی بشارت	۵۳۶	۱۴۵	دیگر تالیفات	۵۵۶
۱۳۶	شہادت عثمان ذی النورین و	۵۳۷	۱۴۶	حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی	۵۵۷
۱۳۷	دورِ فتن	۵۳۸	۱۴۷	شکریہ و اعذار	۵۵۷
۱۳۸	خلافت اسلامیہ کا انقطاع و احیاء	۵۳۹	۱۴۸	تافذ کی بحث	۵۵۸

اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے فن کارانہ حیلہ گری اور جدید تکنیک سے اسلامی ریاست و خلافت کے بارے میں "تغییر کا آغاز" "سرماملہ" و "تیسرا مرحلہ" وغیرہ عنوانوں سے تقریباً دو موصوفات میں حقائق تاریخیہ و نتائج تلمیحیہ کی صحیح روشناس میں پشت پوزی قلعی تو تبصرہ محمودی بر سقوات مودودی کتاب کے درجوں حصوں میں کھولی جا چکی ہے جس کا مواد مع ترتیم و اصدانے کے ہماری اس کتاب میں قارئین ملاحظہ کریں گے مقصد اصلی تو ان کا حضرت عثمان اور خلفائے نبی امیہ و بنو عباس کی تفقیص ہے جس کے لئے انہوں نے شیعہ مؤرخ طبری کی اور دوسرے مؤلفین کی کتابوں سے جہاں میں ربطیہ یا بس ہر قسم کی روایتیں بلا تمقیح جمع کر دی گئی ہیں اسناد ترک کر کے وہی روایتیں چھانسی ہیں جو ان کے مفید مطلب ہیں بعض جگہ اپنے ماخذ کی عبارت میں قطع زبرد سے بھی اقتباس نہیں کیا بلکہ کتاب کی جلد اور صفحے کا حوالہ دے کر بھی عبارتوں کے بعض الفاظ کا اخفاء یا ترک کر کے مفہوم تبدیل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہ سے جس قسم کا ایران کو ہے ان کی تحریریں سے عیاں ہے مثال کے طور پر البدایہ والنہایہ میں امیر المؤمنین کے فرمان کی یہ عبارت درج ہے کہ مال غنیمت میں سے سو ناچاندی بیت المال کے لئے الگ کر لیا جائے ابن کثیر کے الفاظ ہیں۔ ان یصطفی لہ کل صفحۃ و بیضاء یعنی الذہب والفضۃ یجمع کلہ من ہذا الغنیمۃ لبیت المال (سطر ۱۶ ص ۲۹ ج ۸)

مودودی صاحب کی نیت تیک ہوتی تو اپنے ماخذ خاص البدایہ النہایہ کی جلد دوم صفحہ کا حوالہ دینے کے بعد بھی کا ترجمہ صحیح اور درست ہی رہوں کہیم پر یہ صحیح بہتان تراشی نہ کرے کہ "مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں حضرت معاویہ نے... حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونانہ کیلئے الگ کر لیا جائے (ص ۱۴۲) مال غنیمت کی شرعی تقسیم کے بارے میں تفصیلی گفتگو اپنے محل پر آئندہ اوراق میں آ رہی ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ جرنیل کے تمام سازد سامان اور سائے اخراجات حکومت کے ذمے ہونے کو تو سابق خلفاء کے زمانے سے ہی مال غنیمت کی تقسیم حاضر الوقت احوال کے مطابق کی جانے لگی تھی چنانچہ سابقہ ذریعہ تقسیم کرنے کے بجائے بیت المال میں ڈال کیا جانے لگا صحابہ خلفاء پر اس قسم کے جوڑے الزامات عائد

کرنے ہی کے بعد کہ ان صاحب نے "خلافت کے حقیقی تصور" کے سلسلے میں آیات قرآنی سے ایجاد کردہ نوعیت نکات اسلامی ریاست کے پیش کرتے ہوئے ایک خصوصیت کے بارے میں پہلے تو فرمایا کہ حکومت کا بنیاد بنانا اور چلایا جانا یا اس کی عوام کی حالت سے ہونا چاہئے (ص ۵۵) پھر یہ کہہ کر کہ اس میں عوام الناس مطلق العنان نہیں ہوتے ۵۰ ارشاد ہوا کہ یہ ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظم کو حاصل ہوتے ہیں نہ عدلیہ کو نہ مقتضی کو نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو (الغیثا) اس قسم کے اقوال جو العباسی فکری و تضاد بیانی کا نمونہ ہیں یعنی امیہ و بنو عباس کی خلافتوں کو لو کہتے ہیں کہ یہ غرض سے کتاب کے پہلے دو ابواب میں اپنے خاص نظریات کی تشریحات میں پیش کئے ہیں جو خارج از بحث ہیں کیونکہ صحابہ کے دور اول کی اسلامی ریاستیں خاص کر صدیقی و فاروقی و عثمانی حکومتیں جو سیاسی جھگڑوں سے پاک ہیں بے شک قرآنی حکومت کا اعلیٰ نمونہ تھیں اور ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نہیں اڑھیں جنہوں نے شیخ نبوت سے براہ راست اقتدار لیا تھا لیکن یہ نمونہ بعینہ بعد کے ہر دور میں نہیں منتقل ہوا۔ البتہ اس کے مبدی اور اصولوں ہی پر بقیہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور ان کے تربیت یافتہ بزرگوں نے اموی و عباسی خلافتیں بنائیں اور چلائیں ان ہی بنیادی احکام و اصولوں کے مرتبہ اسلامی قانون جو اولین ریاست کے تھے اموی و عباسی خلافتوں میں بھی برابر نافذ رہا ہے۔ مودودی صاحب نے قانون سازی کے سلسلہ میں اصرار کیا ہے لکھتے ہیں (اسلامی قانون ص ۲۵۲)

• جو بنیادی احکام و اصول سازے تیرہ سو برس پہلے لگے تھے ان پر اسی وقت تک ریاست قائم ہو گئی اور دوسرے میں آئیو لے معاملات میں تعبیر قیاس و استحسان و اجتہاد کے ذریعہ اس قانون ہ ارتقا اول ہی درجہ سے شروع ہو گیا تھا پھر اسلامی اقتدار اور وسیع ہو کر بحر الکاہل سے بحرہ اوقیانوس تک آدھی سے زیادہ ہند ب دنیا پر پھیل چکا تھا اور تیسری ریاستیں بھی بعد کے بارہ سو سال میں مسلمانوں میں قائم کیں ان سب کا اور انظم و نسق اسی قانون پر چلتا رہا ہر دور و ہر ملک کے حالات و ضروریات کے مطابق اس قانون میں مسلسل توسیع ہوتی رہی۔

تو اب وہ کس منہ سے اموی و عباسی خلافتوں کو لو کہتے ہیں کہ یہ تمہارے کی جرات کر سکتے ہیں جو انہیں سب سے کہہ سارے تیرہ سو برس پہلے کے بنیادی احکام و اصول پر مبنی قانون بارہ سو برس



والی اسلامی حکومتوں میں برابر جاری و جاری رہا ہے حتیٰ پریشان جاری۔ اسی میں ان کے ان سوالات کا شافی و محسوس جواب مل جاتا ہے جو اپنی کتاب کے مسئلہ پر درج کئے ہیں

ملوکیت و بادشاہت میں قانون بادشاہ اور اس کے مشیروں کا اپنا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی ملوکیت و بادشاہت اموی و عباسی و ترکی حکومتوں و خلفوں میں ایک دن کو بھی نہیں آئی، حاکم و خلیفہ و محکوم سب اسی اسلامی قانون کے متبع رہے جس کے بنیادی احکام و اصول تیرہ سو برس پہلے دئے گئے تھے۔ ان خلفوں کے تحت جو سلاطین رہے انکو مغربی تصور کا بادشاہ KING کہنا غلط ہے۔ اور موردی صاحب کا یہ کہنا نہ صرف اور بھی خلاف واقعہ بلکہ صریح بہتان ہے کہ عثمانی خلافت ہی میں اسلام کے سیاسی اجتماعی نظام کی تمام جامعیت کے ہاتھوں میں آگئی تھی یہ قول مردود و مترادف اس بہتان کے کہ اسلام کی بارہ سو سال کی پوری تاریخ گویا اسلامی نظام کے اصولوں سے ایسا، اخوات، انکار، مگرٹی اور بغاوت کی تاریخ ہے۔ اسلام کے بدترین دشمن کے منہ سے اسلام کے سیاسی نظام کو ناقابل عین ثابت کرنے کیلئے کیا اس سے زیادہ کچھ اور بگو اس درکار ہے۔ اسلامی خلفوں کے شاندار دور کو جن کی بدولت تینوں براعظموں میں اسلام کی سر بلندی و درخشانی سے افق عالم روشن ہوا کوئی سبائیت زدہ تاریک ذہنیت ہی اسے ناکام کہہ کر اموی و عباسی خلفاء و عظماء و سادات و فضلاء پر سب و شتم کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ حالانکہ خبر اللہ کے بعد دین حقہ اسلام کی اشاعت، ادیان عالم پر اس کے غلبہ برتری کی بے مثال خدمت تعیین آیت کریمہ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ**۔ سوائے حضرت علیؑ کے جو خانہ جنگیوں میں قبلہ سے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ و امیر بزرگ اموی و عباسی خلفاء اور ان کے خاندانوں اور

خاندانوں نے ایسے فداکارانہ جووش ایمانی سے کی تھی کہ بقول شاعر

اسکی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی موسم  
یہ اسی کا تھا کہ شمشہ کہ عرب کی بچے  
بن گئی دہر میں جا کر جن آرائے بہار  
کھیلے جاتے تھے ایوان کی گھری میں شکار  
محمود احمد عباسی

## حقیقتِ خلافت و ملوکیت

۱۔ خلافت - شریعت اسلامیہ کے مطابق امت کا سیاسی نظام بغرض حفظ الین و سیاست الدین کا ایک دینی حکومت کی صورت میں کتاب و سنت پر مبنی رہنا ہے

خلافت کہلایا، ارشاد ہے (راج: ۴۱)

الَّذِينَ ان مَكْنُصَمِ فِي الْأَرْضِ  
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ  
وَأَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيًا عَنِ الْمُنْكَرِ وَفِيهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر جب تک عطا کرتے ہیں تو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور قائم امور کی انجام دہی اللہ کے ہاتھ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خلافت کی تعریف جامع و مختصر الفاظ میں یوں کی ہے

در تعریف خلافت - ہی الیہ یامتہ العالما  
فی التصدی لاقامة الدین  
باجراء العلوم الدینیة و اقامة  
اسکان الاسلام و العیام بالجماد  
وہا یتعلق بہ من تعریف  
الجیش و الفرض بالمقاتلة و  
اعطاء ہم الفعی و العیام بالقضا  
واقامة الحد و دفع المظالم  
والا امر بالمعروف و النہی عن  
المنکر منیابۃ عن النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم و انالہ الخفاق صت

خلافت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی عامہ ہوتی ہے جو دینی علوم کے لایح کرنے میں اسلام کے ارکان قائم رکھنے و عبادات اس کے تعلقات کے برپا کرنے یعنی لشکروں کی تربیت اور مجاہدین کو وظائف دینے اور مال غنیمت تقسیم کرنے میں قاضیوں کو مقرر کرنے سزائے جرم کے اجرا اور مظالم کے دور کرنے میں نیز اچھے کاموں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت میں ان امور کو انجام دے۔

شرعیت کو اس سے تھما بخت نہیں کہ نظام سیاسی کی بنیاد ترکیبی کیا ہوگی  
 سر حکومت کیسے برسر اقتدار آئے گا اور مختلف النوع معاشروں کو برادری کے ایک  
 رشتے میں کیسے منسلک کیا جاسکے گا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ  
 کیا تھا، اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس کا دستور سیاسی کیا ہوگا، وہاں الفاظ ہیں۔ کما  
 استخلف الذین من قبلہم (جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی) دینا  
 میں حکومت کی یعنی اور عجمی صورتیں رائج تھی آری بھیتی دلیسی ہی مسلمانوں کی حکومت  
 بھی ہوگی، فرق صرف اتنا ہے کہ اس حکومت کا مقصد دین برپا کرنا ہوگا اور اس کے قوانین  
 ایسے چلکار ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت زندگی بسر کر سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کی زندگی قبائلی تھی اور ہر قبیلہ  
 اپنے اصول اور سراج کے مطابق اپنا سر قبیلہ مقرر کرتا تھا، آپ نے یہ سلسلہ اسی طرح قائم  
 رہنے دیا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے جو دلی مقرر کر کے بھیجا ہو یا جو نام نہاد تبلیغ و  
 اشاعت یا تکفیل زکوٰۃ اور حبرہ قرآنین کے لئے آپ کی طرف سے گیا ہو اس لئے قبائل  
 کا اندرونی نظام مغلط کرنے کی کوشش کی ہو۔

آپ کے قرب و جوار میں شخصی حکومتیں قائم تھیں، انہیں جب آپ نے دین اسلام  
 کی دعوت دی تو اس میں صراحت کر دی کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی حیثیت عربی برقرار  
 رہے گی اور جس سیاسی نظام کے وہ لوگ عادی ہیں اسے توڑا نہیں جائے گا، چنانچہ  
 ہر قبیلہ کو جو نام مبارک بھیجا گیا، اس میں صراحت تھی (اسلمت سلم) اسلام لے آؤ محفوظ  
 رہو گے، (دجاری) حق اصف طبع مصر یہاں محفوظ رہو گے کے صرف ایک ہی معنی  
 ہو سکتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں نفاذ و نصاب سے محفوظ رہو گے، ہر قبیلہ اگر مسلمان ہو جاتا  
 تو کیا اسے اسلام لانے کی یہ سزا دی جاتی کہ تخت چھوڑ کر مودودی صاحب کی پرورش دہی  
 حکومت کا پابند ہو جانا؟ یقیناً اس کی حکومت بدستور برقرار رہتی جیسا کہ صحابی کی حدیث  
 قائم رہی ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ نہیں کیا، فی الحقیقت چھوڑ دو پھر  
 اس مقصود ساتے عامہ کے بعد اگر تم صدر منتخب ہو گئے تو رہو گے ورنہ نہیں، اسی طرح

حضرت باقرؓ جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے، انہیں بھی حضور نے یہ پیغام  
 بھیجا تھا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو یمن کی حکومت پر بدستور قائم رہیں گے، چنانچہ  
 ایسا ہی ہوا۔

پھر ہم خاص تاریخ خلافت پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم  
 ہوتا کہ نصب امام کا کوئی خاص طریقہ ہے، مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے، (ص ۱۱۱)  
 کہ حضرت عمرؓ نے سفینہ بنی ساعدہ کی مجلس میں اچانک اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کا نام  
 تجویز کیا تھا، اور تم بڑھا کر فوراً ان کے ہاتھ پر سبوت کر لی تھی، ان کو خلیفہ بنانے کے  
 بارے میں پہلے کوئی شوبہ نہیں کیا تھا، تو پھر وہ شوبہ ہی خلافت کب قائم ہوتی جس کے  
 متعلق وہ (ص ۱۱۱) میں لکھتے ہیں: لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام  
 ایک شریعتی خلافت کا قاعدہ کرتا ہے، سفینہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کا نام نہاد اجتماع  
 کی صورت میں نہ انصاف کا بھی نام نہاد اجتماع نہیں تھا اور ہماروں میں سے وہاں صرف تین حضرات  
 تھے، یہ تین مسیوق اکثر کی شخصیت ہی ایسی بلند بالا تھی کہ سب کی گردنیں خود بخود جھک  
 گئیں اور تمکین امت ہو گئی۔

پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی ولایت عہد کا واقعہ جو مودودی صاحب نے طبری کے  
 حوالے سے بیان کیا ہے، اس کی توثیق حضرت خلیفۃ رسول اللہ کے زمانہ سے قطعاً  
 نہیں ہوتی، یہ فرمان آپ نے ایسی حالت میں کھرایا تھا کہ آپ کا آخری وقت تھا جس کے دن  
 مکتوبی کسی غفلت بھی ہو گئی تھی، پھر جو مشیاء ہو کر آپ نے اسے محکم کرایا اس وقت اس  
 کا موقع ہی کہاں تھا کہ آپ مسجد میں ایک مجمع کے سامنے تقریر کریں، البتہ ایک آدمی نے  
 پہلے بعض اکابر سے حضرت فاروقؓ کے متعلق باتیں ضرور دی تھی، مگر نہ اس طرح کہ انہیں  
 اس انتخاب میں کوئی دخل ہو ان کو دلی عہد بنانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے  
 نرمان صدیقی میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ یمن نے اپنے کسی رشتہ دار کو مقرب  
 نہیں کیا ہے یا یہ آپ کہہ بھی کیسے سکتے تھے، جب کہ ہمارے یمن سے ہر شخص آپ کا  
 رشتہ دار تھا۔



اس فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس تقریر میں کسی اور کی رائے کو بھی دخل تھا، پھر سبیت لینے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ لوگوں کو اس سر پر زور پر سبیت کرتی تھی، جس کا بھی نام نکلتا، نام زدگی میں اسقنواب رائے عامہ کا قطعاً کوئی نقص نہیں اور یہ صرف حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے سب کچھ ہوا۔

موردی صاحب نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت فاروق اعظم کی تقریر نقل کی ہے، جو آپ نے اپنے آخری حج سے واپسی پر خلافت کے مستحق کی تھی، جس کے آخری الفاظ انہوں نے یہ لکھے ہیں۔

”اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے شدید سے بیز کسی کے ہاتھ پر سبیت کریگا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر سبیت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے“ (صفحہ ۵۵)

حضرت فاروق اعظم کی تقریر کا یہ فقرہ محدثین و مولفین نے نقل کیا ہے، جس میں ایک کلیہ بیان ہوا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت فاروق اعظم نے اپنے بعد چھ بزرگواروں کو نام زد کیا کہ آپس میں فیصلہ کر کے کسی ایک پر راضی ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت فاروق نے یہ چھ نام امت کے سامنے پیش نہیں کئے تھے اور نہ یہ فرمایا تھا کہ باہمی فیصلہ کرنے کے بعد عام کو بفرض اسقنواب مطلع کریں۔ یہ تو حضرت عبدالرحمن کا اپنا تقویٰ اور احساس ذمہ داری تھا کہ چار بزرگواروں کے الگ ہوجانے کے بعد جمہور صاحب باقی رہے تھے ان میں سے کسی کو محض اپنی رائے سے منتخب نہ کریں بلکہ اہل مدینہ اور اہل عساکر سب سے مشیہ کر کے نتیجہ کا اعلان کر دیں، چنانچہ تین دن اندھین راتیں ایک ایک گھر جا کر آپ نے لوگوں کی رائے لی تھی اور ہر طرف سے یہی آواز سنی تھی کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں، موردی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

گویا حضرت فاروق اعظم نے تقریر میں جو کلیہ مسلمانوں کے شدید سے متعلق بیان فرمایا تھا اس پر عمل اس صورت میں ہوا کہ جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو دیا جائے دال امام

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ حدیث ہے جو ابو بکر بن ابی قحافہ نے دینا سے نکلنے سے پہلے ہوئی تھی اور آخرت میں داخل ہونے کے شروع وقت میں کیا، جب کہ کافر ایمان لائے تھے، غلط رو شخص یعنی حاصل کرنا ہے اور چھوٹا شخص یعنی نقدین کرتا ہے میں نے اپنے بعد تم پر عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین کیا ہے لہذا تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو، میں نے امیر اور اس کے رسول اور اس کے دین اور اپنی جان اور تم سب کے بہتری کے سوا اور کچھ نہیں سوچا ہے، اگر انہوں نے عدل کیا تو میرا گمان اور میرا علم ان کے مستحق ہی ہے اور اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے میں نے تو بھلائی ہی سوچی ہے اور غیب کا مجھے علم نہیں اور جو لوگ ظلم کریں گے وہ عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تم سب پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتی ہوں۔

پھر آئیے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ فرمان کو سر پر کر دیں۔ چنانچہ وہ اسی سر پر فرمان کو لے کر نکلے اور لوگوں نے سبیت کر لی اور یہ سبیت ہو گئے۔

فرمان کے الفاظ میں :-  
بسم اللہ الرحمن الرحیم  
ہذا ما عهد البوکی بن ابی قحافہ فی آخر عہدہ بالذین لئلا یجاء منها وعند اول عہدہ باخوۃ داخلہا حیث یؤمن الکافر و یوقن الفاجر و ینصدق الکاذب۔  
انما استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسموا له و اطیعوا و انی لمرآة اللہ فی سولہ و یدینہ و نفسی و ایاکم خیراً۔ فان عدل فیما لک من ظنی بہ و علی فیہ و ان تبدل فلک امر علی ما اکتب و الخیر ابرددت و لا اعلم الغیب و سيعلم الذین ظلموا الی منقلب ینقلبون و السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پھر آگے ہے :-

ثم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذین ظلموا الی منقلب ینقلبون و السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کسی کے لئے وصیت نہ کر گیا ہو یا کوئی ہدایت نہ دے سکا ہو، جب جانے والا امام کسی کے بارے میں وصیت کر جاتے تو وہ وصیت پر حال نافذ ہوئی، یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاطمہؑ اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کریں اور پھر چلتے وقت اس تقریر کے مطابق عمل نہ کریں جو موسوی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں، آپ کے قول اور عمل میں ہرگز تضاد واقع نہیں ہوا کیونکہ آپ کو وصیت کر جانے کا موقع مل گیا تھا یہ بات اصرار ہے کہ وصیت کسی خاص شخص کے لئے نہیں تھی بلکہ ان چھ حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ ہو سکتا تھا، مگر ہوتا وہ اسی وصیت کے مطابق جو حضرت فاطمہؑ نے کی تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ نصب امام کا حق صرف برباب حل و عقد کو ہے، یا پھر جانے والے امام کو اسی لئے حضرت علیؑ کی خلافت آخر وقت تک پیشکش میں نہ کرنا چاہیے، امام نے ان کو نامزد کیا نہ ارباب حل و عقد نے نصب کیا پھر کسی اور اسٹی ہو کر اپنا موقف خود ہی مکرر کر لیا، کسی شخص کو ان کے خلیفہ ہونے کی اہلیت پر اعتراض نہ تھا اور نہ کسی نے ان کے مطالبے میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ان کے ستیزی کوئی عقوبت قائم کرنی چاہی تھی، اعتراض صرف ان لوگوں پر امدان کے طریقہ ذریعہ تھا جنہوں نے متغیر علیہ اور محبوب ترین امام کو ظلم و کفر اُشہید کر کے یہ خلافت برپا کی تھی، اسی لئے دونوں ثانویوں نے فیصلہ دیا تھا کہ محترمہ صحابہ کے عام اجلاس میں خلافت کے مسئلے کا از سر نو قضیہ کیا جائے۔ اس موضوع پر بحث آگے آ رہی ہے۔

**فرائض خلافت** | خلافت اسلامیہ جیسا بیان ہو چکا ایک ایسی دنیوی حکومت ہوئی ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو، خلافت کا انحصار خلیفہ یا اس کے کارکنوں پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ اجتماعی نظام ہے جسے غیر معصوم مسلمان کتاب و سنت کی بنیاد پر قائم کریں اور یہ نظام جب کبھی قائم ہو گا اسے خلافت راشدہ ہی کہا جائے گا، کیونکہ رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نہ کہ کسی شخص یا اشخاص کی ذمت۔

احادیث میں جو ہے اقتلوا بالذین من بعدنا جلیکرم عن دھمتنا

عہدای عماس و عا اقر اکما بن ام عبد فصل قول امیر سے بعد ان دونوں ابو بکرؓ و عمرؓ کا اتباع کرنا اور علامہ کی راہ چلنا اس میں ام عبد جو پڑھاتے اس کی تصدیق کرنا تو اس حدیث کا تعلق خلافت سے نہیں ہے بلکہ صحابیت سے ہے کیونکہ یہ بندہ گوارا علوم نبویہ کے حامل تھے اور اپنی خصوصیات کی بنا پر امت میں ان کا مقام بھلا ظاہر ہے کہ خلیفہ تو ان میں سے صرف پہلے مدعی ہوتے۔

جس حدیث کے تحت خلفاء کی سنت کا اتباع واجب ہوا وہاں نہ کسی کا نام ہے اور نہ ان کی تعداد۔

علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء | تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے اور راشدین الہدیین من بعدی | امدان راست مد ہدایت یافتہ خلفاء کا جویر سے بعد ہوں گے۔

جن لوگوں نے راشدوں کی تعداد چار مقرر کر دی ہے وہ بے دلیل ہے بلکہ اسے بھی چوتھی صدی ہجری کی اختراع کہنا چاہئے، کیونکہ یہ تمام لغویں میر کھ فتاہت اور تعامل صحابہ کے خلاف ہے، راشدوں کی نہ کوئی تعداد معین ہے اور نہ اس سلسلے میں زمانہ کی کوئی تحدید ہے، بلکہ اس امر کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں تک رہے گا اور ہر حال میں مسلمانوں پر واجب ہو گا کہ وہ جماعت امدان کے ائمہ سے وابستہ رہیں۔

تلتزم جماعة المسلمین اما صہم لفض قطعی ہے (بخاری: کتاب الفتن) فتنہ و فساد اور فرق بازی کے زمانہ میں سلامتی صرف جماعت اور اس کے امام سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فرمایا ہے اولئذین ھم ائذین مشدودین وہی تک ہیں ہدایت یافتہ، انہما جن نظام پر وہ مجتمع ہوتے اور اس سے راضی ہو گئے وہی نظام حق ہے اور اس سے ہٹ کر اور اسے باطل بتا کر جو صورت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی وہ باطل ہوگی، البتہ اس کی حیثیت تسلیم کر کے اپنے احوال کے تحت کوئی مناسب راہ عمل پیدا کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ امت راضی ہو جائے، کیونکہ خلافت برپا کرنے



کا کوئی مخصوص طریقہ منصوص نہیں بلکہ یہ امت کا اختیاری فعل ہے کہ باہم رضامندی سے وہ جس طرح چاہیں اسے برپا کریں، وہ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے حتیٰ ہوگا، اور اس میں جسد کے لوگ جو تبدیلی کریں گے وہ بھی حق ہوگی، کیونکہ تشکیل حکومت ہمیشہ حاضر الوقت احوال اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جاتی ہے اسی لئے شریعت میں کوئی مستعین طریقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلافت اسلامیہ کے جو فرائض بتائے ہیں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی

الذین ان مکنتھم فی الارض کما ہوا  
 الصلوٰۃ و الصلوٰۃ و الصلوٰۃ  
 بالمعروف و وجھوا عن المنکر  
 واللہ عاقلہ الامور

وہ لوگ جب ہم انہیں دینا میں حکومت عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں، ویسے تمام امور کا انجام دعائی اللہ کے ہاتھ ہے۔

جس حکومت میں یہ شعبہ ہائے زندگی منظم ہوں وہ خلافت راشدہ و مرشدہ ہے، خلفاء اہل ان کے کارکنوں کی کوتاہیاں اور فرورگن ہشتی اس کی حیثیت کم نہیں کرتی جو لوگ کسی خلیفہ کی شخصی کمزوریوں کے سبب اس کی خلافت کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں وہ بگ فہم ہیں اصحاب ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کی جڑ پہلے ہی کاٹ دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کتاب کی ولایت نے امت کو جو بزرگی اور عند اللہ مقبولیت عطا کی ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور ان کے شخصی معائب اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتے (الفاطر: ۳۲)

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، بعض ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں بعض لوگ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ بہت بڑا فضل ہے

ثم اور ثنا الکتب الذین ہم یلقینا  
 من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم  
 مقصد و منہم سابق بالحقیرات  
 یا ذن اللہ ذلک ہوا لقص الکبیر

اس تمام بیان سے ناظرین کرام پر یہ چیز باقی واضح ہو گئی ہوں گی۔

۱۔ خلافت نبوت کسی شخص کی حکومت نہیں بلکہ ایک سیاسی نظام ہے، جو شریعت مطہرہ پر مبنی ہو، اس نظام میں اجتماعی فلاح و بہبود کے ہر شعبے کے لئے سرکاری کارکن ہوتے ہیں، جو پوسے معاشرے کی نگرانی کریں، ان میں کوئی شخص یا اشخاص معیار کا نہ ہوں تو اس سے نظام کی جمعیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا، انتظامیہ، آزاد عدلیہ پھر محکمہ احتساب، محکمہ اقدار اور سب سے بڑھ کر خود مسلم معاشرہ یہ سب مل کر خلافت راشدہ قائم کرتے ہیں، اس کا نظام کا سربراہ خلیفہ الامام کہلاتا ہے۔

۲۔ رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہے نہ کسی امتی کی ذات، صحابہ و علماء و فقہاء یا خلفاء کو جو راشد کہا جاتا ہے تو ان کے علم اور فیما بینت کے سبب کہ نشا بنوی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ وہ خلافت جو اجماع صحابہ اہل ان کے بعد کسی جہد کے مسلمانوں کے اجماع سے قائم ہو وہ خلافت راشدہ ہے۔

۴۔ اسی خلافت جب بھی قائم ہو تو اس کے خلاف کھڑا ہونا اور خروج کرنا خدا و رسول سے غداری ہے اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منافی چاہئے کیونکہ اس پر انتہائی سخت وعید ہے۔

من فاسق الجماعۃ مثبوت  
 فقد خلع من بقہ الا سلام من  
 عنقلہ الا ان یراجع (متفق علیہ)

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گون سے اتار چھینا کاسوائے اس کے وہ اپنے موقع سے باز آجاتے۔

یہ وعید خلافت اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے جب کہ کھڑے ہونے والے کی پشت پر ہاتھ عام نہ ہو، یعنی اور نظری اختلافات جو جماعت کے اندر رہ کر اور نظام خلافت سے وابستہ رہنے کی صورت میں ہوں وہ اس کے تحت نہیں آتے کیونکہ اس سے علم و فکر میں ارتداد ہوتا ہے۔

۵۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین بزمیادوں علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف جب اہل مدینہ نے بغاوت کی تو شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے خدا و رسول سے غداری قرار دیا تھا (بخاری: کتاب الفتن ص ۳۷۳ م طبع مصر)

حضرت نافع سے سعادت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے امیر المومنین (یزید بن معاویہ کی بیعت تو دی تو حضرت ابن عمر نے اپنے متعلقین اور آل اولاد کو جمع کیا اور فرمایا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدار کو مارنے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کے نام سے بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی غداری نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس سے جنگ کرنے کھڑے ہو جائیں، مجھے یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ تم میں سے کسی نے بیعت توڑ دی یا اس بغاوت کے معاملہ میں کوئی بات کی ایسا ہوا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

عن نافع قال لما خرج اهل المدينة  
بیزید بن معاویة جمع ابون  
عمر حشمہ وولدہ فقال انی  
سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
یقول ینصب لکل عا در لواء یمین  
العیمة وانا قد باعنا ہذا  
الرجل علی بیع اللہ ورسولہ  
وانی لا اعلم عندنا اعظم من ان  
یباع رجل علی بیع اللہ رسولہ  
ثم ینصب لہ القتال وان لا اعلم  
احدا منکم خلعه ولا یباع فی ہذا  
الاہر الا کانت الغمیل بنی رینہ

ملوکیت جس حکومت میں قانون سازی کا حق سر حکومت یا قوم کے نمائندوں کو ہو ایسی حکومت کو خلافت نہیں کہتے وہ ملوکیت کہلاتے گی جیسے دنیا کی اور حکومتیں ہوتی ہیں، وہ حکومت شخصی ہو، آمرانہ ہو، جمہوری ہو یا اشتراکی ہو اسے ملوکیت کہا

جائے گا، اور اگر ایسی حکومت کتاب و سنت پر مبنی ہوئی تو وہ خلافت کہلاتے گی اگرچہ اس کی شکل کچھ ہو اور کسی زمانہ میں ہو۔

ملوکیت صرف وہ حکومت کہلاتے گی، جو کتاب و سنت پر مبنی نہ ہو ایسی حکومت کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ ہوگا۔ اسی لئے مسلمانوں کے کسی علاقے میں اگر یہ شاہی نظام برپا ہوا تو سر حکومت کو سلطان کہا گیا، اگرچہ عرف عام میں وہ بادشاہ کہلایا لیکن سرکاری حیثیت اس کی سلطان ہی کی رہی اور اس کے صرف ایک ہی معنی رہے کہ اس کے فیصلے آخری ہوں جن کا مراجعہ نہ کیا جاسکے،

ایسے شخص کو سلطان اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے زیر نگیں علاقے میں کتاب و سنت کی حکم رانی تھی وہ خود قانون ساز تھا البتہ اسے اپنے زیر نگیں علاقہ میں سیاسی اعتبار سے اندرونی خود مختاری حاصل تھی، صرف امور خارجہ میں وہ مرکز سے وابستگی کا پابند تھا، جیسے سلطان غازی محمود غزنوی یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبیؒ۔

موردی صاحب نے جو اپنے مرمومات کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کے زمانے ہی میں خلافت ختم ہو کر ملوکیت آگئی تھی تو ان کا یہ بیان بے پایہ بن اور اس سے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ، اجماع صحابہ اور قیاس سب کی نفی ہو گئی ہے اور اس میں پسندی امت کی تفصیل و توہین کا پہلو نظر آتا ہے۔

یہاں ایک ہنرمند کی طرف ہم متوجہ کرنا چاہتے ہیں دیکھ سہج صحت طبع مصر، حضرت نافع بن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے کے موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ چار باتیں یاد رکھی ہیں۔

قال تعز و ن جسر سیرۃ اصحاب  
فیفتحھا اللہ شمر فارہں فیفتحھا  
اللہ شمر تغز و ن السوم فیفتحھا  
اللہ انخ

آپ نے ارشاد فرمایا تم جزیرہ عرب کے خلافت  
جہاد کرو گے اور اللہ اس پر فتح دے گا پھر فارس  
پر اور اللہ اس پر بھی فتح دے گا پھر تم روم کے خلافت  
جہاد کرو گے اور اللہ اس پر بھی فتح دے گا۔

گویا آپ کی امت کی جو حکومت عرب کو فتح کرے گی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے

کی بات ہے اور فارس فتح کرے گی وہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان فدا النورین کے عہد کی بات ہے اور جو عہد کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع کرے گی جو حضرت عثمان کے عہد سے حضرت معاویہؓ کی سرکردگی میں شروع ہوا اوسان کے عہد میں امیر زین العابدینؓ کے زیرِ کانِ شامِ شام پر پہلا حملہ ہوا، پھر اموی اور عباسی دور میں باہا یہ جہاد ہی معرکہ ہوتے رہے تا آنکہ سلطان محمد فاتح کے دست مبارک پر قسطنطنیہ فتح ہوا، ان سب حکومتوں کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یکساں ہے یعنی مسلمان کتاب و سنت پر بنی جیسی بھی حکومت قائم کریں گے، اس کی بنیاد تمہاری کچھ بھی ہو وہ امتداد اس کے رسول کے نزدیک مقبول ہے۔

اور یہ کوئی ایک ہی حدیث نہیں جو بلکہ متعدد ہیں، مثلاً صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۲

بلغ مصر

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا هلك كسرى فلا كسرى بعد ولا اذا هلك قيصر فلا قيصر بعد والذی نفسی بیدہ لتنتفن کنوزہما فی سبیل اللہ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسری ہلاک ہو جائے تو اس کے بعد کوئی کسری نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر بھی نہیں ہوگا اسی وقت کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان دونوں کے زمانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

تو اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حکومت کے جو طرز معتبر ہیں، اوسان پر پابندی ہے، انہیں باطل کہہ کر مودودی صاحب نے اپنی حیثیت کی بنی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد پھر کوئی قیصر نہ ہوگا، یعنی ترکی خلفاء کی حیثیت اس ارشاد کے اعتبار سے قیصروں کی ہی نہیں ہے وہ خلفاء و سلاطین ہیں اور عالم اسلام کے سربراہ مگر مودودی صاحب اموی و عباسی خلفاء کو بھی کسری و قیصر کہتے اور ان کی خلافت کے لئے ملکیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور

کمال یہ ہے کہ بخاری کی روایت چھوڑ کر کم درجے کی روایت کے فدوی امیر المؤمنین زین العابدین کی ولایت عہد کے سلسلے میں قیصر و کسری کا نام ایک صحابی کے منہ سے ادا کرتا چاہتے ہیں، جو منشا نبوی کے غیب جلنے والے تھے اور امت میں آج کوئی بھی ان کی کچھ کہ نہیں سچ سچ سکتا۔

یہ حدیث نااطن ہے کہ نظام خلافت جب تک برپا رہا اس وقت تک مسلمانوں میں ملکیت نہیں آئی، کیونکہ ہر خلافت کی بنیاد اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رہی۔

امیر المؤمنین عبدالملک کا زمانہ خلافت عہد صحابہ کا تاریخ آخر تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے وقت کے شیخ الصواب بڑے فاضل و متقی صحابی تھے وہ جب بیعت خلافت کرتے ہیں امیر المؤمنین ہی سے تنخاب کرتے ہیں، امام بخاری نے اپنی کتاب کے اس باب میں کہ لوگ امام و خلیفہ سے کیسے بیعت کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کے یہ الفاظ لکھے ہیں (بخاری ج ۳ ص ۳۳۵)

الی عبد الله عبد الملك امير المؤمنين  
الذی اقر بالسمع والاطاعة لعبد  
عبد الملك امير المؤمنين صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ وسنة رسوله فيما استطعت  
وان بنی عند اقر و علی ذلك

اللہ کے بند سے امیر المؤمنین عبدالملک کی جناب میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بند سے عبدالملک امیر المؤمنین کا حکم سنوں گا، اور اطاعت کروں گا، میرا یہ اقرار اللہ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت کی پیروی میں ہے جس حد تک ہی میرا مقدور ہو گا اور کتابی نہ کروں گا، یہی اقرار میرے بیٹوں کا بھی ہے۔

مودودی صاحب نے صحیح بخاری کے جگہ سے ادنیٰ درجہ کی کتب کو شاید اسی عرصے میں ماخذ قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جیسے فاضل و متقی صحابی کے ارشاد و عمل سے ان کے عزو یا کی تلقین کھل جاتی ہے۔

ملوکیت تو اس وقت آئی جب خلافت ختم ہو گئی، ہر مسلم ملک نے قانون سازی اختیار کی اور خدا و رسولی کے صریح احکام کے خلاف قانون بنائے اور اپنی عقائد اربیاں لکھتے اللہ کے بجائے اپنے مالک اور اپنے خود ساختہ آئین سے وابستہ کیں۔

ایک لغو اور بے پایاں روایت | مودودی صاحب نے کثیر اعمال کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے مگر یہ بتائے بغیر کہ علماء حدیث کے ہاں اس کتاب کی کیا حیثیت ہے اور اس کی رعایتیں کن اصول کے تحت مستبول کی جاتی ہیں، انہوں نے یہ رعایت محض اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ پر چٹ کریں اور منافق بتائیں، اس سلسلے میں یہ طنز بھی ملاحظہ ہو کہ انہیں "حضرت معاویہ کے والد حضرت ابو سفیان" لکھا ہے اور دوسری جگہ محض "ابو سفیان" ان ناموں کے ساتھ یعنی اللہ عنہ لکھنا یا درض کی علامت بتانا ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جائز نہیں، ہم یہ عبارت ترجمان القرآن شمارہ مئی ۱۹۷۲ء سے پوری نقل کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ پر بھی چوٹ ہے کہ گویا انہوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے اسے پھر خلافت نامے کی کوشش کی۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ (۳۵-۴۰ھ ۶۵۶-۶۶۱ء) نے پھر اسی معیار پر کام کرنے کی کوشش کی جو حضرت ابو بکرؓ نے قائم کیا تھا، وہ قبائلی تعصب سے بالکل پاک تھے، حضرت معاویہ کے والد حضرت ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے وقت ان کے امداد سے تعصب کی روح کو ابھارنے کی کوشش کی تھی، مگر انہوں نے یہ راہ اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، ابو سفیان نے ان سے کہا تھا کہ یہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی ابو بکرؓ کیسے خلیفہ بن گیا، تم ایشیے کے لئے تیار ہو تو میں داوی کو سواروں اور پیدوں سے بھر دوں، مگر انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ بہتہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام

کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے، میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لائق مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں، ہم ابو بکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں، اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی انہیں اس پر مامور نہ ہونے دیتے، یہی حضرت علیؓ کا نقطہ نظر خلیفہ ہونے کے بعد بھی رہا، جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ٹھیک اسلامی اصولی کے مطابق عربی اور عجمی شریف اور وضع ہاشمی اور غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرنا شروع کیا اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ایسے ترجیحی سلوک سے لوازنا پسند کیا جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات ابھکانے والے ہو۔

یہ رعایت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ باطل ہے اور اس سے جو نتائج مودودی صاحب نے نکالے ہیں وہ یاد رہنا ہیں، دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱- قریش ایک قبیلہ تھا اور اس کے گھرانوں میں ادنیٰ اعلیٰ کا کوئی فرق نہ تھا سب کے سب ایک دوسرے کے کھوتے اور گونا گوں رشتوں میں مشلک ہر گھرانے کو قبیلے کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت سپرد تھی اور سب کو عرب کی قیادت اور کعبے کی تولیت کا یکساں شرف حاصل تھا، وہاں ایک شخص کی عظمت و حرمت کا مدار اس کے ذاتی خصائل و فضائل پر تھا، اس اعتبار سے حضرت ابو بکرؓ کی شخصیت قریش میں محترم تھی اور آپ کا شمار بزرگوں میں تھا وہ جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے نکلے ہیں تو لہا ہی ابن دغنے ملے انہیں جب حال معلوم ہوا تو ان سے کہا "تم ہے خدا کی تم قوم کی زینت ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہو، غریب اور مسافر کے ساتھ سلوک کرتے ہو، تم چلو میں بہتیں اپنی پیناہ میں لیتا ہوں (لح) " صحیح بخاری الجلب المناقب (القسمۃ الجاہلیہ) ج ۲، ص ۳۳ طبع مصر



قریش میں جس شخص کی یہ حدیث ہو اس کی تکفیر حضرت ابوسفیانؓ کیسے کر سکتے تھے۔

۲۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی حضرت ابوسفیانؓ یہ جانتے تھے کہ دعوتِ محمدیہ کے عظیم ترین رکن تین ہیں، ایک خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے حضرت صدیق اکبرؓ اور تیسرے حضرت فاروقِ عظیمؓ چنانچہ احد کے میدان میں جب ترانہ انبیا کی غلغلی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح مثل شکست کے ہو گئی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تک کی خبر اڑ گئی، تو قریش کے امیر عمر حضرت ابوسفیانؓ نے اسی کفری حالت میں آواز دے کر مسلمانوں سے پوچھا تھا تو صرف ان تینوں حضرات کے متعلق (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۵۸ طبع مصر)

واشرف ابوسفیان فقال افي لقوا  
محمد فقال لا تجيبوه فقال  
في القوم ابن ابي قحافة فقال  
لا تجيبوه فقال افي القوم ابن  
الخطاب - الخ

ابوسفیانؓ سامنے آتے تو کہا کیا تم لوگوں  
میں محمدؐ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا: جواب مت دینا! انہوں نے پھر کہا۔  
کیا تم لوگوں میں ابو قحافہ کے بیٹے داؤد کو کہیں  
حضور نے فرمایا: جواب مت دینا! پھر انہوں  
نے کہا کیا تم لوگوں میں خطاب کے بیٹے ہیں؟ الخ

حضرت ابوسفیانؓ جب کفری حالت میں حضرت صدیقِ صلوات اللہ علیہ کا مقام جانتے تھے تو اسلام میں وہ ایسی عزوبات ان کے متعلق کیسے کہہ سکتے تھے۔

۳۔ حضرت ابوسفیانؓ اگر ظاہری منافقت پیدا کرنا چاہتے اور ایسی بات واقعی کہی ہوتی تو اپنے ہم حتمِ قدیم دوست اور تمام نبیہاشم بلکہ سب مسلمانوں کے بزرگ سیدنا عربی سے کہتے نہ کہ حضرت علیؓ سے جو اپنے بزرگوں کے خورد تھے اور جن کے ہاتھوں میں نہ کوئی طاقت تھی اور نہ ایسا اثر کہ لوگ ان کی طرف طلباً جھکتے۔

۴۔ عہدِ نبوی میں حضرت ابوسفیانؓ بخران کے والی تھے اور وفاتِ نبوی کے وقت ان کا مدینہ میں ہونا قطع نظر اس تصورِ اہمیت کے اہل کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اگر

وفاتِ نبوی کی خبر سن کر آتے ہوں گے یا حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبی کا فرمان بھیجا ہو گا، تو بھی تکمیلِ سعادت کے ڈیڑھ گھنٹے بعد پہنچ کے ہوں گے اور یہ وقت تھا جب حبش اسامہؓ روانہ ہو چکا تھا، مدینہ کے قرب درجہ کے قبائل کی طرف سے بے اطمینانی بھی اور چاروں طرف سے ارتداد اور بغاوتوں کی خبریں آرہی تھیں اس وقت تمام مسلمان بشمول حضرت علیؓ اپنے امام کی قیامت میں زندگی اور ممت کی جدوجہد میں مشغول تھے۔

اس عظیم ابتلاء کے وقت ہم اموی سادات کی بڑی شان دیکھتے ہیں، حضرت ابو سفیانؓ کے مدنی مسند نہ صرف زیدؓ اور حضرت معاذؓ کے لئے تیار ہیں یا بلانہ ہسکے ہیں اور انہی کے زیرِ کمان مجاہدوں کا پہلا دستہ بھی لگایا تھا، پھر مدینہ کے بعد مدینہ فیصلہ کن جنگِ میسلاہ کے خلاف سرپیش ہے اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا لی ہے، ایک سے ایک آئے بڑھ کر دین پر دستربان ہو رہا ہے، لیکن افسوس کہ اس موقع پر ہمیں کسی ہاشمی کا نام نظر نہیں آتا، البتہ جہاں ہم حضرت یحییٰؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو جان کی بازی لگاتے دیکھتے ہیں، وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ کو حجاز و بصرہ کے درمیانی علاقے کا والی بنا کر واپس لٹا دیا ہے (فتوح البلدان ج ۱ ص ۱۵۸ ترجمہ ابو الخیر مودودی)

گویا اولیٰ تو حضرت ابوسفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے اور اگر حاضر تھے تو حضرت صدیقؓ کی بیعت ہو جانے کے کئی مہینے بعد پھر دستر کو واپس ہو چکے تھے حالانکہ حضورؐ کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ مسلمان کسی بارے میں حدیث و عمل سے کام لیتے فضیل یا توں میں وقت ضائع کرتے اور اللہ تعالیٰ خلفائے کے درپے ہوتے۔ اب ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں اور ناظرین گرام کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس سبب یا یہ روایت سے جو تاریخ و مطالب مرتبہ کے لیے وہ روایت کس حدیث کے لیے۔

اگر آدمی اپنا، اپنے خاندان کا، اپنے گروہ کا یا اپنے قبیلے کا استحقاق ثابت کر لے  
 مد جماعت کے اندر رہ کر، اور اختلال پیدا کئے بغیر کامیابی کی کوشش کرے تو اسے کوئی ذی  
 نقل شخص تعصب سے تعبیر نہیں کر سکتا، اسی کے مودودی صاحب کے نزدیک یہ نسبتی  
 عصبيت ہے تو اس میں سب ہی مبتلا تھے یعنی انصاف حب وہ اپنی خلافت قائم کرنے کے  
 لئے سنیقہ بنی ساعہ میں جمع ہوتے اور حضرت مصدق اکبرؓ جب انہوں نے قریش کی  
 امانہ کی مصلحت ثابت کر کے باقی تمام قبائل کو خلافت سے محروم کر دیا اور بنو ہاشم جو چھ  
 مہینے تک امام وقت سے بقول مولفین جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر ہیں، عدم  
 تعاون کرتے رہے، مودودی صاحب کے بیان کی تاریخی میں دیکھنے کی کوشش کی جاتے تو  
 سب سے زیادہ قابل اعتراض اہل انصاف و سناک بے بنو ہاشم کا تھا، انصاف سب کے سب  
 بے تکلف بیعت میں داخل ہو گئے، سوائے حضرت سعد بن عبادہ کے، لیکن بنو ہاشم اس  
 کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

مودودی صاحب کی جو منطوق ہے اس پر اگر وہ قائم ہیں تو انہیں اور پر دیا ہوا اپنا  
 بیان واپس لیتا ہوگا، کیونکہ جن الزامات کی بنا پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو یہ خلافت  
 لاشعہ کا بڑا غرق کرنے والا ثابت کرنا چاہا ہے وہ تمام الزام زیادہ شدت کے ساتھ  
 حضرت علیؓ پر عائد ہوتے ہیں اور ان کے امانہ بجز یہ کے مطابق حضرت علیؓ سے زیادہ خاندانی  
 عصبيت رکھنے والا ان سے بڑھ کر خویش پرست اور غریب حکمران شاید ہی کسی دوسرے کو ثابت  
 کیا جاسکے، اس خویش پرستی میں وہ ایسی ایسی تباہ کن غلطیاں کر جاتے تھے جن کے سبب  
 ان کی مقبولیت بضرورت گھٹتی چلی گئی، حضرت علیؓ کا یہ کردار ان مآخذ سے پوری طور پر  
 ثابت ہوتا ہے جن پر مودودی صاحب نے تکیہ کیا ہے اور ان کی موجودگی میں وہ حضرت  
 علیؓ کا کردار ثابت نہیں کر سکتے جو انہوں نے بڑی آب و تاب سے پیش کیا ہے۔

لیکن جو اہل ایمان ہیں جن کے دل میں صحابہ کرام کی عظمت ہے اور جو اس جہد کے  
 فتوز کا سبب اصلی جانتے ہیں وہ یہ انداز اختیار نہیں کر سکتے جو مودودی صاحب کہتے  
 اور انہیں اپنے تمام اسلاف کرام یکساں قابل تعظیم لائق سمجھتے اور موجب فخر نظر آتے ہیں

ان کا تمام غیظ و غضب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان فتوز کے اصل بانی تھے جنہوں  
 نے جماعت سے اپنا رشتہ توڑ لیا، جنہوں نے امت کو تباہ کرنے کی کسی تدبیر سے دریغ  
 نہ کیا، جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے انہیں شہید کیا اور جنہوں نے  
 حضرت علیؓ کی خلافت پر حاوی ہو کر انہیں اپنے اقدامات سے ایسا پرچ کیا کہ وہ ساری  
 عمر پر لیشانیوں میں مبتلا رہے۔

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کی مدحت میں جو کچھ فرمایا ہے کہ وہ اسلام  
 اصول کے مطابق عربی و عجمی شریف و وضع، ہاشمی و غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں  
 انصاف کا معاملہ کرتے تھے اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ترجیحی سلوک  
 سے نازنا پند نہیں کرتے تھے جو دوسرے گروہوں میں شک و رقابت کے جذبات ابھارنے  
 والا ہو تو بجز اہل حقانیت کے تمام خلفاء میں ہمیں انہوں نے جسے بڑھایا  
 وہ اس کے فاقی فضائل کی بنا پر مبرا ہے گھٹایا وہ اس کی شخصی نا اہلیوں کے سبب جسے  
 فزاؤد اس کی خوبیوں اور فاداریوں کی وجہ سے اور جسے سزا دی وہ اس کی غلطیوں  
 اور ناشائستہ حرکتوں کی بنا پر اس سلسلے میں اگر کہیں کسی سے چوک ہو گئی یا اس نے کوئی  
 قدم غلط اٹھایا تو اس لئے کہ وہ سب انسان تھے اور انسان خطا و غلطی کا مرکب ہے۔  
 نکتہ چینی کا حق صرف ان ہم عصر لوگوں کو ہے جو واقعات کے ظاہر و باطن سے  
 واقف ہیں اور بعد کے لوگ نکتہ چینی کے مجاز اس وقت میں جب ان کے سامنے ناقابل  
 تردید یادداشتیں ہوں اور حسی آثار ہوں، خیالی و گمان اور وضعی روایتوں پر تکیہ کر کے  
 جو لوگ نکتہ چینی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کا شہر وہی ہوتا ہے جو اہل علم کے نزدیک حقا  
 ملوکیت کا ہوا ہے۔

## حضرت فاروق اعظمؓ کی جائیشی

مودودی صاحب کے دل میں معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و جود  
 و حرمت نہیں، کیونکہ صحابہ کے احوال اور واقعات تاریخ کے سلسلہ میں اپنے باطل نظریات

کی تائید کے لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسی رعایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور سننا و سنا کر محض ہیں، بہترین مآخذ اور معتبر ترین مصادر سے استدلال چونکہ ان کے مفید مطالب نہیں لہذا ان سے انہیں گزرتے اس ذہنیت کا بڑترین نمونہ ان کا حسبِ بل بیان ہے (ص ۱۱۱)

حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اس بات کا حظہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی یہ قبائلی عصبیتیں جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں، پھر نہ جاگ اٹھیں لہذا ان کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ارکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمان کے متعلق کہا: اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کروں تو وہ بنی ابی معیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ بھی کریں گے اور عوام شوش برپا کر کے عثمان کو قتل کر دیں گے

**خطرہ** | مودودی صاحب نے یہ بالکل غلط بات کہی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے جانشینوں کے بارے میں کوئی خطرہ تھا یا وہ امت کے مستقبل کی طرف سے پریشان رہتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب پر پورا اعتماد تھا اور اسی لئے آپ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی حکم دینا ضروری نہ سمجھا تو حضرت فاروق اعظمؓ کا ایمان انہیں ایسے حدیثات میں کس طرح مبتلا کر سکتا تھا؟ کیا وہ قرآن میں نہیں پڑھتے تھے کہ تَمَّ حَيْكُورٌ أَمِيَّةٌ أَخْرَجَتْ لِلنَّاسِ دَمَ بَيْتَرِينَ قَوْمٌ هُوَ جَسَدٌ أَقْوَامٌ عَالَمٌ كَفَى لِبَطُورِ كَمُورٍ جِنَانًا كَيْسُومٌ (اللہ اپنا اور پورا کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو یام ناگاہیوں) قَوْمٌ كَفَى لِبَطُورِ كَمُورٍ جِنَانًا كَيْسُومٌ (اللہ اپنا اور پورا کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو یام ناگاہیوں)

اور کیا انہیں اس وعدہ ربانی میں شک ہو سکتا تھا (الفتح)

وَعَدَ كَمَا نَدَى مَعَانِمَ كَثِيرَةً  
تَأْخُذُ وَنَسَمًا فَعَمَلٌ لَكُمُ هَذِهِ  
وَكَيْفَ أَيْدِي النَّاسِ مَعَكُمْ وَخَلْقُ  
آيَةِ الْبُؤْسِ مَبِينٌ وَيَصْدُرُ بِكُمْ صِرَاطًا  
مُسْتَقِيمًا

خدا اقلے لے تم سے بہت سی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اسی لئے جلدی سے فی الوقت تمہیں یہ کچھ دیکھنا اور لوگوں کی دست برداری سے تمہیں محفوظ رکھنا تاکہ اہل ایمان کے لئے ایک نشانہ ہو وہ تمہیں سیدھی راہ چلاتا ہے۔

ان جیسی ادھی بیسیوں آیات ہیں، جن میں صلحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اہل ان کا اتباع کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ غالب رکھے گا، انہیں گونا گوں نعمتوں سے نازیگا اور اپنی کنی قوام عالم کے سامنے دعوتِ محمدیہ کی نمانگی کا دائمی شرف عطا فرماتے گا۔ ان حدیث آیات کی موجودگی میں حضرت فاروق اعظمؓ کو امت کے مستقبل کی طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا، چنانچہ آپ کے بالکل آخری وقت جب جانشینی کا مسئلہ اٹھایا گیا تو فرمایا: صحیح مسلم باب الاستخفاف ذکرہ ج ۲ ص ۱۱۱ طبع معرزی صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۱

ان اللہ عندہ جل یحفظ دینہ وانی  
لئن لا استخلف فان رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم لمر استخلف  
لانک استخلف فان ابابکر قد  
استخلف

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور میں اگر کسی جانشین کو نہ بناؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جانشین نہیں بنایا اور اگر کسی کو جانشین تجویز کروں تو (حضرت) ابوبکرؓ اپنا جانشین مقرر فرمائیں گے

یہ کیسی کھلی ہوئی اور محکم دلیل ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے ذہن میں اپنے بعد کے جانشین کے بارے میں قطعاً کوئی الجھن نہیں تھی، جب وفات کے وقت آپ اپنی طرف متعلق تھے تو اس سے پہلے جب دنیا میں چاروں طرف آپ کی نگرانی میں اسلام کا پرچم ہمارا ہوا تھا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں آپ استوار کر رہے تھے اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ آپ کو دکھانا تھا کہ وہ اپنے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے تو اس کا

موقع ہی کہاں تھا کہ امت کے مستقبل کی فکر میں ایسے گہرے سانس لیں اور آپ ہی بھریں کہ سننے والے کو اندیشہ ہو کہیں ان کی پسلیاں نہ چمک جاتی۔

موردی صاحب کو ایمان اور علم کا دعویٰ تو ایسا ہے کہ انہوں نے تجھ دنیا جیسا کہ دین میں تحقیقی مطالعہ کے انگوٹوں اور پھلوں سب میں خامیاں نکالی ہیں لیکن بزعم خویش اللہ کے کلام کا یہ ترجمان ہے ہونے کے باوجود انہوں نے ان آیات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اہل ان کے دامن سے وابستہ جماعت کو ہمیشہ ماہ حق پر رکھے گا اہل ان کا کوئی اجتماعی اقدام ایسا نہ ہو گا کیسا گاہ الہی میں نام مقبول ہو۔

ان آیات پر اگلے نہیں نے ایمان کے ساتھ خود کو لیا ہوتا تو ان کا وہ یہ صحابہ کرام کے ساتھ کیا ساگت نام کہیں ہوتا کہ اپنے اس سلسلہ معنوں میں انہوں نے اکابر و اجداد اعظم صحابہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے میں باک نہ کیا اور پھر نامہ رکھی ان روایات و احیہ پر جن کی کوئی حقیقت نہیں، مثلاً استیجاب کی یہ مردود روایت جس کا نہ سر پہ نہ پر یہ عبارت جس کا ایک ٹکڑا موردی صاحب نے حضرت عثمان پر طعن کرنے کے لئے بطور حجت پیش کیا ہے، ہم اسے یہاں پورا نقل کرتے ہیں اور نتیجہ اخذ کرنا ان کھدار لوگوں پر چھوڑتے ہیں جن کے دلوں میں صحابہ کرام کی عزت و محبت ہے اور جو تاریخ اسلام کو ان خرافات سے پاک کرنا چاہتے ہیں جنہیں دشمنان امت نے صحابہ کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر شہرت دیدی، جن صحابہ نے ایسی راہی رسالتیں اپنی گناہوں میں بلا سوچے سمجھے روایت پرستی کی بنا پر کھریں یہ ان کی امانت علی سمجھتے کہ جس طرح انہیں بات پہنچ دیا تو خود کے بغیر سند بیان کر کے یا حوالہ دے کر کھڑی اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں کاتبوں اور شائق نے اضافہ کر دی، مگر لیکن قلم نہ لوگ کرتے ہیں جو تحقیق کے بغیر یا تحقیق سے قطعاً غماض کر کے انہیں بطور حجت پیش کریں۔

اس وضعی روایت کی پوری عبادت یوں ہے: **وضعی روایت** | عن ابن عباس قال بلین انا امشی مع عمر

یوماً اذ تنفس نفساً ظننت انہ قل فقببت اضلاعه فقلت سبحان الله! والله ما اخرج منك هذا يا امير المؤمنين الا امر عظيم فقال ويحك يا ابن عباس ما ادرى ما ا صنع بامة محمد صلى الله عليه وسلم قلت ولما؟ ورايت محمد الله قدامك تضع فلك مكان الثقة قلالا في اراك تقول ما جلك اولي الناس بها يعني علياً رضي الله عنه قلت اجل والله اني لا قول ذلك في سائره وعلمه وقرايته وصبره، قل انہ كما ذكرت ولكنه كشيروالد عابرة نقلت نعمشان؟ قال فوالله لو فعلت لجن بنی ابي معیط علی مرتدای النسی عیلمون فیها بحیثہ اللہ لو فعلت کفعل ولو فعل لفعولہ فوشب الناس علیہ ففعلوہ فقلت طلحوہ بن عبید اللہ قال الا لیسح هو انتری من ذلک ما کان اللہ لیرافق اولیہ امر صة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وهو علی ما علیہ الزھو۔

چلا جا رہا تھا کہ آپ نے ایک گہری سانس لی اور مجھے ایسا لگا کہ کہیں ان کی پسلیاں نہ چمک گئی ہوں تو میں نے کہا سبحان اللہ! امیر المؤمنین مجھ پر یہ تو کوئی بہت بڑی بات ہے جس کے سبب آپ نے ایسی آہ کی فرمایا انوس ابن عباس میری گھر میں نہیں آتا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کروں؟ میں نے عرض کیا یہ کیا بات ہوتی؟ خدا کے فضل سے آپ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ کسی قابل اعتماد شخص کو اس کے لئے نامزد کریں؟ فرمایا مجھے تم یہ کہتے ہو کہ تمہارے صاحب سب لوگوں سے زیادہ اس کے مستحق ہیں: آپ کی مراد حضرت علیؑ سے تھی، میں نے کہا: جی ہاں! اور میں یہ ان کی سابقت ان کے علم ان کی قرابت اہل ان کی دامادی کے سبب کہتا ہوں؟ فرمایا وہاں وہ ہیں تو ایسے ہی لیکن ان میں بہت خلافت ہے! میں نے عرض کیا: تو عثمان؟ فرمایا: "بجملہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ ابو معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کریں گے کہ وہ ان میں اللہ کی نافرمانی کریں، مجھ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ یعنی حضرت عثمانؓ کو ہی کریں گے اور انہوں نے ایسا کیا تو وہ دوسری بنو ابی معیط بھی وہی

(حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں ایک دن حضرت عمرؓ کے ساتھ



کہی گئے اور پھر لوگ ان پر یعنی حضرت عثمان  
پر لعنت پڑی گئی اور انہیں قتل کر دیے گئے  
میں نے عرض کیا: طلحہ بن عبید اللہ؟ فرمایا  
کہ وہ خود پرست! اس کا مقام اس سے  
کبھی اس طرح ہے، مگر نہ کہ امت محمدی کے  
معاملت میں اس جیسے منور شخص کے پر کرنا  
میں نے کہا: بنو نیر بن العوام؟ فرمایا: وہ  
لوگوں کو سیروں اور پتوں پر چیتا گیا (یعنی  
حساب کتاب میں سمجھی کریں گے، میں نے کہا  
کہ بنو ابی وقاص؟ فرمایا: وہ اس کام کے  
نہیں وہ تو بس اس کے ہیں کہ سارے لوگوں کو  
نہیں اور جنگ کریں، میں نے کہا: عبدالرحمن بن  
عوف؟ فرمایا: وہ آدمی ایسے ہیں مگر یہ کام ان کے  
بس کا نہیں۔

بخدا بن عباس! اس کام کے لائق تو بس وہ  
ہے جو قوی ہوں اور غنی کے بغیر انہیں ہم پر کرنا  
کے بغیر کسی کو ساروں کے بغیر اور جس پر نہیں  
کے بغیر؟ حضرت ابن عباس (فرماتے ہیں بخدا  
حضرت) اور ان جیسے ہی تھے۔

ادنیٰ تامل سے واضح ہو جائے گا کہ یہ رعایت قطعی و یقینی ہے اور اسلامی کا خود اپنا  
ذہن اس میں کام کر رہا ہے جو واقعات گزر چکے ہیں، اس کی توجیہ ان چھ بندوں کا نام لے کر  
جہیں حضرت عمرؓ نے اپنے آخر وقت غلامت کے لئے سزا قرار دیا تھا وہ اپنے ظہر پر  
اس طرح کر رہا ہے کہ حضرت علیؓ کو باقی تمام مسلمانوں کے لئے باقی باقی پانچوں بندوں کو سزا

قلت الزبير بن العوام؟ قال  
انما بلا طمنا الناس في الصاع ولان  
قلت سعد بن ابى وقاص؟ قال ليس  
بصاحب ذلك. فان صاحب  
مقريب يقا تل به قلت عبد الرحمن  
بن عوف؟ قال نعم الرجل ولكنه  
ضعيف عن ذلك

والله يا ابن عباس ما يصلح لعد  
الاه الا العقوى في غير عوف  
الدين في غير ضعيف الجواد في  
غير سرف المسك في غير  
جمل قال كان والله عمر كذا لك

عمرؓ ہی کی زبان سے گھمباتا ہے خصوصاً حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے گواہ  
میں نکالتے گا اظہار کرے جن سے حضرت علیؓ یا ان کی پابندی سے سیاسی مخالفت ہی  
کئی، پہلے ہم اس وضعی سعادت کی داخلی شہادتوں پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں اس کے  
ملاؤں میں کتاب مایوں کی نشان دہی کریں گے۔

۱۔ جیسا ابھی بیان ہوا حضرت فاطمہ اعظمؓ کو اپنے آخر وقت تک یعنی خروج  
ہو جانے کی حالت میں بھی جانشین خلفاء کے بارے میں کوئی حدیث نہ تھا امت  
کے تابناک مستقبل کا انہیں پورا یقین تھا، لہذا بحالت صحت و تندرستی امت کے مستقبل  
کے بارے میں گہری سائنس لینے اور اس بھرنے کا تصور باطل ہوا۔

۲۔ رادی نے یہ فرضی واقعہ تو اس وقت گھڑا ہے جب حضرت عمرؓ بچلے چلے تندرست  
تھے نہ کچھ بیمار تھے نہ بہت بڑھے ہو گئے تھے پھر انہیں ماہ چلتے بلا وجہ بے وقت یہ فکر  
کیا دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد خلافت کا کام کون کرے گا، حضرت موصوف کو فتوحات  
اور وسیع مملکت کے گونا گوں انتظامات کی مصروفیات و افکار سے اس کی فرصت ہی کب  
تھی کہ بلا سبب بے عمل راستہ چلتے ایسی باتوں کو سوچ سوچ کر گہری سائنس لیں۔  
اور اس بھرنے کے سننے والے کون کی پسلیاں چمک جانے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ رادی نے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ تو رضی اللہ عنہ لکھا ہے لیکن دوسرے  
بندوں کو اس قابل نہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو نہ حضرت  
سعدؓ نہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو، رضی اللہ عنہ یا اس کی علامت درجہ تندرستی اور  
اس نے تو ان ممتاز صحابہ کے اسمائے گرامی کے ساتھ رحمہ اللہ تک نہیں لکھا، اسی ایک  
بات سے اس کی سبائی و ہنیت واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ رادی نے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی ان کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ کی یہ  
چار خصوصیتیں بطور فضائل بیان کرائی ہیں (۱) سبقت ایمانی جس کے لئے ساقبت کا لفظ  
کہلایا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور خلافت واقعہ ہے، ابشت بنو یہ کے وقت  
حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس کی تھی، ایسی چھوٹی عمر شعور و تمیز کی نہیں ہوتی اور نہ

اتنی عمر کے بچہ کا قول و فعل ذرا نارمانہ ہوتا ہے، بعض لوگوں نے اپنے مقاصد سے بچنے  
تاکر ان کی عمر آٹھ دس برس کی بلکہ اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے،

مگر کام اس سے بھی نہیں بنتا، کیونکہ بلوغ سے قبل بچہ اپنے ماحول  
کا تابع ہوتا ہے اور جیسا اپنے بطن کو کہتے دیکھتا ہے ویسا ہی خود کرنے لگتا ہے، حضرت علی  
کا جو شرف ہے وہ سابقیت نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ ان پر کفر کا کوئی زمانہ نہیں گزرا  
تہنیت ان کی اسلام میں ہونے انہیں اس میں بھی وہ منفرد نہیں کیونکہ یہی شرف نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ہاشمی خاندان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ کی اولاد کا ہے کہ وہ سب  
بھی اسلام میں پروردان چڑھے کیونکہ سیدہ ام الفضل آپ کی چچی دوسری مسلمان خاتون  
تھیں، جو حضرت خدیجہ کے بعد ہی ایمان لائیں انہوں نے اپنے بچہ کو اسلام پرائیا اور  
ان ہی کے زیر تہنیت حضرت علی کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار بھی نعمت ایمان  
سے بہرہ ور ہوئے، اسی طبقے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ بھی ہیں، صلوات اللہ وسلام  
علیہا مگر ان سب حضرات کا شمار سابقین میں نہیں ہوتا، سابق تو صرف اس عاقل  
بالغ شخص کو کہا گیا اور کہا جاسکتا ہے جس نے کفر چھوڑ کر تہنیت میں اسلام قبول کیا تھا  
اور یہ شرف سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کو حاصل ہوا انہوں نے بعد حضرت محمد  
حضرت سعید حضرت عمار حضرت عثمان حضرت بلال نیز حضرت ابو جندبہ حضرت  
جمزہ ام المومنین ام حبیبہ بنت حضرت ابوسفیان حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت  
عبدالرحمن بن عوف و حضرت زید بن ارقم وغیرہم کو حاصل ہوا اور اسی ذیل میں حضرت  
زید بن حارثہ بھی آتے ہیں، جو اس وقت اگر بالغ نہ ہوں تو قریب بلوغ پہنچ چکے تھے بلکہ  
ہنگام غالب ان کے بالغ ہونے کا ہے۔

لاوی نے جو یہ چھ نام لکھے ہیں ان میں حضرت علی کے سوا مے باقی پانچوں نام تو  
سابقین میں آتے ہیں، مگر حضرت علی کا نہیں آتا، پھر حضرت ابن عباس ایسی غلط و خلاف  
واقفہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

۵۔ یہی دوسری خصوصیت تو واقعات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت علی کو دوسرے

جملہ صحابہ کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی علمی فضیلت حاصل نہ تھی، اسے حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم جب شدت علالت کی وجہ سے مسجد جانے سے منع ہوئے تھے حضرت ابوبکر صدیق  
کے اسی وقت وہاں غیر موجود ہونے اور حضرت علی کے سامنے موجود ہونے کے باوجود آپ  
نے مروا ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر امامت نماز کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم کو منتخب  
فرمایا انہیں نے ہی سترہ وقتوں کی نمازیں پڑھائیں، غزوہ بنو نضیر کے وقت حضرت علی  
کو اپنے اہلبیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ جانے کے باوجود امامت نماز کے  
لئے حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا تھا، حضرت علی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے نزدیک اعظم باقرآن ہوتے تو کسی دوسرے کو ان کے موجود ہوتے امامت نماز  
سپردن فرماتے، لہذا فضیلت علیہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب لفظ و علم  
بھی صحیح نہیں۔

۶۔ قرابت و رشتہ داری میں حضرت علی منقرض تھے، حضرت عثمان سے قرابت  
قریبہ بھی تھی اور رشتہ داری بھی ایسا کہ ذی النفرین کہلاتے یعنی یکے بعد دیگرے آپ  
کی دو صاحبزادیوں کے شوہر۔

علاوہ انیہ چاروں باقی شرف و امتیاز کی اگر حضرت علی ہی سے مختص کر دی  
جاتیں تو خلافت کے لئے انہیں حجت نہیں مانا گیا، کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما جانتے تھے کہ ان کی  
بیان کردہ خصوصیات کے باوجود حضرت علی کو نہ پہلی خلافت ملی نہ دوسری نہ تیسری  
خلافت کے لئے شخصی و فضائل کی امتیازی حیثیت تو ناٹوی ہوتی ہے پہلے دیکھی جاتی ہے  
اہلیت و صلاحیت حکومت و چابانی اور یہ صلاحیت و اہلیت بھی کام نہیں آتی، اگر  
مقبولیت نہ ہو تو قبولیت بھی دھری رہ جاتی ہے اگر با اثر اور طاقتور اعلان و انصار مقبوسہ آئیں  
جہاں تک مقبولیت کا سوال ہے تو عیاں ناہم دیکھتے ہیں کہ پہلا، دوسرا اور تیسرا موقع  
ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جب چوتھا موقع آیا اور حضرت علی کو خلافت ملی تو بیعت  
کی تشکیل نہ ہو سکی اور جس پارٹی نے بلوہ کر کے یہ خلافت قائم کرانی تھی اسی کا ایسا صلح  
سہا کہ ان کی خلافت ہی کو ناکام بنا دیا مگر اس ناکامی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا بہ (ظرافت)

کو کچھ دخل نہ تھا، جو رادی نے حضرت فاروق اعظم کی زبانی ان کے بطور نقص بیان کیے۔

حضرت عثمان کے بارے میں جو کچھ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس پر بحث اگلے صفحات میں آ رہی ہے مگر اس سلسلے میں یہ بات بھی لطیف سے کم نہیں کہ رادی نے تو لکھا تھا: "بنو ابومعیط" را ابو معیط کی اولاد، مگر معنی صاحب نے اس کی تفسیر کر دی جو اسیرہ گویاں جہاں اور اس میں آپ کی مجددانہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہاں علم الانسا بھی آپ کے دستبرد سے نہ بچا، ابو معیط کوئی عبد شمس کی کنیت تھی جو ساسے بنی امیہ کو ابو معیط کی اولاد کہہ دیا۔

ابو معیط تو جناب امیہ کے ایک پوتے تھے اور پوتے کے پوتے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے، بنی ابی معیط میں سے تھا یہی ایک شخص تھے جو عبد صدیقی و فاروقی سے مختلف عبدوں پر فائز تھے، ان کے سوائے آل ابن معیط میں کوئی دوسرا شخص عہدہ دار نہ تھا، خلافت عثمانی میں یہ کوفہ کے فاری تھے، ان کے حاکمانہ و مجاہدانہ و مدبرانہ انداز کے ساتھ رحیمانہ و کریمانہ سلوک و برتاؤ کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں آگے آتا ہے مگر سبائی رادی کو چونکہ ان کے اموی نسب ہونے کی بنا پر ان سے عداوت ہے اسے ساری دنیا پر وہی پھلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، موذوی صاحب اگر کسی قندہ تدبیر سے کام لے کر اس لفظ "ابی معیط" پر غور کر لیتے تو اس کی تفسیر "بنو امیہ" کرنے کے بجائے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے لیتے خصوصاً اس اعتبار سے کہ جس کتاب الاستیعاب کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفتیش میں یہ الفاظ یعنی روایت کے معنوں نے اپنے معنوں میں استعمال کیے ہیں اس کتاب میں اسی موقع پر اور اسی وضعی روایت کے بعد ہی ان ہی حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت ان الفاظ میں درج ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے خلافت ادا اس کے اہتمام کے بارے میں گھٹو کی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ غلطی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ان میں ظرافت کا مادہ ہے، پوچھا بڑے بارے میں فرمایا وہ بہت عضوہ ہیں، پوچھا ظلمت کے بارے میں کہا ان میں نخوت و طغیہ ہے، پوچھا ستم کے بارے میں فرمایا وہ تو سوالوں کے دستہ کی سرداری کیلئے ہیں پوچھا عثمانؓ کے بارے میں فرمایا

کلف با قاصب اپنے قرابت داروں سے بہت محبت کرنے والے ہیں پوچھا عبدالرحمن بن عوف کے بارے میں فرمایا وہ نرم طبع یا فرمایا ضعیف ہیں اب دیکھئے اس لطافت میں نہ تو "بنی ابی معیط" کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کرنے کا ذکر ہے نہ ان کے اہل کی نافرمانیاں کرنے کا اور نہ اس بنا پر عوام میں شورش برپا ہونے اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کے قتل کئے جانے کا مگر موذوی صاحب کو تو اموی صحابہ پر چٹس کرنی تھیں اس لئے اس لغو روایت کو حجت بنا لیا، بعض بنی امیہ و عصبیت جاہلہ نے یہ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کو اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سمجھتے تھے جو رادی نے بیان کیا ہے تو انہیں مجلس شوریٰ میں شامل ہی کیوں کرتے اور شامل کر بھی دیا تھا تو دیگر ارکان مجلس کو ضرور کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو منتخب نہ کیجیو اور اگر منتخب کرنے کا موقع آئی جاتے تو ان سے یہ ہدف فرماتے: "کیونکہ آل ابی معیط کو مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا بلکہ خود حضرت عمرؓ ان کو مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کرتے وقت ضرور کہہ دیتے کہ اگر اتفاق سے تمہارا ہی انتخاب ہو جائے تو بنی ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر سلطہ نہ کرنا حضرت عمرؓ جیسے صاف اندر کھرے بزرگوار جماعت بولنے سے کسی کے سامنے باز نہ آئیں وہ اگر واقعی حضرت عثمانؓ کے متعلق ایسا یقین باطن غالب بنی رکھتے تھے تو حیا عرض کیا گیا حضرت عثمانؓ کو مجلس شوریٰ کا نمبر ہی منتخب نہ کرتے یا منتخب کرتے تو ان کو صرف ماتے دینے کا حق دیتے اور دیگر ارکان سے صاف کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے کیونکہ بنی ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے (بالفاظ دیگر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا فاری مقرر کر دیں گے، حضرت عمرؓ جہاں بوجھ کر انہیں لوگوں کو جن کو اہل نہیں سمجھتے تھے یہ فرما کر خلافت کے لئے کبھی نامزد نہ کرتے کہ انہیں میں سے کوئی ایک منتخب کر لیا جائے، حضور صاحب ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے جن سے ان کو بقول رادی سب سے زیادہ خطرہ تھا، موذوی صاحب ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتے تو انہیں واضح ہو جاتا کہ اس وضعی روایت میں حضرت عمرؓ کی زبان سے حضرت عثمانؓ کے سوائے پانچوں بزرگواروں کی خلافت کے لئے

نا اہل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے، مگر راوی نے اپنے مقاصد کے پیش نظر حضرت عثمان اور دیگر بزرگان عدل کے کردار میں نقصان لگانے کی جو کوشش کی ہے اس کا تار پود بکھیر دینے کے لئے صحیح بخاری کی یہ روایت کافی ہے۔ ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۹۹ باب قسمۃ البیعة والاتفاق علی عثمان، اور یہ روایت اس وقت کی ہے جب حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی کی امیدیں ختم ہو رہی تھیں، اس آپ جمار نبویؓ میں اپنے مرتد کی فکر میں تھے۔ فقاولوا اصحاب یا امیر المؤمنین، متخلف قال ما اجد احق بجلد الامر من هؤلاء النفر والرهط الذین توفی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو عنہم من اصحابی فشی علیا وعثمان والزبیر وطلحہ وسعد وعبید الرحمن وقال یشھد کہ عبد اللہ بن عمر و لیس لہ من الامر شیء کھیمۃ التعزیر لہ فان اصابت الامرۃ سئل فهو ذاک ولا فلیستن بہ ایک ما امر فانی لہ اعز لہ عن عجز ولا حیانتہ

یہ ہے اصل صورت حال جو واقعات کے عین مطابق اور صحابہ کرام کے شایان شان ہے، یہ چھ چھ حضرات یکساں اہل تھے کہ ملت کی سربراہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کریں، حالات معمول پر نہ تھے تو ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ کامیاب

ہوتا، لیکن بد قسمتی سے اسلام کا نام لینے والا ایک گروہ سیاسی وجہ سے ایسا پیدا ہو گیا جس نے دعوت محمدیہ کو فنا کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھاتے ہوئے وہی صاحب نے ان عقوتوں کا سرچشمہ امیر المؤمنین عثمانؓ کو قرار دیا اور امیر المؤمنین معاویہؓ و دیگر خلفاء پر کچھ اچھال کر جو ظلم امت پر کیا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ ناظرین کرام دو اوزن معایتیں پیش نظر رکھیں اور دل سے پوچھیں کہ بخاری کی روایت حجت ہے یا نہ مردود روایت جسے مودودی صاحب نے اکابر صحابہ کی تحقیق کے لئے حجت بنایا۔

**راویوں کی حیثیت** | اب ہم مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت کے راویوں کی نشان دہی کرتے ہیں، باجمن میں غیر ثقہ منکر الحدیث و متہم بکذب نہایت بد افعال میتیش و کذاب رافضی راوی بھی شامل ہیں اور یہ بات اہل علم پر چھوڑتے ہیں کہ ایسی وضعی روایت کو حجت بنانے والے کے متعلق وہ کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ کتاب الاستیعاب کے مولف ابن عبد البر النعمری انقرطبی متوفی ۳۲۸ھ کے ایک شیخ عبدالواحد بن سفیان یا ابن سلیمان تھے ان ہی سے اس روایت کا سلسلہ حدیثی حدیثنا عبد الواحد بن سفیان ابن عبد البر کہتے ہیں۔

قواعدۃ معنی علیہ من کتابی وهو یفتر فی کتابہ قال حدیثنا ابو محمد قاسم بن اصبح حدیثنا ابو عبید بن عبد الواحد البیلسی حدیثنا محمد بن احمد بن ایوب قال قاسم وحدیثنا محمد بن اسماعیل بن مسلم الحدیثنا حدیثنا سلیمان بن داؤد وقال حدیثنا ابو ہیم بن سعد حدیثنا محمد بن اسحاق

یہ اپنی کتاب میں سے پرہیز کر عبد الواحد بن سفیان کو سنار پانچواں وہ اپنی کتاب میں دیکھ رہے تھے تو انہوں نے کہا ہم سے بیان کیا ابو محمد قاسم بن اصبح نے ان سے ابو عبید بن عبد الواحد البیلسی نے ان سے محمد بن احمد بن ایوب نے قاسم مذکور نے کہا محمد بن اسماعیل بن مسلم الحدیثنا اور سلیمان بن داؤد دونوں نے کہا کہ ہم سے یہ حدیث ابو ہیم بن سعد نے بیان کی ان سے محمد بن اسحاق نے بیان کی ان سے شہاب زہری سے سن کر اور



عن النهری عن عبد الله | انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور  
 بن عبد اللہ عن ابن عباس - | انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے  
 سن کر۔

ابن عبد البر مؤلف الاستیعاب کے ان شیخ کا جن سے یہ روایت چلی آتا سہما الربیع  
 میں سے کسی نے بھی کچھ حال نہیں لکھا، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال  
 تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، تجلیم المنقذ، خلاصۃ تہذیب، تہذیب الکمال لفظ  
 صفی الدین احمد و تاریخ صغیر نام بخاری میں سے کسی میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا،  
 البتہ حافظ ذہبی نے صاحب الاستیعاب یوسف بن عبد اللہ معروف بابن عبد البر  
 کے ترجمے میں یہ لکھ دیا ہے کہ انہوں نے علف بن قاسم اور عبدالوارث بن سعید سے  
 حدیث کی سیرت کی تھی، مگر عبدالوارث کا کچھ حال نہ کون تھے کہاں کے رہنے والے  
 تھے کب تھے کچھ نہیں بتایا، عبدالوارث کے شیخ ابو محمد قاسم بن اصبح کے تلامذہ میں عبدالوارث  
 کا نام تو موجود ہے، مگر ولدیت بدل کر یعنی ابن سعید، کی جگہ ابو سلیمان ہے  
 تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۱، لیکن یہ عبدالوارث بن سعید کی طرح عبدالوارث بن سلیمان  
 کا بھی ایسی کچھ ذکر نہیں ملتا، سعید بن سعید کی جگہ طباعت کی غلطی سے ممکن ہے سلیمان چھپ  
 گیا ہو مگر کس کو صحیح سمجھا جاتے کس کو غلط، جمہول الحال اور مفقود الخیر تو دونوں ہی اس  
 لئے اس حدیث کی بسم اللہ ہی غلط ہے، پھر ابن عبد البر نے اس کتاب کا نام تک نہ بتایا  
 جن کے دو نسخے تھے ایک میں سے یہ پڑھ رہے تھے اور دوسرے نسخے میں ان کے شیخ  
 عبدالوارث دیکھتے جاتے تھے، کتاب میں صرف یہ حدیث (روایت) تو نہ ہوگی اور بھی  
 حدیثیں درج ہیں جن کی تو کتاب کے نام کے ساتھ مؤلف کا نام بھی بتانا تھا اصرار کنا  
 تھا کہ اپنے شیخ کو پوری کتاب سنا رہے تھے کہ یہ روایت بھی اثنائے قرات میں آگئی تو پھر  
 حدیثنا عبد الوارث بن سعید کہنا تو غلط ہوا، کیونکہ عبدالوارث تو چھپ  
 چاپ شدہ ہے منہ سے الفاظ نکالتے اور پڑھتے تو خود ابن عبد البر سے اس لئے کہنا یہ  
 تھا قراوت علی عبد الوارث بن سعید، فی کتابی وھو یسمع منی ویبظن

فی کتابہ ابن عبد البر نے خود ہی متعدد جگہ ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً  
 ابن اسحاق کی کتاب استاد سے پڑھتے ہوئے لکھا ہے۔

فقوۃ علی ابی القاسم خلف (رج اصل) اس سے ظاہر ہے کہ اس روایت  
 کی یہ عبارت ابن عبد البر کے قلم کی نہیں ہے۔

ابو محمد قاسم بن اصبح۔ عبدالوارث کے یہ شیخ بھی اندلسی تھے اور بنی امیہ میں سے  
 کسی کے آنا ذکر وہ غلام تھے، قرطبہ کے رہنے والے تھے، وہیں جمادی الاولیٰ ۲۳۳ھ میں قاتل  
 ہوئے دسان المیزان ابن عبد البر صاحب الاستیعاب کی ولادت ۲۳۳ھ کی ہے گویا ابن  
 عبد البر کی ولادت سے ۲۸ برس پہلے قاسم بن اصبح مر گئے تھے اس لئے کسی ایک روایت  
 کے واسطے سے ان کا روایت کرنا بالکل قرین عقل ہے، مگر اس واسطے کو معروف و معلوم  
 ہونا چاہئے نہ کہ جمہول الحال و مفقود الخیر۔

ابو عبید بن عبد الواحد المیزان۔ کنیت ان کی ابو محمد تھی ان نام عبید اللہ  
 کنیت کی غلطی سے ابو کے بعد یہ محمد ترک ہو کر ابو عبید ہو گیا، یہ بغداد کے رہنے  
 والے تھے ماہ صعب ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی، پیرایہ سالی کے باعث آخر عمر میں دماغ مختل  
 ہو گیا تھا (انساب صحابی ص ۷۸) ان جڑنے بھی کتاب الضعفاء والجرود میں ان  
 کا ذکر کیا ہے دسان المیزان ج ۳ ص ۱۷۱، لیکن ان کے تلامذہ میں ابو محمد قاسم بن اصبح  
 کا ذکر بمعانی نے کیا ہے نہ ابن حجر نے ان کے شیوخ میں محمد بن احمد بن ایوب کا نام  
 الاستیعاب کی اس روایت میں بتایا گیا ہے، مگر کتب اسماء الرجال میں کسی نے اس طرح  
 نہیں لکھا اور کئی لکھتا بھی کیسے جب محمد بن احمد بن ایوب کی کوئی شخصیت دینا  
 رجال میں ہو بھی، چنانچہ اس نام کا حال بھی سن لیجئے۔

محمد بن احمد بن ایوب۔ الاستیعاب میں اس آدک کا یہ نام و ولدیت غلط درج  
 ہے، بیٹے کے نام کے جگہ باپ کا نام لکھ دیا ہے اصل میں محمد بن احمد بن ایوب کا کتاب  
 دیکھتے یہ احمد بن محمد بن ایوب کن صاحب ہیں، کنیت ان کی ابو جعفر ہے جلد ساز  
 تھے یعنی وراثی کا پیشہ کرتے تھے اور محدث ہونے کے مدعی تھے، بغداد کے باشندے

تھے وہیں ۲۲۵ھ میں فوت ہوئے یعنی اپنے شاگرد ابو محمد عبید سے ۵۳ برس پہلے ان کی وفات ہوتی چونکہ ان کے شاگرد اتنے بڑے ہو کر مرے تھے کہ پیرانہ سالی کے باعث حماس میں فوت آیا تھا، یعنی ۹۰ برس کم و بیش عمر تھی اس لئے ۴۰، ۳۵ برس کی عمر میں اپنے اساتذہ سے حدیثیں سنی ہوں گی، ان کے شاگرد پر تو کوئی خاص جرح کسی نے نقل نہیں کی ہے، سوائے اس کے کہ بٹھالے میں وصال غفل ہو گیا تھا، مگر خود ان اساتذہ و احوال تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۱۷۱) میں درج ہے، نمونہ کے طور سے اتنی سی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

قال یعقوب بن شبیبہ لیس من اصحاب الحدیث و انما کان وراقاً۔  
قال ابن عدی روی عن ابی ابراہیم (بن سعد) المعافری و انکرت علیہ و حدیث عن ابی بکر بن عیاش، یا المنابک قال ابو احمد ایما کم لیس بالقوی عند ہم قال ابو حاتم روی عن ابی بکر بن عیاش منکرتہ و روی ابی ابراہیم بن الجندی عن یحییٰ بن معین، ہو کذاب۔ یعنی اگر حال کے نزدیک یہ محدث تھے جلد ساز تھے، ضعیف و منکر حدیثیں بیان کرتے تھے، یحییٰ بن معین جیسے محقق نے ان کو کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال میں (ج ۱ ص ۱۶۱) روی ابی ابراہیم بن الجندی عن ابن معین قال ہو کذاب اب دیکھتے صاحب استیعاب ابن عبد البر کے چہول الحال شیخ عبدالواسع بن سفیان یا سلیمان کے اساتذہ قاسم بن اسیع نے اس عبارت کو احمد بن محمد بن ابی بکر نے پہنچا کر تحویل یعنی دوسرے سلسلہ اسناد شروع کی ہے، یعنی عبدالواسع نے کہا کہ قاسم نے ہم سے کہا کہ فقط ابو محمد عبید بن عبدالواسع ہمارے ہم سے یہ روایت بیان نہیں کی بلکہ ایک اور شخص نے اپنے سلسلہ اسناد سے بیان کیا ہے وہ دوسرے کون ہیں؟

محمد بن اسماعیل بن سالم الصالح۔ یہ تھے توفیق کے مگر مکرمہ میں کر بس گئے تھے اور وہیں ۸۸ برس کی عمر پا کر وفات ہوئی، قاسم نے چوبنی امیہ کے اسناد کو وہ غلام اور قرظی محدث اندلس تھے ان سے مکرمہ میں ہی حدیثیں سنی ہوں گی، حافظ ہی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۶ میں اس کا ذکر کیا ہے، اب ملاحظہ ہو یہ الصالح صاحب کس

سے عبارت کرتے ہیں، یعنی سلیمان بن داؤد سے۔

سلیمان بن داؤد۔ اس نام و ولدیت کے ساریان حدیث بہت ہیں کم از کم پندرہ سولہ کے ترجمے تو کتب میں ہیں، مگر ہر ایک کے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تیز کے لئے لگی رہتی ہے، مشہور محدث صاحب سنن ابو داؤد الطیالسی بھی سلیمان بن داؤد تھے، مگر مشہور اپنی کنیت سے ہیں، لیکن سلیمان بن داؤد نام سے بھی اگر ان کو کوئی کہے تو لائق ہے کہ اس کے بعد الطیالسی ضرور تیز کے لئے کہا جائے، اسی طرح سلیمان بن داؤد المبارکی (مبارک ایک قریہ کا نام تھا) یا سلیمان بن داؤد الخولانی دمشقی سلیمان بن داؤد التلمی الزہرائی سلیمان بن داؤد العباسی الباشمی اسی طرح اور نسبتیں ان ناموں کے ساتھ ہیں، محدثین کا یہ دستور ہے کہ ایسے مبہم ناموں کو سلسلہ اسناد میں بغیر ان کی نسبت یا نسبی تصریح کے ذکر نہیں کرتے، حضور صاحبان ناموں کے بعض راوی کم و بیش مجروح یا مشہور کذاب و مفتری بھی ہوں مگر اس روایت میں سلیمان بن داؤد کے نام کو مبہم اسی لئے چھوڑا گیا تھا کہ حسن ظن سے کام لے کر ہمسامیہ میں تقریبی راوی کا گمان ہوا، اگر یہ واقعی ثقہ ہوتے تو یقیناً ان کے نام کے ساتھ تیز کے لئے مزید نسبی یا نسبی تصریح کر دی جاتی مگر یہ تو سخت مجروح راوی ہیں اس لئے پردہ پوشی کے لئے ان کے نام کو مبہم چھوڑ دینا مناسب تھا۔

درحقیقت یہ سلیمان بن داؤد المنقری الشاذ کوئی ہیں متوفی ۱۳۳ھ ص ۱۳۳  
تھے، مگر بصوبہ آ کر ہے پھر کوہ دیندار میں ہے، مرے سے چند ماہ پیشتر امہقان گئے وہیں پویندغاگ ہوتے، مشہور شیعہ مولف علامہ شیخ ابن المظہر علی نے خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال (ص ۱۷۱) میں اپنے شیعہ مذہب کے راویوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ثقہ لکھا ہے، اگرچہ ان کے ضعف کا اظہار بھی کیا ہے، ابن حجر نے (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۷۱) عبارت میں ان کا مفصل ترجمہ درج کیا ہے، تشیع کا ذکر نہیں کیا مگر ان کے شیعہ مذہب ہونے کا ثبوت تو علامہ شیخ علی کی شہادت سے ظاہر ہے ابن حجر نے ان کے کتب و احوال کی پوری تصریح کی اور ان کے بد افعال ہونے کا بھی ذکر کیا ہے

حضرت لوط علیہ السلام کی امت مقتدوب علیہا سے بھی ان کو کچھ روحانی فیض پہنچا تھا، اسی کے ساتھ یہ نے نوشی کے بھی رسیا تھے، بغداد میں ایک محلہ صوب زینک تھا، وہاں کے معنی ہیں راستہ جیسے آج کل قلاں روڈ کہتے ہیں یہ وہ صوب زینک میں رہتے تھے، اس محلہ کو کہتے تھے ما دخل صوب دھمیک آکنب من الشاذ کوئی، زینان المیزان (ص ۱۳۸) یہ ہر وقت حدیث اور اشارہ لکھ لیا کرتے تھے عبدالرزاق بن ہمام النضائی کے سامنے ایک کتاب پیش کی گئی، جس میں شاذ کوئی کی روایت کردہ حدیثیں تھیں، اسے پڑھ کر ان کے چہرے کا رنگ نعتہ سے متغیر ہو گیا کہنے لگے، اعدا اللہ انکذاب الخبیث جاء الی ہلھنا کان یفعل کن او کن دیہ اعدا دشمن یہ کتاب خبیث یہاں تک پہنچ گیا، جو ایسا ایسا کام کیا کرتا تھا، کان یومی بالظلم، لواطت و بد فعلی کرتا تھا، مختصر یہ کہ علامہ حدیث اس ایرانی راوی کی ذہانت اس کے حافظہ اور دقت احادیث و رجال ان سب باتوں کا اعتراف کرتے ہیں، مگر بیشتر ائمہ حدیث اس کے کتاب و سفری و بد افعال ہونے پر متفق ہیں، یہی وہ سلیمان بن داؤد ہیں جو اسی مشی روایت کے راوی ہیں، یہ وہ پوشی کے لئے ان کا نام بغیر انہار نسبت بہم چھوڑ دیا گیا ہے اس کتاب میں جن نام غلط چھپ گئے ہیں ان کی تصحیح محض گمان پر اس لئے چھوڑ نہیں ہے بلکہ تطبیق کے ساتھ ہے، ابو عبید بن عبد الوہاب انہار کی تصحیح ابو محمد عبید بن عبد الوہاب انہار صحیح نہیں تو موسوی صاحب ابو عبید بن عبد الوہاب انہار نام کا کوئی راوی ثابت کر دیں جو محمد بن احمد بن ایوب سے روایت کرتا ہو، اسی طرح محمد بن احمد بن ایوب کی تصحیح احمد بن محمد بن ایوب کو غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا اور نہ سلیمان بن داؤد نام کا کوئی راوی راوی بغیر انہار نسبت کے بتایا جاسکتا ہے۔

**دو کتاب راوی۔** اس وضعی روایت کا سلسلہ آپ نے دیکھا دیکھا لوں پر منہ ہی ہوتا ایک تو احمد بن محمد بن ایوب پر جو غیر ثقہ منکر الحدیث اہم مذہب ہیں اور دوسرا سلیمان بن داؤد المنقری الشاذ کوئی پر جو مشہور شیعہ کتاب و مسفری اور حد درجہ بد افعال شخص تھا، حضرت ابن عباسؓ اور فاروق اعظمؓ پر یہ اہتمام ان ہی دو کتابوں

سلیمان بن داؤد الشاذ کوئی اور احمد بن محمد بن ایوب ابو جعفر اللذان نے لکھا ہے اور ان ہی دونوں نے ابراہیم بن سعد ابن اسحق اور زہری پرستان باندہ ہاندہ یہ حضرت ایسی کھلی ہوئی افتراء حدیث کی روایت نہیں کر سکتے تھے، ابراہیم بن سعد کا ابن اسحق سے روایت کرنا بھی غلط ہے

ابراہیم بن سعد بن عبد الرحمن بن عبد الرحمن بن عوف ابو اسحق الزہری کی ولادت ۳۸۴ھ میں ہوئی، ۵ برس کی عمر یا ۳۸۳ھ میں فوت ہوئے مدینہ کے قاضی رہے تھے زینان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳۸ ابن اسحق کی ولادت ۳۸۴ھ میں ہوئی ایرانی نسل کے تھے، تیس برس کی عمر میں مدینہ سے نکل کر پہلے مصر گئے، کان خراج من المدینۃ قویما دہنیب التہذیب ج ۱ ص ۱۳۸ ان کے اسکندریہ پہنچنے کا سال ۳۸۴ھ اور بیروایت دیگر ۳۸۵ھ بتایا گیا ہے، اس وقت ابراہیم بن سعد کی عمر سات سال کی روایت دیگر اس سال کی تھی ابن اسحق پھر مدینہ واپس نہ آئے، مصر سے عراق چلے گئے اور ۳۸۴ھ یا ۳۸۵ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (دہنیب التہذیب) ابراہیم بن سعد کا طلب حدیث کے لئے مدینہ سے باہر جانا ثابت نہیں اس لئے ابراہیم بن سعد کا ابن اسحق سے روایت کرنا صحیح نہیں ابراہیم بن حمزہ کا قول امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے مغازی کے علاوہ سترہ روایتیں ابن اسحق سے روایت کی ہیں، محض بے اصل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ نے خلافت کے بارے میں اگر ایک بائیس نو جوان حضرت ابن عباسؓ سے جن کی عمر اس وقت تیس چوبیس برس کی تھی، یہ گھنگو کی تھی تو حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد جب مجلس شوریٰ ہوئی تو ابن عباسؓ نے ارکان مجلس کو حضرت عمرؓ کے ان اقوال سے کیوں مطلع نہیں کیا، جب ساری داستان ختم ہو گئی تو صرف عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہؓ سے اکیلے کیوں کہا کسی اللہ سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا اور عبید اللہ بن عبد اللہ نے فقط ابن شہاب زہری سے کیوں اس کی روایت کی ان کے بہت سے شاگرد تھے اللہ کسی سے کیوں نہیں بیان کیا اللہ زہری نے امام مالکؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین سے حجاز کے شاگرد تھے کبھی اس کا ذکر کیوں نہ کیا صرف ابن اسحق سے کیوں

کیا اودبان اسحق کے بھی بہت سے شاگرد تھے انہوں نے فقط براہیم بن سعد سے  
کیوں کہا جن کو شاید دیکھا بھی نہ ہوگا اور دیکھا ہوگا تو سلت یا گیا ہر سکہ کے کم سن کلچر  
ابراہیم بن سعد نے صوف دکھا اود ہی سے کیوں بیان کیا اپنے کسی لفظ شاگرد سے کیوں  
نہ کہا یہ آحاد روایت دو کذا ایں کی بقی ہے جن کی کذا بیت مفسدہ شن کی طرح ہے  
ہے اس کے فقرات کو مودعی صاحب نے امیر المؤمنین عثمان ذی النورین کی تفسیر  
میں صحیح کرنا پند کیا۔

**امیر المؤمنین فاروق اعظم کی وصیتیں** | مودعی صاحب نے حضرت فاروق اعظم  
کی چند وصیتیں نقل کی ہیں جو ۱۹۷۱ء میں

اسی چیز کا خیال ان کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا، چنانچہ آخری وقت میں  
انہوں نے حضرت علیؑ حضرت عثمانؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص  
کو بلا کر ہر ایک سے کہا: اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام  
کی گردنوں پر سمانہ کر دینا مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے  
انہوں نے جو ہدایات چھوڑی، ان میں دوسری شرطوں کے ساتھ ایک شرط  
یہ بھی شامل کی کہ منتخب خلیفہ سے عہد لیا جائے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ  
کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کرے گا، مگر بدقسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ  
(۳۵-۷۳ھ - ۵۶-۶۶ء) اس معاملے میں حیا مطلوب کو قائم نہ رکھ  
سکے۔

یہ بیان از سر تا پایا غلط ہے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور ہو سکتی تھی امیر المؤمنین  
کی حالت ہی ایسی کہاں تھی کہ یوں بلا بلا کر عہد لیں، پھر حال ہے کہ یہ عہد نامہ تینوں ہی  
سے کیوں لیا گیا، باقی تینوں کو پہلے ہی سے الگ کر دیا تھا؟ تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت  
تھی جن میں سے عہد لیا انہی کو نام زد کر جائے، اصل یہ ہے کہ جس وقت آپ سے وصیت  
کے لئے عرض کیا گیا وہ وقت نہ تقریباً کا تھا اور نہ وصیت نامہ لکھوانے کا، چند  
باتیں مختصراً اور خلاصہ میں، جن میں مودعی صاحب کی بیان کردہ باتوں کا ایک حرف

بھی نہیں دیکھا، بخاری ج ۲ ص ۲۹۹ طبع مصر عنوان قصۃ البیعة والاتفاق علی عثمان  
اور صی الخلیفة من بعدی |  
بالصاحجرین الاولین ان یحرف  
لحم حقم و یحفظ لحم حسرتهم  
وادویہ بالانصار خیر الذین  
تبعوا والسا والایمان  
من قبلہم ان یقبل من محنہم  
وان یغفر عن سیئمہم وادویہ  
یاہل الامصار خیر انا انہم  
سرع الاسلام وحیاة المال  
وخیط لعدوان لا یؤخذ منہم  
الافضلہم عن سناہم وادویہ  
بالاعراب خیر انا انہم من العرب  
وصانۃ الاسلام ان یؤخذ من  
حواشی اموالہم ورتور علی فقرہم  
وادویہ بیئہم اللہ ورمۃ  
رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم  
یوقی لہم بعصل ہم وان  
یقاتل من ورا لہم ولا  
یکلفوا الا طاقہم۔  
ان پر بوجہ فالاجائے۔

یہ بھی سنت کے مطابق ان کی مختصر تقریر جلاہوں نے اپنے آخری وقت میں  
علوم نہیں کسی تکلیف میں کی ہوگی، اب ہم مودعی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے

عبدالرحمن بن ابی بکر



ہیں کہ صحیح روایت ان کے نزدیک امام بخاری کی ہے یا ابن عبد البر مصنف الاستیعاب کی اگر بخاری کی روایت صحیح ہے تو انہوں نے استدلال اس سے کیوں نہیں کیا اور اگر وہ اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں تو کیا وہ امت کی یہ بادگشا نا چاہتے ہیں کہ حاکم بدرہن حضرت فاروق اعظمؓ میں وہی نفاق تھا جو مودودی صاحب کے ہم مشرب لوگ کہتے ہیں کہ جلوت میں تو وہ بات کہی جو بخاری نے بیان کی اور جلوت میں وہ جوان رادیوں کے زعم میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہی۔

خود ابن جریر طبری نے جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر مصنف ہے مقدمہ الشہداء کے عنوان سے حضرت فاروق اعظمؓ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں جو جرح ہو جانے کی حالت میں لوگوں کے یہ عرض کرنے پر فرماتے تھے کہ اے امیر المؤمنین جانشین مقرر کر لیجئے فرمایا تھا "ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے انہیں مقرر کر دیتا میرا بپوتہ تو کہہ دیتا کہ تم میرے بپوتہ کہتے سنا تھا کہ وہ اس امت کے امین ہیں، سالم سولی ابو حنیفہ (اموی) زندہ ہوتے انہیں مقرر کرتا میرا بپوتہ جتنا تو کہہ دیتا تیرے بپوتہ کہتے فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ کی محبت میں شہید ہے پھر ان پچھ صاحب کے نام سے کر فرمایا کہ علی و عثمان تو وہاں بنا عبد منافؓ ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے سے ہیں اور عبدالرحمن (بن عوف) اور سعد بن ابی وقاصؓ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاری صاحب کی چھوٹی کنبے ہیں اور طلحہ ابن عبید اللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آخر وقت تک راضی رہے تھے، ان میں سے کسی کو منتخب کر لینا اصحاب سے اپنا حاکم و قالی بنالینا تو اس کی اعانت اور مدد پڑے طور سے کرنا فاذا اولیٰ ما حسنتہ امواتہ و عینیہ (طبری ج ۵ ص ۵۸۳) طبع اولیٰ) چنانچہ آخر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم سیدھے چلے لوگوں کے ہمارے خلاف ہونے کا تو مجھے خوف نہیں ہے، لیکن مجھے تم سے ڈبے ہمارے درمیان اختلاف ہونے کا و لکنی اخاف علیکم اختلافکم فیما بینکم (ایضاً)

یعنی مودودی صاحب ہی کے ماخذ طبری سے مودودی روایت کی بخوبی تردید ہو

جاتی ہے، جس کے چند فقرے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی تنقیص میں نقل کئے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی زبان سے ان اہل صحابہ کا جو وہ جہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے اور حضرت طلحہؓ کو یہ الخیرہ سے ملقب کیا ہے اور آخر میں کسی صحیح پیش گوئی کی ہے کہ اپنے کسی جانشین کے خلاف لوگوں کی مخالفت کا حضرت موصوف کو خوف نہ تھا بلکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا ہو جانے کا ڈر تھا۔ جس کے لئے انہوں نے یہ وصیت کی کہ جسے بھی اپنا حاکم بنا لینا اس کی مدد و اعانت بخوبی کرنا، طبری ہی کی اس روایت سے صحیح صورت حال ہو گیا ہو جاتی ہے اعتبار ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے اپنے اس معتبر مورخ کی روایت کو نظر انداز کر کے ایک وضعی تفسیر بنی امیہ اور امیر المؤمنین ذی النورین کی منقصدت میں چھانٹ لی جس کا تلہ پود پھیلے اصاق میں دیا گیا اور دیا گیا دونوں طرح بکھریا گیا ہے۔

**عہد عثمانی کے عمال حکومت** مودودی صاحب نے اس سے آگے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اہل ایمان کامل لڑنے والا ہے کہ

اگر وہی ہوتے نفس میں کہلن تک دسواں کا آلہ کار بن جاتا ہے فرطے میں (ص ۵۹)

ان کے (یعنی حضرت عثمانؓ) کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے وظیفے دئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تنگی سے محسوس کرنے لگے، ان کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ یہ عمر خدا کی خاطر اپنے اقربا کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقربا کو دیتا ہوں۔ ابو بکر و عمر بیت المال کے معاملہ میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقربا کو بھی اسی حالت میں رکھیں، مگر میں اس میں صلہ رحمی کو پسند کرتا ہوں، اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا، ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوتے بلکہ قبائلیت کی دہلی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام

جی کو پھونک کر رہا ہے

امیر المومنین عثمانؓ کے عہد مبارک و مسعود میں جن بعض اموی سادات کو حکو  
میت کے عہدے دئے گئے ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت آگے ملاحظہ ہوں اور بدیلت المال  
سے انہیں وظائف دینے کا جو اہتمام ہے اس کی صورت حال بھی آگے معلوم ہوگی  
یہاں ہم عہد عثمانی کے امراء کی فہرست دیتے ہیں جس سے مودودی صاحب کے  
بیان کی قلعی کھل جائے گی اور جو اتہام انہوں نے حضرت عثمانؓ پر لگایا ہے اس کا  
تظلمان معلوم ہو جائے گا، یہ فہرست متعدد کتابوں سے مرتب کی گئی ہے جن میں طبری  
اور ابن اثیر بھی ہیں، جو مودودی صاحب کے ہاں اعتبار کا درجہ رکھتے ہیں:-

### فہرست عمال و دیگر عہدہ داران عہد عثمانی

پہر شمار	نام عہدہ دار	نام عہدہ دار
۱	حضرت عبداللہ بن الحضری	عادل مکہ
۲	قاسم بن ربیعہ ثقفی	طائف
۳	یحییٰ بن امیہ یثربی صحابی	یمین
۴	عبداللہ بن ربیعہ الغنوی	الجند
۵	عبدالرحمن بن خالد بن ولید خزرجی صحابی	حمص
۶	جہیب بن مسلم فہری	قفزین
۷	ابوالاعور بن سفیان سلمی ذکوانی	اردن
۸	علقمہ بن حکیم کنانی	فلسطین
۹	ابوموسیٰ اشعری صحابی	کوفہ
۱۰	جریر بن عبداللہ بکلی صحابی	قرقیا
۱۱	اشعث بن میسس الکندی صحابی	آذربائیجان
۱۲	عتیبہ بن الہناس	حلوان

۱۳	حضرت مالک بن حبیب السیرانی	خاں ماہ
۱۴	سعید بن قیس	رے
۱۵	ساتب بن اقرع	اصفہان
۱۶	التیسر	سلمان
۱۷	عبید بن جریح	مابستان
۱۸	حکیم بن سلامہ الخزرجی	موصل
۱۹	عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح عامری صحابی	مصر
۲۰	معاویہ بن ابی سفیان اموی صحابی	شام
۲۱	عبد اللہ بن عامر بن کریمہ اموی صحابی	بصرہ

خلافت عثمانی کے ان اکیس مستقل عاملوں میں صرف دو حضرات بنی امیہ سے ہیں  
ان کے علاوہ ولید بن عقبہ اموی اور سعید بن العاص اموی دو اور حضرات اس خاندان  
کے ہیں جو یکے بعد دیگرے کوفہ کے وانی ہوتے اور محزون کئے گئے، ان کی جگہ حضرت ابو  
موسیٰ اشعری وانی ہوتے جو آخر عہد عثمانی تک رہے۔  
عاملوں کے علاوہ دیگر مختلف خدمات پر جو حضرات مقرر تھے ان کے نام بھی درج  
ذیل ہیں (بحوالہ طبری ج ۵ ص ۱۴۵ طبع اولیٰ)

۱	حضرت مردان بن الحکم اموی	کاتب
۲	نہید بن ثابت	قاضی مدینہ
۳	ابو اللہ عطاء	قاضی دمشق
۴	عقبہ بن عمرو	افریقہ
۵	جابر بن فلان المرزنی	افریقہ
۶	مہاک النضاری	ایضاً
۷	العقاع بن عمرو	افریقہ

ان سات ہمدہ داخل میں بھی صرف ایک صاحب نبی امیر میں سے تھے  
 اس فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے صورت حال مسخ  
 کرنے کی کیسی کوشش کی ہے، ناظرین کرام خود گن لیں کہ ان میں کتنے اموی ہیں، جن  
 بزرگواروں کے تقریر پر مودودی صاحب نے خاص طور پر اعتراضات کئے ہیں اور ان پر  
 بہتان باندھے ہیں مثلاً حضرت مروان بن الحکم، حضرت ولید بن عقبہ، حضرت عبدالملک  
 بن عامر، حضرت عبدالملک بن سعد اور حضرت سعید بن العاص ان کے اعمال ان کے  
 ناموں کے تحت ملاحظہ ہوں، اسی طرح بیت المال کے سلسلے میں مودودی صاحب نے  
 جو افتراء کیے ہیں ان سے بیت المال کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے، حضرت عثمان  
 کی زبان سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں انہوں نے  
 جو غلط بیانی کی ہیں، ان کا جواب بھی بیت المال کے عنوان کے تحت ملے گا حضرت  
 فاروق اعظمؓ نے جب دیوان مرتب کیا اور مختلف قبائل کے سرداروں کے وظائف متعین  
 کئے گئے، تو کیا ان میں ان کے قبیلے والے تھے اور عدوی نہ تھے؟ یہ سب مال بیت المال  
 ہی کا تو تھا، جس سے قریش کے ایک ایک گھرانے کے افراد کو وظائف دئے گئے یا تو  
 حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ جس کسی کو کچھ دیا وہ اپنے مال سے دیا جیسا کہ بیت المال  
 کے عنوان سے معلوم ہو گا، اگر مودودی صاحب کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے بہترین اصحاب اہم امت محمدیہ کے ان ائمہ کرام کی کچھ بھی حرمت ہوتی تو ایسی ہوتی  
 باتیں لکھتے وقت ان کا قلم رکنا اودھ سوچتے کہ کس کے متعلق کیا بات باور کاتا چاہیے  
 ہیں، اگر صحابہ کرام امداد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا ہی خیانت جرمانہ کے ترکیب  
 ہوتے تو پھر اس امت کا ٹھکانہ کہاں رہا۔

مودودی صاحب نے کیسی صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت  
**قبائلی عصبیت** | امیر المؤمنین عثمانؓ کے طرز عمل سے قبائلی عصبیتیں جاگیں جن  
 کی بنا پر آپ شہید ہوئے اور خلافتِ ماشدہ کا قاتمہ ہو گیا، نہ کوئی عصبیت جاگی اور نہ  
 کوئی فتنہ اٹھا، کیونکہ حکومت کی تشکیل بالکل عربی ماحول کے مطابق اور ان کی حیات

اجتماعیہ کے مناسب تھی اہل عثمانی کے انہیں جو فتنے جائے ان کی اصل عربی نہیں وہ فتنے  
 جنگ نے ہائے عرب کے باہر سے آئے تھے بلکہ اسلام سے بھی ان کا تعلق منافقانہ تھا ان  
 فتنوں کو عرب قبائل کی منافست قرار دیکر مودودی صاحب نے تلبیس وافرار کا حق  
 ادا کر دیا حضرت امیر المؤمنین عثمان سلام اللہ علیہ کے خلاف شورش برپا کرنے میں عربوں  
 کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ پوری امت اس شورش سے بری ہے، البتہ عراق کے دو ایک قبیلوں  
 کے چند جاہل اور مفلس افراد سبائی مکانہ کا شکار ہو گئے، جن کی تعداد مسلمانوں کی اجتماعی عدد  
 قیمت کے مقابلے میں سچ محض تھی۔

جو امت دو برس عسکریں میں پھیلی ہوئی ہو اس میں سے دوچار ہزار آدمیوں کی  
 یہ حیثیت ہے اور آؤں بھی وہ جو کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے اور جن کا خود اپنے اپنے شہروں  
 میں کوئی اثر نہ تھا، عبدالملک بن سبائہ اس کے گروہ نے چھ برس کی لگاتار محنت کے  
 بعد کو فہرہ اور منطاط کے چند ہزار آدمیوں کو اگر صفا لیا اور ان میں سے بھی اکثر اس  
 کے اصل عوام سے بے خبر تھے اسے قبائلی عصبیتوں کا جاننا کس طرح کہا جا سکتا ہے جب  
 کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تینوں شہروں میں ان مفسدوں کی پشت پناہی آدی نہ تھے کہ یہ  
 لوگ اپنے آپ کو ان امتیاز کا فائدہ کہہ سکیں، مودودی صاحب کو خود یہ بات تسلیم ہے۔  
 ہمارے نزدیک یہ امت محمدیہ پر بہتان ہے اور ہم دین اسلام سے اسے غلامی سمجھتے  
 ہیں کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ کو امت میں یا اس کے معتقد حصے میں نام مقبول باور کرانے  
 کی کوشش کرے حضرت عثمانؓ کی پشت پر سات امت تھی اور اگر وہ تمنا کی اجازت دے  
 دیتے تو محض ان دو ہزار مفسدوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے مرکزوں کی بھی اینٹ سے اینٹ  
 بجادی جاتی یا انہیں اس طرح شکستے میں کس دیا جاتا، جس طرح امیر المؤمنین عبدالملکؓ  
 کے مبارک ہمد میں امیر چٹان نے ان کے کسی بل نکال دئے، حضرت عثمانؓ اگر امت میں  
 نام مقبول ہوتے تو کیا ان کی شہادت پر عالم اسلام میں اس طرح آگ لگتی اور حضرت علیؓ  
 کو اپنی عصبیت کی تکمیل میں یوں ناکامی ہوتی؟ اور حضرت معاویہؓ جو قصاص عثمانؓ کے  
 لئے کھڑے ہوئے تھے وہ اس طرح کامیاب ہو سکتے جیسے ہو گئے۔

جس قسم کی وضعی ردائیوں پر مودودی صاحب نے اپنے مصنفوں کا مدار رکھا ہے اور جس قسم کے وضائع راویوں کو انہوں نے قابل اعتماد سمجھا ہے اگر ہم بھی تحقیق و تفتیش کا یہی معیار رکھیں اور اعلیٰ ماخذ و مصادر سے ان کی طرح آنکھیں بند کر لیں تو ہم وہ بات کہہ سکتے ہیں جو اس داستان کو بالکل ہی الٹ دے اور جو لوگ دریدہ دہنی سے حضرت عثمان کو مستہم گردانتے ہیں، انہیں یہ سارا الزام کسی دوسری طرف منتقل ہوتا دکھائی دینے لگے، جو رعایتیں کتابوں میں ہیں ان تکہ کسی کی رسائی ہے کسی کی نہیں لیکن امت کے سامنے ایک تحریک جو دے جس کا وجود حسی ہے۔ اور جس نے اسلام کی تاریخ کے بجائے خود اپنی جداگانہ تاریخ مرتب کی ہے اور اس تاریخ کو عقیدہ کا درجہ دے دیا ہے ایک غیر جانبدار شخص جب مسلم معاشرے میں آئے گا اور اس گروہ کی باتیں سنے گا جو مبنی پر رسائی جاتی ہیں اور ان کی خاص تبلیغی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں، ان سے قطعاً یہ امر اصرار کرے گا کہ

پہلا شخص جس نے صحیفوں کو جوگانے کی کوشش کی وہ حضرت علیؑ ہی جنہوں نے حضرت محمدؐ کی اہل صلوات اللہ علیہ کی بیعت ہو جانے کے بعد اس کی کوشش کی کہ اپنا جھنڈا اس خلافت کا تختہ الٹ دیں اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر گھر گھر گئے اور اپنے متاعی پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن جب ناکام ہو گئے تو مجبوراً حضرت صدیقؑ سے منافقانہ بیعت کی اور تینوں خلفائوں میں تقسیم کی زندگی بسر کرتے رہے، پھر جب ان کی پارٹی تیار ہو گئی تو انہوں نے علیؑ کو شمشیر سے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھا، لیکن یہ امت جو شروع سے اہل بیتؑ کی دشمنی چلی آ رہی ہے، اس نے ان کی خلافت نہ چیلنے دی، یعنی یہ سبب حراً و راسل خاندانی منافقت پر مبنی تھا اور دین اسلام محض ایک گھڑوے کا معاملہ ہے۔

ایک ہاشمی نے امویوں پر برتری قائم کرنے کے لئے نقل و نقل کفر نہ باشعور بیعت کا دعوئی ادا اپنے بعد اس بیعت کا وصی اپنے چچا

کے بیٹے کو بنایا، لیکن اموی بھی بڑے چالاک تھے انہوں نے بڑی تعداد میں منافقانہ اسی ہاشمی کا "مذہب" قبول کیا اور اس پر مسلط ہو گئے پھر ہر طرح کوشش کی کہ اس "بنی" کے بعد اس کے گھروالے کسی طرح برسر اقتدار نہ آسکیں اور جب اس "بنی" کے چچا کا بیٹا اپنی پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گیا اور خلیفہ وقت کو قتل کر کے خود خلیفہ بن بیٹھا تو اس کی مخالفت میں یہ لوگ کھڑے ہو گئے تا انکے اسے پست کر کے اپنی چودہمراہٹ قائم کر لی۔

یہ نبی قرآن نام کی ایک کتاب بھی لایا تھا، جس میں اس نے چار سو کے قریب آیتیں اپنی بیٹی اور مادامہ عدولان کی مدح میں لکھی تھیں تاکہ ان کی بالادستی قائم رہے مگر دشمنان "اہل بیت" نے یہ آیتیں قرآن میں سے نکال دیں اور تیسرے خلیفہ نے جو اموی تھا، قرآن میں سے بہت سی آیتیں نکال دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علیؑ کی ولایت کی حمیہ آیت تھی جو جملنا علیاً صحرک سے نکال دیا اور بقول ان کے ایک امام کے عندنا اطمح فاطمة، ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے واللہ ما فیہ من قوال کمر حرف واحد (دکانی ص ۵۰ طبع ۱۲۷۸ء) جیسا اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے، غرض کہ اس اموی خلیفہ نے اس کتاب کو ایسی صورت دیدی کہ اسے خود اس اموی کی باتیں کہا جاسکتے۔

دعا میں قبول کرنے کا جو معیار مودودی صاحب نے قائم کیا ہے اور پر کا یہ بیان اور اس سے نکالنا ہوا نتیجہ بالکل اس معیار پر پورا اترتا ہے، کیا مودودی صاحب اس بیان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو انہیں اپنی تحریروں سے توبہ کا اعلان کرنا چاہیے اور آئندہ وہی بات کہنی چاہیے جو مخصوص مرتبہ و ثابرتہ کے موافق ہو، صاحب کرام کے شایان شان ہو اور ان وعدوں کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے کئے اور اس نظام

خلافت کے ذریعہ انہیں پیدا کیجئے صحابہ کرام نے قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں تین چھٹائی  
متمدن دنیا پر اسلام کا پرچم اُٹھایا اور علم و حکمت کے دیباچے۔

## امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

موسوی صاحب نے غالباً اسے عام سے خوف نہ ہو کر یہ بیان کیا ہے کہ

باغیوں نے،۔

حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی  
جن زیادہ تر بالکل بے بنیاد اور ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے  
جوابات دئے جاسکتے تھے اور بعد میں دئے ہی گئے، پھر فرماتے ہیں  
”اور حضرت علیؑ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت  
عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی، مدینہ کے ہاجرین، واقفار بھی جو دربار  
اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے  
ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوتے!“ (ص ۱۱۷)

لیکن اس بیان کے باوجود انہوں نے حضرت عثمانؓ کی ”فرد جرم“ بہت اہتمام سے  
تیار کی ہے خود وہ بڑے بڑے سب الزام عائد کئے ہیں بلکہ انہی کو ”تغیر کا آغاز“ قرار دیا ہے  
اور صراحتاً کہہ ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً اکابر صحابہ ان سے ناراض ہو گئے، چنانچہ فرماتے ہیں  
”فرد جرم“ مرتبہ موسوی صاحب

انہوں نے (حضرت عثمان نے) بے درپے  
بنی امیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے  
اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں  
اس ضمن میں فرماتے ہیں: ”مثال کے طور پر انہوں نے افریقیہ کے مال غنیمت کا پورا حصہ ۵۵ لاکھ  
دینار مروان کو بخش دیا“

۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے انہوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے

ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ۔۔۔۔ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا۔

۳۔ اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک مدعی عزیز سعید بن عاص کو دیا۔

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں

زاد بھائی عبد شبن عام کو ان کی جگہ مامور کیا۔

۵۔ حضرت عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ

بن سعید بن ابی سرح کو مقرر کیا۔

۶۔ حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے

حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔

۷۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو انہوں نے اپنا سرٹری بنا لیا جس کی وجہ

سے سلطنت کے پورے مد بست پر اس کا اثر و نفوذ قائم ہو گیا، اس طرح عملاً ایک

ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔

اب ملاحظہ ہو شیپ کا بند، ان باتوں کا رد عمل صرف عوام ہی پر نہیں اکابر صحابہ

نیک پر کچھ اٹھانہ تھا اصلہ ہو سکتا تھا۔

پھر ملنے ہی دیکھا

”یہ بات اول تو بجا تھے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس

خاندان کا ہو مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دیکھ

جائیں، مگر اس کے علاوہ چند اسباب اہم بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورت

حالیہ پیدا ہوئی، اس خاندان (بنی امیہ) کے جو لوگ

دور عثمانی میں آئے بڑھاتے گئے وہ سب طلاق میں سے تھے، طلاق سے ملو

مکہ کے وہ خاندان ہیں جو خود وقت تک بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور حکومت

اسلامی کے مخالف رہے فرج مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ

اسلام میں داخل ہوئے، حضرت معاویہؓ ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم ان ہی

سبانی یا قنہ خاندانوں کے افراد تھے۔۔۔۔۔ فطری طور پر یہ بلیت کسی کو پسند

نہا سکتی تھی، اگر سابقین، اولین جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے

جائیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیاں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے بٹھاوتے جائیں اور مطلقاً جو فرخ کے بعد ایمان لاتے تھے امت کے سرخبل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب باہمیت ہو جاتی، وہ بہترین تنظیم اور اعلیٰ درجہ کے فلاح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوتے لیکن اسلام جنس ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی انکی صفوں میں نہیں بلکہ پھلی صفوں میں آتے تھے۔۔۔

تیسرے یہ کہ عملاً ان سے جس کرنا کا نظریہ ہو رہا تھا وہ اس حد کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کر سکتا تھا، مثال کے طور پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی جگہ جس ولید بن عقبہ کو کوثر کا گورنر مقرر کیا گیا، اس کا انتظام سے اول اول اہل کوثر بہت مطمئن ہوتے مگر بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ نے فوج ہے اور اس کے قصے شہور ہوئے لگے، آخر کار ایک سنا سننے لگے کی حالت ہی میں لوگوں کو صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔ اور پھر ملٹ کر لوگوں سے پوچھا: "اور پڑھاؤں یہ واقعہ حضرت عثمان تک پہنچا اس پر شہادتیں پیش ہوئیں اور حضرت عثمان نے ولید کے چالیس کٹھ سے لگا کر گورنری سے معزول فرما دیا، شمارہ ترجمان القرآن)

ہم نے یہ طویل اعتبارات اس غرض سے پیش کئے ہیں کہ مودودی صاحب کو یہ شکایت نہ ہو کہ ان کے بیان میں قطع دروغی گئی ہے، اب ہم ایک ایک شق پر سیر حاصل بحث کرنا چاہتے ہیں۔

## عزل و نصب

امرا کا عزل و نصب معارف کے تحت ہوتا ہے جسے ہم عصر لوگ اور اسباب سیاست خوب سمجھتے ہیں، پھر میں وہ حسی نتائج جو ان امر

کی خدمات سے حاصل آتیں اور ان کی موند سبب و غیر موند سبب ثابت ہو جائیں وقت جس قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے، انہیں آگے بڑھایا جاتا ہے اور ضرورت ختم ہونے یا مصلحت پیدا ہونے پر باہنیں ہٹا لیا جاتا ہے، ایک شخص کی کتنی ہی بڑی خدمات ہوں اور کیسی ہی عظیم الشان اس کی شخصیت ہو لیکن سیاسی تقاضے اگر بدل جائیں تو اسے اپنی جگہ پر نہیں رکھا جاتا، ہمارے زمانہ کی ایک مثال سے صورت حال سمجھیں آج ہمارے گے، دوسری جنگ میں مملکت انگلستان کے کلی اختیارات وزیر اعظم مشر چرچل کے سپرد کر دئے گئے تھے اور انہوں نے وہ کارنامے انجام دئے اور محمدی طاقتوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ صدیوں تک انگلستان کے لوگ ان پر فخر کریں گے، مگر جنگ ختم ہوتے ہی انگریز قوم نے مشر چرچل کو سیاسی جرنیاتی سے الگ کر دیا، اب ایک سطحی دماغ کا شخص اسے انگریز قوم کی احسان فراموشی کہے گا لیکن جو لوگ ایک نرفہ قوم کی نفسیات سے واقف ہیں وہ انگلستان کے عوام ہی سیاسی سوچ بوجھ کے قائل رہیں گے، کیونکہ مشر چرچل کے وہی اختیارات اگر اب بھی باقی رہتے تو عالمی سیاست میں انتہائی پیچیدگیوں پیدا ہو جاتیں اور کچھ تعجب نہ ہوتا کہ خود انگلستان میں انقلاب آجاتا۔

اسی پر قیاس کر کے سوچا جائے کہ امیر المومنین عثمان کے زمانہ میں عرب و جملہ کی حکومتیں جو چل رہی تھیں ان کے لئے ضرورت تھی اس قیادت و جلاوت و شہادت کی جنرل کے ماہر ناز و دلایوں نے دکھائی، مودودی صاحب خود بھی جس کے معترف ہیں اور جس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ایسے ہی جملہ خون کی ضرورت تھی، صحیح ہے کہ بقول مودودی صاحب سب قابلیت محض اپنی مولوں ہی میں نہ تھی بلکہ ایک بات کا انہوں نے خیال نہ کیا کہ جن دوسروں میں تھی خصوصاً ہاشمیوں میں انہیں علمی سیاست کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ برقراری اس کے ان اموی جملہوں میں سے ایک ایک کھپلی خلافتوں میں باقاعدہ تربیت حاصل کر چکا تھا انکی اسی اہلیت و صلاحیت کے سبب انہیں آگے بڑھا یا تیا اپنے کارناموں سے اس انتخاب کے اہل ثابت ہوتے۔



مردودی صاحب اگر ٹھنڈے دل اور سلامت نبی سے اعمال مائیدہ کا جائزہ لے سکتے تو ان پر کھلتا کہ بسا اوقات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے انصاف اعظم ثنائے بلتیا یہ اساعلیٰ دہر کے فایولہ اور عادل کو معزول کر کے ان سے کم وجہ کے لوگوں کو مامت عطا فرمائی یا یہ کہ بلند تہہ حضرات کے ہمتے بظاہر بنا تجزیہ جلال کو قیامت سپرد کی۔ خود حضرت اسامہؓ کا معاملہ سلنے ہے کہ اس سترہ اٹھانہ برس کے فوجان کو کاس فوج کی کمان دی گئی جس میں حضرت صدیق اکبرؓ و حضرت فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ موجود تھے، اور حضرت خالد سیف اللہؓ جیسے سہماؤں کی کمی نہ تھی، حضرت خلیفہ علیؓ نے بھی صحابہ کرام کے ہزار کے باوجود ہی اسامہؓ کی کمان میں فوج روانہ کی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمرؓ سے حیدر ارضائی جیسے بزرگ کو جموں کی ولایت سے معزول کر کے اس علاقہ کو بھی حضرت معاویہؓ کے تحت دیدیا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے کامل قائد مدبر کو معزول کر کے حضرت عبداللہؓ بن عثمان کو کوفے کا دانی بنا دیا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم الاسلام بزرگوں کا انہر حضرت عمرؓ بن العاص کو بتایا، ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں۔

مردود صاحب کو رشتہ داروں کے بڑھانے پر بڑا اعتراض ہے لیکن کاش وہ عدل سے کام لیتے اور خود حضرت علیؓ کو دیکھتے جنہوں نے چھانٹ چھانٹ کر تمام مناصب حکومت اپنے قریب ترین نا تجزیہ کار رشتہ داروں، اپنے چچیرے بھائیوں، بھانجے، سوتیلے بیٹے وغیرہ کو دئے، گو ذم میں عمدتے، بعدہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مکہ و طائف پر حضرت قثم بن عباسؓ، مدینہ پر حضرت ام بن العباسؓ، یمن پر حضرت عبید اللہ بن عباسؓ، خراسان پر جمہ بن ہبیرہ، دھباج پر اصحاب امیر عساکر محمد بن علیؓ نے اپنے حقیقی فرزند اور مصر پر اپنے بیٹے (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکرؓ کو دانی بنایا اور بھی حضرت قیس بن سعدؓ جیسے تجزیہ کار صحابی ابن صحابی کو الگ کر کے کسی نتیجے میں اسبابی کی سوتدیر سے مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مردودی صاحب نے دعویٰ کیا ہے دشمارہ جون سن ۳۵۰ء کو حضرت عمرؓ نے اپنے دس سال کے ہمیش بنی مدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے ہمسے پر مقرر کیا تھا، مگر

یہاں ہم اور بھی نام پیش کر سکتے ہیں مثلاً حضرت تمام بن مغفلؓ حجی کا جمان کے سنگے بڑے لہنتی تھے اور انھیں بجرین کی ولایت سپرد کی گئی تھی، ان سے ایسا دوہرا رشتہ تھا کہ یہ حضرت عبداللہؓ حضرت ام ایمنی حضرت کے سنگے ماملوں اور سنگے پھوپھل تھے۔ ہم کچھ اطلاق میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہاشمیوں کا علی سیاست سے کوئی تعلق نہ رہا تھا، انہیں ہم اسلام و کفر کی آویزش میں سینہ سپر نہیں پاتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مملکت کے نظم و نسق چلانے کا تجزیہ کسی ہاشمی کو میسر نہ آیا۔

بر خلاف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم بنو امیہ کو حکومت بنو ہبیرہ کے اہم ترین مناصب پر پاتے ہیں، چنانچہ اسی خاندان کے نو جوانوں کو خلافت راشدہ و فاروقی میں بھی ہنایت اہم مناصب پر فائز کیا گیا، عرب کا کوئی قبیلہ اور تہذیب کا کوئی خاندان اس بارے میں بنو عبدالمطلبؓ کا مقابلہ نہیں کر سکا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی امیہ و بنو عبدالمطلبؓ پر اتہامی اعتماد تھا اور آپؐ دیکھ رہے تھے کہ امت کی قیامت خیر القرون میں اسی خاندان کو کرنی ہے، چنانچہ آپؐ کے والدین میں دئے حضرات بنو عبدالمطلبؓ بنو امیہ میں تھے۔

## فہرست اموی عمال مملکت بنو ہبیرہ

مقام تیناتی	نام	برسر شاہ
عامل مکہ	حضرت غائب بن اسیرہ مویؓ	۱
بجران	حضرت ابو سعید بن حمیدؓ	۲
تیمار	حضرت یزید بن ابی سعیدؓ	۳
صغار	حضرت خالد بن سعیدؓ	۴
قری عینہ	حضرت عمرو بن سعیدؓ	۵

نمبر شمار	نام	مقام تعیناتی
۶	حضرت حکم بن سعید اموی	عالم فادی القری
۷	حضرت ابان بن سعید	" بصرہ
۸	حضرت معاویہ بن ابی سفیان	کاتب نئی مبلغ اسلام مقام حضرت

عہد رسالت میں انہی ذیضلال بنی امیہ میں سے تھے، گویا مودودی صاحب کے الفاظ میں مرکزی سکیورٹی سے لے کر مملکت نبویہ کے تمام اہم ناگوں پر سنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امویوں کو مستعین کر دیا تھا۔

مودودی صاحب نے بزرگم خلیفہ ایک کلیہ قائم کیا ہے کہ بنو امیہ سے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھتے گئے وہ چونکہ طلقاء میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انہیں زیادہ مدت تک نصیب نہ ہوئی اس لئے وہ امت کی قیادت کے اہل نہ تھے۔ ان کا یہ کلیہ قطعاً باطل ہے۔

**طلقاً** انہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو جمع کر کے فرمایا تھا انہم اطلاقاً دم سب آزاد ہیں اس وقت قریش کے اکثر لوگ کافر تھے اور انہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو جمع کر کے فرمایا غلام بنائیں ان کے بعض لوگوں کو قتل کریں یا انہیں ذلیل کر کے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، آپ قریش کے کردار کی رنجت ان کے تقویات زندگی کی عظمت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ عصیت کا ایک معمولی پردہ ہے جس کے اٹھنے ہی پر لوگ انتہائی بلندی تک پہنچ جائیں گے، آپ اپنی قوت تصرف سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا اولین علمبردار ہونے کا شرف اسی قبیلہ قریش کے لئے مقرر کیا ہے لہذا ان کے کفر و شرک کے باوجود ان کی آزادی کا اعلان فرمایا، بنی امیہ کے علاوہ اور سب قریشی ہاشمی وغیرہ افراد انہیں شامل تھے اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ

جو لوگ اسلام کے مخالف تھے وہ برصاہد غلبت اور ذوق و شوق کے ساتھ اس دین میں داخل ہوئے۔

طلاقاً بالفاظ دیگر احزاب بنی قریش کی منقبت ہے مگر یہی الفاظ حمان کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہے گئے تھے انہیں ان لوگوں نے جن کے دلف میں بیماری ہے برے معنی دیدتے چنانچہ سب امتوں کے ہاں طلقاء کہنا نہایت تحقیر کا کلمہ ہے، شاید اسی ذہنیت کے تحت مودودی صاحب نے بھی اس کی شرح بیان کی ہے۔

لیکن انہیں یاد نہیں ہوا کہ اسلام کے مرکزی مقام مکہ معظمہ کا پہلا طائی انہی طلقاء میں سے ہیں برس کے ایک اموی نوجوان حضرت عتاب بن اسید کو بنا یا کیا تھا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کئی کئی سال گزارے تھے اور وہ سب کے سب سابقین اولین جنہوں نے اسلام کی سر بلندی کے لئے جانیں لڑائی تھیں دیکھتے دیکھتے رہ گئے، مودودی صاحب سمجھتے ہیں کہ ان سابقین کو یہ امر ناگوار گزارا ہوگا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس پر خوش تھے اور انہیں کسی درجہ میں بھی اس نو مسلم اموی نوجوان کا اس عظیم و جلیل منصب پر فائز ہونا ناگوار نہیں ہوا، حضرت عتاب بن اسید جس طرح عہد نبوی میں مکہ کے والی تھے اسی طرح عہد صدیقی میں بھی سہما اور بعض مقامات کے مطابق عہد صدیقی میں بھی کچھ مدت، پھر وفات پا گئے، ان ہی کے فرزند عبدالرحمن تھے جنہیں حضرت علی نے یہودیہ قریش (سر دار قریش) کہا تھا۔

پھر یہی نو مسلم قریشی اموی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام کا اظہار کیا تھا ان ہی میں سے ایک کو کابرت وحی کی خدمت سپرد ہوئی یعنی حضرت معاویہ کما اللہ کے والد حضرت ابوسفیان کو کعبان کا ولی بنا یا گیا جو نصاریٰ کا مرکز اصباہ زلفیٹی حکومت کا پہلا خلیفہ بنا تھا، حضرت ولید بن عقبہ، حضرت مروان بن الحکم، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبداللہ بن سعید بن ابی سرح رضی اللہ عنہم اجمعین تو یہ مودودی صاحب کی تاریخ دانی ہے کہ انہوں نے ان بزرگواروں کو طلقاء میں سمجھ لیا انسان پر یہ لغو اتہام لگایا کہ یہ آخرت تک نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے مخالف رہے۔

حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مرثد بن زیدؓ فتح مکہ کے وقت دس گیارہ برس کے لڑکے تھے اور حضرت عبدالملک بن عامرؓ فتح مکہ کے بعد پیدا ہوئے تھے، البتہ حضرت عبدالملک بن سعدؓ حجاز تھے لیکن ان کا معاملہ سرسبز، حجاز کے حوالے میں زیر بحث آسکتا ہے۔

اگر طلاق میں ہونا مقصدی صاحب کے خیال میں کوئی عیب تھا تو وہ ان کے بزرگوں میں ہو گا کہ ان غمخواروں میں، ان سب کی تربیت کی اسلام میں ہوئی اور ان کا پرکھنا یہ کی صحبت میں پرمان چڑھے، نہایت اہم خدمات انہوں نے انجام دیں اور اپنے کارناموں کے بیخبر آثار اس امت کے لئے چھوڑ گئے لیکن ہم ان کا کفارہ چنانچہ سب سے بڑے کفر و کفر کا طوفان اپنی کے خلاف کھڑا کیا کیونکہ انہوں نے ایران اصرام دونوں تہمت اٹھائی کہ انہوں نے انہوں نے اسلام کی سرمنشی کا جھنڈا اڑایا تھا، اب ہم ان میں سے ہر بزرگ کا ذکر سے تفصیل سے لکھتے ہیں، اسی ضمن میں ان اتہامات کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جو مودودی صاحب نے سبائی راویوں کی کتاب بیانیوں کے سہارے امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کے پاکیزہ کردار پر عاید کرنے کی حسرت کی ہے۔

اسلام کا یہ بطل جلیل اور امیر اسلام میں بلند تہذیبی قائد اور

**حضرت ولید بن عقبہ**

بدر بن حبیب کا ذکر مودودی صاحب نے بہت حقارت سے کیا ہے اس کی شان تو ایسی تھی کہ ہم عصر مسلمانوں کی طرح آج کے مسلمان بھی فخر و انبساطاً صاحبِ تعظیم سے اس کا ذکر کرتے مگر یہ حضرت ولیدؓ جو نہ صرف انہی ہیں بلکہ ان کے بارے میں مقررات سب سے کہنا ہی جانی ہے امیر المومنین عثمانؓ کے انتخاب کی داد دینے کی بجائے ان پر طعن کا سبب بنایا جاتا ہے۔

حضرت ولیدؓ صحابہ میں ہیں، فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی حاضری کا واقعہ خود ہی بیان کیا ہے (العصم من القصاص ص ۹۱-۹۲) منقول آرزو سند امام احمدؓ کہ آپ بھی ان بچوں میں تھے جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے سب کے لئے برکت کی دعا کی، تقریب التہذیب میں ہے۔ لہٰذا صحیحہ دعائش الی خلافت معاویہؓ آپ کو صحبت نصیب ہوئی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔

امیر ولیدؓ کی تمام تربیت حضرت صدیق اکبرؓ نے ہی ان کی حیثیت بارگاہ صدیقی میں وہی تھی جو حضرت ابن عباسؓ کی حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاں کہ باوجود صغریٰ اور بزرگی اکابر صحابہ کی مجلس میں بارگاہ حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلی خدمت حجاز سے لی وہ فوجی خط کتابت تھی جو ولیدؓ نے آپ کے صاحب کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کے درمیان ہلکا کرتی تھی (طبری: ۴، منقول انا لعماد علامہ خطیب ص ۸۷)

اس کے بعد آپ کو عہد صدیقی میں سالار عسکر حضرت عیاض بن غنم قہری کی مددگار کی حیثیت سے بھیجا گیا (طبری: ۴، ۲۷) حالہ مذکورہ پھر ۳۱ھ میں قبیلہ قضاعہ کے صدقاً کی وصولی کے لئے بھیجے گئے، جب شام کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرح ایک فتح کی قیادت آپ کے بھی سپرد کی گئی، حضرت عمروؓ کو ظہین کی طرف روانہ کیا گیا اور حضرت ولیدؓ کو شرق ارض کی طرف (طبری: ۴، ۲۹-۳۰) حالہ مذکورہ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ انہیں حضرت عمرو بن العاصؓ ہی کی سی اہمیت دیتے تھے۔

پھر ۱۵ھ عہد فاروقی میں آپ کو جزیرہ کا عامل مقرر کیا گیا (طبری ج ۳) پھر بلاد بنی نعلب کا امیر بنایا گیا اور انہوں نے شام کے شمالی علاقے کے مسلم کافر عرب آپ کے لشکر میں شامل ہوئے اور صدیقوں کے خلاف جہادوں کا سلسلہ شروع ہوا یہاں آپ نے ان جہادوں کے ساتھ ساتھ نضرائی عربوں میں موعظہ حسنہ سے تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ بہت سے نضرائی نوجوانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، جن نضرائی عربوں پر بارز نطینی حکومت کا زیادہ اثر تھا وہ بھاگ کر بارز نطینی کے پاس سے جا ملے یہ صورت بناؤت کی گئی، چنانچہ حضرت ولیدؓ نے امیر المومنین عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ قبضہ مردم کو ہندھی حکم کیجیں کہ ان لوگوں کو بلا واسطہ کی طرف واپس کر دیا جاتے، حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر انہیں واپس بلا لیا کہ آپ اپنے ذہنی جوش میں ان عرب نضرائیوں سے نہ بکھر جائیں جو اس وقت عربی قومیت کا خیال کر کے بارز نطینی حکومت کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے، اس وقت سیاست کا یہی تھا تھا کہ اس پر جوش مجاہد کو واپس بلا لیا جاتے۔

لیکن امیر المومنین عثمانؓ کے عہد مبارک تک اس جری نوجوانوں میں جوش جہاد کے

ساختہ تیرا چکا تھا۔ چنانچہ آپ کو کوفہ کا والی بنا دیا گیا اور وہاں آپ پانچ برس تک  
نہایت کامیابی کے ساتھ نظم و نسق کے علاوہ عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کرتے  
سہے اور آپ کا شمار کوفہ کے مثالی والیوں میں ہے۔

برطانیہ تاسخ طبری جو موروثی صاحب کا معتبر ماخذ ہے حضرت ولید بن عقبہ  
اہل کوفہ کے محبوب گورنر تھے۔

وكان احب الناس في الناس  
واسمهم بدم فكانت ملك  
خمس مستين وليس على دارة  
بابله (طبری ج ۲ ص ۳۳۰)

حضرت ولیدؓ لوگوں میں لوگوں کے سب سے  
زیادہ محبوب تھے ان کے ساتھ سب سے زیادہ  
نرم تھے پانچ سال اس منصب پر رہے مگر آپ کے  
مکان کا صلہ ملک نہ تھا ہر شخص ہر وقت ان  
کے پاس جا سکتا تھا۔

علامہ خطیبؒ نے العوام میں (ص ۱۰۰) طبری کے حوالے سے (۵: ۹۰) امام شعبیؒ کا  
ایک قول نقل کیا ہے، آپ کے سلسلے امیر مسلم بن امیر المؤمنین عبدالملک کے مجاہدانہ کارناموں  
کا ذکر مویبا تھا تو امام شعبیؒ نے فرمایا۔

کیف لو ادر کتم الولید غن وک  
وامسرة ان کان لیغز وفتھی  
الی تا اوکن ..... ما قصر ولا

انتمقض علیہ احد غزل عن  
عملہ وعلی الیاب یومض عبد  
الباہلی، وان کان جمانہ عثمان

انسان علی بیدہ رائے علی بید  
الولید) ان سے علی کل حکومت  
بالکوتہ من فضول الاموال  
ثلاثہ فی کل شہر متبعون

کاش تم ولید کا نام پاتے اہل ان کے جہاں وہ  
انسان کی امانت کا حال دیکھتے وہ جب چاہتے  
تھے اور مدد دھا دے بولتے تھے .... اور  
کس نہ رکھتے تھے کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا  
تا آئندہ اپنے عہدے سے برطرف نہ کئے اور  
اس وقت ان کے ایک بڑے سپہ سالار عبدالرحمن  
باہلی دیند کا محاصرہ کئے ہوئے تھے (جو بحر خزیرہ  
کے کنارے روس کے علاقہ کامبوت پر موجود ہے  
تھا) گویا ان فاسقوں کی ریشہ دانی کے سبب  
ولید کی مغزلی سے اس وقت امت کو نقصان

برہنچا، پھر انہوں نے کوفہ کے ہر غلام کو زائد مال  
سے تین درم ماہوار وظیفہ مقرر کر رکھا تھا کہ پڑا کا  
چلا میں اہلہ بغیر اس کے تھا کہ ان کے آقاؤں کے  
وظائف میں کوئی کمی ہو نہ دیکھو اس طرح حلیوں  
کی حیثیت عربی کو بند کر کے ان کے آقاؤں ہی  
کی طرح حکومت کا باذن ہنری بنا دیا گیا۔

یہی حضرت ولید بن عقبہؒ جن کے تعمیری کارنامے اختصار سے بیان کرنا مشکل ہیں  
ان ہی کا ذکر موروثی صاحب نے سبائوں کی روایت کا سہارا لے کر اس حقارت سے  
کیا ہے کہ ہر ماخبر شخص کے دل پر چوٹ لگی ہوگی۔

موروثی صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ حضرت سعدؓ کو موقوف کر کے حضرت عثمان نے اپنے  
ماں جلے بھائی کوفہ کا والی مقرر کر دیا مگر وجہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، ہوا یہ کہ  
حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ پیسہ قرض لیا تھا جس کی ادائیگی میں کچھ دیر کی ہتھم  
بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مطالبے میں شدت برتی جس سے ان دونوں  
بزرگوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی، اگر یہ رعایت بھیجے تو بات معمولی تھی، لیکن کوفیوں نے اسے  
خوب بڑھایا چڑھایا اور فطری معذرت و ہنیت کے تحت ان کی پارٹیوں میں کچھ لوگ  
والی کوفہ حضرت سعدؓ کے ساتھ تھے اور کچھ ہتھم بیت المال حضرت عبداللہ کے یہ صورت  
حال تشویشناک تھی اور دونوں بزرگوں کو ناگوار، اس لئے حضرت ولید کو بھیجا گیا اور حضرت  
سعدؓ کو بلا لیا گیا۔

موروثی صاحب نے ان دونوں کا جو مکالمہ لکھنے سے (ص ۲۵۱) وہ بالکل لغو ہے  
حضرت سعدؓ جب خلافت ہی سے بے نیاز تھے تو انہیں امارت کی کیا خواہش تھی، وہ مسلمانوں  
کے باہمی اختلاف سے نفرت کرتے تھے انہوں نے تو کوفہ چھوڑ دینا غنیمت سمجھا ہونگا بلکہ اسے  
پسند کیا ہونگا کہ کوفہ کے شر پسند عناصر کی سرکوبی کے لئے حضرت ولیدؓ جیسے والی وہاں بھیجے  
حضرت معمرؓ نے ایران کا دارالسلطنت مدائن فتح کیا تھا، ہذا کوفہ کا ایرانی

عنصران سے ویسے ہی خفا تھا اور پھر سہ ماہیوں کو حیران سے نفرت ہے اس کا کیا کہنا  
چنانچہ ان کے خلاف پروپیگنڈا خوب کیا گیا ہے، کچھ جاہل عرب بھی ان منافقوں کے پرکھنے میں  
آگئے اور حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ان کی یہ شکایت کی کہ انہیں نماز پڑھانی نہیں  
آتی (صحیح بخاری: ج ۱، کتاب الصلوٰۃ ص ۸۰ طبع مصر) کوفہ والوں کی یہ ذہنیت دیکھ  
کر آپ عہدِ فالسفی میں بھی کوفہ کی امامت سے علیحدہ ہو چکے تھے تو حضرت ولید کے آنے  
پر سبائی راویوں کی تماشیدہ یہ چھتی ہوئی باقی کیوں نہ ہوتی جنہیں مودودی  
صاحب نے نقل کیا ہے۔

**شرب خمر** | مودودی صاحب نے حضرت ولید کے شرب خمر کا اتہام اعلان پر  
حد جاری ہونے کا واقعہ بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے  
اسی اہمیت دی کہ دلائل و شواہد پیش کرنے بھی ضروری سمجھے چنانچہ فرماتے ہیں: (ج ۱ ص ۲۵۲  
تعلیقہ)

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس کے نشے کی حالت میں نماز پڑھانے اور  
اس میں کھرنے کا واقعہ مشہور، من روایۃ الثقات من نقل  
اہل الحدیث والاحیاء (اہل حدیث اور اہل حیات) روایت کے نقل لوگوں  
کے بیان کے مطابق مشہور ہے نیز وہ لکھتے ہیں کہ اصمعی ابو عبیدہ ابن الکلبی  
وغیرہم کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہ کان فاسقا شرب خمر ولید  
بن عقبہ ناسق تھا اس نے شرب پی)

مودودی صاحب نے حضرت ولید کے بارے میں مفردوں اور منافقوں کی بیان  
کردہ روایت تو نقل کر دی اور اصمعی و ابو عبیدہ اہل الکلبی جیسے منافق سبائی راویوں  
کی رائے بھی بیان کر دی، لیکن مصلح سے اس افتراء و کذب کی تحقیق ضروری نہیں  
سمجھی، ایک مومن، ایک صحابی، حضرت عثمان کے ماں جاتے، بھائی، ایک مجاہد کبیر ایک  
قابل فخر امیر اور حضرت صدیق و حضرت فاروق کے معتمد کا کفن اور پھر ایک گزرا ہوا  
شخص، کیا اس کی اتنی بھی حرمت نہیں جو ایک معمولی مسلمان کی خدا و رسول نے بتائی ہے

ان کا شخصی عیب بیان کرتے وقت کچھ تو خیال کیا جتنا ہے، مگر کبھی کرتے نفسی تعصب  
اور فاندانی انسانیت اس کی اجازت کب دیتی ہے، اب ہم ناظرین کرام کو اصل صورت  
حال بتاتے ہیں۔

حضرت ولید کوفہ کی امامت پر پانچ برس فائز ہے اپنے عدل اپنے علم و فہم  
اپنے رحم و کرم اور اپنے تدبیر و سیاست سے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا، لیکن  
کوفیوں کا شریکِ عنقریب عادت سے برداشت نہ کر سکا کہ اتنے دن وہاں  
کوئی مالی سہے، اور ایک واقعہ ہو گیا کہ ابو زینب اندی، ابی مورع اور ابو  
زہیر جنب کے بیٹوں نے ایک صاحب علی بن حسیان کے ہاں لقب لگائی اور  
انہیں قتل کر دیا، پڑوس میں اس وقت مشہور صحابی ابو شریح خزاعی اور ان  
کے فرزند بھڑے ہوتے تھے، یہ دونوں محترم بزرگ حضرت ولید کی قیادت میں  
جہاد کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے آتے ہوئے تھے ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں  
نے ان ظالموں کی یہ حرکت دیکھی اور میر کے ہاں گناہی ہی تو ان مجرموں کو  
کیفر کر دار کو پہنچا دیا گیا، اس سے ان کے باپ برافروختہ ہوئے انہوں نے  
حضرت ولید کے خلاف محاذ بنا لیا، ان کے ہاں اتفاق سے بنو تغلب میں سے  
ایک لفرانی شاعر جہان آتے اور ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے  
شعرا و اب کے تذکرے ہوئے لگے۔

ایر ولید کا قاعدہ تھا کہ جب تک مردائے میں رہیں ہر شخص ان کی خدمت  
میں ہر وقت آجا سکتا تھا، چنانچہ ابو مورع وغیرہ بھی ایک دن اچانک پہنچ گئے  
اور دیکھا کہ امیر ولید نے جلدی سے ایک خوان تخت کے نیچے کو کر دیا، ان لوگوں  
کو شبہ ہوا کہ شاید اس لفرانی نو مسلم کی صحبت میں سے نوسخی شروع ہو گئی ہے  
انہوں نے وہ طشت نیچے سے نکال کر دیکھا تو اس میں صرف انگور تھے، اب یہ ایک  
دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور جب اشرف کوفہ کو اس کی اطلاع ہوئی  
تو انہوں نے اس گستاخی پر بہت سرزنش کی، مگر امیر موصوف نے چشم پوشی

سے کام لیا نہ انہیں کچھ سزا دی اور نہ امیر المومنین کو اطلاع کی، اس سے یہ لوگ  
پشیمان ہونے کی بجائے دیر ہو گئے اور پھر کسی موقع کی تاک میں رہے، ایک  
شب اتفاق سے امیر کے ہاں مجمع زیادہ تھا اور جب اجلاس برخواست ہوا تو  
باقی لوگ چلے گئے، لیکن ابو موسیٰ اور ابو زینب سب کے ساتھ چلے جانے کے  
بجائے ایک طرف کوچھپ گئے، امیر ولید نے غالباً تکان کے سبب تیکہ پر سر رکھا  
تو آنکھ لگ گئی، یہ دونوں چپکے سے بڑھے اور انگی میں سے انگوٹھی نکال کر بھا  
گئے، امیر ولید بیدار ہوئے تو انگوٹھی ہاتھ میں نہ دیکھ کر پریشان ہو گئے، ان کی  
دو بیویاں پردے میں سے دیکھ رہی تھیں، انہوں نے بتایا کہ اس حالت کے دو شخص  
کس طرح اچانک انگوٹھی لے کر بھاگ گئے، آپ سمجھ گئے کہ کون تھے، ان کے پیچھے  
آدھی دوڑائے مگر وہ غائب تھے اور کیوں نہ ہوتے وہ تو مدینہ کے لئے روانہ ہو چکے  
تھے، وہاں انہوں نے حضرت امیرؓ پر شرب خمر کا الزام لگایا اور ثبوت میں انگوٹھی  
پیش کی۔ ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پیتے دیکھا اور دوسرے نے کہا کہ  
شراب کی تہ کرتے دیکھا، یہ امیر ولید کی طلبی ہوئی، آپ نے حلفیہ بیان کیا کہ یہ  
محض اتہام ہے اور ان گواہوں کی پوری کیفیت بیان کر دی، اس پر حضرت عثمان  
نے فرمایا: نعیم احمد و عدویہ و شاہد التورہ بالذکر فاصبر یا اچھی رہم  
تو عدوت قائم کریں گے اور جھوٹے گواہوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ اسے میرے چھوٹے بھائی  
صبر کریں

یہ ہے وہ کل قصہ جو طبری نے سن ۳۳ھ کے حواش کے تحت بیان کیلئے ہے  
اس پوری تفصیل میں نہ کہیں نشے کی حالت میں نماز پڑھانے کا ذکر ہے نہ اور  
پڑھانے کے کہنے کا اور نہ دور کھتوں اور چار رکعتوں کا۔

مورودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری میں صراحتاً مذکور ہے کہ جب  
امیر المومنین نے گواہوں سے پوچھا کیا تم نے ان کو امیر ولید کو شراب نوشی کرتے  
دیکھا تھا، دونوں نے صاف انکار کیا فقال لا ولا وغنا قال لا یفیان ص ۶۶ طبع اولیٰ

یعنی چشم دید واقعہ کہتے ڈرے اور انکار کیا، گویا ابن عبدالبر سے ایک صدی  
پہلے کے مورخ نے نماز پڑھانے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا، استیعاب میں سنا  
نجر میں چار کعبین پڑھانے کی جو وضعی رسالت ہے اس کے ساری منہرہ بن بیعہ  
مہم بکنب و ابن شرف اس واقعہ سے ۶ سال بعد پیدا ہوئے۔

البتہ احادیث میں ایک رسالت حنین بن المنذر کی ہے جو صفین میں حضرت  
علیؓ کے ایک کماندار تھے، لیکن نہ وہ اس مزعومہ رسالت کے وقت کو ذمہ میں تھے  
اور نہ عثمانی عدالت میں ان کی حیثیت گواہ کی تھی اور نہ انہوں نے اپنے بیان کی  
کوئی سند دی وہ صرف اس موقع پر موجود تھے جب یہ جاری کی گئی۔

یہ رسالت اس طرح ہے صحیح مسلم ج ۲ باب حد الخمر ص ۷۷ طبع مہر

ہم سے حنین بن المنذر اور سامان نے  
بیان کیا وہ کہتے ہیں میں عثمان بن عفان  
کے حضور اس وقت موجود تھا جب ولید  
کو لایا گیا، انہوں نے صبح کی دو کعبین پڑھی  
تھیں اور پھر کہا تھا: اور زیادہ کروں گا تو  
ان پر عذاب دیکھوں گے گواہی دی، ان میں  
ایک تھا حمران اس نے گواہی دی کہ انہوں نے  
شراب پی اور دوسرے نے گواہی دی  
کہ اس نے شراب کی تہ کرتے دیکھا۔  
حضرت عثمان نے فرمایا: تہ تو تہ ہی کی  
جب پی پھر فرمایا: اے علیؓ اٹھو اور اس  
کے کوڑے لگاؤ، (فاروقی و عثمانی عہد  
خلافت میں مجرموں کی سزا کا نفاذ حضرت  
علیؓ کے سپرد تھا۔ م)

حدثنا حنین بن المنذر، ابو  
سامان قال مشہدت عثمان  
بن عفان و آتی بالولید قد  
صلی الصبح کعبتین ثم قال ان  
فمشہد علیہ رجلان احد  
ہما حمران اتہ مشرب الخمر  
و اس مشہد آخر اتہ س آکا  
یتقیاء فقال عثمان اتہ لم  
یتقیاء حتی مشربھا فقال یا  
علی تم فاجلدہ



فقال علی قسریا حسن ماجلہ  
فقال الحسن ولت حاترہا من  
توتلی قاترہا (فکانہ وجد علیہ)  
فقال یاعبد اللہ بن جعفر قسم  
فاجلدک فجلدک وعلی یعدحتی  
بلغ اربعین فقال اصسل الخ  
حضرت علی نے فرمایا یہ حسن اٹھو اور اس  
کے کوڑے لگاؤ اور حضرت حسن نے فرمایا۔  
اسی کی گری اسی کے سپرد کیجئے جس نے اس  
کی ٹھنڈک کا مزایا ہے۔ قاتروں نے فرمایا  
اے عبد اللہ بن جعفر تم کھڑے ہو اور اس  
کے کوڑے لگاؤ چنانچہ انہوں نے کوڑے  
لگائے اور حضرت علی رگتے رہے جب  
چالیس تک پہنچے تو (حضرت) علی نے فرمایا  
بس رک جاؤ۔

(۱) یہ حدیث مسند احمد میں اپنی حاضری کے حوالے سے تین جگہ مذکور ہے  
دوسروں میں حاضری کا کوئی قول نماز کے متعلق مذکور نہیں، یعنی راویوں نے  
کچھ لیا کہ قول حاضری کا ہے، اجرا انہوں نے بودی شہرت کی بنا پر یہ کہہ دیا اصل  
واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، البتہ تیسری سند میں حاضری کا قول نقل کیا  
گیلے کہ انہوں نے صبح کی چار کعبتیں پڑھانی تھیں، صحیح مسلم کی مذکورہ بالا  
روایت میں دو کعبتوں کا ذکر ہے۔

یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ نماز کا ذکر حاضری نے کیا ہے اور غالباً اس شہرت  
کی بنا پر جو روایت بیان کرتے وقت تک ہو چکی تھی، اس قول کا نفس واقعے  
سے کچھ تعلق نہیں، کیونکہ گواہوں نے جو گواہی دی اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں  
ایک نے شراب کا پینا بتایا اور دوسرے نے اس کا تے کرنا، اور گواہوں کا یہ بیان  
حاضری نے بھی دیا، اہلحدیث چار کعبتیں پڑھانا اور پھر پڑھانے کا کہا لوگوں  
کی اپنی ایجاد ہے اور سبائی لوگ جیسے لطائف و ظرائف وضع کر کے انہیں شہرت  
دیا کرتے ہیں، اسی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے۔

۲۔ طبری نے ابو زینب اصحاب مودعہ کا انکو بھی کہا کہ مدینہ آ کر شرب خمر کی

گواہی دینے کا ذکر کیا ہے اور حدیث زیر نظر میں گواہوں میں ایک نام حمران  
ہے اور دوسرے کا نام نہیں دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں شرب خمر کی گواہی دینے کی ہمت ابو موسیٰ  
اصحاب زینب کو تھی بلکہ انہوں نے ان دعاؤں کو تیار کیا جن میں ایک حمران  
ہے، اس حمران کی بابت علامہ محب الدین الخطیب نے بتایا ہے (الاصحاب ص ۱۵۹)  
تعلیقاً، کہ یہ شخص امیر المؤمنین عثمان کے غلاموں میں تھا اور غلام اور خیر اول  
کے اس نے یہ حرکت بھی کی تھی کہ ایک مطلقہ عورت سے عدت کے اندر ہی نکاح  
کے اس کے پاس گیا تھا اس پر سزا فرض ہو کر حضرت عثمان نے اسے اپنی خدمت  
سے برطرف کر کے شہر بدر دیا، یوں یہ شخص کو ذرا سزا اور وہاں بھی بے جا حرکتیں  
جاری رکھیں، پھر اس نے یہ حرکت کی کہ ایک عابد و صالح شخص حضرت علی بن  
قیس کے متعلق جھوٹی باتیں ارباب حکومت کو پہنچاتی، چنانچہ سزا کے بعد اسے  
کو ذرا سے بھی نکال دیا گیا اور یہ شام چلا گیا۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر ولید  
کے بارے میں گواہی دینے پر مدینہ پہنچ گیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ  
سب ان سبائوں کی ملی بھگت تھی اور جس طرح یہ جہانسی اور فتنہ انگیزی  
کی باتیں کرتے چلے آتے ہیں ویسی ہی بات یہ بھی تھی۔

حیرت کا مقام ہے کہ مودعی صاحب نے اصحاب میں یہ سب تفصیل پر بھی  
ہوگی پھر بھی انہوں نے یہ روایت اس مستندی سے بیان کر دی اور صحیح مسلم کی اس  
حدیث پر غور کرنے کی بھی تکلیف گزارا نہیں کی، حالانکہ ایک عالم کا یہ فرض ہے کہ  
صحابہ کے وہ واقعات و صحیح میں تلاش کرے اور پوری تحقیق کے ساتھ بات  
کہے اور لکھے اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہوں نے اسمعی ابو عبیدہ اصحاب انکلی کا بیان  
بطور حجت پیش کر دیا، کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے نہ کوئی شخص امیر ولید کا  
کاہم عصر تھا اور نہ علامہ حدیث کے ہاں ان کے بیان کی کوئی قیمت ہے۔ پھر  
ابن انکلی پر شام بن محمد السائب انکلی متوفی ۲۸۴ھ) تو یہ فضیلتی نہایت

در جرحی سبائی کا بیٹھ ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں رافضی لیس نسۃ (رافضی غیر تہ تھا) امام احمد بن حنبل نے کہا ہے یہ قصہ گو تھا، اس قابل نہ تھا کوئی اس سے روایت کرے وارقطنی نے متروک کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۵) اسی طرح ابو عبیدہ و اسمعی ہیں جن دلائل کو ابو زید المازنی نے کذاب کہا ہے۔ (الایضاً)

ابن عبد البر کا قول کہ نماز پڑھانے کے لئے پڑھاؤں کہنے کی بات اہل حدیث اصداۃ اخبار کے ہاں مشہور ہے تو چند امور پر غور کرنے کے بعد اس قول کو سند بنانا درست ہو سکتا ہے حدیث نہیں۔

۱۔ رداۃ اخبار میں انہوں نے جن تین آدمیوں کا نام لیا ہے ان میں سے جیسا ہم اوپر ظہر کر چکے ہیں، ابن ابی سبائی رافضی ہے وہ اگر ہم عصر ہوتا تب بھی اس کی بات نہ سنی جاتی اور باقی دو بھی کذاب ہیں اور اس دور کے ہیں جب امویوں کے خلاف پورے کھڑے تھے اور پانچ چکا تھا۔

۲۔ رداۃ اخبار میں زیادہ معتبر طری ہیں، لیکن انہوں نے بھی شیعیت کے باوجود نماز پڑھاؤں کی کوئی روایت نقل نہیں کی اور ان کے بیان میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔

۳۔ ابن عبد البر نے اگر "مشہور" بطور اصطلاح حدیث کے بیان کیلئے تو حدیث موجود ہے، عدالت کے سامنے دو گواہ پیش ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے میں نے شراب پیئے دیکھا دوسرا کہتا ہے کہ شراب کی تے کرتے دیکھا، اسی بیان پر حد جاری ہوتی ہے، کسی گواہ نے نماز پڑھاؤں کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ حنفیوں جو اس واقعے کے تنہا راوی ہیں اور انہوں نے نماز پڑھاؤں کا ذکر پڑھاؤں کا ذکر کیلئے، تو یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا بلکہ بعد میں کبھی بیان کیا ہوگا، جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے دو نے یہ الفاظ حنفیوں کے بیان نہیں کئے، جنہوں نے کئے ان میں سے ایک نے کہا کہ چار رکعتیں پڑھاؤں

اصحاب نے بنا یا دور کھتیں پڑھاؤں کہا۔

گویا جس شخص پر مدار ہے خود اسی کے کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہو گیا تو حدیث کا یہ طرہ خود بخود ساقط الا اعتبار ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ حنفیوں نے یہ الفاظ ہی نہیں کہے بعد کے کسی راوی نے ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب امویوں پر بہتان طرازی ایک طبقہ کا شعاع ہو گیا تھا، لہذا ابن عبد البر کا بیان کسی وجہ میں لائق اعتبار نہیں۔

جب حدیث سب سے اعلیٰ سند کے ساتھ موجود ہے اور اس کی تامل سے اسے دیکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ حنفیوں نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ میں اس نماز میں شریک تھا تو پھر ان کے بیان کی قیمت ہی کیا رہتی ہے جب کہ خود ایسی سندیں بھی موجود ہیں جن میں حنفیوں کا یہ قول نقل نہیں کیا گیا

تجب مودودی صاحب پر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے امر واقعہ بنا کر کہہ دیا کہ صحیح کی نماز چار رکعت پڑھاؤں کہا "اور پڑھاؤں" کیا مودودی صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ نماز فجر کی تھی جس کے بعد نوافل نہیں ہیں اور یہ امر تمام علماء مذہب کے ہاں مسلم ہے، تو کیا جماعت میں کوئی ایک شخص بھی پڑھاؤں نماز کے مسائل سے واقف نہ تھا جو تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت ٹوک دیتا۔ یا جب امیر ولید نے کہا تھا کہ "اور پڑھاؤں" اسی وقت کوئی ایک نمازی ہی اعتراض کر دیتا، کیا اس سے یہ سمجھا جاتے کہ نہ صرف ولید نشہ کی حالت میں تھے بلکہ اور لوگ بھی پتے پتے تھے۔ مودودی صاحب کو نماز کا یہ معمولی مسئلہ کیوں آیا نہیں رہا، جامع مسجد کوفہ کے سیکڑوں نمازیوں میں سے کسی کو گواہ نہ بنا نا کیا دلیل تھوٹے اہتمام کی نہیں۔

امیر ولید رضی اللہ عنہ عظیم المرتبت مجاہد امیر اور صحابی کی توہین و تذلیل کا ایسا ہی شوق تھا تو کم از کم اپنی فقہ کی توجیح کے لئے رکھ لیتے جس کی بڑی شہرت ہے اور صحیح مسلم کو ساتھ رکھ کر کہتے کہ حدیث پڑھاؤں کہا اور پڑھاؤں، مگر یہ کراہت اسلام کے اس بطلان میں اسوی امیر رضی اللہ عنہ کا کہ مودودی صاحب کے قلم سے وہ بات نکلی جس پر فقہ کا معمولی

طالب علم بھی ہنسنے بغیر نہ رہے۔

یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتی ہے ۳۲۳ باب حجۃ الجبشہ کہ بعض صحابہ نے حضرت عبید اللہ بن عدی کو حضرت عثمان کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ولید پر حد کیوں نہیں جاری کرتے، تو حضرت عثمان نے ان کی پوری بات سن کر فرمایا کہ یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو میں سن رہا ہوں، کیا میرا ان لوگوں پر وہ حق نہیں ہے جو ان حضرات کا تھا یعنی حضرت صدیق و حضرت فاطمہ کا، رہی ولید کی بات تو ہم انشاء اللہ ان پر حد جاری کریں گے، آپ نے حضرت علی کو حکم دیا ان کے چالیس حد سے لگاتے گئے اس رعایت میں کہیں نماز کا ذکر نہیں۔

حضرت عثمان کا حد جاری کرتے میں دیر لگانے کا سولہ سال اس کے اند کوئی سبب نہ تھا کہ آپ اسے سبب بنایا ہوا عقیدہ سمجھتے تھے اصحاب کمان گاہوں کی گواہی پر اطمینان نہیں تھا، اس لئے محض مصلحت کے تحت اولادوں کی بدگمانی سے بچنے کے لئے آپ نے بہ نرا دی اولاد پر ولید کو مطلق کر دیا کہ سزا دینے کی اصل وجہ کیا ہے اور یہ کہ چھوٹی گواہی دینے کے سبب ان گواہوں نے جہنم میں ٹھکانا بنا لیا ہے۔

ابو ولید بن عقبہ کے متعلق مولف کتب انب قریش ابی عبد اللہ المصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم المتوفی ۲۳۶ھ فرماتے ہیں: ۱۲۸

کان من رجال قریش وشہرائہم  
وکان لہ سجناء مستعلیہ عثمان  
بن عفان علی انکورہ فرغوا  
علیہ انہ شرب الخمر فحزن لہ  
عثمان وجندہ الحد وقال  
الخطیبۃ یعد ساءہ  
یہ قریش کے اکابر اہل ان کے شعراء میں تھے اور ان میں سخاوت بھی انہیں (امیر المؤمنین) عثمان نے کوفہ کا والی بنایا تھا آپ کمان کے متعلق اطلاع دی گئی کہ شرب پی ہے تو حضرت عثمان نے فرود کر دیا اصعبا کی ان کی صفائی میں خطیب نے یہ شعر کہے ہیں۔

خطیب جب اپنے پیغمبر کے سامنے حاضر ہوگا تو گواہی دے گا کہ امیر ولید عہد شکنی کرنے میں زیادہ

خلعوا عنانک از حریت ولو  
خلعوا عنانک من لمر تخیل تجری

حق بجانب ہیں انہوں نے تمہاری اس عظمت و شرافت کا پاس نہ کیا جس کا سکہ تم نے بٹھا دیا تھا۔ اگر وہ لوگ نہیں اس عہد و شرف میں چھوڑے ہوتے تو اس کے آثار برابر جاری رہتے (طویل العناک صحابہ شرف و سلوہم)

فنادوا فیہا من غیر قیل  
الخطیبۃ۔

پھر لوگوں نے اس میں یہ مشق ہی بڑھا دے جو خطیب کے نہیں ہیں۔

نادی وقد تمت صلاتہم  
انزید کمر ثیلاً وما ید سری

ناز ختم ہو چکی تھی گمہ نشہ میں دھت ہوئے کی وجہ سے پکارا گئے اور پڑھاؤں؟ تاکہ انہیں

لینزید ہم خساً ولو فعلوا  
صوت صلاتہم علی العشر

کے پانچ رکعتیں کر دیں اہل انک ایسا کرنے دیتے تو نوبت دس تک پہنچتی

اب دیکھئے جس میں فلاسی بھی عقل ہوگی وہ سوچے گا کہ جو شخص پہلے دو شعر کہتا ہے ایسی مدح میں جمادی کو بے نظر بتاتے وہ بعد کے دو شعر مذمت میں کیسے کہتا، لیکن اموی سادات کی عداوت نے ان کی عظمت و شرف پر حرف نہ لکھنے والوں کی عقل اتنی سلب کر لی کہ سلیقے کے ساتھ شعروں میں اضافہ نہ کر سکے۔

قریب الامداد معتبر ترین نصاب کلایان سامنے رکھ کر ان عبد البر صاحب الاستیجاب کی حرکت ملاحظہ ہو (المتوفی ۳۶۳ھ) کہ ان اشعار کو کیا سے کیا کر دیا یعنی عدی کی مدح میں بنا دیا۔

شہد الخطیبۃ یوم یلتقی اس بہ  
ان الولید احق بالعدل ہا

خطیب جس دن اپنے صاحب کے حضور ہوگا تو گواہی دے گا کہ اللہ کرنے کا ولید نیا حد حقدار تھا

نادی وقد تمت صلاتہم  
انزید کمر سکر او ما ید سری

ناز ختم ہو چکی تھی کہ نشہ کی بے خبری میں وہ پکارا گئے اور پڑھاؤں

فابوا ابی اصعب ولو ادنوا  
لیکن ابو وہب کو لوگوں نے ایسا نہ کرنے والا کہا

لقرنت مابین الشفع والوتر  
 كفوا عننا نك اجريت ولو  
 تعكوا عننا نك لمر تل تجرى  
 ويرتے تجفحت اذ طاق ركعتين سبعة  
 مل جاتين انهن لے تھاری لگام تمام جیت  
 نے اسے ڈھیل چھوڑ دیا تھا اماگر وہ اسے اسی  
 طرح رہنے دیتے تو برابر سلسلہ جاری رہتا لفظ  
 عملا وہی ہیں لیکن پہلے شروع کی وجہ سے معنی  
 طے نہیں ہو گئے۔

بر خلاف اس کے بطری نے بھی یہ دعا شمار اسی طرح نقل کی ہے جس طرح  
 زبیری نے (بطری ج ۲ ص ۳۳) اور ساتھ میں یہ دو شعر بھی جو مدعیہ ہیں۔  
 درء و اشائل ماجد مبلوع  
 يعطى على الميسور والعسر  
 فنزعت مكد و با عليك ولم  
 تودها الى عوس ولا فقت  
 لوگوں نے اس فی مرتبت صاحب فضیلت  
 شخص کی نیک خوئی کی بھی جو اللہ اور نفس سب  
 پر بخشش کرتا ہے، ہمت اس حالت میں معزول  
 کیا گیا کہ تم پر چھوڑ دو لایا تھا مگر نہ یہ تمہاری  
 شرمندگی کا سبب بنا اور نہ تمہارے فقر کا  
 (یعنی اس ہتمام کے باوجود تمہاری عظمت و  
 شرف کا وہی عالم ہے۔)

معلوم ہوا کہ اگر پر ہزاروں نے خطیبہ کی طرف وہ اشعار منسوب کرنے جو ان کے  
 نہیں ہیں ایسی کہ ہم عصر لوگ اور بعد کے اہل علم حضرات حضرت ولیدؓ کو شرب خمر کی  
 معیشت سے بری سمجھتے تھے اور جاتیکہ نماز میں اور پڑھاؤں، کہنے کی بات

معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کو امیر ولید بن عقبہؓ سے  
 اپنے رجحان طبع کے سبب نفرت تھی پہلے تو رسول اللہ

**ایک دوسرا اقتراہ**

صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیوی ام حکیم بنت عبدالمطلب کے ان اموی نواسے  
 کو جو حضرت عثمانؓ کے مامری بھائی بھی تھے قتل کیے کہہ کر جناب امیہ بن عبد شمس  
 کی نسل سے نہیں بلکہ ان کے غلام کی نسل سے بتانے کی مذموم حرکت کی ہے، حالانکہ

ان کاتب شریف مستند کتاب انساب میں اظہر من الشمس ہے پھر اپنی تالیف الاستیعاب  
 میں کہتے ہیں۔

ولا خلاف بین اهل العلم  
 بتاویل القرآن فیما علمت ان  
 قوله عز وجل ان جاءكم فراسق  
 .... نزلت فی الظالمین  
 عقبہ و ذلک انہ بعثہ رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی  
 المصطلق (النخ)  
 جواہل علم تفسیر قرآن کے ماہر میں ان کے  
 مابین اس بارے میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللہ  
 تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے ان جاءکم فراسق  
 نیلوا النخ و جب کوئی فاسق شخص تمہارے  
 پاس کوئی خبر لاتے۔۔۔۔۔) یہ ولید بن عقبہ  
 کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وجہ یہ ہوتی  
 کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی  
 المصطلق کی طرف بھیجا تھا (النخ)

ابن عبد البر نے اس افسانے کو علامہ کے مابین متفق علیہ تو بتا دیا مگر انہوں نے  
 چند باتوں پر غور نہ کیا جو علامہ خطیب نے اسی صم میں بیان کی ہیں (ص ۹۱)  
 ۱۔ یہ روایت موقوف ہے مجاہد پر یا قتادہ پر یا ابن ابی لیلیٰ پر یا زید بن  
 عدوان پر یا ان سے سو برس نیچے کے عرصے میں ان معایتوں کے جتنے راوی ہیں وہ  
 علامہ جرح و تعذیل کے نزدیک مجہول ہیں، ان کے احوال تو کیا معلوم ہوتے ان کے  
 نام بھی معلوم نہیں، ایسی منقطع روایتوں کو حجت بنا نا جائز کب ہے؟

۲۔ عدد امیہ البتہ موصول کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مطابق  
 ام المومنین ام سلمہؓ کے ایک غلام ثابت سے موسیٰ بن عبیدہ کا روایت کرنا بیان ہوا  
 ہے، یہ موسیٰ بن عبیدہ وہ صاحب ہیں جنہیں امام نسائی، ابن المدینی، ابن عدی  
 اور دوسرے بزرگواروں نے ضعیف کہا ہے، پھر علامہ خطیب فرماتے ہیں یہ مجھے  
 تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور خلاصۃ تہذیب الکمال میں ام المومنین کے  
 کسی غلام کا نام ثابت نہیں ملا حتیٰ کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی نہیں  
 پھر میں نے مستدام احمد میں ام المومنین ام سلمہؓ کے مجموعہ احادیث میں ان کے

ایک غلام ثابت نام کی تلاش کی لیکن ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جو ان کے کسی غلام ثابت کے نام سے مروی ہو۔

۳۔ ایک دوسری موصول روایت جبری نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے ابن سعد کے حوالے سے جو اپنے والد کا حلال دیتے ہیں احمد اپنے چچا کا احمد اپنے والد کا احمد انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، حالانکہ ابن سعد جبری کی ملاقات کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے کہ ابن سعد کی وفات بغداد میں ۲۳ھ میں ہوئی اصل وقت جبری طبرستان میں چھ برس کے بچے تھے علامہ انبیا ابن سعد اگر جبری ذاتی طور پر تفسیر میں لیکن ان کے اوپر کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی جہول لوگوں پر مشتمل ہے، جن کے احوال علماء جرح و تعدیل کے ہاں نامعلوم ہیں بلکہ یہ نام بھی نہیں ملتے لہذا جبری کی یہ روایت بے اصل اور بے پایہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جو روایتیں موصولاً بیان ہوئی ہیں ان میں سیدہ ام سلمہؓ کے مروی الفاظ میں نام کسی کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ "ایک شخص کو بھیجا"

اب سوچنا چاہئے کہ جو ایک شخص "کو ابن عبدالبر نے حضرت ولید بن عمار پر کیا اتہام رکھا ہے؟"

۵۔ مسند احمد میں امام احمد نے اپنے شیخ فیاض بن احمد قتی سے انہوں نے جعفر بن برقان رقی (مصدق) سے انہوں نے ثابت بن الحجاج الکلابی الرقی (تفسیر) سے انہوں نے عبداللہ بن مالک بن الحارث (مقبول) سے انہوں نے امیر ولید بن عقبہ سے روایت کی فتح مکہ کے وقت وہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے سب کے سر پر ہاتھ پھیرا سوائے ان کے اس لئے ان کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی انہاں سب کے لئے عایشیٰ کیں۔

مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۰ طبع اولیٰ

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ جو شخص فتح مکہ کے وقت لڑکا ہو کیا وہ کسی ہم پر بھیجا جاتا؟

راویوں کی حیثیت ہم نے تقریباً التہذیب سے دی ہے۔

ایک بات اور دیکھنے کی ہے کہ اگر یہ روایتیں جن کا ابن عبدالبر نے سہرا لیل ہے، بالفرض صحیح مان لی جاتیں اور ہم باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ولید کو ناسق کہا ہے تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ انہیں اہم ترین خدعات پر مامور کرتے؟

موجودی صاحب نے یہ وضعی روایت تو لکھ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور مدینہ واپس آ کر یہ پلوسٹ دیدی کہ قبیلے کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے مار ڈالنے پر تلی گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر غضبناک ہوئے اور قبیلے کے خلاف ایک ہم سلطانہ کر دی، قبیلے کے سرداروں نے مدینہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آتے ہی نہیں، اس پر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہمارا کہہنا کہ تمہارے پاس کوئی ناسق آ کر کوئی خبر دے تو تحقیق کر لیا کہ ہمیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے گئے پر پچھتاتے رہ جاؤ، اب دیکھئے اگر واقعی ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو حضرت ولیدؓ یقیناً سردار قبیلہ کے اسخفہ کی خدمت میں آئے اور اپنی کذب بیانی کا راز فاش ہو جانے کے بعد یا تو مدینہ سے کہیں بھاگ جاتے کہ پھر کسی کو بھی مدینہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے، خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھر کس طرح آتے اور عقداً اگر جھوٹ نہیں کہا تھا غلط فہمی ہو گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلا کر ضرور ڈانٹتے اور ایسی غلط بات بیان کرنے کی وجہ پوچھتے اور اس کی روایت بھی ضرور ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنا بڑا سنگین واقعہ ہو جس پر آیت کا نزول ہو نہ ولید کو ان حضرت بلا کر کچھ کہیں نہ وہ خود حاضر ہو کر معافی مانگیں بلکہ اطمینان کے ساتھ تہذیب





الدراسة والتفاحة والتمين | ادلثاقت ودهنيزب کی کتابوں میں ہمیشہ  
حاشیہ ص ۸۵ کے لئے محفوظ کرالیتے۔

باقی راویوں کو حضرت عبداللہ بن عامر کا قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی طلب  
میں ام المومنین سیدہ عائشہ کے ساتھ ہونا کیسے برداشت ہو سکتا تھا اس پر  
ستزادیہ کہ مجوسی شہنشاہیت کا جنازہ آپ ہی نے نکالا تھا وہ ان کے ہدف  
ملامت تو ہوتے مگر افسوس اموی دشمنی میں سبائیں کے کا ذیہ کو لوگوں نے  
باد کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بقول علامہ محب الدین خطیب عظمت اسلاف کے  
سلسلہ میں ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ :-

فقد سلط الشيطان عليها قلبا  
فاسدًا لا تقضي يا لسوء وصدق  
اكا فبها الاكثر و منانا فامينا  
كالامة التي لا مجد لها بنيا هي  
ناائمة على تراث من الحمد لا تحلم  
الانسانيت بمثلهم  
العواصم من القوم حاشية  
ص ۸۵

شیطان نے اس پر قلب فاسدہ کو مسلط کر  
دیا ہے جو ہر وقت برائی کی اشاعت کرتی رہتی  
ہیں اور ہم میں سے اکثروں نے اس کے جھوٹ  
فریب کو چر سمجھ رکھا ہے، پس گویا ہم ایسی  
امت ہیں جو بزدلی سے محروم ہو جا جب بزدلی  
کی تقسیم ہو ہی تھی تو یہ امت جو خواب غمی اور  
ایسی نیند سو رہی تھی کہ انسانیت اس قسم کی  
نیند کبھی نہ سوتی۔

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامر رضی اللہ  
بھی بجز ان ہندو لوگوں کے ہیں جن کے متعلق  
تھے مشہور کرتے گئے ہیں، حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جس طرح بعض پرچوش قرشی  
جوان اسلام کے مخالف تھے ایسے ہی اعمال ان کے بھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان بن الحارث ہاشمی عہد جاہلیت میں اسلام کے سخت  
مخالف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طنزیہ اشعار کہا کرتے تھے اور فتح  
کے بعد مسلمان ہوتے بھی کیفیت حضرت عبداللہ کی بھی تھی قریش کے لوگ بعد

میں اسلام کے جس طرح فدائی بنے ایسے ہی انہوں نے بھی دین کی وہ خدمات  
انجام دی ہیں کہ بشارت نبویہ کے مرد و بے ادان کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

پہلے بحری چارواک جو منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا وہ  
آپ نے اس پر فخر و انبساط کا اظہار کر کے ان سب حضرات کے مقبول بانگاہ خلدندی  
اور فطی ختی ہونے کی بشارت دی تھی صحیح بخاری ج ۴، ص ۹۵ طبع مصر ۱۹۶۷ء  
امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر اہتمام کیا گیا تھا، امیر مصر  
حضرت عبداللہ بن سعد نے اس ہم میں پوری امداد دی اور عدا یک فوجی دستے کے ساتھ  
اس میں شریک ہوئے۔

مردودی صاحب نے حضرت عمرو بن العاص کی برطرفی اور حضرت عبداللہ  
بن سعد کا ان کی جگہ تقریر اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے یہ بے وجہ ہو گیا ہوا وہ ایک  
بے حیثیت شخص اس منصب پر فائز کر دیا گیا ہوا مقصد تحقیق ہوتا تھا اول صحیح  
صحت حال سمجھنے کی کوشش کر کے بات کرتے۔

ہماری کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عمرو بن العاص نے جب  
مصر فتح کر لیا تو آپ ہی وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، حضرت عبداللہ بن سعد ان کے تحت  
ایک افسر تھے، پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ کو بلا لائی مصر کا سالار  
اعلیٰ مقرر کر دیا، انہوں نے موجودہ سوڈان کا پورا علاقہ فتح کر کے دارالاسلام میں  
شامل کر دیا، حضرت عمرو اور حضرت عبداللہ کے مابین اسی زمانہ میں کچھ اختلاف پیدا  
ہو گیا تھا، اصلیا اختلاف انتظامی اور عسکری امدار میں اکثر ہو جا یا کرتا ہے، ترقی  
یا فتنہ ممالک کی تاریخوں میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت ہوتے تو آپ نے حضرت  
عبداللہ کو مصر کے بیت المال کا افسر اعلیٰ بنا دیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس تقریر سے ناراض  
ہوتے اور بانگاہ خلافت میں شکایت کرنے پہنچ گئے، یہ خلاف قاعدہ بات  
امیر المومنین کو ناپسند ہوئی کہ بغیر اجازت مصر چھوڑ دیا، اس بنا پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ

کرتے تھے اور مصر کی ولایت حضرت عبداللہ کے سپرد کر دی گئی جن کے انتظامی و عسکری  
اصول و مقاصد کی کمالات کا سکہ بیٹھ چکا تھا اور جو اپنی اہلیت و صلاحیت پوری طرح  
ثابت کر چکے تھے۔

حضرت عبداللہ کو اچانک اس منصب جلیل پر فائز نہیں کیا گیا بلکہ وہ عہد  
فاسق ہی سے خلافت اسلامیہ کے محمد نرین کارکنوں میں تھے، انہوں نے والی  
مصر ہونے کے بعد وہاں کا ہاتھ نمایاں انجام دے کر باہر شاہد یا زلفیعی حکومت کو  
خشی اور تری میں پے بہ پے شکستیں دیں اور بڑے وسیع علاقے فتح کئے پھر ان کے  
زمانہ میں مصر کا مالیہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔

لیکن انہی کے زمانہ میں سیامیوں نے اپنا ایک مرکز فسطاط میں قائم کر لیا تھا،  
یہ لوگ خلافت اسلامیہ کو درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے ان  
پر اپنی نگرانی سخت کر دی گئی اور ان کی گوشمالی کرتے رہتے تھے اس لئے ان کی  
کوان سے بھی ایسی ہی عداوت ہے جیسے کوئٹہ و بصرہ کے خاندانوں سے تھی ان  
کے خلاف بھی برابر پروگنڈا ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اس پر پگنڈے کی ایک بڑی دلچسپ مثال ہے اسیر ابن ہشام میں فتح مکہ  
کے احوال کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کے متعلق  
حکم دیدیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔

کہا گیا ہے کہ ان ہی میں ایک شخص عبداللہ بن سعد عامری تھا، اس کے قتل  
کرنے کا حکم حضور نے اس سبب سے دیا تھا کہ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا اور وحی کو حضور  
کے پاس لکھا کرتا تھا پھر یہ مرتد ہو کر قریش سے آ ملا اور اب اس جنگ میں حضرت عثمان  
کے پاس جا چھپا کیونکہ ان کا دعوہ شریک بھائی تھا، یہاں تک کہ جب مکہ میں اہلبیت  
ہو گیا تو حضرت عثمان اس کو لے کر حضور کی خدمت میں اس کو دلوانے کے واسطے آئے  
حضور بہت دیر تک خاموش رہے، جب عثمان نے اصرار کیا تو حضور نے فرمایا  
پاس اور جب عثمان اس کو لے کر چلے گئے تو حضور نے صیہ سے فرمایا کہ میں

اتنی دیر تک خاموش رہا تم میں سے کسی نے کھڑے ہو کر اسے قتل نہ کر دیا، انصاریں  
سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! مجھ سے مجھ کو اشارہ فرمادیتے فرمایا: ہنسی ایسی  
رکبک حرکت نہیں کیا کرتے، بعد میں عبداللہ بن سعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔  
اور حضرت عمر نے اس کو کسی جگہ کا حاکم بنا دیا تھا، حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان  
نے بھی اس کو حاکم بنا دیا تھا۔

یہ بیان ہم نے سیرۃ ابن ہشام کے اس ترجمے سے دیا ہے جو شیخ محمد اسماعیل  
صاحب پانی پتی نے کیا ہے (ص ۳۹۷-۳۹۸) اس میں قابل غور یہ ہے کہ سوائے  
حضرت عبداللہ کے اور کسی کا نام نہیں دیا گیا، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سیرۃ دراصل  
ایرانی نژاد محمد بن اسحاق کی ہے، اسی کی تلخیص ابن ہشام نے کی لیکن افسوس کہ پھر بھی  
بعض فضول رعایتیں باقی رہ گئیں مجملہ آنا نہایہ روایت بھی ہے۔

سنن نسائی میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے (کتاب الحجاب ج ۲ ص ۱۱۱ طبع  
مجمعاتی دہلی)

اخبرنا القاسم بن زکریا بن  
دینار قاحد بنی احمد بن مفضل  
قال حدثنا اسباط قال سمرع  
انسلی عن مصعب بن سعد  
عن ابيه قال لما كان يوم فتح  
مكة آمن رسول الله صلى الله عليه وسلم  
اناس الا اربعة نفر واجل اثنين  
وقال اتوههم وان وجدتموهم  
متعلقين باستار انكمجة عكرمة  
بن ابى جهل وعبد الله بن خطل  
وعقيس بن صابيه وعبد الله

ہیں قاسم بن زکریا بن  
ہیں محمد بن احمد بن مفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں  
ہم سے اس بات نے کہا وہ کہتے ہیں سعدی کو مصعب بن  
سعد کے حوالے سے بیان کرنے کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے  
اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا یعنی حضرت سعد بن ابی  
وقاص سے (فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ  
وسلم نے سب لوگوں کو اس رید یا سو چار مردوں اور دو  
عورتوں کے اور فرمایا یہ چار میں ان میں سے تین مرد اور ایک عورت  
کے پردوں کی پٹا میں میں حکم دیا ابو جہل عبداللہ بن  
خطل عقیس بن صابہ عبداللہ بن اسحاق عبداللہ بن خطل  
نوکریا پروردگار نے فرمایا یا گیا اسے قتل کرنے کے لئے سید

بن سعد بن ابی السرح فاعا  
 عبد الله بن خطل فادرك و  
 هو متعاقب بامر تار لکبة فاستبق  
 اليه سعيد بن حريث و عماس  
 بن ياسر فسبق سعيد بن عماس  
 وكان اشبه الرجلين فقتله و اما  
 مقيس بن حياصة فادركه الناس  
 في السوق فقتله و اما عكرمة  
 فتركب البحر فاصابتهم فقال صحاب  
 السفينة اخلصوا فان اخلصكم  
 لا تعقبن عنكم شيئاً ههنا فقال  
 عكرمة والله لئن لم ينجني من البحر  
 الا الا خلاص لا ينجني في البحر  
 غيرك اللهم ان لك على عرس ا  
 ان انت عافيتي فما اتا قه ان آتی  
 محمد صلى الله عليه وسلم حتى  
 اصنع لي في يده فلاحه فقتله  
 عقراً كرمياً فجاء فاسلم و اما  
 عبيد الله بن ابی السرح فانه اجتبى  
 على عثمان بن عفان فلهما دعا  
 رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 الناس الى البيعة جاء به حتى  
 اوقفه على النبي صلى الله عليه وسلم

حزب الاطرافين يامر رؤسهم و حيد عار پر بارکی لے  
 گئے کیونکہ وہاں میں وہی زیادہ جوان تھا اور اسے قتل کیا  
 مقيس بن حياصة فادركه فقتله و اما عكرمة  
 فتركب البحر فاصابتهم فقال صحاب  
 السفينة اخلصوا فان اخلصكم  
 لا تعقبن عنكم شيئاً ههنا فقال  
 عكرمة والله لئن لم ينجني من البحر  
 الا الا خلاص لا ينجني في البحر  
 غيرك اللهم ان لك على عرس ا  
 ان انت عافيتي فما اتا قه ان آتی  
 محمد صلى الله عليه وسلم حتى  
 اصنع لي في يده فلاحه فقتله  
 عقراً كرمياً فجاء فاسلم و اما  
 عبيد الله بن ابی السرح فانه اجتبى  
 على عثمان بن عفان فلهما دعا  
 رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 الناس الى البيعة جاء به حتى  
 اوقفه على النبي صلى الله عليه وسلم

قال يا رسول الله بايع عبد الله  
 قال فرفع رأسه فنظر اليه  
 ثلاثاً كل ذلك يابى فبايعه بعد  
 ثلاث ثم قبل على محابه فقال  
 اما كان فيكم رجل من مشيد يقوم  
 الى هذا حيث لم ياتي كفت يدي  
 عن بيعة فيقتله فقالوا وما  
 يدنا يا رسول الله ما في نفسك  
 هلا او مات النيا بعينك قال  
 انه لا ينبغي لبي ان يكون له  
 خائفة اعين۔

قتل کر دیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں  
 کیا خبر تھی کہ آپ کے جی میں کیا ہے آپ نے آنکھ  
 سے اشارہ کیا کہ نہ کر دیا تو آپ نے فرمایا میں نے  
 لئے جا رہے ہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرے  
 والی ہو۔

یہ ہے وہ شہرت یافتہ عام روایت جس پر تکیہ کر کے ایرانی نژاد محمد بن اسحاق  
 نے چاروں آدمیوں سے صرف حضرت عبد اللہ کا نام لیتا ضروری سمجھا اور اپنی طرف سے  
 یہ اضافہ کر دیا کہ وہ اول اسلام لائے اور کتابت وحی پر سفارت ہوئے پھر مرتد ہو کر قریش  
 سے آئے اور لوگوں نے پھر اس بات کی خوب شہرت دی۔

یہ عبد اللہ بن سعد بن ابی موسیٰ بن عقیقہ کے قبیلہ بنو عامر بن لوی سے تھے  
 سلسلہ نسب ہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث بن حبیب بن جدیر بن مالک  
 بن حنبل بن عامر بن لوی، حضرت عثمان ذی النہدین کے دو دوہر شریک بھائی البتہ تھے  
 مصعب زبیری مولف نسب قریشی متوفی ۳۳ھ حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح  
 کے بارہ سے ہیں لکھے ہیں:-

وہ عثمان بن عفان کے دوہر شریک بھائی تھے فتح مکہ  
 کے دن حضرت عثمان نے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے اہل مکہ کی دعوت کی آپ نے انکو ان دیدی

کاوا ابن عثمان بن عفان من الرضاعة  
 واستما من له عثمان ليورق مع سكتهم  
 رسول الله صلى الله عليه وسلم فاصلة

ان حضرت عبداللہ بن سعد کے بھائی ادریس الاکبر کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن ادریس الاکبر تھے جو دمشق سے امیر المؤمنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر امیر مدینہ ولید بن عقبہ کے پاس لاتے تھے انہوں نے ہی ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ سے نئے خلیفہ کی بیعت لینے کے لئے امیر مدینہ کو کہا تھا۔ (ایضاً)

یہی خود یہ بغایت فتنہ اس کی اندرونی شہادت اسے قابل قبول ثابت کرتی ہے اور نہ بیرونی۔

**اندرونی نقص** | ۱۔ مجرم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو تو جب فرمان خداوندی اور شہادہ صحابہ اس کا امکان نہ تھا کہ مرتد

اجانت لئے بغیر کوئی شخص کھڑے ہو کر کسی کو قتل کر سکتا، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہیں فرما سکتے تھے کہ بیعت لینے سے مجھے ہاتھ روکتے دیکھا تو اٹھ کر قتل کیوں نہ کر دیا، مرتد حکم ہے لا تعدوا بین یدی اللہ ورسولہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ہوتے ہوتے پیش قدمی مت کرو۔

۲۔ عبداللہ بن حنظل کے فتنے کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے (کتاب المغازی

ج ۳ ص ۶۲ طبع مصر)

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما | ابن بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں جب داخل ہوئے تو سر پہ خود پہنتے ہوئے تھے اسے جب آواز تو ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا ابن حنظل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے آپ نے فرمایا اسے قتل کرو بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حنظل حضرت سعید بن جبیر سے ہی تھے۔

گویا جن لوگوں کے قتل کا حکم آپ دے چکے تھے انہیں بھی صحابہ نے یہی قتل نہیں کر دیا بلکہ دوبارہ حکم لیا پھر قتل کیا، اس صورت میں حضرت عبداللہ کا معاملہ خود

قابل غور ہو جاتا ہے، علامہ ازہری نے کیا ہی گناہ کیا ہو جب وہ تائب ہو کر پیش ہو تو اس کی توبہ بہر حال قبول ہوگی، اگرچہ نہ مرتد ہو چکا ہو اور اگرچہ وہ اسلام کا سخت ترین دشمن ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہر تائب کی توبہ قبول کی ہے اور کبھی بیعت سے ہاتھ نہیں روکا، دوسرے یہ کہ اگر آپ کے نزدیک ان کا فتنہ ضروری تھا ہاں کہہ دینے میں کیا چیز مانع تھی، صحابہ تو اپنے باپ بیٹے کو بھی قتل کر دینے میں بچکا باہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، ایسے بیسیوں واقعات صحاح میں ہیں، لہذا اس حدیث کا یہ نہ کرنا جو حضرت عبداللہ کے متعلق ہے کسی طرح قابل قبول نہیں، یہ اضافہ راوی کا معلوم ہوتا ہے ہی حال حضرت عمرؓ کا ہے، وہ خود چلے گئے ہوں گے جیسا کہ ایک تحریک کا سخت مخالف ڈر کر بھاگ جایا کرتا ہے، یہ روایت خود بتا رہی ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی پر کیا اعتماد تھا، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابن حنظل بھی کعبہ میں پناہ لینے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتا تو اسے امان بلجائی

ان داخلی اسقام کے علاوہ بیرونی حیثیت سے بھی اس حدیث **بیرونی شہادت** کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ اس حدیث کی سند میں تین کوئی ہیں۔

تاسم بن زکریا، احمد بن مفضل اور سدی، ان میں تاسم تو ثقہ ہیں، لیکن احمد بن مفضل شیعی ہیں اور سدی بھی (تقریباً لہتذیب) علاوہ انہیں احمد بن مفضل نے سنی کا بیعت حتمی ظاہر نہیں کیا بلکہ مشتبہ بتایا پھر سدی کی یہ تخریف بھی ہے کہ دیکھو انہیں وہم نہ ہو جاتا ہے، اس طرح یہ حدیث روایت بھی قابل اعتماد نہیں، کیونکہ ان میں ایسے آدمی ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق طعن آمیز بات کہنے میں اپنے عقائد کی رو سے ثواب کی امید تھی۔

صحیح بخاری میں فتح مکہ کی تفصیلات میں حضرت عبداللہ کے متعلق کوئی روایت

نہیں، نیز یہ کہ کاتب ہی پر فائز ہو کر مرتد ہو جانے کا صرف ایک واقعہ تاریخ میں گزرا ہے ملاحظہ ہو یہ ایک نصرانی شخص تھا جن میں سے بعض لوگ حسب بیان قرآنی مسلمان ہوئے ہی اس غرض سے تھے کہ پھر مرتد ہو کر لوگوں کو بتائیں کہ دین حق ہوتا تو ہم اس

پہنچا تم رہتے دیمح بخاری ج ۲، ص ۲۸۲-۲۸۳، ابواب علامۃ النبوتہ)  
 یہ ایک نصرانی شخص تھا، جو اسلام لایا سو نہ بفرادان عمران بھی پڑھ  
 لیں پھر نصرانی ہو گیا اور کہا کرتا تھا کہ محمد بس اتنا ہی جانتے ہیں، جو  
 میں لکھ دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو مار دیا جب دفن کیا گیا تو زمین  
 نے باہر پھینک دیا، لوگوں نے کہا کہ یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی  
 حرکت ہے کہ لوگوں کے جانے کے بعد انہوں نے قبر کھود کر ہمارے  
 آدھیوں کو باہر ڈال دیا، دوبارہ اور گہری قبر کھود کر دفن کیا، زمین نے  
 اسے پھر باہر پھینک دیا، تب لوگوں نے جانا کہ یہ آدمی کا کام نہیں آو  
 پھر اسے یونہی ڈال دیا

اب شیعی راویوں کو یہ دو واقعے نظر آئے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا بعض لوگوں کو خراج مکہ کے دن قتل کرنا اور ایک کا تیب وحی کا مرتد ہو جانا، اولیایہ  
 دونوں باتیں حضرت عبداللہ بن سعد کے متعلق مشہور کر دیں جو مصر کے والی تھے  
 اور ساتھیوں پر سخت، چونکہ وہ قتل نہیں کئے گئے اس لئے وہ رعایت وضع کر لی جو  
 لسانی کی رعایت کا آخری ٹکڑا ہے، لیکن یہ بھول گئے کہ جس شخص کی توبہ قبول کر لی  
 جاتی ہے اس کے پھیلے گناہ سب وصل جاتے ہیں اور یہ بھی بھول گئے کہ حضرت  
 فاروق اعظمؓ ان کی پھیلی زندگی کو موجب عیب سمجھتے تو انہیں کبھی ایسی ذمہ داری کا  
 کام سپرد نہ کرتے جس کا ذکر آج پر گزرتا۔

حضرت ولید کی معزولی کے بعد کوئم  
 حضرت سعید بن العاص اموی کی گورنری حضرت سعید بن العاصؓ  
 اموی کے سپرد کی گئی، امیر المؤمنین چاہتے تھے کہ جو طرز عمل حضرت ولیدؓ کا تھا وہی  
 بعد ہی جاری رہے۔

حضرت سعید بن العاص امویؓ بھی صنار صحابہ میں ہیں، وفات نبوی کے وقت  
 ان کی عمر نو برس کی تھی، انہی کا نطفہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا تھا

کہ بدر کے دن میں نے تمہارے والد عاص کو نہیں قتل کیا تھا، تو آپ نے عرض کیا  
 یہ امیر المؤمنین اگر آپ ہی میرے باپ عاص کو قتل کرتے تب کیا بات تھی وہ باطل  
 پر تھا اور آپ ہی تھے، (الاصحابہ بذیل ذکر سعید)

حضرت سعیدؓ اس شان کے مومن تھے، آپ کی تربیت اکابر صحابہ نے کی تھی  
 قرآن مجید کے بڑے عالم تھے اہب عربی پر عبور تھا اور زبان کی صحت کے واسطے میں  
 حجت سمجھے جاتے تھے، چنانچہ حبیب امیر المؤمنین عثمانؓ نے قرآن مجید کو ایک حرف پر مجتمع  
 کیا اور باقی متداول قرائوں کی مخالفت کر دی تو چون بزرگواروں کے سپرد قرآن پاک کے  
 وہدائی نسخے کی کتابت تھی ان میں حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت  
 عبدالرحمن بن عاصؓ بن ہشام کے ساتھ حضرت سعیدؓ کو بھی معہ شریفی کی نقل پر مامور  
 کیا تھا، اور ان بزرگانہ نے صحف صدیقی کی نقلیں کر کے مختلف علاقوں کو روانہ کی  
 تھیں، جن میں کا ایک نسخہ تاشقند میں اب بھی موجود ہے۔

اس بہترین علمی اور دینی خدمت کے علاوہ آپ جماد میں بڑا نام پیدا کر چکے تھے  
 چنانچہ بلرستان کے جماد میں کمان آپ ہی کے سپرد تھی اور چونکہ اس جماد میں شرکت  
 کرنے والوں کو جنت کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اس لئے اس  
 اموی بطل عظیم کی قیادت میں اجمہ صحابہ نے اس میں شرکت کی اور ہاشمی حضرات میں  
 سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ وغیر ہم سب ساتھ گئے تھے اور یہ  
 معرکہ حضرت سعیدؓ نے سر کیا تھا (طبری ج ۵ ص ۷۵)

ان علمی اور سیاسی خدمات کے سبب انہیں کوئم کی ولایت سپرد کر دی گئی  
 اور انہوں نے وہاں حضرت ولیدؓ کی پوری پوری جانشینی کی لیکن سبائی تحریک یہاں  
 بڑھ چڑھ چکی تھی اس لئے بعض حادثات رونما ہوئے، مودودی صاحب نے نہایت غلط طریقہ  
 سے اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے (ص ۱۱۶)

”ایک مرتبہ بصرہ میں ان کے گورنر سعید بن العاص کے طرز عمل سے  
 ناراض ہو کر کچھ لوگوں نے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی بھی تو عمام

نے ان کا ساتھ نہ دیا اور جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لوگوں کی جمعیت کی تجدید کے لئے پکارتا تو لوگ بغاوت کے علم برداروں کو چھوڑ کر جمعیت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اول تو یہ واقعہ بصرہ کا نہیں بلکہ کوفہ کا ہے (طبری ۵، ۶۳) جہاں یہ ہے کہ حضرت ولیدؓ کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا تھا، ان کے سربراہوں میں اشترؓ تھے اور اس کے ساتھ ہی تھے امیر گروہ جماعت سے فایت باوقار شہریوں کا وہ تھا بلکہ سبائیوں کا تھا۔ مودودی صاحب اسے پی گئے، اشترؓ نے کھلی جگہوں میں کہا کہ تمہاری باتیں انجام دے تھے۔ اس لئے اس کے دل میں ریاست امارت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی، مزاج میں تبخیر اور تندی تھی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے قلبی احوال کے تحت قابل اعتناء نہیں سمجھا اور کوئی عہدہ نہیں دیا، اس کی تلقین اسے بہت تھی، حضرت ولیدؓ کی مغربی میں جب ان لوگوں کو کامیابی ہوئی تو پھر اس نے توقعات قائم کیں کہ اپنے گروہ کی اس کامیابی سے عوام پر اپنی اہمیت جتا کر ان کا لیڈر بن جائے، لیکن حضرت سعیدؓ کے تشریف لانے سے اس کی امیدیں پھانسی پھرنی لگی، مگر ہاں موقعہ کی تاک میں۔

اتفاق سے ایک دن حضرت ظہیرؓ کی سخاوت کا کچھ ذکر چل پڑا، حضرت سعیدؓ نے فرمایا اگر نشا پختہ جیسی جاگیر میرے پاس ہوتی تو میں بھی تم لوگوں کی خدمت کرتا، اس پر عبدالرحمن بن حنیس اسدی نے کہا کہ کاش آپ ملاحظہ کی زمین حاصل کر لیں، اشترؓ اور اس کے ساتھی اس پر برا فرود نہ ہو گئے اور عبدالرحمن سے کہا بدتمہا ہمارے دشمنوں کی اس ننگانے ہو! عبدالرحمن کے والد نے کہا تمہارے ہی لئے تو کہ تم فاتحہ اٹھاؤ گے یہ سننے ہی اشترؓ وغیرہ لوگوں نے ان دونوں باپ بیٹے کو مارنا پسند کیا شروع کر دیا۔

حضرت سعیدؓ کی موجودگی میں ان لوگوں کی گستاخی ناقابل برداشت تھی، مگر آپ نے پیٹم پوٹیم کی اور خدا سے دعا کی کہ ان کے خلاف اس کے والد نے اسے پرموعہ ہو گئے تھے بلحاظ وقت وہاں سے ہٹایا اور وہ بڑا خون خرابہ ہوتا، اشترؓ کو فہ نے اشترؓ وغیرہ کی یہ ناشائستہ اور متروانہ حرکت دیکھ کر امیر المؤمنین عثمانؓ کی خدمت میں اطلاع بھیجی

کہ ان مفسد لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے، چنانچہ ان لوگوں کو شام بھیجا گیا، وہاں حضرت معاویہؓ نے ان کی مدافعت کی اور رفیق دزیری سے انہیں سمجھایا، طبریؓ نے (۵: ۸۶) حضرت معاویہؓ کی تقریر نقل کی ہے منجملہ اہل یہ ہے۔

”آپ لوگ عرب میں پختہ عمر اور فصیح البیان ہیں اور اسلام کے سبب آپ کی حیثیت بن گئی ہے، دنیا کی قوموں پر آپ کو غلبہ ملا ہے اور ان کی شان و اہمیت پر آپ قابض ہو گئے ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ قریش سے برا فرود تھے جن حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو آپ پہلے ہی کی طرح ذلیل رہتے، آپ لوگوں کے ائمہ آج آپ کی ڈھال ہیں لہذا اپنی ڈھال کی مدد میں حامل مت ہو جئے، آج آپ کے ائمہ آپ کی بے ماہ روی پر صبر کرتے ہیں، آپ کی بھاری غلطیاں بھی برداشت کر لیتے ہیں، بخدا آپ کو ان حرکتوں سے رکنا پڑے گا ورنہ پھر ائمہ آپ کو ایسے لوگوں کے فریضہ آرائی میں ڈالے گا جو آپ کو سزا میں دیں گے اور پھر ان پر صبر کرنے کی آپ کو کچھ داند نہیں دیں گے اس طرح رعیت پر خیال لانے کے سبب آپ بھی اپنی زندگی میں اندر لے کے بعد ان کے شریک کچھ جائیں گے“

اس پر صعصعہ بن صعصعہ نے کہا: آپ کب تک حکومت اور قریش کی باتیں ہم سے کہتے رہیں گے، عرب نے ہمیشہ اپنی تلوار کے زور پر مدنی کہا ہے اور قریش محض تاجر تھے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا تیری باتیں روتے ہیں اسلام کی بات کرتا ہوں اور تو جاہلیت کی باتیں سنانا ہے، صعصعہ نے یہ بھی کہا تھا یہ جو آپ ڈھال کی بات کرتے ہیں تو میں جب اس ڈھال کو پھاڑ دوں گا اس وقت ڈھال ہماری ہوگی، دلچسپ جواب ہمارے والدین کو نقل کر دیں گے خود حکومت سنبھال لیں گے“

یہ تھے عراقی سیاستوں کے، حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کو پھر تمہیں بھیج دیا، جہاں کے عالی حضرت عبدالرحمن بن خالد سیف اللہ تھے، انہوں نے ان لوگوں کی خوب خوشامالی کی، انہیں شیطان کا آلہ کار بنایا، پھر طریقہ یہ رکھا کہ جب سارا ہو کر ملے انہیں اپنے



ساتھ پیدل چلنے پر مجبور کرتے ادا نہیں ڈالتے رہتے پھر معصوم سے پوچھتے "اب مجھ سے اس طرح کی بات کیوں نہیں کرتا جو مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سعید ام معاویہ سے کرتا رہا ہے" تو وہ اس کے سبب سنا سکتی کہتے "ہم تو بہ کرتے ہی آپ سے یہی معاف کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے" (طبری ۵: ۸۷-۸۸)

غرض کہ سال بعد ہی آپ نے انہیں مکے کی طرح سیدھا کر دیا، پھر فرمایا کہ جاؤ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان سے معافی مانگو، چنانچہ ان سب کی طرف سے اشتراخی بیڑہ حاضر ہوا اور سب کی طرف سے معافی چاہی امیر المؤمنین کے سامنے عاجزانہ توبہ کا اظہار کیا۔ آپ نے اسے اور سب کو معافی دے کر جائز دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، اشتراخ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو وہاں کوفہ سے آیا ہوا ایک خط لکھا تھا کہ جنیدی پوچھو ہم نے سب انتظام کر لیا ہے، دوسرے لوگ تو اپنی توبہ پر قائم رہے اور کوفہ جانے سے انکار کر رہا ہے اشتراخ توبہ توڑ کر وہاں جا پہنچا لہذا اس معذکرہ میں مل گیا جو خنیفہ خنیفہ حکمت کے خلاف اپنا جھگڑہ بنا رہا تھا۔

امیر سعید اس وقت مدینہ گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے اشتراخ اس کے ساتھ ہونے لائے راستہ تک گیا اور اشتراخ نے آپ کے ایک غلام کو قتل بھی کر دیا، امیر سعید نے اس وقت غزیرہ پندرہ کی ادا واپس ہو گئے حضرت امیر المؤمنین نے پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا اور تمام اہل کوفہ نے بختیہ سعید کی، اشتراخ وغیرہ کا گردہ اتنا قوی نہ تھا کہ حضرت سعید کو قوت سے واپس کر سکتا، کیونکہ اہل کوفہ ان سے خوش تھے، یہ امیر سعید کا جد و جہد تھا جو آپ واپس ہو گئے وہ اہل شہر آپ کا ساتھ دیتے، یہ بیان سب طبری کا ہے اور طبری ہی کے بیان سے ثابت ہے کہ اپنی عملی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر سعید اموی نے عہد فاطمی ہی میں اہم حیثیت اختیار کر لی تھی وہ لکھتے ہیں:-  
فلم یبنت عمر حتى کان سعید | حضرت عمر کے وفات پانے سے پہلے ہی حضرت رجال الناس (ج ۲ ص ۳۳۱) | سعید اکابر امت میں شمار ہونے لگے تھے۔  
جز جان و خراسان و طبرستان کے وسیع ممالک کے فاتح چھٹیوں نے مشرق بعید

یہ مملکت اسلام کی بنیادیں استوار کیں، اشاعت دین کی راہیں کھولیں، مو دودی صاحب نے ان کو بدلتے اعتراض بنائے اور واقعات کو مسخ کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ جیسے لوگ واقعی حضرت سعید سے نا ماعن تھے اور اسی سبب انہیں معزول کیا گیا یہ سلسلہ باطل ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔

**حضرت مروان** رضی اللہ عنہما حضرت مروان بن الحکم صغار صحابہ میں ہیں، فتح مکہ کے وقت نو سو برس کے اور بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ عمر کے تھے، کچھ لوگوں نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے، مثلاً تقریب التہذیب میں ہے۔  
لا یثبت لہ صحبۃ وان کا صحابی ہونا ثابت نہیں، لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ فتح مکہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سب قریش حاضر ہوئے اور سبھی صحابہ میں پیش قدمی گئے، جن کے سروں پر آپ نے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعائیں کیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہی کے خاندان میں اور وفات کا ایک اموی لڑکا نہال آپ کی زیارت سے محروم رہے حضرت صاحب وہ حضرت عثمان کا چچا زاد بھائی بھی ہو۔

حافظ ابن حجر مدنی الساری میں ان کے متعلق لکھتے ہیں لہذا وہ صحابہ یعنی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، تاریخ خمیس میں ہے وكان مروان قد لحق النبي صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲، ص ۷۷، بیوی حضرت مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے، پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اہل شام کے نزدیک ان کا صحابی ہونا مسلم تھا، گھر کے لوگ اپنے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں، علاوہ انہیں کسی ہم عصر نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مروان کو دیدار نبوی کا سزوت حاصل نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں (مہاج السنہ ۳: ۱۸۹) ولا یختلف فی صحبۃ دان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، پھر فرماتے ہیں مروان من اقربان ابن الزبیر واد مروان تو ابن الزبیر کے شیعہ ہیں، حافظان کثیر کہتے ہیں ہوا صحابی عند طائفہ کثیر (البدایہ ج ۸، ص ۷۵) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ مروان صحابی ہیں، ایسی صورت میں بخدی کے ساتھ یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی

کہ وہ صحابی نہیں البتہ رعایت کے اعتبار سے تابعی ہیں، لیکن اس شان کے کہ صحابہ نے ان سے رعایت کی ہے امام ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں (العواصم ۸۹-۹۰)

عمر بن عبد العاص  
الاصحاب عند الصحابة والتابعين  
وفقهاء المسلمين - اما الصحابة  
فان سهيل بن سعد الساعدي  
روى عنه واما التابعون فاصحاب  
في السنن وان جازهم باسمهم لجهته  
في اخذ لقولهم واما فقهاء الامم  
فكلهم على تعظيمه واعتبار خلافته  
والثقات في فتواه والافتقار الى  
روايته واما السعديون المحدثين  
والادباء فيقولون على اقدارهم  
بناے ہیں۔

حضرت سہیل بن سعد کی رعایت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے، تابعین میں سے  
حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما کی رعایت بھی حضرت مروان سے صحیح بخاری  
میں موجود ہے (ج ۱ ص ۲۷۷-۲۷۸ طبع مصر باب التمتع والاقران والافراد بالجمع) اور  
حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان سب بزرگوں کی تفصیل دی ہے، جنہوں نے  
حضرت مروان سے روایتیں کیں، مثلاً حضرت سعید بن المسیب اور ان کے ہم  
رہنہ حضرات عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن  
بن الحارث بن ہشام مخزومی، حضرت عروۃ الزہیری، حضرت عراک بن مالک العفاری  
حضرت عبد اللہ بن شہاد بن الہادی وغیرہم یہ سب کے سب حضرات کبار فقہان  
میں ہیں، حتیٰ کہ حضرت عبد الرحمن نے بھی ان سے رعایت کی ہے جہاں کہہ اہل میں ہیں

امان میں شیعیت کی رفق بھی تھی۔

پھر مؤطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی وغیرہ صحاح کی عظیم ترین کتابوں  
میں حضرت مروان کے ارشادات، فتاویٰ اور فتاویٰ فیصلے مندرج ہیں اور انہیں فقہان  
اسلام شرعی نظائر کی حیثیت دیتے ہیں، گویا اسلامی فقہ میں حضرت مروان کی حیثیت  
بہت بڑی ہے، حافظ ابن حجر ہی الساری میں لکھتے ہیں۔

قال عمدة بن الزبير كان مروان (حضرت عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت مروان  
لا يتكلم في الحديث وقد روى حديث من غيرهم هي ان سے حضرت سہیل  
عنه سهيل بن سعد الساعدي بن سعد صحابی نے ان کے حدیث پر اعتماد اور  
الصحابی اعتماداً على صدقه وقد بعدہ کر کے رعایت کی ہے اور امام مالک نے  
اعتمد مالك على حد ينه وزايه ان کی حدیث اور اعتماد کیا ہے اور مسلم کے  
والباقون مری مسلم۔ سوائے باقی محدثین نے بھی۔

بقول شيخ الاسلام ابن تيمية اخراج اهل الصحاح عدة احاديث عن  
مروان وله قول مع اهل الفيتا صحاح سنن میں حضرت مروان سے متعدد  
احاديث کی رعایت کی گئی ہے اور اہل فتویٰ ان کے اقوال لاپتہ فتاویٰ میں بطور سند  
پیش کرتے ہیں، تاریخ ہمیں یہ ہے :-

وكان مروان فقيهاً عالماً اديباً | (حضرت مروان فقیہم و عالم ادا دیب تھے  
پھر ان کی عبادت اور تقویٰ نے انہیں اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز کر دیا تھا  
تلاوة کلام پاک کا کوئی باعث تھا کہ من اقراء الناس القرآن کہلاتے تھے، البیہ  
والنہایہ ج ۱ میں یہ روایت ہے کہ امیر زبیر کی ولایت عہد کی تحریک سے کچھ پہلے امیر المومنین  
حضرت معاویہ نے یہ فرما کر حضرت مروان کو جانشین نامزد کرنے کا خیال کر رہے تھے کہ وہ  
کتاب اللہ کے قاری اللہ کے دین کے فقیہ اور مدد اللہ قائم کرنے میں شدید ہیں  
القاری کتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ المشتمل علی حدیث اللہ (ج ۱ ص ۸)  
ص ۲۵۷) لیکن سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایسا نہ ہو سکا پھر حبیب حضرت مروان

کے مندرجہ ذیل خلائف ہونیکا موقع آیا اور لوگ اس کی اطلاع دینے ملت کے وقت ان کے پاس گئے تو دیکھا گئے میں شمع روشن ہے اور کلام پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں سات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنے تھے، جناب جعفر الصادق کی یہ رعایت البدایہ والنبایہ میں بسند صحیحہ امام شافعی سے منقول ہے کہ حضرت مروان کی امامت میں حضرت حسن و حسین برابر نمازیں ادا کیا کرتے تھے، ایسے عالم و فاضل پاک سیرت بزرگ کے منقول مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۱۱۵)

یہ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوتی وہ خلیفہ کے سرکاری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی، ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اوصاف کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی حالانکہ ان کی اجانت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے، علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمانؓ ادا کا برصاحب کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، تاکہ خلیفہ برحق اپنے پہلے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔

یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی ہتھمید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاً کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے مشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا، اسی بنا پر دوسرے لوگ تو دیکھ کر خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بُری ذمہ داری مروان پر عاید ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے عفاف بیانات کہا کہ: "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کر دے گا، اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قسم، نہ مذہبیت نہ محبت"

مودودی صاحب نے اتنے بہت سے الزامات تو عاید فرما دیئے اور ان میں ایسی بیوی کی گھر کے اندر کی ساٹھے تیرہ سو برس پہلے کی گفتگو بھی سن لی اور ان پر بہت سے وہ کام

بھی کھل گئے جو حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر حضرت مروانؓ نے کر ڈالے، مگر مثال ایک بھی پیش نہ کی، کم از کم ایک ہی بات ایسی ثابت کر دیتے جس سے حضرت مروانؓ کی عذریاں کھلیں اور صحابہ کرام کے سامنے جو وہ ہند بیدی لقتہیر کیا کرتے تھے ان کا کچھ تو پتہ چلتا۔

قاری ابن کرام کو سوچنا چاہئے کہ ہم حضرت مروانؓ کی وہ عدالت و عدالت و عظمت و بندگی دیکھیں جو مؤطا شریف، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتی ہے اور ان کے متعلق وہ رائے دیکھیں جو صحابہ و تابعین اور فقہاء و علماء اسلام نے ان کے بارے میں دی ہیں، یا ان خرافات کو تسلیم کریں جو بعد کے مصنفوں نے بے سہرا پاسبانی روایات کی بنا پر کتابوں میں بکھری ہیں، جن کے حملے مودودی صاحب نے کیے ہیں، سچ فرمایا امام ابن العربی نے واما السفہاء ممن المورخین ولا ادواء فینقولون علی اقدارہم دارسہ یہ نا سچ مصلحت اسادیب تو یہ اپنے طرف کے مطابق بائیں بناتے ہیں)

مودودی صاحب نے کس نے باکی سے حضرت عثمانؓ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس دہ لاکھ دینار مروان کو بخش دیا، حالانکہ یہ اقتراہ محض ہے، امام ابن العربی فرماتے ہیں (الحوادث ۱۰۰-۱۰۱)

واما اسطوخموس خمس افریقیہ  
لواصل فلم یصح علی اللہ قد ذهب  
مالک و جماعة انی ان الامام یروی  
سرا لیک فی الخمس وینقل منہ ما  
اقاد الی اجتهادہ وان اعطوا ولا  
لواحد جائز وقد بیننا ذلك فی  
صواعقہ

ربان کا افریقہ کا خمس کسی ایک شخص کو دیدینا تو یہ صحیح نہیں، یا جو اس کے کہ حضرت امام مالک اور علماء کی ایک جماعت ہی طرف لگتی ہے کہ امام کے یہ اختیار ہیں، کہ خمس کے متعلق دو کیا راستے قائم کرنا ہے، اور اس حق ہے کہ اپنے اختیارات کے مطابق علی کرے اور یہ کہ کسی ایک شخص کو بھی وہ (سچ) پورا خمس دیدینا جائز ہے، ہم نے یہ مسئلہ اس کی جگہ پر الہم (دلیل) سچ اپنی دوسری کتابوں میں

موردی صاحب نے اگر کتب حدیث کا مطالعہ ٹھنڈے دل سے کیا ہوتا تو  
 ابھی خمس و نئی کے بارے میں ائمہ کے موافق کا علم ہوتا، مگر ان کا مقصد چوں کہ  
 بنی امیہ اور حضرت عثمانؓ پر طعن ہی ہے، اس لئے انہوں نے عدل و خرد سب کو  
 خیر باد کہہ کر باہمی عدایات کا سہا لائے۔ میں باک نہیں کیا، خمس آمدنی کی آمدنی تیر  
 مقصود غیر متعین اور غیر مستقل ہوتی ہے اور امام اپنے مصارع کو اچھی طرح سمجھتا ہے  
 لیکن اس کے باوجود یہ امر قطعی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ روپیہ حضرت مروان کو نہیں دیا۔  
 ابن خلدون جیسے محقق مورخ نے بتایا ہے کہ افریقیہ کے مال غنیمت میں خمس حضرت  
 مروان کو عطا نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے اسے خرید لیا تھا ان لکھتے ہیں۔

دارمیں ابن سبیر یا نفتح	حضرت ابن زبیر نے فتح کی خوشخبری امداد
والخمس فاشتره مروان بن	غنیمت کا پانچواں حصہ دینا بھیجے (حضرت)
حکمر بن عمار الف دینار	مروان نے پانچ لاکھ دینار خرید لیا اور جو بعض لوگ
دربعض الناس یقول اعطاه	بیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے (حضرت مروان کو
ولایصح زج ۲، ص ۱۲۹	دیدیا تھا ہرگز صحیح نہیں۔

موردی صاحب کے نزدیک ابن خلدون کا یہ بیان معتبر نہ ہو تو ان کتب میں  
 ابن کے حوالے انہوں نے دیے ہیں، امیر المومنین حضرت عثمانؓ ذی القنین کا یہ ارشاد تو  
 انہوں نے ضرور پڑھا ہوگا جو بدگوئیوں کو جی طلب کر کے فرمایا تھا کہ:-

واما اعطاهم فانی ما	اور میرا اپنے (قالب) کو عطیات دینا سوجو
اعطیہم من مالی ولا استحل	کچھ میں نے ان کو دیا ہے اپنے ہی مال سے دیا
اصول المسلمین لنفسی ولا لاصدق	ہے مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے طائل کھتا
من الناس	ہوں اور نہ لوگوں میں سے کسی ایک کے لئے

تمام حاضرین صحابہ و تابعین نے امیر المومنین کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم  
 کیا، موردی صاحب نے ناہن اور پانچ لاکھ دینار مروان کو بخش دینے کا تاگ لاپے جائیں  
 مگر اپنے ہی مآخذ نظریہ میں قادیہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب

حضرت عبداللہؓ ابی سرح سے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوٹنس کا مذاقہ فتح کر لیں گے  
 تو انہیں مال غنیمت کا پچیسواں حصہ بطور انعام دیا جائے گا (طبری ۵: ۴۹ طبع منہ  
 ج ۱ ص ۲۸۱۴-۲۸۱۵ طبع یوسپ) چنانچہ ایسا ہی ہوا، انہوں نے یہ سب علاقہ فتح کر کے  
 چار حصہ مال غنیمت فوج میں تقسیم کر دیا اور خمس جو مرکز کو بھیجا تھا اس کا پانچواں حصہ  
 خود رکھ لیا، جب آپ کے بعض ساتھیوں نے امیر المومنین سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا  
 کہ یہ میرے حکم سے انہوں نے کیا ہے اگر تم لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو ہم یہ حکم منسوخ کر دیں گے  
 ان لوگوں کے کہنے پر آپ نے حضرت عبداللہؓ کو لکھا کہ وہ رقم بیت المال کو بھیجیں چنانچہ  
 انہوں نے بھیج دی، اتنا بڑا انعام واپس لے جانے کے باوجود حضرت عبداللہؓ بد دل  
 نہیں ہوئے اور بلا بر فزوحات میں مشغول رہے اور نظم و نسق کو مستحکم بناتے رہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ جو امام اپنی قوم کی مرضی کا اس درجہ لحاظ رکھتا ہو کہ اپنے ایسے  
 اختیار کے باوجود کٹے اور اس کے رسول کا بھٹا ہوا تھا، ایسا حکم واپس لے لئے وہ امام کہیں  
 ایسا کر سکتا تھا کہ قوم کی مرضی کے خلاف ۵ لاکھ دینار کی اتنی بڑی رقم ایک شخص کو دیدے  
 پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو قبل مدینہ اعتراف کرتے لیکن ایسا کوئی نہیں  
 ان کی طرف سے متفق نہیں، لہذا یہ افسانہ صرف ان مضنون اسکندریوں کا وضع کیا ہوا  
 ہے، جنہوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا۔

ہاں حضرت عثمانؓ نے اپنی آخری عمر میں اپنا تمام مال اپنے اعزہ و اقربا میں تقسیم  
 کر دیا تھا اور اپنے فرزندوں کو بھی مثل دوسروں کے دکھا (طبری ۵: ۳۰۱) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں  
 (العصم ص ۱۰۲ تعلیقہ)

وقالوا انی احب اهل بیتی و عظیمہم	لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں سے محبت کرتا
فاما احبى لہم فانہ لم یمل معہم حتی	ہوں اور انہیں روپیہ دیتا ہوں، تو چاہتا تھا محبت کا تق
جویر بل اصل الحقوق عنہم و اما	ہے تو یہ ان کے سبب ظلم کی طرف مجھے نہیں لے جاتی
اعطاهم فانی انما اعطیہم من	بلکہ میں ان سے حقوق لیتا ہوں یعنی وہ غلطی کریں
مالی ولا استحل اصوال المسلمین	تو یا زہریں کرتا ہوں اور ہاں میرا نہیں دینا تو میرا نہیں

لنفسی ولا لاحد من الناس  
وقد كنت اعطى العطية الكبرى  
الرغيبه من صلب مالي ايمان  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
وابي بكر وعمر وانا يومئذ شحيح  
حريص الفين اتمت على اسنان  
اهل بيتي وفتى عمرى وودعت  
الذي لي في اهل قافلتي من  
ما قانرا

صرف اپنے مال میں سے دیتا ہوں میں مسلمانوں کا  
مال نہ اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے  
آدمی کے لئے میں اپنے خالص مال میں سے بڑے  
نفس عطیات نہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
اور حضرت ابو بکر حضرت عمر کے زمانہ میں بھی دیا کرتا  
تھا حالانکہ میں اس زمانہ میں کجس اور حریص تھا  
اب جبکہ میرے گھر والوں میں سب سے زیادہ عمر بڑا  
اور میری عمر تمام عمر ہی ہے اور میں نے اپنا سب کچھ  
اپنے گھر والوں کے حوالے کر دیا ہے تو یہ بخیر و کمال قسم کی بات  
کرتے ہیں۔

ان ساتی ملحدوں نے امیر المؤمنین عثمانؓ کے اس طعنے اپنا مال تقسیم کر دینے کو بھی  
ذریعہ طعن بنایا اور خدا و رسول و اہل ایمان کے اس محبوب پر بیت المال میں خااست کا  
انعام لگایا اور شتمہ و اذیت سے غیر مختل محبت کا بہتان اس پر دکھا، حیرت موعود ہی صاحب  
جیلے لوگوں پر ہے، جو ان ملاحد و فنادقہ کے منقربات نقل کرتے وقت آج بھی نہیں سمجھتے  
جب کہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی اور وہ دوسری گزر چکا اور اس کے مسائل  
ختم ہو چکے۔

مئی ۱۹۷۷ء کے ترجمان القرآن میں شندوی حکومت  
**شوروی حکومت** کا عنوان قائم کر کے مودودی صاحب نے ۱۹۷۳ء سے جو  
بحث کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسلام میں شوروی کا جو تصور ہے وہ اپنی جگہ ہے اسے  
موجودہ مغربی جمہوریت سے کچھ تعلق نہیں، ہم پہلے بیان کر چکے کہ نضیب امام یا تشکیل  
حکومت کے سلسلے میں اللہ کی کتاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام  
رضی اللہ عنہم کے تعامل سے کوئی متعین طریقہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، حکومت کی جو  
بھی ہیئت ترکیبی ہو وہ درست ہوگی بشرطیکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو۔

دو چار دس پانچ افراد کا ایسا گروہ جمائی پشت بڑے عامہ کی طاقت کے بغیر  
اگر کسی برپا شدہ حکومت کو بدلنا چاہے گا یا اسے بدلنے کے لئے کوئی علی قدم اٹھائے گا  
تو حسب فرمان خدا و رسول نیز حسب اجماع صحابہ و بائع قرار پائے گا اور اپنے آپ کو قتل  
کے لئے پیش کرے گا۔ کا مناصت کان (خواہ کوئی ہو۔)

نضیب امام کے سلسلے میں مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظمؓ کی جس  
آخری تقریر سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ اس وقت وہ اتنے عامہ کے بغیر کوئی شخص  
جائز اور آئینی طور پر امام نہیں بن سکتا عثمان کی توجیہ کا بے پایہ ہونا ہم خود حضرت  
فاروق اعظمؓ کے اپنے عمل سے ثابت کر چکے کہ یہ صورت اس وقت کی ہے جب کوئی امام  
موجود نہ ہو یا جائے مالا امام کوئی وصیت نہ کر سکتا ہو۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک عرصہ میں حکومت کی تبدیلی ترکیبی کے بارے  
میں کوئی بات استدلال رائے عامہ سے طے نہ جاتے اور تعامل صحابہ سے اس کی تائید  
ہوتی ہو تو وہ بات دست برداری کی ایک دفعہ ہو جائے گی اور اسی کے مطابق اُحد  
کام ہوتا رہے گا، البتہ جب کسی دوسرے وقت مسلمان اس دفعہ میں تبدیلی کی ضرورت  
محسوس کریں تو اپنی اکثریت یا ارباب عقل و عقلمندانہ کے اجماع سے تبدیل کر سکتے ہیں، نیا آئین  
مربط ہو سکتا ہے۔

امیر المؤمنین عثمانؓ کی شہادت ہنگامی حالت میں ہوئی اور خلافت کے بارے میں  
وصیت کرنے کا آپ کو موقع نہ ملا تو سنت خلفاء کے مطابق یہ ضروری ہو گیا کہ انتخاب  
کے ذریعہ امام کا تقریر ہو، بد قسمتی سے جن لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا اور سب سے  
پہلے بیعت کی وہ ارباب عقل و عقلمندانہ ہوتے خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق  
اپنے اپنے علاقوں کے بھی نااہل تھے اس لئے حضرت علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت  
ان کی شہادت تک معرض بحث نہ رہی، ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی کو ان کے خلیفہ ہونے  
پر اعتراض نہ تھا اور نہ کوئی شخص ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا تھا اور نہ  
کسی کا یہ مقصد تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ رہیں لیکن پیچیدگی پیدا ہوئی تھی اس بات سے کہ ان

کی خلافت کا اعلان حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے کیا تھا اعلان یا غیوروں نے جو عالم اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، صحابہ اور امت کو حضور صاف خون عثمانؓ نہ لے سکتے کی وجہ سے اس طریقہ انتخاب پر اعتراض تھا، مودودی صاحب نے اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی بیعت کی تکمیل کا جو دعویٰ کیا ہے اسباب حل و عقد کا آپ کی خلافت پر متفق ہونے کے جو خیالی دلائل دتے ہیں، واقعات سے ان کی توثیق نہیں ہوتی اور نہ صحابہ کرام کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس موضوع پر مزید بحث ہم حضرت علیؓ کی خلافت کے عنوان کے تحت کریں گے۔

یہاں ہم یہ مسئلہ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر المومنین معاویہؓ پر ہم عصر امت نے اجماع کیا اور آپ متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے، مودودی صاحب نے آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت سے جو بحث کی ہے اسے اسے بادشاہی بلکہ مستبدانہ تغلب ثابت کرنا چاہیے، اس وہی خیال کی تائید بھی واقعات سے نہیں ہوتی، صحابہ کرام نے اس سال کا نام ہی عام الجماعہ رکھا اور اجماع کا سال یہ کیسی کھلی دلیل ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ صدقات اللہ علیہ کے سربراہ کے خلافت ہونے سے امت نے کیسا اطمینان کا سانس لیا تھا اور کس خوش دلی اور طمانیت طلب سے آپ کی بیعت کی گئی۔

اب امیر المومنین معاویہؓ کا یہ حق تھا کہ سنت صدیقی و فاروقی کے مطابق اپنے بوجھلے کے لئے کسی شخص کو نامزد نہ کر جائیں، اس بارے میں راجح الوقت آئین کے مطابق آپ کو کسی منہ سے کی ضرورت نہ تھی، چونکہ گزشتہ اعمال آپ کے سامنے تھے اس لئے آپ نے ضروری کہا کہ مھنی اباب حل و عقد ہی سے نہیں بلکہ تمام علاقوں کے سربراہ آمدہ لوگوں سے استقبواب کر کے اپنا دلی عہد منتخب کریں، چنانچہ ایسا ہی آپ نے کیا، ورنہ اسے سیاست اسلامی کے عظیم ترین رکن حضرت مغیرہؓ ابن شعبہؓ کی تحریک پر امیر زید بن امیر المومنین معاویہؓ کا مبارک نام تجویز کیا گیا، ہر طرف سے اس کی تائید ہوئی، اس وقت تھے اکابر صحابہ تھے اور اہل بیت امیر المومنین تھے صلوات اللہ علیہم وعلیہم سب اس بارے میں امیر المومنین من و فیہ کے ہم نوائے اس طرح یہ اصول طے ہوا کہ جانے والے امام کا جانشین اس کا فرزند ہو سکتا ہے اس اجماع کے بعد اب

اس کی ضرورت نہیں رہی کہ ہر جانے والا خلیفہ اگر اپنے بعد اپنے فرزند کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اول رائے عامہ سے استقبواب کرے، جب دستور میں ایک دفعہ استقبواب رائے عامہ اور اجماع سے منظور ہو گئی تو وہ متفق علیہ آئین کا جزو بن گئی اور اس پر عمل کی مشروعیت کا مسئلہ طے ہو گیا۔

اسی اصول کے مطابق امیر المومنین زیدؓ نے اپنے فرزند امیر معاویہ ثانی کو خلیفہ نامزد کیا اور امیر المومنین معاویہ ثانی بغیر وصیت کے وفات پا گئے اور اباب حل و عقد نے باہم مشورے سے امیر المومنین حضرت مردان رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا، آئینی حیثیت سے صحابہ اموی خلافت ہی حق تھی کیونکہ اسے اباب حل و عقد نے قائم کیا تھا، اسی وجہ سے بنو ہاشم اور صحابہ نے عبدالملکؓ سے بیعت نہیں کی، ان سب کی مہمیاں دمشق کی آئینی خلافت کے ساتھ وابستہ تھیں چنانچہ حضرت عبدالملک بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اعزہ کو وصیت فرماتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد وہ حضرت ابن الزبیرؓ کی حکومت میں نہ رہیں بلکہ شام چلے جائیں، ان حضرات نے اسی پر عمل کیا، حضرت علی بن عبدالملک بن عباس امیر المومنین عبدالملکؓ نے یاں محترم دستور نہ بھاتی کی حیثیت سے بیعت تھے۔

جب امیر المومنین عبدالملک نے ابن الزبیرؓ پر فحش پائی تو سب بنو ہاشم اور تمام وہ صحابہ جنہوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی وہ سب امیر المومنین عبدالملکؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور سوائے غار کے کوئی نہ بچا جو اس بیعت میں داخل نہ ہوا ہو سکتا اگر سب آئینوں نے بھی تقیہ یہ بیعت کر لی اور ایوں اموی خلافت میں استحکام آیا جس کے نتیجے میں بنو ہاشم کی سمتوں دینا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور تین برسوں میں پرہیزم اسلام لہرایا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد عرب کسی غیر اموی کی خلافت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، چنانچہ ابن عدیہ اور ارمعہ کی بہت سی عوامی اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی بلکہ صحیح سنی روایت ہے کہ کتاب الامامہ میں (۲۳۵-۲۳۶) سے تو یہ

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے حق میں اتنے لوگوں نے بھی ملتے نہیں دی، چہنیں شمار کے قابل کہا جاسکے اور اسی لئے حضرت علیؑ کی حکومت مستزلزل رہی اور پھر اعتبار سے حضرت معاویہؓ کی طیت امت کا رجحان ہوتا چلا گیا، یہ تاریخی حقائق ہیں انہیں خیالی روایتوں سے دیا نہیں جاسکتا۔ اس لئے میں موروثی صحابہ کے حق میں اس روایت کا سہارا لے کر اوراق سیاہ کئے ہیں ان پر تبصرہ عدلی خلافت کے تحت کیا جائے گا۔

موروثی صحابہ نے شمارہ نمبر ۶۵ (۱۰۴) سے بیت المال کے امانت ہونے کے تصور کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے ہمیں اتفاق بہ اہم فرمے کہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تمام خلفائے بیت المال کو امانت سنبھالی اور کسی وقت اسے اپنی ملکیت نہ جانا۔ اس میں سے جو خرچ کیا اس کے لئے شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھا، خلافت کی پوری تاریخ میں صرف ایک واقعہ امیر المؤمنینؑ کی تعلق با اللہ کا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے سات لاکھ دینار عیونت کے لئے قرض لئے تھے لیکن انہیں کہ اسے ادا نہ کر سکے جو کہ کل چھ برس خلیفہ ہے اور عین جرائی میں وفات پائی (تاریخ الخلفاء بروایت سنی) یہ ندرت ہم اس لئے قبول کرتے ہیں کہ صدیقی کی ہے۔ برائے امیر المؤمنین کے ہم عصر تھے، گویا چھ سو برس کی تاریخ میں صرف یہ واقعہ ہے اور یہ بھی بیت المال پر تصرف کرنے کا نہیں بلکہ قرض لینے کا۔

موروثی صاحب اور مورث لوگ جو حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے سید خلفاء پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے ان میں سے جو حضرات بدینیت چلیں ہیں بلکہ غلط فہمی کا شکار اور عثمان صحابہ و خلفاء کے سپہ بندگان سے متاثر ہیں ان کی غلط فہمی ہم منع کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی مستقل آمدنی، امیر المؤمنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں ان عدول سے تھی (۱) زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) عشر درمی (۴) خراج (۵) عشر درمی، لاوارث غیر مسلم کا ترکہ (۶) تملک و

فوتوح (۹) انکورہ (۱۰) جس (۱۱) فی رعبہ، آخر الامر کے غیر مستقل عدلیں تھیں، ہم یہاں بخوف طواف جس اور فی سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی آمدنی میں یہ دو مددیں بہت اہمیت رکھتی ہیں اگر ہمیں سمجھ لیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی، عین میدان جنگ میں جو مال حاصل ہوا اسے غنیمت کہا جاتا ہے، اس کے چار حصے فوج پر تقسیم کرتے جاتے تھے اور پانچواں حصہ مرکز کو بھیجا جاتا تھا، اس پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جاتے تھے ایک حصہ امیر المؤمنین کے ذاتی اخراجات کے لئے تھا اور چار حصوں میں ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا تھا، باقی تینا می، مساکیں اور ساؤرین وغیرہ کے لئے تھا۔

فی وہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد تھی جو بعضی جنگ کے حاصل ہوگا اس کے بھی اسی طرح پانچ حصے کئے جاتے تھے اور ان ہی مددوں میں خرچ ہوتا تھا، علماء و مشقہارہ کا اس بارے میں اختلاف ہے اور فی الحال اس پر بحث نہیں کرتے، کیونکہ یہ ایک مستقل عنوان ہے، ہم صرف تقاضا خفاہ کر دیکھتے ہیں۔

اہم جب غنیمت اور فی میں اپنا حصہ لے لے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی، اور جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا ہے اسے اس مال میں تصرف کا وہی حق تھا جو ہر آدمی کو اپنے مال میں ہوتا ہے، غنیمت اور فی کا مال شریعت اسلام کے مطابق حسب فرمان الہی ایک غیر معقود غیر متعین اور غیر مستقل مال ہوتا ہے، اسی لئے اللہ قائل ہے اس آمدنی کو الا نفال کہا ہے (تلاوت مدنی)

اب یہ اتفاق تھا کہ عہد صدیقی ہی سے جنگوں کا سلسلہ مستقل طور پر شروع ہو گیا، اس طرح مسلمانوں کو بے حد بے حساب دولت ملنے لگی اور امیر المؤمنین کا پچھواں حصہ اتنا کثیر ہونے لگا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے ضروری ہوا کہ ہر والدہ کی طرح امیر المؤمنین کا بھی اپنا بیت المال ہو اور اس کا اپنا علم و وظائف کرام شروع ہو گئے اور جو انعام و اکرام دیتے تھے وہ سب ان کے اسی نجی بیت المال سے ہوتا تھا، چونکہ دولتوں کے لئے لفظ بیت المال ہی مستعمل ہے اس لئے لوگوں نے دھوکہ

کھایا اور کچھ کہ یہ داد و بخش سب عام بیت المال سے ہوتی تھی۔

اگر ہم حق سزا سبھی خود کریں تو عام بیت المال سے اخراجات کی جو مدین متعین ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان میں بے اعتدالی کا امکان نہیں اسب سے بری بات یہ ہے کہ عہد نامہ سے دیوان کا محکمہ قائم تھا جس کے تحت تمام مملکت کے عرب اور غیر عرب افراد وظیفہ پاتے تھے، اس کی تفصیل امام شافعیؒ نے کتاب الام میں دی ہے (ملاحظہ ہو ج ۳، ص ۱۵۸ طبع مصر مکتبۃ الانزیریہ) یہ نظام امام موصوف کے زمانے تک جاری تھا اس میں بعض گھروں کا تقدم و تاخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا اور پھر امیر المومنین محمد المہدی العباسیؑ کے عہد مبارک میں گویا اس وقت تک اس نظام کا پوری طرح قائم رہے گا یہ دستاویزی ثبوت موجود ہے اور یہ عصری شہادت ہے اس کے بعد بھی یہ سلسلہ یقیناً قائم رہا کیونکہ اختلافات میں اختلاف تو بری بیہ کے استیلاء کے بعد آیا۔ اس نظام کے تحت مملکت اسلامیہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ کا سٹی ہو جاتا تھا، اور مملکت اسلامیہ دارالاسلام کے ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کو کفیل تھی۔

پھر موہا شام اور توالمطلب کا جو حصہ تھا اس کے بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے مگر خلفاء کا قائل یہ ہے کہ اموی اور عباسی خلافتوں میں یہ رویہ برابر برقرار رہا تھا۔ امویوں کے زمانہ میں جن افسروں کے ذریعہ اس کی تقسیم ہوتی تھی وہ معرفت بہلاتے تھے اور عباسیوں کے زمانہ میں اس میں تفتیش لکھا جاتا تھا، ہم نے اپنی کتاب "تحقیق سیدو سادات" میں اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

اپنا پنے وقت میں ہر خلیفہ نے اس پورے نظام کو زیادہ سے زیادہ سفاہی بنانے کی پوری کوشش کی، اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، یہاں ہم صرف ایک متعصب غیر مسلم سروریم عہد کا بیان دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عرب (یہ مدرسہ شیخ مولانا حسنی)

"ایک بری قوم اپنا تمام مال یہ تمام غنیمت اور فتوحات کو اس طرح آپس میں بانٹ لے اور اس کی بنا پر اول تو رکھے مرادویانہ آخرت پر پھر فرجی انتیانات مراد پھر

روحانی درجات پر یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی غالباً دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔" اس بے نظیر اور عظیم الشان نظام کا صدیوں بمقاربتہ اس کی اجازت کہ دیتا ہے کہ خلفاء اسلام عام بیت المال میں خلاف قاعدہ کوئی تقرب کر سکتے اور اگر گرتے تو کیا مسلم معاشرہ اس سخام اعلیٰ تک پہنچ سکتا تھا، جہاں تک پہنچا کہ اہل عالم کو مدظلہ حجت میں ڈال دیا، خلفاء اسلام نے رفاہ عام کے امور کو جس طرح ترقی دی، اندقدم قدم پر اور عہد پہلے ہم جس کے ارتقائی منازل دیکھتے ہیں، ان کے باوجود اگر لوگ ان پر عام بیت المال میں ناجائز تصرف کا بہتان رکھتے ہیں تو انہیں مانگ رہے ہیں اور عید بھی زمین میں رہے جو بہتان طرزی اور اقرار پر طرزی پر قرآن مجید میں ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھی جائے کہ جہاں خلیفہ اپنے خاص اور قریبی تقرب کا پیمانہ رکھتا تھا وہاں یہ بات بھی تھی کہ منصب سے معزول ہونے یا وفات پانے پر خلیفہ کا وارث خلیفہ ہوتا تھا، اس کے شرعی وارث، تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی جنہوں نے کیا ہوگا انہیں یہ چیز ملی ہوگی کہ جس وقت خلیفہ کی آنکھ بند ہوتی تھی اس کے محل کا ایک کمرہ ستر مہر کر دیا جاتا تھا اور نئے خلیفہ کے تھڑ پر رکھ لیا جاتا تھا، جانے والے خلیفہ کے کپڑوں، ناک کا وارث ہونے والا خلیفہ ہوتا تھا، اس لئے کہ خلیفہ کے تقرب میں جو کچھ ہوتا وہ مرکزی حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، وہ منصب پر فائز ہونے تک بے شک ہر قسم کے اختیارات کا حق رکھتا تھا، مگر وہ حکومت ختم ہوتے ہی اس کے مالکانہ اختیارات بھی سلب ہو جاتے تھے اور اس کی منقولہ وغیر منقولہ سب جائداد اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان کی زکوٰۃ کا رویہ ہزاروں دینار ہوتا تھا (امام زہبی المتفق ص ۳۹) خلیفہ ہونے سے پہلے بھی حضرت علیؑ کی مالی حیثیت اگرچہ کم نہ تھی مگر ایسی بھی نہ تھی کہ اتنی زکوٰۃ نکالنے، وہ توجہ مرکزی حکومت کی جائدادوں کے تقرب میں آتی اور غنیمت دنی کا پچھسواں حصہ ان کی طرف منتقل ہوا تب مال و دولت میں ان کا کثیر اضافہ ہوا کہ ہزاروں دینار زکوٰۃ نکالتے تھے۔



مودودی صاحب نے اس سلسلے میں ایک وضعی مردودیت بیان تو کر ڈالی، مگر سند میں اس کی پیش کیلئے ابن ابی الحدید اور الامامہ ولسیاسقہ کے مولف جیسے غالی رافضیوں کو پھر غضب یہ ڈھایا ہے کہ تمام اہل تحقیق کی رائے اور تحقیق سے انمان کر کے مستف اس کتاب الامامہ کا قرار دے لیا ہے، کتاب المعارف کے مصنف علام امام ابی محمد بن مسلم بن قتیبة الدینوری متوفی ۳۰۰ھ کو حالانکہ سند و سن کی طرف ثابت ہو چکا ہے کہ الامامہ والیاستہ ان کی تصنیف سے ہے اور نہ قدام میں سے کسی نے ان کی تصانیف میں اسے شامل کیلئے اور نہ ان کی کسی تصنیف خصوصاً المعارف کے مضامین سے اس کے مندرجات کی کوئی مناسبت و مماثلت ہے۔

**وضعی روایت** | مودودی صاحب بیان فرماتے ہیں (شمارہ مئی ۱۹۶۵ء) کتاب (صفحہ ۹)

”حضرت علیؑ کا جس زمانہ میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ درپیش تھا لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہؓ لوگوں کو بے گناہانہ اعمال اور عیبوں سے ڈرانا سائنٹی بنا رہے ہیں آپ بھی بیت المال کا منہ کھولیں اور یہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں، مگر انہوں نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ ”کیا تم چاہتے ہو میں ناصراط لقیوں سے کامیابی حاصل کر لوں“

ایک صحابی اس کا تب وحی کی امانت و دیانت پر غالی رافضیوں اور بیابانیوں کی مفریات کا سہارا لے کر وہی شخص ایسا بیان دے سکتا ہے جس کے دل میں صحابہ کی عظمت کا شائبہ نہ ہو اور بغیر القرون امجدی پہلی صدی ہجری کی امت کو دین فروش اور بے ضمیر سمجھے۔

ابن ابی الحدید شارح منہج البلاغہ کو مودودی صاحب جب ان معاملات میں سزا دیتے ہیں تو کیا انہوں نے اصل کتاب منہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے ایک خطبہ کے وہ فقرات نہیں ملاحظہ فرمائے جن میں بالفاظ صریح اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ معاویہؓ کے ساتھ تو ملا کسی عطیہ اور بخشش کے ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور میں

بہتیں عطیات کے علاوہ امدادی رقم بھی دیتا ہوں مگر پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو، منہج البلاغہ کے مشمولہ خطبہ کے فقرات یہ ہیں:-

اور لیس عجبات معاویتہ میں علو الجفاۃ الظاہرہ فی تبعونہ علی غیر معونۃ ولا عطاء (دالی آخر) یعنی کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ تو تدریجاً حجاز کا داروں کو دعوت دیتے ہیں اور وہ بغیر کسی بخشش و عطیہ کے ان کی پیروی کرتے ہیں اور میں بہتیں تمہارے معینہ عطیوں کے علاوہ امدادی رقم دیتا ہوں پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو اور مخالفین کرتے ہو (منہج البلاغہ)

ملاحظہ کیا آپ نے مودودی صاحب کی بیان کردہ مردودیت کی خود حضرت علیؑ کے قول سے کیسی کچھ تریب و تکذیب ہو گئی آپ دیکھتے ایک دوسرے شیعوں نے ان جریب پری خاص عثمان کے سخت بیان کرتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے لئے بیت المال کا منہ کھولنے کی تدبیر تو خود حضرت علیؑ کی جانب سے ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں:-

ولما فرغ علی من بیعة اهل البیت نظر فی بیت المال فاذا فیہ ستمائة الف و زیادة فقسمها علی من شہد معہ فاصاب کل رجل منہم خمسمائة خمسمائة وقال لکن من ظفرکم اللہ عن رجل یا اشر منہما الی اعطیا کھ (طبری ج ۵ ص ۲۲۳ طبع اولی)

(حضرت علیؑ جب اہل بصرہ کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے جائزہ بیت المال کا لیا سا لاکھ سے زیادہ رقم اس میں کئی جو انہوں نے ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو ان کے ساتھ ملے تھے، ہر شخص کے حصے میں پانچ سو کی رقم آئی پھر ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملک بخام میں بہتیں نجات کرے تو اتنی ہی رقم عطیوں کے علاوہ نہیں ملے گی۔

طبری جس کے حوالے مودودی صاحب نے بار بار دئے ہیں، ان کے ترفیق بڑا معتبر ماخذ ہے اس کی مندرجہ بالا عبارات سے زیادہ اور کیا ثبوت و بیعت المال کا منہ کھولنے اور مال المسلمین کو حضرت علیؑ کی جانب سے اپنے حامیوں میں

تقدیم کئے جانے کا ہو سکتا ہے مگر بالشیور پیہ فی کس الغامات ملنے اور اتنی رقم کے وعدوں کے باوجود یہ عراقی کرایہ کے سپاہی MERCENARY ایسے نابالک اور بے وفائے ہوتے کہ حضرت موصوف کو بابلان کے شکوے اور بدینت میں ایسے کلمات کہنے پڑے جو موصوف پنج البلاغۃ نے ان کے متعدد خطبات میں لکھے ہیں مثلاً

منیت یمن لا یطیع اذ احمرت ولا | میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ یحبیب اذا دعوت (بمع البلاغۃ) | کہنا مانتے ہیں اور نہ بیکار کا جواب دیتے ہیں دوسرے خطبے میں اپنے آدمیوں کو بیوفائی سے بدول ہو کر یوں بددعا جیتے ہیں

تالله لشدت الله لقد صلا تم قلبی فیہا | اللہ تم لوگوں کو ہلاک کر دے تم نے میرے دل شختہ صدی غیظاً (ایضاً) | کو رخم کی سیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے آخریں کرایہ کے ان سپاہیوں کی نافرمانیوں کی ذمیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت علیؑ ان سے پھینکا چھڑانا چاہتے تھے کس حسرت سے فرماتے ہیں۔

والله ان معاویۃ صار فی بکرم | قسم بخدا میں آنے والا ہوں کاش معاویہ مجھ سے صرف الدینا والذینا بالذہم تاخ | تمہارا سبادلہ کر لیں جس طرح اشرفیاں بدلوں سے منی حشر منکم واعطانی رجلاً منکم بدلی جاتی ہیں وہ مجھ سے دس آدمی تم میں سے لے لیں اور ایک آدمی مجھے دیں۔ (بمع البلاغۃ قسم اول ص ۲۵۴)

ان دونوں بندگواروں علیؑ و معاویہؓ کے پوزیشن کا فرق جوان کی رعایا اور لشکر کی اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار سے اول سے آخر تک قائم رہا یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ تو تقریباً بیس برس سے ملک شام میں مثالی حکمران رہے تھے اور اپنے حسن تدبیر اور حد درجہ حلم و کرم سے رعایا و لشکریوں میں اس قدر محبوب تھے کہ اونی اشارے پر تمام لشکر اپنی جاتیں لوٹ دینے کو ہر وقت تیار تھے اور اپنے انام مظلوم کے قاتلوں اور بدلوں سے جو حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے جس کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے (شمارہ جون ص ۲۲) خصاص لینے کا ایسا جو شش تھا کہ انہیں کسی مزید عطیہ و معاوضہ ملنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا اور نہ تھا بر خلاف اس کے عراقیوں کو گھمناس بات کا تھا کہ جس سیاسی

انقلاب کے نتیجے میں حضرت علیؑ کو زمام خلافت ہاتھ میں لینے کا موقع ملا وہ ہم ہی نے برپا کیا تھا، ہم ہی نے لوگوں سے ان کی بیعت کرائی ہم ہی ان کی حربی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، ہمارا کہنا انہیں بہر حال کرنا ہوگا اور ہمارے مطالبات ماننے پڑیں گے، الا شتر سبائی لیئر حضرت علیؑ کا سب سے زیادہ معتمد علیہ تھا اس کے ساتھیوں اور اپنے رشتہ داروں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وہ مجبور تھے، مودودی صاحب کو خود بھی اس بات کا اقرار ہے (شمارہ جولائی ص ۳۳۳-۳۳۴) کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اعلیٰ درجہ کی صداقتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک کردہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا..... ان حالات میں وہ اپنی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں، حضرت علیؑ کے حامیوں میں اکثریت سبائی عراقیوں کی تھی وہ اپنے ان ساتھیوں کے مطالبات پورا کرنے اور ان پر سہمہ صرف کرنے کے لئے مجبور بھی تھے، دای خیرہ جیسے آزاد مورخ کا یہ قول مودودی صاحب کی کتب مآخذ کی تصدیق پر زنی ہے کہ بددلوئیوں کے ہم غیر نے (حضرت علیؑ کو خلافت دونوں اور طلحہ و زبیر کو ان کی بیعت کرنے پر مجبور کیا..... علیؑ کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے حامیوں کی خواہشات کو پورا کریں جو بہر حال غیر مناسب و متناسف ہوتی تھیں (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا) ان تمام کی حقائق کی روشنی میں ابن ابی الحدید کی مودودیہ کے ہمارے مودودی صاحب کا بیان قطباً باطل ہے

THE MASS OF THE M. J. TINEERS SUMMONED ALI TO THE CALIPHATE, AND COMPELED EVEN TALHA AND ZUBAIR TO DO HIM HOMAGE ..... IT WAS NECESSARY THAT HE (ALI) SHOULD ACCOMMODATE HIMSELF TO THE WISHES OF HIS SUPPORTERS WHICH, HOWEVER, WERE INCONSISTENT. (ENCY BRIT. VOL SEP. 11. P. 25, 20)

**لغو اہتمام** | مودودی صاحب نے ایک اور وضعی روایت کے چند الفاظ لامتناہی والی سیاست کے حوالے سے نقل کر کے حضرت عقیل بن ابی طالب پر اہتمام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ (ص ۹۰)

ان سے (حضرت علیؑ سے) خردان کے بھاتی حضرت عقیلؑ نے چاہا کہ وہ بیعت اہل ان سے ان کو روپیہ دیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "یہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمہیں دیکر جہنم میں جاتے" ایک غالی مصنف کی کتاب سے مندرجہ بالا چند لفظ نقل کرتے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت عقیلؑ قصاص خون عثمانؓ کے مطالبے میں چونکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے لہذا وضعی روایتوں میں ان کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا گیا ہے اس لئے ایک بے مستعد روایت قبول کرتے وقت جو ان کے ماخذ میں محض لفظ "ذکر و" کے ساتھ درج ہے ثبوتی احتیاط کی ضرورت تھی مگر وہ ایسے ہی کرتے ہیں جو مقصدی خدمت معاویہؓ اور ان کے عایدوں کو ہدف ملامت بنانے کے لئے داعی رعایتوں کا سہارا بننا تھا۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اپنے ماتخذ الامامۃ والسیاستہ کا حوالہ دیکر بھی راوی کے بیان کا انحصار کرنے اور اپنے مطلب کے چند لفظ لے لینے میں ایسی تدلیس و تبلیس کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے درجے اور علمی مرتبے کے منافی ہے۔

سبائی راویوں کو حضرت عقیلؑ کا اپنے بھاتی کے خلاف حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینا بہت اکھرتا تھا، خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت علیؑ کے ایام خلافت میں ان کے اپنے گھرانے کے مقتدر اشخاص اور عزیز قریب جن کا ذکر مودودی صاحب نے بھی کیا ہے (شمارہ جولائی ۱۹۵۷ء ص ۳۳-۳۴) نہ صرف ان کی خانہ جنگیوں میں ان کے ساتھ رہے تھے بلکہ گورنری وغیرہ عہدوں پر بھی مامور رہے لیکن کسی عقیلی کا نام نہ ان کے عمال حکومت میں نہیں ملتا ہے اور ان میں سے کسی نے جمل و صفین کی لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا حالانکہ کئی فرزند عقیل حضرت علیؑ کے داماد بھی تھے، ظاہر ہے کہ حضرت عقیلؑ اہان کے فرزند طلب و قصاص خون عثمانؓ میں حضرت علیؑ کے طرز عمل اور

پالیسی کے خلاف تھے۔ الامامۃ والسیاستہ کے مؤلف نے جو اس زمانہ سے تقریباً دو سو پونے دو سو برس بعد کتاب تالیف کرنا ہے، حقیقت حال کی پردہ پوشی کے لئے پہلے تو حضرت عقیلؑ کا ایک مکتوب بنام حضرت علیؑ مرقوم کر کے نقل کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں عمرؓ کے لئے گیا تھا دیکھ کر عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ بصرہ جا رہے ہیں، انہوں نے سخت ججیت کیا ہے، تم پر الہام قتل عثمانؓ کا عہد کیا ہے، یہ کہو علیات قتل عثمانؓ، بہت سے باغی اور اوباش ان کے ساتھ ہوتے ہیں بنی امیہ کے "انصار المظالم" میں سے چالیس سو اور بھی عبدالعزیز بن ابی سرح کے ساتھ معاویہ کے پاس جا رہے تھے، مجھے تمہاری سلامتی کا خوف ہے لکھو تو میں تمہارے بھتیحوں اور تمہارے باپ کی اولاد یعنی انجیک رو لدا ایک کو تمہاری مدد کے لئے بیچ دوں، اس کے جواب میں حضرت علیؑ کا جو مکتوب وضع کیا ہے اس میں سبائی طرز پر یہ لکھا گیا ہے کہ تریش آج تمہارے بھاتی کے خلاف لڑنے کا سزا طرح مجتمع ہو گئے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے، انہوں نے میرے حق کو کھلادیا، میرے فضل کا انکار کیا، اللہ کے نذر کو بھانے کی کوشش کی ہے اور میرے ابن عم و مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، کی حکومت و سلطنت مجھ سے چھینے میں دستبندی سلطان ابن علیؑ میں ان کے خلاف چم و کرم لگا، بہتیں اپنے بیٹوں اور اپنے باپ کی اولاد دینی ایک کو میرے پاس بھیجئے کی ضرورت نہیں ہے، اس وضعی مراسلت کے دو تین مہینے بعد ہی مودودی صاحب کے اس معتبر مؤلف نے حضرت عقیلؑ کو پیرائے سال میں کہا کہ اس وقت ۵۰ برس کے لگ بھگ تھے، آٹھ سو میل کی طویل مسافت طے کر کے مدینہ سے کوئٹہ محض اس غرض سے پہنچا دیا کہ قحط پڑ جانے سے بوجہ گرائی اشیاء ان پر کچھ قرض ہو گیا اس کی ادائیگی کے لئے بھاتی کے پاس آئے تھے چنانچہ قحط و م عقیل بن ابی طالب علی معاویہؓ کے عثمانؓ سے وہ رعایت لکھی ہے جس کے چند لفظ مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں، لیکن حضرت عقیلؑ کو جب کوڑا اپنے بھاتی کے پاس راوی نے پہنچا دیا تو لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے خوش آمدید کہا، پوچھا آپ کیسے آئے کہا "میرے وظیفہ اب تک نہیں ملی، تمہارے ملک میں

خط پڑ جانے سے گراتی ایشیا کی ہے، ہاتھ پر ترغن بہت ہو گیا، اس لئے آیا ہوں کہ میری مدد کرو، حضرت علیؑ نے کہا بھلا میرے پاس اپنے وظیفے کی رقم کے سوائے اور کچھ نہیں ہی تم لے جا سکتے ہیں حضرت عقیلؑ نے فرمایا تو کیا میں مجاز سے یہاں تمہارے وظیفے کی رقم وصول کرنے آیا ہوں، اس سے میرا کیا بھلا ہو گا، میری حاجت کیسے پوری ہوگی، یہ سنکر راوی نے حضرت علیؑ کے منہ سے یہ فقرے ادا کرائے ہیں مہل تعلم فی صالا غنیو ج ۱۴  
تو بیان تحریر فی اللہ فی تاریخ ہنرم فی صلتک یا موالی المسلمین یعنی کیا تم مجھے جو کہ میرے پاس اس کو اور مال ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کا مال تمہیں دے دو کہ اللہ تمہیں لگے جو جو ہو کہ تمہیں پر حضرت عقیلؑ کے منہ سے کہلا رہا ہے، اور خطاب تو میں اس شخص کے پاس چلا جاؤں گا جو تم سے زیادہ صلہ بنی کرے، والد ہے اس سے مراد ان کی حضرت معاویہؓ سے بھی چنانچہ راوی لکھتا ہے کہ وہ کوفہ سے سیدھے دمشق جا پہنچے، حضرت معاویہؓ نے ان کا اکرام کیا، اہل شام سے یہ کہہ کر تعارف کرایا ہذا مسید قریش وابن مسیید ہایہ قریش کے سردار اور سردار قریش کے فرزند ہیں، پھر نہیں بقول اس جھوٹے راوی کے اور کچھ نہیں تو تیس لاکھ اشرفان دلوائن و موالیہ معاویہؓ بشا تائتہ الف دینا سارا الامامہ والسیاہ ج ۱ ص ۸۴) یہ بے لغو روایت جس کے چند لفظ تو مودعی صاحب نے لے لئے روایت پوری بیان کرنے کی ہمت یقیناً اسی خوف سے نہیں ہوئی کہ اس کا ہر فقرہ ساخکی کی غازی کر رہا ہے، مودعی صاحب کی سنیت نیک ہوتی تو یہ غور کرتے کہ حضرت عقیلؑ نسباً باہمی ہونے کی بنا پر بیت المال میں نہ صرف حاجی حق محسوس کار کھتے تھے بلکہ دیوان فاسقی کے مطابق وہ انسان کے بیٹے مزدور حقدار تھے، ایسا اگر کوئی واقعہ پیش بھی آیا تو انہیں ان کا حق دینا اور ترغن ادا کرنا مسلمانوں کے مال میں تصرف کس طرح کہا جا سکتا تھا یہاں ہم امام شافعیؒ کی کتاب الام سے استشہاد کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت علیؑ کے نزدیک بیت المال میں بزرگ ہاشم کا حق تھا (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۱۴۸)

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان جعفر بن محمد بن علی بن حسین سے مروی چنانچہ  
حسنا وحینا و عبد اللہ بن عباس نے اپنے والد کا اور والد کا حق جو بن عبد شمس بن عباس

و عبد اللہ بن جعفر مشاوا علیاً۔  
لعیہم من الخس فقال ہو کم حق و کئی  
عاصب معاویہ فان شکرتمو کم  
حقکم منہ۔

عبداللہ بن جعفر نے حضرت علیؑ سے محسوس سے  
اپنا حصہ مانگا انہوں نے کہا وہ تمہارا حق ہے مگر میں  
اس وقت معاویہؓ سے جنگ میں شغول ہوں اس لئے اگر تم  
چاہو تو اس وقت اس میں سے اپنا حصہ لے لو۔

امام شافعیؒ کی اس روایت سے جو باسنا و صحیحہ بیان ہوتی ہے، جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنی خلافت کے استحکام کے لئے بیت المال مسلمانوں سے بیگانہ ہو پیرہ صرف کر رہے تھے، وہاں مودعی صاحب کی بیان کردہ اس مودعی روایت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت عقیلؑ کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت علیؑ جو بیت المال میں بزرگ ہاشم کا حق مانتے تھے، ادا کیلئے سے انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن یہ سانا قصہ ہی وضعی و من گھڑت ہے اور حضرت عقیلؑ کے حضرت معاویہؓ کا سا نظریہ کی لغو تاویل کے لئے گھڑ لیا گیا ہے۔

## شہادت و مطلوبیت عثمان ذی النورینؓ

مودعی صاحب کا عنوان ہے: "دوسرا مرحلہ" دشمن ترجمان القرآن ص ۱۵

ص کتاب ۱۱۶) اس میں فرماتے ہیں:-

"حضرت عثمان کی پالیسی کا یہ پہلو اگرچہ بہت سے لوگوں کو ناگوار تھا لیکن بحیثیت مجموعی ان کی خلافت میں پورا اس قدر غالب مکی اور اسلام کی سر بلندی کا اثنا ثما کام ان کے عہد میں ہوا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک بھی دلیں لانے کے لئے تیار نہ تھے"

لکھے تو عموماً یہ ہے مگر ان بہت سے لوگوں میں دوچار کے نام بھی مودعی صاحب نے نہیں لکھے جو حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھے یعنی انہیں یہ ناگوار تھا کہ انہوں نے اپنے قریبی عزیزوں کو حکومت کے منصب پر اس طرح فائز

کر دیا کہ درخسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں آگیا (ص ۲۵۱ جون)

اگر کسی ہجرت کا کسی انصاری کا یا عرب کے کسی ذی اقتدار شخص کا نام مودودی صاحب نے لکھا ہوتا تو اس پر غور کیا جاسکتا تھا لیکن نام کسی کا وہ کیسے بنا سکتے تھے جب کہ صورت حال یہ تھی اور وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مخالفین کا ایک نہایت مختصر گروہ ان لوگوں کا تھا جنہیں عوام میں نہ کوئی مقبولیت حاصل تھی اور نہ کسی شہر میں ان کی عددی قوت ایسی تھی کہ وہاں وہ امت کے منفق علیہ امام اور اس کے منکر کردہ دلیوں کے خلاف بغاوت کر سکیں، مزاحمت کرنے کی تو انہوں نے ہمت نہیں کی مگر ہمت تہمت ہے کہ وہ عبدالکدین سبار کے جال میں پھنس جانے والے ہزاروں ہزاروں آدمیوں کا ہفت گروہ تھا مودودی صاحب خود محرف ہیں (جون ص ۲۵۲-۲۵۵ کتاب ص ۱۱۷)

پہلی جہ سے کہ جو مختصر گروہ ان کے ذمہ یعنی امیر المؤمنین حضرت عثمان صلوات اللہ علیہ کے خلاف شورش برپا کرنے لگا تھا اس نے بغاوت کی، دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا، اس تحریک کے علم بردار مصر کو فراد بصرہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے باہم خط و کتابت کر کے حقیقہ طریق سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان پر دبا ڈر لیں، انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دینے جا سکتے تھے اور بعد میں دئے بھی گئے۔

پھر باہمی قرارداد کے مطابق یہ ٹنگ جن کی تعداد دم مزارت زیادہ نہ تھی، مصر، کوفہ اور بصرہ سے بیک وقت مدینہ پہنچے، یہ کسی علاقہ کے نمائندے نہ تھے بلکہ سب زیادہ سے انہوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی، جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؑ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کا ہنوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزدلوں نے ان کو چھوڑ دیا اور حضرت علیؑ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دیکر حضرت عثمانؓ کی یوزیشن صاف کی۔

مدینہ کے ہاجرین و انصار کئی جوڑا حمل اس وقت منکلت اسلامیہ میں اہل حق عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہم لغایت کے لئے تیار نہ ہوئے، مگر یہ لوگ اپنی ضد پیغام لہے ادب بالآخر انہوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمانؓ کو گھیر لیا۔

یہ بیان مودودی صاحب کو بھی اس حد تک تسلیم ہے کہ وہ اسے پیش کرنے پر مجبور ہوئے، اسے جب کوئی غیر جانبدار شخص دیکھے گا، تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ مودودی صاحب نے جن لقیقتات کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی فرود جہاں مرتب فرمائی ہے وہ خود ان کے دل کی آواز ہے، اس سے ہم عصرا مت کسی درجہ میں بھی مستحق نہ تھی، حضرت امیر المؤمنین اعدان کے فالیوں کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ جو حکومت دو برابر عظموں میں بچھلی ہوئی تھی، اس میں سے ابن سبام اور اس کے خاص چلیوں کو چھ برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد صرف چند ہزار آدمی ملی سکے اور وہ بھی کسی ایک علاقے کے نہیں بلکہ متفرق بیٹیوں میں سے یعنی کسی ایک اسلامی بستی میں بھی ان کی عددی قوت اتنی نہ تھی کہ وہاں کی سیاست پر بظاہر اثر ہو سکیں۔

پھر ان گمراہ لوگوں میں بھی سب کے سب ایسے نہ تھے کہ دل سے اس تحریک کے مقاصد سے متفق ہوں بلکہ جنڈیا لڈ، کو غلط ننگ میں پیش کر کے وقتی طور پر یہ نہیں اپنا ٹیکہ بنا لیا جانا تھا، کبھی کہنے کہ یہ تفریق سب عالم اسلام پر جاری ہو گئے ہیں کبھی کہنے کہ تبدیل صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رشتہ داروں اور اصحاب کرام کو چھوڑ کر یہ دور کے لوگ کیسے حاکم ہو گئے، غرض یہ کہ عربوں کو قریش کے خلاف اور عجمیوں کو عربوں کے خلاف اٹھانے کی کوشش کرتے تو رہتے، مگر اپنی جمعیت نہ بنا سکے۔

چند سازشی ایسے البتہ تھے کہ بالآخر وہ ہنگامہ بنا کر لے میں کامیاب ہو گئے، اور اس کے لئے انہوں نے وہ چال چلی کہ حضرت علیؑ کے سوتیلے بیٹے عمر بن ابوبکر وغیرہ کے ذریعہ تعلقہ مظلوم پر مہلک حملہ کر کے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا کہ عالم اسلام تہہ و بالا ہمو گیا۔ مودودی صاحب نے امیر المؤمنین ذی النورین کی شہادت پر غم و غصہ کا تو تھا کیا ہے مگر بات پوری نہیں لکھی تاکہ پتہ چلے جاتا کہ امیر المؤمنین ذی النورین کی شہادت میں

امت کو کچھ دخل نہیں، اور محض چند بد باطن اور شریر النفس لوگوں کی یہ سب کاروائی تھی  
 صیرت یہ ہوتی کہ چھ برس تک مسلسل کوشش کے بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط  
 کے مرکزوں کے تحت یہ لوگ چند ہزار آدمیوں کو اس مقصد سے منظم کر سکے کہ حضرت عثمان  
 کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کریں، جب ایک دفعہ کامیاب ہو جائیں تو پھر  
 قریش کی خلافت قائم نہ ہونے دیں، جیسا کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے انہوں نے اپنی حاکمیت  
 سے اظہار بھی کر دیا (ملاحظہ ہو عنوان سعید بن العاص)

ان کا طریقہ کاریہ تھا کہ نابعل، غابعل کے بھیس میں یکا یک شہر میں مسافرانہ آتے  
 اور کہتے کہ ہم نطلان امیر کے مظالم سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں، کیونکہ تمہارا امیر اچھلے وگ  
 نجب کرتے کہ امیر المومنین نے اس شہر میں ایسے ظالم شخص کو کیوں بھیجا سماج سے جیسے امیر  
 کو کیوں نہ بھیجا، اسی طرح ہر شہر میں دوسرے شہر کے والی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے یہ سب قبضیل  
 طبری میں ہے۔

حضرت عثمانؓ کو جب اس قسم کی خبریں سنیں تو صحابہ کرام کا ایک وفد اپنے مرتب  
 کیا اور تحقیقات کے لئے انہیں مختلف علاقوں میں بھیجا، حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ  
 حضرت اسام بن زیدؓ کو بصرہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت عثمان بن یاسرؓ کو مصر  
 بھیجا ان کے علاوہ اور لوگ دوسرے مختلف شہروں میں بھیجے گئے، یہ سب حضرات پوری طرح  
 تحقیق کر کے واپس آئے اور بتایا کہ کسی جگہ کوئی بے حیائی نہیں سب لوگ اپنے اپنے دایلوں  
 سے خوش ہیں، حضرت عمارؓ جب مصر پہنچے، روایت میں کہا گیا ہے کہ یہاں لوگوں نے ان سے  
 رابطہ قائم کر لیا اور یہ سبھی کہتے ہیں کہ مدینہ جاتے سے انہیں مصر ہی میں لوگ لیا تھا اور  
 اپنا ہمنوا و ہم سفر بھی بنا لیا، عامل مصر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اس وفد  
 حال سے مطلع کیا تو آپ نے حکم بھیجا کہ انہیں یہاں بھجود حضرت عثمانؓ کو یہ کب واپس آتے  
 دیکھ کر پیدل انہوں نے خلیفہ وقت کو اس خدمت کو انجام دہی کی پیش کی جس کے لئے  
 وہ مصر بھیجے گئے تھے، اس کا کچھ دن کسی مورخ نے بیان نہیں کیا، اس بارے میں آگے  
 بعض تنگ صفتی گفتگو آرہی ہے۔

بہر حال سب اہل بیت نے حج کے بہانے اور حاجیوں کے بھیس میں مصر اور کوفہ و بصرہ  
 سے اپنے آدمی اکٹھے کئے اور حج کو جانے کی بجائے مدینہ پر چڑھ دوڑے ان میں اشتر  
 نخعی اور حکیم بن جلد بھی تھے، حضرت عثمانؓ سے ان کو جو شکایتیں تھیں وہ بیان کیں  
 اور جو اعتراضات تھے وہ پیش کئے، امیر المومنین نے انہیں مطمئن کر دیا، صحابہ کرام نے بھی  
 انہیں سمجھایا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے، البتہ ایک مطالبہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن سعد  
 بن ابی سرح کو معرے مغزول کر کے کسی دوسرے شخص کو دالی بنا دیں، آپ نے فرمایا تم  
 کے چاہتے ہو تو، انہوں نے حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کا نام لیا، ان کے نام  
 فرمان ولایت دیدیا گیا اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

یہاں ان لوگوں کی یہ چال دیکھنی چاہئے کہ انہوں نے اس والی مصر حضرت عبداللہ  
 بن سعدؓ کی معزولی کا مطالبہ کیا، جو مستقر خلافت سے دور تھے اور جہاں کی رعایا میں ذیوں  
 کی تعداد بہت تھی اور جہاں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، گویا عالم اسلام کے تمام والیوں  
 میں ایک حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ ہی ایسے نظر آتے جن کی معزولی کا یہ لوگ مطالبہ  
 کر سکتے تھے، ان باغیوں میں کوفہ اور بصرہ کے لوگ بھی تھے جنہیں عادت تھی کہ والیوں  
 کا تبادلہ کرانے کا مطالبہ کرتے رہیں، مگر اس موقع پر صرف ایک والی کی معزولی کا مطالبہ  
 کیا اور ان کی جگہ چاہا کہ؟ ایک نابخترہ کار مغلوب العقبہ نوجوان حضرت علیؓ کے سوتیلے  
 بیٹے کو کیونکہ انہیں آستہ اسی سے کام لینا تھا۔

اب ایک قافلہ کوفہ روانہ ہوتا ہے، ایک بصرہ اور ایک مصر لوگ اطمینان کا سانس  
 لیتے ہیں، تین روز کے بعد مختلف شہروں میں جاتے والے یہ تینوں قافلے اپنا ٹک ٹاپس جاتے  
 ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں امیر المومنین کا ایک غلام طلب ہے جو والی مصر کے نام ان کا ہتھیار  
 حکم لے جا رہا تھا کہ محمد بن ابی بکر وغیرہ جب سپہیں تو انہیں قتل کر دیا جاتے، بعض نے خط  
 کا مضمون قلم نہ مختلف بیان کیا ہے۔

حضرت مسلمہ انصاریؓ نے یا برصایت دیکر حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ  
 تو مختلف سمتوں میں تھے، تین دن میں تو ایک دوسرے سے بہت دور ہونا چاہتے

تھا، ہم اچانک اس ایک ساٹھ کیلے پہنچ گئے یہ تمہارا بنایا ہوا مضروبہ معلوم ہوتا ہے۔  
(طبری ج ۵ ص ۱۰۵ طبع اولیٰ)

ان لوگوں نے جناب میں کہا دفعہ علی ما شئتم لاحاجۃ لنا الیٰ حلہ  
الوجہ لیعتزلنا ذاب لوگ جو چاہیں وہ معنی پہناتیں، ہمیں اس شخص یعنی امیر المومنین  
حضرت عثمانؓ کی ضرورت نہیں اسے چاہئے کہ ہمارا بیچھا چھوڑے یہ جناب صاف بتا  
ہلے کہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی بات تھی۔

ہمایہ تھا کہ جب یہ قافلے مدائن ہوتے تو دو آدمی مدینہ ہی میں رہ گئے یعنی اشتر  
نخعی اور حکیم بن جبذہ یہ سب کا مدعا ان کی تھی۔ انہوں نے صدقات کے مواشی خانے کے  
ایک غلام کا صنیر خریدنا اہلس کے ہاتھ حضرت ذی النورین امیر المومنین کی طرف سے والی مصر  
حضرت عبدالقادر بن سعد کے نام ایک خط لکھا جس سے الفاظ مختلف بادلوں نے مختلف لکھے  
ہیں اور اس شخص کو ہدایت کی کہ مصر کو اس طرح مدائن ہو کہ ان کے ہاتھ پڑ جائے چنانچہ  
یہ شخص اسی طرح چلا کہ جیسے لوگوں سے کتر کر نکلنا چاہتا ہے اور ایسی حرکتیں کیں کہ خواہ  
مخاذا قافلے خانے اس کی طرف متوجہ ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرنا تھا، انہیں یہ تو معلوم تھا کہ  
حضرت عبداللہؓ والی مصر ہیں مگر یہ خبر تھی کہ اس وقت وہ منقر ہڈی چکے پھر امیر المومنین  
کی اجازت سے مدینہ آیا ہے، جس وقت ان مصر میں کا قافلہ جاہلوں کے بھیس میں مدائن  
پہنچا، حضرت عبداللہؓ اسی وقت کھنک کھنک گئے تھے کہ معاملہ کچھ اور ہے، چنانچہ انہوں نے  
امیر المومنین کی خدمت میں ایک تیز رو قاصد بھیجا اور مدینہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی جو  
یہاں سے بھیج دی گئی، اور عبداللہؓ مصر سے مدائن ہو گئے، اسی نسلطین میں داخل ہوئے تھے  
کہ حضرت عثمانؓ ذی النورین امیر المومنین کی شہادت کی اطلاع ملی، اسی لئے وہیں تک  
گئے (طبری ج ۵ ص ۱۰۵)

ان کے مصر سے ہوتے ہی حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی حذیفہؓ کو آپ  
کے سخت مخالف اور باپ کی پارٹی کے سرگرم رکن تھے وہ مصر بتیا بعض ہوتے لیکن باغیوں

کو ان باتوں کی خبر کہاں تھی، وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ اس خط کا شہانہ کھڑا کر کے ہم اپنا موقف  
مضبوط بنا سکیں گے، مگر ہوا الٹا اور تمام عالم اسلام میں ان لوگوں سے نفرت پھیل گئی۔

یہ روئید اور طبری جیسے شیوخ مصنف کی کتاب میں ہونے کے باوجود لوگ حضرت عثمانؓ  
یا حضرت مروان پر یہ خط لکھنے کا الزام رکھتے ہیں یا شبہ کرتے ہیں یا مکررات انہیں سوچتے کہ جب  
باغیہ خلافت سے حضرت عبداللہؓ کو مدینہ کی اجازت بھیجی گئی تھی تو ان کے نام کوئی خط  
کیسے بھیجا جا سکتا تھا، عرض سبائیت زدہ تو حضرت مروانؓ کو متہم کرتے ہیں کہ انہوں نے  
یہ خط تحریر کیا تھا، ایک گروہ نے حضرت علیؓ کو متہم کیا ہے بلکہ دسے غریب نے اپنے مضمون  
"خلافت" کے حاشیہ پر اس بات کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کو یہ شبہ تھا  
کہ اس میں حضرت علیؓ کا کوئی ہاتھ تھا، لہذا اس ایک لوگوں پر یا برطانیہ کا گیا رکھواں ایڈیشن جلد ۵  
صفحہ ۲۵)

لیکن یہ سب کا مدعا سبائیتوں کی تھی حضرت علیؓ کا دامن اس سازش سے بالکل  
پاک ہے جیسا انہوں نے متعدد موقعوں پر بقسم شرعی اپنی بریت کا اظہار کیا ہے۔  
اب آگے کا بیان تو موقعی صاحب کا صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ سے معزول ہوجانے  
کے مطالبہ پر یہ لوگ کس طرح مصر تھے پھر آپ کو شہید کرنے پر تیل لگتے اور کس طرح اہل مدینہ نے  
ان لوگوں کو مار بھگانے کی اجازت امیر المومنین سے کی مگر انہوں نے کسی طرح یہ اجازت نہ دی  
بلکہ فرمایا کہ جو شخص میری سعیت پر قائم رہنا چاہتا ہے وہ ہتھیار رکھ دے اس سلسلے میں  
اہل مدینہ کے اصول اور آپ کے انکار کی جو تعداد ہے اس کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا۔  
حضرت کعب بن مالک انصاریؓ نے چار شعروں میں سب نکتے سمجھ دیا ہے۔

THE HISTORY OF THE LETTER TO ABDALLAH BIN  
SARH SEEMS TO HAVE BEEN A TRICK PLAYED  
ON THE CALIPH WHO SUSPECTED ALI OF HAVING  
HAD A HAND IN IT.

فَكَفَّ يَدَيْهِ ثُمَّ اَعْلَنَ بِابْنِهِ  
 اور ہونے اپنے دونوں ہاتھوں کے پھر اپنا ارادہ بند  
 وَقَالَ لَا اَهْلِي الدَّارَ لَا تَقْتُلُوهُمْ  
 اور گھر کے کافلوں سے فرمایا نہیں قتل مت کرو  
 وَالَّذِينَ اَتُوا اللَّهَ بِحُبِّهِ  
 اور یہ یقین جانا کہ اللہ عادل نہیں ہے  
 عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ لِمَا سَلِمُوا  
 اللہ قائل ہے کہ اس شخص کو بچنے جو لڑائی سے ہاتھ دھو کر

كَلِمَاتٍ اَللّٰهُ صَبَّ عَلَيْهِمُ  
 توفیر دیکھ لو کہ اللہ قائل ہے لوگوں کے دلوں میں باہمی محبت الفت کے بعد کچھ بعض معاملات انکے اندر نکالی  
 وَكَيْفَ سَأَلَتْ الْخَيْرِ اَوْ اَوْ بَعْدَ  
 اور دیکھ لو کہ ان کے دشمنان کے، جس طرح لوگوں کے دھیان سے خرد درکت ایسے اللہ بھی ہے اللہ ہی ارا لہ جاتے  
 یہ ہے صحیح صورت حال اور اس سے ہر منصف مزاج شخص یہ تسلیم کرے گا کہ مودودی  
 صاحب نے جو عثمان قاتم کے ہیں بڑے تیز کا آغاز پہلا مرحلہ دوسرا مرحلہ اور تیسرا مرحلہ اعلان کے  
 تحت یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عثمان کے خلاف امت میں عام ہے یعنی سنی تھی اور سنی بڑے بڑے ہی  
 تھی، یہ سب محض ان کی خیالی نظر کشی ہے۔ حقیقتاً ایسی کوئی بات نہ تھی اور مقام عالم اسلام اپنے  
 اس شمالی امام کے زیر سایہ مدنا فزوں ترقی کر رہا تھا، ظاہری اعدا باطنی، انفرادی اور اجتماعی  
 زندگی کی ارتقائی منزلیں سرعت سے طے ہو رہی تھیں، دشمنان امت ان ترقیوں سے خار  
 کھا رہے تھے انہوں نے یہ سب فتنہ برپا کر کے عالم اسلام کے جسم میں وہ ناسور پیدا کر دیا جس  
 کا اندمال ممکن نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ کہیں عام بے سنی تھی اور نہ ان کی شہادت میں امت کا  
 کوئی ہاتھ ہے، اگر خاکم بدین حضرت عثمان سے کسی وجہ میں امت ناراض ہو تو تو کیا ان کی  
 شہادت سے یہ عالم ہوتا کہ جیسے سارا جہاں تہہ و بالا ہو گیا ہو، آخر اللہ بھی بڑے بڑے لوگ  
 قتل ہوتے ہیں، کسی کے قتل پر کبھی امت میں ایسی آگ لگی جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ  
 صلوة اللہ وسلام علیہ کی شہادت پر؟  
 جس شخص کو انصاف کے ساتھ عہد عثمانی اور اس کے بعد کے حالات مطالعہ کرنے  
 کی توفیق ہوگی اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب خلیفہ کوئی

نہیں، عقیدت و احترام اور تعظیم و تکریم کے مستحق تو پہلے اور بعد کے خلفاء ہوتے ہیں لیکن  
 جسے محبوبیت کہتے ہیں وہ تو عثمان رضی اللہ عنہم جو تھی، یہ محبوبیت ایسی مثال تھی کہ شاعر اسی مجاز  
 سے کہتے تھے۔

أَجْنَبٌ وَالرَّحْمَانُ  
 حب قریشی عثمان  
 بخدا میں تجھ سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی قریشی کو عثمان سے

### بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے حضرت علی کے اس حقائق خلافت پر ابدیہ والہنہامیہ کے  
 حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے امت کی عام باتے معلوم کرنے کے  
 بعد فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا

زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا  
 حضرت علی کے مدبر و مقام کا ہمیں انکار نہیں، لیکن ان کی خلافت کا یہ استحقاق  
 حضرت عبدالرحمن کے کسی اعلان کے مطابق ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس  
 بارے میں صحیح بخاری سے حضرت عبدالرحمن کا بیان تو یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ  
 بارے میں بہت ہی کم لوگوں نے رائے دی تھی (ملاحظہ ہو ج ۴ کتاب الاحکام ص ۲۴۶)

أَمَا بَعْدُ يَا أَعْلَىٰ أُنَىٰ قَد نَظَرْتُ فِي  
 اے اعلیٰ یا اعلیٰ انی قد نظر تہ فی  
 امیر الناس قلم ارہم لیل لول بعثمان  
 کہ وہ عثمان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے، لہذا تم  
 فلا تجعل علی نفسک سبیلاً  
 اپنے دل میں کسی خیال کو جگہ مت دو۔

اصل صورت یہ تھی جو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جن چھ بزرگواروں کو حضرت فاروق  
 اعظم نے اپنے بعد نام زد کیا تھا وہ آپس میں کسی ایک پر مجتمع ہو جائیں تو ان میں  
 سے چار حضرت نے برضا و رغبت اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور خلافت کے خیال سے دستبردار



ہو گئے تھے، ان میں سے ہر صاحب بر اعتبار سے یکساں عظمت و حرمت رکھتے تھے، موصوفی صاحب کا یہ خیال محض جذباتی ہے کہ ان میں سے حضرت علیؑ پر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے، حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اپنی پرہیزگاری سے کیا جاتا، حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؑ کا استحقاق محض اس وجہ سے تھا کہ باقی حضرات الگ ہو چکے تھے اور جو دیکھتے تھے ان میں سے ایک اسید و اخلافت پر فائز نہ کہ شہید ہو چکے تھے، اگر حالات معمول پر ہوتے اور حضرت عثمانؓ کی ذات طبعی ہوتی اور وہ بے وصیت کئے اس دنیا سے جاتے تو ایک مدیجہ میں یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ کی طرف نگاہیں اٹھتیں۔

بلکہ غالب یہ ہے کہ انتخاب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ہونا، کیونکہ وہ سبقت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علیؑ کی سیاست میں نمایاں حصہ لے چکے تھے یعنی وہ جیسے بے جگر مجاہد و عظیم فاتح تھے اسی شان کے ساتھ نہیں جہا نبائی کا بھی تجربہ تھا، اندوہ علیؑ نبوت دے چکے تھے کہ بستان کیسے بسائی جاتی ہیں اور شہر لید میں میزان عدل کیسے قائم کی جاتی ہے اور نظم و نسق کیسے چلایا جاتا ہے، حضرت علیؑ کا ایسا کوئی کارنامہ ہی نہیں، حضرت سعدؓ خلافت و اہمیت سے چونکہ بے نیاز تھے اور ان کے پیش نظر صرف اتنا تھا کہ مسلمان اپنا سیاسی نظام کیسا ہی رکھیں مگر آپس میں لڑنے سے گریز کریں اور اگر تڑبائی کی ضرورت ہو اور اہمیت کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں، اس لئے انہوں نے اپنی سادگی، مہر و قربانیتوں اور ان کی شہادتوں سے گراہی اور اللہ کی کامقصد سوائے اہل کلمۃ اللہ کے کسی اور نہ رکھا یہ وہی تو ہیں جن کی کبریٰ سے ایران کسریؑ کو گنجا، عالمت محل پر ہوتے تو عجیب نہیں جو ہم چہ تھا خلیفہ حضرت سعدؓ ہی کو پاتے، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آخر وقت اپنی جائیداد کے لئے ان ہی کا نام خاص طور سے لیا تھا۔

پھر اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کو کسی کے حق میں وصیت کرنے کا موقع ملتا تو حضرت زبیرؓ کو اپنے بعد کے لئے نام نہ لیتے

آپ نے آخر وقت میں اپنے ماں اور باپ اور عیال کے بارے میں بھی وصیت اپنی کو کی تھی اور اپنی زندگی میں بھی اپنے بعد اپنی کو عنایت کے لئے زیادہ سونپا رکھتے تھے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۲ طبع مصر

عن هشام بن عروہ عن ابيہ قال  
 اخبرني مروان بن الحكم قال اصاب  
 عثمان بن عفان ساعف شديدا  
 سنة الرواف حتى جلسه عن  
 الحج واروصى فتدخل عليه رجل  
 من ترويش قال استخلف قال و  
 قالوا ها قال نعم قال و هو فقلت  
 فدخل عليه رجل آخر احسبه  
 الحرث فقال استخلف فقال عثمان  
 وقالوا فقال نعم قال ومن  
 فقلت قال فلعلمهم قالوا الزبير  
 قال نعم قال اما والذی  
 نفسي بيده انه لخيرهم ما علمت  
 وان كان لاحبهم لى رسول الله  
 صلى الله عليه وسلم۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے، انہوں نے اپنے والد ماجد عروہ ابن الزبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت مروان بن الحکم نے بیان کیا کہ جس سال نیکر کی جائیداد پر حضرت عثمانؓ پر بھی نیکر کا سخت جملہ موافقتی کہ آپ حج کو بھی نہ جاسکے اور وصیت لکھ کر دی اتنی ہی تشریح میں سے ایک صاحب حاضر ہوتے اور عرض کیا کہ اپنا جائعین مقرر کر دیجئے فرمایا: کیا لوگ کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں فرمایا کس کو؟ تو اس پر وہ چپ ہو گئے اتنے میں ایک اور صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ اللہ اللہ انہوں نے بھی عرض کیا: کسی کو جائعین مقرر کر دیجئے پوچھا کیا لوگ کہہ رہے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں فرمایا کس کو تو وہ چپ ہو گئے پھر اپنے فرمایا: شاید زبیر کا نام لے رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قضیہ میں میری جان ہے وہ میری ولایت میں سب میں بہترین شخص ہیں اور وہ ان سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ انکے خلیفہ حضرت زبیرؓ ہی ہوں گے، وہی اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے محترم و محبوب تھے انسان کے سوا کہ مہمدا جبرہ صحابہ نے انہیں اپنا وصی بنایا تھا، اندوہ ہر نیت شہادت و محبت

امانت سے اپنے فرائض پورے کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ابن مسعودؓ حضرت مقدادؓ حضرت مطیع بن الاسودؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم کے سب سے بڑے داماد حضرت ابو العاص بن السبیح نے حضرت زبیرؓ کی کوپناومی بنایا تھا اسباب کی شان یہ بھی کہ ان سب کے اہل و عیال کی پرورش اپنے مال سے کرتے تھے اسان کے اموال کو محفوظ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ بہت مقررین ہو گئے تھے، حضرت ابن الزبیر نے آپ کے بعد رسول میں وہ قرص ادا کیا۔

ان اسم کی روشنی میں مودودی صاحب کا یہ لفظ مبالغہ آیز ہے کہ حضرت علیؓ سے افضل کوئی شخص نہ تھا، صحیح اور معتدل ملتے یہ ہے کہ وہ بھی جملہ ان بندگانوں کے تھے جن پر نگاہیں اٹھ سکتی تھیں۔

چنانچہ شیعہ مودع طبری کی رعایت میں (ج ۵ ص ۱۵۵) ہے کہ مصری بلوایوں نے اول حضرت علیؓ کو خلافت پیش کی کہ انہوں نے حضرت زبیرؓ کو اول بصریوں نے حضرت طلحہؓ کو، ان تینوں حضرات نے امدادی ظاہر نہ کی تب ان سب نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس دفعہ چھٹا، طبری کے الفاظ ہیں:-

فبقوا الی سعد بن ابی وقاص  
وقالوا انک من المشورین قرأینا  
فیک علیؓ فاقدمتہ الیک  
فیغت الیہم الی وابن عمر خرجنا  
منہا فلا حاجۃ لی فیہا!

تباہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس دفعہ چھٹا کہا کہ آپ اہل شوریٰ میں ہیں اور ہم سب کا آپ کے بارے میں اتفاق ملتا ہے لہذا آپ تشریف لے آئے تاکہ ہم آپ سے سمیت کریں آپ نے انہیں یہ جواب بھیجا میں اصحاب عمر اس معاملے سے کل چکے ہیں اور مجھ سے اس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تب وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ حضرت عمرؓ کے فرزند ہیں لہذا آپ خلافت کے لئے کھڑے ہوں گے یہ آپ نے فرمایا یہ وہ معاملہ ہے کہ اس کا انتقام لیا جائیگا، بخدا میں اپنے آپ کو اس پیش نہیں کر دوں گا کسی ادا کو تلاش کرو۔

ثم انهم اقبلوا ابن عمر عبد اللہ  
فقالوا انت ابن عمر فقم لہذا الامر  
تقال ان لہم ان الاہر انتقاما والله  
لا اتعرض لہ فالتسوا عنی

یہ ایک شیعہ مصنف کا بیان ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانے کی خواہش الگ الگ مختلف گروہوں کی تھی، لیکن ان حضرات سے مایوس ہو کر انہوں نے سب کے اتفاق ملتے سے جس شخص کی خدمت میں دفعہ چھٹا وہ اہل حضرت سعدؓ تھے اور پھر حضرت ابن عمرؓ گیا باعنی اور عقبہؓ بھی یہ جانتے تھے کہ اس ماحول میں اگر کسی شخص پر اجتماع ہو سکتا تھا تو وہ حضرت سعدؓ کی ذات تھی اسان کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی، مودودی صاحب کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علیؓ سب کا افضل تھے۔

**عقد بیعت** مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (ص ۱۲۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اسان سے کہا یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود لازم ہے اہل آج آپ کے سامہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو نہ سابق خلفائے کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اعتبار سے انہوں نے انکار کیا اور لوگ اہل کرتے رہے۔

یہ بیان بھی محض خیالی اور بنیاتی ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خلفاء و اقتدات کیسے کہہ سکتے تھے، کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ کی چھادی خدمات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تھیں اور عہد رسالت کے ان چھادی معرکوں میں بھی وہ مفروضہ تھے، دیگر صحابہ حضرت حمزہؓ حضرت سماکؓ ابو دجانہ الغضائریؓ حضرت زبیرؓ وغیرہم نے بڑھ بڑھ کر حصہ لیا تھا، مسلمانوں پر جو بیعتیں آئیں اور جیسے قوی دستوں سے انہیں برسرِ سرکار ہونا پڑا، ان میں حضرت علیؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا حالانکہ ان کی جوانی کا عالم تھا، عہد رسالت کے بعد کسی ایک چھادی میں بھی ان کا نام نہیں ملتا، برخلاف اس کے حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت خالد بن ولیدؓ سفیاء اللہ نے وہ کام اپنے نمایاں انجام دئے کہ رستی دنیا تک یہ امت ان پر فخر کرے گی اور ان کی احسان مند ہے گی لہذا حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ کی موجودگی میں نہ سابق خدمات کا ذکر کیا جاسکتا تھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے قرابت کا کیونکہ ایک آپ کے ماموں ہیں اور ایک سنی پھوپھی کے بیٹے علاوہ انہیں  
خلافت کے معاملہ میں رشتہ داری کبھی وجہ امتیاز و استحقاق نہیں سمجھی گئی اور نہ قواعد  
دینیہ کے تحت سمجھی جاسکتی ہے، وہاں تو محض مصالحِ ملیہ پر مدار کا استھان یہ تقریباً اگر  
کی ہوگی تو صحابہ کرام نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے کی ہوگی جو آپ کو خلیفہ بنانے میں اپنی  
عافیت سمجھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ جس طرح آپ کی سیاست پر غالب آکر وہ اپنے  
مقاصد پر سے کر سکتے تھے اس طرح دوسرے کے تحت امکان نہ تھا۔

اگر اہل مدینہ اور اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا  
ہو تو اس آپ کی بیعت پر اجتماع کر لیا ہوتا تو وہ واقعات کیوں رونما ہوتے جو بعد میں ہوتے  
اور آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت کیوں آخر تک زیر بحث رہتی اور کیوں آپ صفین میں ثالثی  
پر رضی ہو کر ثالثوں کے فیصلے کا اپنے آپ کو پابند بناتے اور کیوں ثالثوں کا فیصلہ آپ کے خلاف ہوتا  
اور ہم یہ کیوں دیکھتے کہ ثالثوں کے فیصلے کے بعد آپ کے علاقے کے بعد دیگرے بغیر کسی جنگ کے  
آپ کے لشکر سے نکلنے چلے گئے اور کیوں آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہما  
سے بیعت کرتے اور کیوں اس اجتماع کی خوشی میں صحابہ کرام اس سال کا نام عام الجماعۃ  
رکھتے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت  
اجماعی نہیں تھی۔

پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر اہل مدینہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر حضرت  
علیؑ کی بیعت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکے ہوتے اور ان کی بھاری اکثریت نے بیعت کر لی  
ہوتی تو جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا تھا وہ مدینہ کی فضا کو اپنے لئے ناسازگار کیوں پالتے  
اور کیوں ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح آپ کو کوفہ لے جائیں جو ان لوگوں کا گھر تھا۔  
چنانچہ کوفہ ایسے گئے کہ پھر لپٹ کر نہ کبھی دیا رسول مدینہ منورہ آئے اور صفحہ کے لئے  
نہ معطل۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

حضرت مرفعی برائے اقامت حج بذات خود متواست نمود بلکہ بعض  
سینن نائب ہم متواست فرستاد۔۔۔۔۔ حال آنکہ خلفائے سابق اقامت

حج بنفس خود میکردند الا بوزرو اقامت حج عنہم خلافت بود بلکہ انہ  
خواص خلیفہ (انالہ الخفاج اصل ۱۳)

اگر کہا جائے کہ جنگوں کی وجہ سے آپ کو مدینہ سے نکلنا پڑا تب بھی سوال یہ  
کہ مستقر خلافت مدینہ ہی کیوں نہ رکھا اور کیوں وہاں سے تمام تعلقات منقطع کر کے کوفہ کو  
دار الخلافہ بنایا جو لوگ سیاست عالم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اپنے دار حکومت  
سے کتنی ہی مدت تک کتنی ہی دور رہے وہ اپنا دار حکومت نہیں بدلتا جب تک وہ اس  
پر مجبور نہ ہو جائے۔

اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہ کے آخری پچیس سال دکن میں گزرے اور وہیں وفات  
پائی، لیکن دار حکومت شہر دہلی رہا اور برابر اسی کو سیاسی مرکز کی حیثیت حاصل رہی اسی  
طرح حضرت علیؑ بھی مدینہ کو اپنا دار الخلافہ رکھ سکتے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے عہد  
میں مدینہ طیبہ اپنی مرکزیت کھو چکا تھا اور سیاسیات اسلامیہ میں اہل مدینہ کی حیثیت اباب جن عہد  
کی نہیں تھی بلکہ ادنیٰ و اعلیٰ کسی معاملہ میں اہل مدینہ کی رائے حجت نہیں سمجھی جاتی تھی کیسی تھی اور علیؑ  
کہ اہل مدینہ کی اکثریت نے آپ سے آئینی بیعت نہیں کی تھی اور جنہوں نے لپٹ کر لی تھی نہ آپ کے ساتھ کوفہ  
آگئے تھے۔

موردی صاحب کا دعویٰ ہے (صفحہ ۱۳)

پھر سجد بنوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام ہماجرین والشارعے ان کے ہاتھ  
پر بیعت کی، صحابہ میں صرف سرہ یا میں ایسے بنگلے تھے جنہوں نے بیعت نہیں  
کی، اس تعداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت طبعی  
ظور پر ٹھیک ٹھیک ان ہی اصولوں کے مطابق مسقطہ موقی تھی جن پر خلافت  
راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا، وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوتے انہوں  
نے خلافت حاصل کرنے کی برائے نام بھی کوشش نہیں کی، لوگوں نے خود  
آزادانہ مشاومت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا، صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کے  
ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا

موجودی صاحب کا یہ کہنا تو کچھ غلط نہیں کہ حضرت علیؑ زبردستی اقتدار پر ان خود قابض نہیں ہوتے، مگر اس تاریخی واقعہ سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک اندوہناک انقلاب کے ذریعہ وہ برہم اقتدار سے تھے اور انقلاب پیدا کرنے والے ہی انہیں خلیفہ بنانے میں پیش پیش رہے تھے، لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ اہل مدینہ نے آزادانہ مشاورت سے انہیں خلیفہ منتخب کیا تھا اور صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان سے بیعت کر لی تھی اور یہ کہ صرف سترہ یا بیس بزرگ ایسے تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔

آزادانہ مشاورت سے خلیفہ منتخب نہ ہونے کی حسی دلیل تو یہ ہے کہ صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کی سیاسی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا، قواعد شریعہ کے مطابق جب ایک شخص سے بیعت کر لی جائے تو پھر اس کے سیاسی اقدامات میں اس کا ساتھ دینا لازمی ہے، اقدام سے پہلے ہر شخص کو موافق و مخالف رائے دینے کا حق ہے لیکن جب امام مفصلہ کر لے تو پھر امام کی متابعت سے گریز کا کوئی جواز نہیں، اعتدالی اطاعت کے معنی ہی یہ ہیں کہ صرف امام کے اجتہاد پر عمل ہو اور یہی صحابہ کرام کا معمول تھا اور دین کا یہی اصول انہوں نے امت کو سکھایا ہے جس پر یہ امت عمل کرتی چلی آئی ہے سیاسی اقدامات تو اپنی جگہ رہے جہاں سوائے امام کے کسی کا اجتہاد چل ہی نہیں سکتا اور جب کو اس کی اطاعت لازم ہے اور اس سے گریز یا سختی وقت ہو سکتی ہے جب کتاب و سنت کے مطابق اسے محبت الہی سمجھ لیا جائے لاطاعتہ المخلوق فی معصیۃ الخالق، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علیؑ اور فقہی مسائل میں بھی وہ امام کے اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے، اگرچہ ان کا فتویٰ ان کے اپنے مذہب پر ہو، اس کا ایک واضح مثال ہمیں صحیح مسلم میں ملتی ہے (ج ۱ ص ۵۱۵ طبع مصر)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں طواف بیعت اللہ اور صفارہ کی سعی کے بعد عمرہ پورا کر کے احرام کھول دیا تھا۔ اور پھر حج کے لئے احرام باندھا، آپ فرماتے ہیں میں یہی فتویٰ بھی دیا کرتا تھا لیکن خلافت فاروقی میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ فتوے دینے میں جاری

نہ کیجئے، امیر المؤمنین نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے، چنانچہ میں نے اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو میں نے فتویٰ دیا تھا وہ مکہ جاتیں اور کعبہ احرام نہ کھولیں، امیر المؤمنین تشریف لارہے ہیں، ان کے حکم کا انتظار کیا جائے اسی طرح امیر المؤمنین عثمانؓ نے جب حج کے موقع پر قصر نہیں کیا اور نماز پوری پڑھی، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس پر اعتراض کیا، آپ نے قصر نہ کرنے کی وجہ بتادی تو حضرت عبدالرحمنؓ پھر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے اور یہ بات بتائی انہوں نے فرمایا یہ اختلاف ٹھیک نہیں مجھے جب اطلاع ملی کہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی پڑھیں، البتہ اب وہی ہو گا جو آپ فرماتے ہیں (طبری ۵: ۵۶-۵۷ سفول انالحوصم ص ۸۰)

صحابہ کرام جب اجتماعی عبادات میں اپنا فقہی اجتہاد چھوڑ دیتے تھے تو سیاسی معاملات میں بدرجہ اولیٰ وہ امام کا اتباع واجب جانتے تھے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جملہ صحیفین کی جنگوں میں شرکت سے اکابر صحابہ اسلامت کی عظیم اکثریت نے احتراز کیا، صحابہ میں صحابہ کما ایسے افعال متعدد جگہ مروی ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ ان جنگوں میں شریک ہو نا درست نہیں سمجھتے تھے، اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو مقرر من الطاعنہ سمجھا اور سب اسے سمجھ نہیں سکتے تھے اگر ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوتے اور انہی انتخاب ہوا ہوتا۔

موجودی صاحب فرماتے ہیں در ترجمان القرآن شمارہ جون ۱۹۵۹ء  
"ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر کچھ سوالیسے صحابہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے جو بیعت الرضوان کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے!"

ابن عبدالبر کا نامہ جنگ صفین سے سوا چار سو برس بعد کا نام ہے اس لئے مفرد ان کا تو کوئی بیان شریک جنگ کی حیثیت سے ہو نہیں سکتا اور کسی عینی شاہد کے بیان کا کوئی سلسلہ اداہوں نے پیش نہیں کیا، لہذا یہ قول چاندو خانے کی لپ سے زیادہ کیا حقیقت

رکھ سکتے۔ مورودی صاحب الاستیعاب انصافاً صابہ فی تیز الصحابہ ان دونوں کتابوں سے جو حوالہ صحابہ پر مشتمل ہیں، ان صحابہ کی فہرست مرتب کر کے بتائیں جو حجتِ محض میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے، محض اصحابِ بیت الرضوان اور اکابر مشہور صحابہ تو کیا ان سب کو ملا کر گران صحابہ کو بھی شامل کر لیں جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر ایسے سو حضرت کے نام بھی دے صحیح حوالوں سے نکال سکیں جو صحیف میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے تو ہم بیوت الرضوان میں شریک ہونوالے اٹھ صحابہ کی صحیف میں حضرت علیؑ کے بعد دیکھ کر تسلیم کر لیں گے صحیف میں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی طرف تشریح ہونے والے صحابہ میں صرف ایسی یکس سے زیادہ نام اکابر کے نہیں نکالے جاسکتے اور جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے وہ دونوں طرف سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھے، جمہور صحابہ کرام انصاف کی بھاری اکثریت ان جنگوں سے محترقی اور جو حضرت شریک ہوتے تھے حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے وہ ساری عمر ان اقدامات پریشانی کا اظہار اور استغفار کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "از منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰"

کان تراء القتل خیر لبطانین  
مع ان علیاً کان اورئی بالحق  
لعل قول احمد واکثر  
اہل الحدیث واکثر ائمة الفقہاء  
وهو قول اکابر الصحابة والقبائل  
لهم باحسان وهو قول عمران بن  
حصین وکان یخفی عن بیع اسلام  
فی الفتنة وهو قول اسامة بن زید  
ومحمد بن مسلمة وابن عمر وسعد  
بن ابی وقاص واکثر من بقی من الصحابة  
الاولین من المهاجرین والانصاف

دونوں فریقوں کے لئے جنگ سے اجزائے ہتر تھا اگرچہ  
حقت سے حضرت علیؑ زیادہ قریب تھے یہ قول ہے امام  
احمد اور اکثر اہل حدیث کا اصل اکثر ائمہ فقہاء کا اور یہی  
قول ہے اکابر صحابہ اور قبائل کے ساتھ ان کا اتباع  
کرنے والوں کا اور یہی قول تھا حضرت عمران بن حصینؓ  
کا وہ ان جنگوں میں پھیلانوں کی خرید و فروخت سے  
روکتے تھے اور نہ ملنے کے پھیلانوں کی فروخت کرنے  
انگڑ ہونگے اور یہی قول تھا حضرت اسامہ بن زید کا حضرت  
محمد بن کلاب حضرت ابن کلاب حضرت سعد بن ابی وقاص  
کا انصاف ان لوگوں میں سے اکثر کا جو بیعت سے پہلے ایمان لائے  
وہ ہاجرین و انصاف اور وقت موجود تھے اسی لئے اہل

ورلھذا کان من ذہب اهل السنة  
الاصحاب عہا شجر بین  
الصحابة فانه قد سبقنا  
فصلاً لهم ورجبت عمالاتهم محققم

المنکایہ مذہب ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے  
بارے میں زبان و قلم کھڑکیں کیونکہ ان کے فضائل  
سب سے زیادہ ہیں انصاف کی موالفت و محبت  
واجب ہے۔

اگر صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علیؑ کو امام مقرر فی الطاعنہ سمجھا ہوتا یا حضرت  
معاویہؓ کو وہ باغی جلتے تو ان کا یہ مذہب نہ ہوتا بلکہ جب فرمان خداوندی اور جب اصول  
شرعیہ ان پر واجب تھا کہ حضرت علیؑ کا ساتھ دیکر حضرت معاویہؓ سے اس وقت تک قتال کرتے  
رہیں جب تک اپنی زمین نہ کر لیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے اور اسی کی تائید واقعات ثابتہ سے ہوتی ہے کہ تعلیمات  
نبویہ کے مطابق جمہور صحابہ کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح و مصافحہ  
سے نزاعی مسائل کا تصفیہ چکران ماحول میں کریں۔

نظامی مسدود ایک تھا کہ امت کے متفق علیہ امام کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی  
حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام خداوندی کے مطابق واجب القتل ہیں اور جب تک  
جن جن کو اپنی قتل نہ کر دیا جاتے اس وقت تک احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہوگی۔  
اسی سلسلے سے خلافت کا یہ ذیلی مسئلہ پیدا ہوا کہ حضرت علیؑ کی خلافت چرکمان باغیوں  
اور معاندوں نے اپنے زور سے قائم کی ہے اور یہی اس خلافت پر حاوی ہیں، لہذا اس طائفہ  
انتخاب کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے از سر نو انتخاب ہو۔

حضرت علیؑ کی شخصیت اور صحابہ کرام میں ان کی حیثیت کے بارے میں کسی کو کوئی  
اختلاف نہ تھا اگر واقعی وہ جماع صحابہ کے ذریعہ برسر اقتدار آتے ہوتے تو جمہور صحابہ و تابعین  
ان کا ساتھ دیتے انصاف کے مخالف باغی قرار پاتے۔

لیکن صورت حال یہ تھی کہ جب مسادوں نے ان کی خلافت کا اعلان کیا اور سب سے  
پہلا شخص جس نے ان سے بیعت کی وہ الا شتر نخعی تھا انصاف ہی لوگوں کے اجتماع میں اس  
خلافت کا عقیدہ کیا گیا تھا، تو اس وقت صحابہ کرام کے تین طبقے ہو گئے، ایک قلیل تعداد نے

توسبیت کر لی خود بیکر حبیباً طبری وغیرہ کی سفایتوں میں رہے، دوسری جماعت صحابہ نے ان کی خلافت کو ناجائز سمجھا اور مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور بعد میں حضرت معاویہ کے ساتھ ہو گئے، باقی بھاری اکثریت نے سعیت کرنے سے توقف کیا اور اپنا ملک یہ اختیار کیا کہ ان کی خلافت برپا رہنے دی جائے اور ان کے زیر نگیں علاقے میں امن قائم رکھا جائے تا آنکہ امت ان پر مجتمع ہو جائے۔

جو صحابہ اس خلافت کا انعقاد ناجائز سمجھتے تھے ان کا موقف یہ تھا کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور صحابہ کے عام اجماع میں اس خذانت کی اتنی حیثیت کے بارے میں فیصلہ ہوان کے مقابل میں کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ متنازی حکومت قائم کر سکی کوشش کی جو صحابہ نے صرف سعیت سے توقف کیا اور قاتلوں کے متعلق باہمی جھگڑے کی طرف دعوت دی شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ادا آپ کا فرمانا بالکل درست ہے اور واقعات کے عین مطابق کہ

لعمریک معاویہ ممن بختار الحرب  
ابتداءً بل کان استعد الناس حوصاً  
علی ان لا یكون قتال دکان غیرہ  
احص علی القتال منہ

باقی لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک حضرت معاویہ موجود ہیں، دنیا میں وہ محفوظ نہیں رہ سکتے اور تخریب ملت کے لئے ان کے جو عزائم ہیں وہ پورے نہیں ہو سکیں گے، اسی لئے انہیں سب سے نیادہ نکر حضرت معاویہ ہی کو زیر کرنے کی تھی، اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے حضرت معاویہ کی مدد کی اور لوگ سبائی لوگ اپنے مقاصد ناکام ہو گئے، ناکامی کا بدلہ انھوں نے جو تیری رعایتیں وضع کر کے ان کی تہمیر سے لیا۔

ان امد کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علی سے سعیت نہیں کی تھی، مگر یہ ضروری سمجھا کہ نظم و نسق کی راہ میں کوئی مشکل حامل نہ کریں ادا الفعل ان کی خلافت اس امید پر تسلیم کریں کہ باہمی توافق سے کوئی رجائی فیصلہ

ہو جائے گا، اسی لئے وہ معاویہ کو بیکر جنگوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

سعیت جن الفاظ میں ہوتی تھی وہ صحاح میں مرتب ہیں، چنانچہ مولانا شریف صحیح بخاری میں وہ سعیت نام مذکور ہے جو حضرت ابن عمر نے امیر المؤمنین عبدالملک کو بھیجا تھا جو آپ کے شاگرد اور خود تھے، طبقہ کے اعتبار سے بھی تابعی ہیں لیکن ان کے منصب کی عظمت کا اتفاق تھا کہ حضرت ابن عمر نے اول ان کا نام لکھا اور پھر ان کا موطا شریف برایت نام محمد صحیح بخاری کے الفاظ میں ہے (ج ۴، ص ۴۰۵ طبع مصر باب کیف یباح امام المؤمنین) انی عبد اللہ عبد الملک امیر المؤمنین اللہ کے بندے عبدالملک امیر المؤمنین کی جناب میں اذکر انکرم انکرم انکرم اللہ میں اذکر انکرم انکرم اللہ عبد الملک امیر المؤمنین علی دستہ اللہ سنوں کا اور مقدمہ بر طاعت کروں گا میرا یہ دستہ رسولہ فیما استطعت آوارہ لشکر سنت اور اس کے بعد ان کی سنت پر رہے

ان الفاظ کے ساتھ جب سعیت کی جائے تو اس کا امکان بڑھتا ہے کہ امیر المؤمنین کے سیاسی اقدامات میں ان کی متابعت سے گریز کیا جاسکے، اگر شتہ واقعات کے بارے میں اپنے ذاتی رجحان اور ظن و تخمین کی بجائے ہم عصر لوگوں کا زاویہ نگاہ اور عمل دیکھنا چاہتے۔ واقعات ثابتہ کی روشنی میں اور قواعد شرعیہ کو سامنے رکھ کر جو صحابہ کرام ہی سے سکھاتے ہیں، عدلیت حال کا جو تجربہ ہم نے پیش کیا ہے اس میں کچھ ہم منفرد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بیان یاد رکھو، چکا، اب ملاحظہ ہوا بن خلدون کا تجزیہ (مقدمہ ص ۵۰ طبع مصر)

فاما رقة علی فان الناس كانوا یحسدون قتله عثمان متفرقین فی الاصل  
لیشهدوا ببيعة علی والذی من شہد  
فمنہم من باع ومنہم من توقف حتی  
یجتمع الناس ویقفوا علی امامہ  
کسعد وسعد وابن عمر وامامة  
بن زبیر والذی من شہد وعبد اللہ

ربہا حضرت علی کا واقعہ تو حضرت عثمان کی شہادت کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اور سعیت کے وقت حاضر تھے اور جو حضرات ہوئے ان میں سے بعض نے سعیت کر لی اور ان میں بعض ہی جنہوں نے توقف کیا تا آنکہ لوگ اجماع کریں اور ایک امام پر متفق ہو جائیں مثلاً حضرت سعد حضرت سعید حضرت ابن عمر حضرت اسام بن زید حضرت میمون بن شعبہ

بن سلام و قدامت بن مظلوم و اری  
سعید الخدری و کعب بن عجرہ و  
کعب بن مالک و النعمان بن بشیر  
و حارث بن ثابت و مسلم بن مخلد  
و فضالہ بن عبید و امثالہم من  
اکابر الصحابة۔

حضرت عبداللہ بن سلام (حضرت) قدامت بن مظلوم  
حضرت ابو سعید خدری (حضرت) کعب بن عجرہ  
حضرت کعب بن مالک (حضرت) نعمان بن بشیر  
حضرت حارث بن ثابت (حضرت) مسلم بن مخلد  
حضرت فضالہ بن عبید (حضرت) امثالہم من  
اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مودودی صاحب نے اپنی ذہانت کا عجیب ثبوت دیا ہے کہ یہ اور ان جیسے دو چار بزرگوں  
کے اور نام کتابوں میں دیکھ کر انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرایا چاہا کہ بس یہی سترہ یا بیس صحابہ  
بیعت سے الگ رہے تھے، معمولی عقل کا آدمی کبھی شیخ الاسلام یا مورخ ابن خلدون یا  
دوسرے بزرگوں کے اس قسم کے بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا جو مودودی صاحب نے  
نکلانے کی کوشش کی ہے بلکہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ چند نام بطور نمونہ دئے گئے اسیہ ایسے  
بڑے لوگ ہیں جن کے نام پڑھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ بیات ایسی آسان نہیں جیسی مودودی صاحب  
نے سمجھ لی بلکہ ایک جم غفیر تھا جن نے بیعت سے توقف کیا تھا اور ان سب کا موقف  
یہ تھا کہ جب تک احوال پر امن نہ ہو جائیں اور اتفاق رائے سے حضرت علیؑ کی امامت  
پر سب مجتمع نہ ہوں، اس وقت تک آئینی بیعت نہ کی جائے، چنانچہ حضرت علیؑ کے  
مقتول ہوتے تک آئینی بیعت نہیں کی گئی۔

اگر مودودی صاحب کے خیالی نظر سے کی بنا پر یہ سمجھ لیا جائے کہ واقعی یہ  
بروفیہ میں بزرگ ہی بیعت سے رکے رہے تو حضرت علیؑ کو متفق علیہ امام ماننا یا بیعت کا  
ان کے مخالف باغی قرار پائیں گے، لیکن ساتھ ساتھ ان سب کو بھی غدار سمجھنا ہو گا جنہوں  
نے صحیفین کے معرکہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ نہیں دیا، سب سے پہلے جس طرح سفایات وضع  
کی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ صحابہ کرام سے بدظن رہے۔

لیکن صحابہ کرام اور ان کا اتباع کرنے والی امت کا مذہب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ  
جو حق بالفعل خلیفہ حضرت علیؑ ہی تھے اگرچہ امت کا ان پر اجماع نہ ہو سکا، مگر

ساکتہ ہے وہ تمام صحابہ کرام کو جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی ان کے موافق ہیں  
حق پر جانتے ہیں اور اس حد کو وہ حد فتن کہتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت  
عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلے میں امت میں فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے  
یہ میدان ابن فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است، آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم تخت از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادندہ منتظم نشود۔

انالۃ الخفاج ۱ ص ۱۵۲

پھر شیعہ کے دعوے "استخلاف مرتضیٰ و اولادہ" کے بارے میں بالفاظ عام اس  
حقیقت ثابتہ کا اظہار کیا ہے کہ:-

"و عنایت ازنی مقرر بود کہ چ گاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او از امان قیام  
منصور نشوند و چ گاہ خلافت ایشان صلی و جہا صورت نگیرد بلکہ از  
میان ایشان ہر کہ دعوت بخورد و سر بقتال برآورد و مقتول  
گردد، و خدائے تعالیٰ سفیر ماید و کفایت سبقت گشتنا لجا و دنا المسلمین  
انظروا المنصور صلی و ان جنالنا کہ صومر الغلبون و الخلفاء الیہ  
ہم خلفاء الانبیاء حقا اسوة المسلمین ہم المنصورین و ہم الغالبون۔"

انالۃ الخفاج ۱ ص ۲۸۲

حضرت علیؑ کے مختصر سے ایام فتن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی کہ  
حضرت معاویہؓ پر اہل المؤمنین صلوة اللہ علیہ پر امامت نے اجماع کر لیا۔

امت کا یہ مذہب محض عقیدت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس حد کے احوال سے  
بڑے بڑے شرعی سائل سامنے آتے اور ان سے عہدہ برتنے والوں کی سبیل نکلی اور مسلمانوں  
میں یہ سلیقہ پیدا ہوا کہ:-

۱- آئینی اور بالفعل حکومت کا فرق سمجھیں۔

۲- جماعت کے اندر کہ جو لوگ اختلاف کیے اور اس میں شدت آجاتے حتیٰ کہ لوہنت  
نشر کشی تک پہنچے تو امت کو اس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے یعنی اکثریت کو غیر جائز

ہو جانا چاہتے تاکہ امن جلد قائم ہو۔  
 ۳۔ جو دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان جنگوں میں کمن آداب کی پابندی کریں یعنی نملیک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کریں، نہ مقتولوں کی بے حرمتی ہو نہ مال و اسباب لوٹا جلتے اور نہ فتح پانے کے بعد ان کی حرمت پر حرف آنے دیا جاتے۔

۴۔ جب جنگ ختم ہو جائے اصلیک فریق کامیاب ہو تو پھر تمام انددنی کو درپیش صاف کر دی جائیں اور سب اس طرح کھل مل جائیں جیسے کچھ ہوا چنی نہ تھا اور اس بات کا اہتمام رکھیں کہ پرانی باتوں کا ذکر نہ آنے پلتے۔

۵۔ اختلاف کا فرض ہے کہ گزشتہ سب بزرگوں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں ان کے مواضع میں فریق نہ بنیں اور اختلاف کو ہوا دینے سے گریز کریں، صحابہ کرام اور خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا یہی مذہب رہا اور اب تک ہے۔

دنیا کی تاریخ بنانے والی قوموں میں سے کونسی قوم ہے جو خانہ جنگی میں مبتلا نہیں ہوئی اور جس کے آپس کے نظریاتی اختلاف سے قیمتی جانیں ضائع نہیں ہوتیں، مگر ان سب قوموں کا یہ شعار ہا کما چنے گزے ہوتے بزرگوں کا تذکرہ اور تعظیم سے کریں خود ہمارے سامنے کھانے کے احوال موجود ہیں، ان کے ادبار و شہادہت تاریخ نویس لوگوں کی تصنیفات ان کی قوموں کے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے مواظف میں فریق نہیں بنتے اور مخالف گروہوں کے نظریات و اعمال میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اختلاف اپنے اسلاف سے بدظن نہ ہوں، انگلستان، فرانس اور امریکہ کے ایسوں اور عوں اور سماج نگاروں کی تصنیفات دیکھنے سے ہمارے اس میان کی توثیق ہوگی مگر یہ بد قسمت قوم ہماری ہے کہ ہم میں ایسے بزرگوں اور تجزیہ سازوں کو رکھنے والے لوگ سامنے آتے رہتے ہیں جن کی طلاقت لسانی اور نہ تعلیم پر صرف ہوتا ہے کہ بزرگان پیشین پر سب و شتم ہوتا ہے ان سے بڑھتی بڑھتی رہتی رہے اور مدبر نہیں جانتے کہ جب افرار پرمانی اور جن پوشی کے ذریعہ کسی کی توصیف اور کسی کی تنقیص میں مبالغہ کریں گے تو وہ سب بھی منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے۔

یہ تو مودودی صاحب ہی جیسے لوگ ہیں جن کی مبالغہ آمیزی اور جانبداری کے سبب عظیم و محترم ہستیاں زیر بحث آتی ہیں بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو ہماری طرح اعتدال کو کام میں لائیں اور بے لاگ طور سے صحیح صورت حال پیش کریں ورنہ عموماً اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

من بنا انقص لنا ولا خرا لنا الذین سبقونا یا لایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

### قصاص امیر المؤمنین عثمان ذی النورینؓ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۶۱ و ص کتاب ۱۱۳۲)  
 حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے، ایک طرف حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالت قدمہ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پور لیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی، ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے درد کا قبضہ نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہوا جو طریقے چاہے اسے پسلا کرنے کے لئے استعمال کرے یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا، خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے، حکومت اگر محرموں کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں واقعی دالستہ ہی تامل کر ہی تھی تو بلاشبہ دوسرے لوگ اس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے، لیکن کسی حکومت سے مطالبہ کا یہ کونسا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ آپ سر سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک نہ بنیں جب



تک وہ آپ کے اس مطالبہ کے مطابق عمل درآمد نہ کرے۔

حضرت علیؑ اگر جاکر خلیفہ تختے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبے کے آخر یعنی کیا ہے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جیسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے سکیں اس سے بھی زیادہ غیر شرعی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ مدینہ جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے وقتار سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی، بلکہ وہ کاشخ کیا اور فریق جمع کر کے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کی بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظماً الگ حکم برپم ہو جائے، شریعت الہی توعد کنا دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا۔

اب اس سے بعد چنانچہ وہ غیر شرعی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے آئے، مرکزی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بد نظمی سے اسٹیج ہے خون عثمانؓ کے مطالبے کا حق اول تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچنا تھا، تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر یہ مطالبہ کرنے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کی گورنر کی حیثیت میں حضرت عثمانؓ کا رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان سے تھا، شام کی گورنری ان کی رشتہ دارانہ تھی، اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کرھا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور ان پر ہتھ دھارنے کا مطالبہ کر سکتے تھے، گورنر کی حیثیت سے، اپنی کوئی حق نہ تھا کہ اس خلیفہ کے ہاتھ پر یا قاعدہ آئینی طریقہ سے رجحیت ہو چکی تھی، جس کی خلاف

کون کے زیر انتظام صوبے کے سوانا قی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیر انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیکہ جہالت قدیمہ کے طریقہ پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی حصاص کے حوالہ کر دیا جلتے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے،

موردی صاحب نے غائباً رجحان طبعی سے مجبور ہو کر واقعات ثابتہ سے ہتھکیں بند کر لیں اور صورت حال کا ایک ذہنی نقشہ مرتب کر لیا، چنانچہ اس کے مطابق جو عمارت ٹھہری کی اس کی ایک ایک خشت رگج۔ رکھی یوں وہ اپنی بنائی ہوئی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں اور صلواتناصلوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو۔

۱- ان کے فرعونیت میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ راشد و مرشد حضرت عثمانؓ صلوٰۃ اللہ علیہ کے قتل کو جمہوری آدمی کا قتل سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ مقتول کے وارث یا قاعدہ عدالت میں بقصاص کا مطالبہ کرتے لیکن مطالبہ کیا ایک طرف توام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ نے شام کے گورنر ہونے کی حیثیت سے حالانکہ وہ شام کی گورنری ان کی رشتہ دارانہ تھی، موردی صاحب ذرا سمجھتے کام لیتے اور دیکھتے کہ امام مظلوم کا یہ قتل ایک فرد کا قتل نہیں تھا، تلخ و عواقب کے اعتبار سے پوری امت کا قتل تھا یعنی اس جہتاً اقدام نے سیاسیات اسلام میں وہ تباہ کن سلسلہ شروع کر دیا جس سے فقہوں کے دستاورد کھن گئے اس لئے اس قدر ضرورت تھی اور امت کے اصحاب الماتے لہذا جب تھا کہ باقی ملوایوں کی اس فتنہ پرورد تحریک کا قلع قمع کریں اور اس ملعون عنصر سے امت کو نجات دلایں کیونکہ یہ معاملہ تو اس وقت عالم اسلام کے سیاسی مستقبل کا معاملہ بن گیا تھا۔

۲- یہ کس نے کہا کہ خون عثمانؓ کے قذاص کا معاملہ حضرت علیؑ کے سامنے باقاعدہ پیش نہیں کیا گیا سب جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ اہتمام سے پیش کیا گیا، لیکن حضرت علیؑ نے قذاص لینے سے انکار کیا، اور معذرتی ظاہر کی، کیونکہ یہی قائل تھان کہ گورنر پیش

تھے ان کی حکومت کے کرتا دھرتا بنے ہوئے تھے خود ان کے ماخذ البدایہ والنبیایہ ج ۲ ص ۲۷۷ میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما دیگر صحابہ کرام نے قصاص خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے جانے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استعجابی میں مطالبہ کیا، طلبہ منہ اقامتہ الحد و حد لاخذ بدم عثمان مگر انہوں نے یہ کہہ کر معدنی کا اظہار کیا کہ قاتلوں کو ہمارے مقابلہ میں قوت ہے لہذا اس وقت قصاص لینے کا امکان نہیں اسلئے لا یمکنہ ذلک یومھذا نوعدی صاحب کے دوسرے ماخذ شرح نہج البلاغۃ تیرطری میں جس کا حوالہ انہوں نے خود دیا ہے، یہ بیان ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے مطالبہ کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا تھا کہ:-

انی لست ارجع ما تعلمون ولكن  
 کیف لی بقیوۃ ما لقیتم الجحیدون  
 علی بن شکر کہ تصموا لکموفنا ولا لکم  
 لینی کی کہاں ہے اور وہ لوگ بلوائی گروہ اپنی  
 پوری قوت و شوکت پر ہے اور ہم ان پر قدرت  
 نہیں رکھتے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تو قصاص لینے کی کارروائی کی جاسکے گی، مگر دن پردن گزرتے گئے اور کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

۳۔ اگر یہ بلوائی محض قاتل ہوتے تب بھی قصاص لینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت میں ان کے نہ صرف پیش پیش ہونے بلکہ دوسروں سے بجز بیعت کروانے سے معاملات خلافت میں وہ اس طرح دخل ہو گئے کہ صورت حال انہوں نے بدل دی، نہ ہی سابق لیڈر الاشرع جس نے اس وقت کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان میں اسے بٹھا کر پوچھا تھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۸۰) وہی الاشرع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا میشر خاص بنا ہوا تھا، ان مایوس کن حالات میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے قصاص لینے کی کوئی امید نہ تھی، سب صحابہ الائتہ کی نظریں بالآخر مکہ معظمہ کی جانب

اٹھنے لگیں، جہاں ماورومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور بعض دوسری اہمات المؤمنین موجود تھیں، نیز خلفائے ثلاثہ کے صاحبزادے اور صاحبہ صحابہ حضرت طلحہ و زبیر اور مقداد صحابیات کے عثمانی گھرنے مثلاً بصرہ سے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے حضرت یعلیٰ بن امیہ کوفہ سے حضرت طلحہ بن عدیٰ اور ایک جماعت صحابہ کی مجتمع تھی نا جمع فیما خلق من مسادات الصحابہ (البدایہ ج ۲ ص ۲۳۳) مجلس مشاورت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کے دریافت کرنے پر قصاص کن سے لینا ہے عرض کیا گیا:-

انھم معرفون وانھم بطانہ  
 علی ورس وجماع اصحابہ اخبار الطول  
 یہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں یہ سب علی رضی اللہ عنہ کے  
 معتمد اور اہل ایمان کے رفقاء کے سربراہ ہیں۔

(ص ۵۲)

اس وقت قاتلوں میں کچھ مدینہ میں کچھ بصرہ و کوفہ وغیرہ میں تھے اس لئے مختلف تجویزوں زیر بحث آئیں آیا مدینہ جا کر پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا جائے یا شام میں حضرت عیاد رضی اللہ عنہ سے مدد لی جائے چونکہ مقصد مجرمین سے قصاص لینے کی سیاسی نظام اسلامی کی حرمت کے تحفظ سے تھا، اس لئے یہ دونوں تجویزیں مسترد کر دی گئیں، سابق عامل بصرہ کی تجویز پر پہلے بصرہ پھر کوفہ کا سپرد کرام بنایا گیا کہ معدنی کی سازش سے حالات کی اصلاح کی جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی حالت بے بسی پر چھوڑ دیا جائے، فتح البلید میں محمد المہلب کا یہ قول نقل ہے کہ:-

ان احداً لحد یقتل ان عائشۃ  
 ومن معھا فان عوا علیاً فی الخلا  
 ولا دعوا احد منھم لیلو لولا  
 کسی ایک محدث و موفق نے یہ روایت نقل  
 نہیں کی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اور عروذ ان کے ساتھ  
 تھے انہوں نے خلافت کے معاملہ میں علی رضی اللہ عنہ سے کوئی  
 تنازعہ کیا اور نہ انہوں نے یہ وی کیا کہ ان میں کسی

(ج ۱۳ ص ۴۱)

کو طلحہ یا زبیر رضی اللہ عنہما سے خلافت پر تقاضا کیا جائے۔  
 سو دودی صاحب کو کتب تاریخ کے مطالعہ سے اس واقعہ کا ضرور علم ہو گا کہ:-  
 ۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قوا قاتلہ محدود و ماخذ قصاص میں اس درجہ شدید تھے کہ امیر المؤمنین

یہ مشروط بیعت جو ان کے مآخذ البیادہ کے الفاظ میں اقامتہ المحمد وورالاحدی بنج  
بدن عثمان کے لئے سُرْمَس الصحابہ نے کی تھی یقیناً اسی عہد و قضا میں خون عثمان  
کو پودا کرنے اور کفانے کے لئے تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر  
بمخلمہ چوہہ سو صحابہ جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل تھے وہ سالہا سال پہلے کر چکے  
تھے، مودودی صاحب کو انکار کی غالباً حسرت نہ ہوئی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس  
خیال سے کہ قریش کی نگاہوں میں بھی حضرت عثمانؓ معزز و محترم ہیں، رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اپنے معتد رسول (سفیر) کی حیثیت سے انہیں مکہ معظمہ اسی مقصد سے  
بھیجا تھا کہ قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ ہم لڑنے نہیں رہتے عمرہ کر کے لوٹ جائیں گے کہ  
میں آنے میں مزاحم نہ ہوں، قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوئی  
کہ قتل کر دیتے گئے بقول علامہ شبلیؒ

یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے  
خون کا قصاص لینا فرض ہے بہ کہہ کر آپ نے ایک بیول کے درخت کے  
نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی تمام صحابہ نے جن میں مردو  
زن دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر  
جاں نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک متمم بالشان واقعہ ہے اس  
بیعت کا نام بیعتا الرضوان ہے۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۵۴

خبر چونکہ مصدقہ نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول شاہ ولی اللہ محدث  
دہلوی اپنے ایک دست مبارک کو دو سزے پر رکھ کر فرمایا ہلکا ہلکا دیدی و ہلکا  
دید عثمان یہ ہمارا ناقص ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ان کی جانب سے خود ہی بیعت کی اسلام  
لے لیچ کر کے علاوہ شیعوں کی مستند کتاب الروضہ (کافی کلینی ص ۱۵۱) میں بھی اس واقعہ  
کا ان الفاظ میں ذکر ہے و ضرب یا حدی دیدیہ علی الاخری لعثمان اسی  
کو بلا باقر مجاہدی نے حیات القلوب ج ۲ ص ۴۱۸ میں کلینی ہی کے حوالہ سے یوں بیان  
کیلئے :-

فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ نے جب ایرانی سردار ہرمزان کو اپنے  
والد محترم کے قتل کی سازش کے شبہ میں قتل کر دیا تھا، حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ ہرمزان  
مقتول مسلمان تھا میرے چچا عباسؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، اس کے قاتل کو قصاص میں  
قتل کیا جاتے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن مشہور رسالت کے مطابق  
ہرمزان کے فرزند کو خون بہا دے کر اس مقدمہ کو فیصلہ کر دیا تھا، لیکن بارہ برس کی طویل  
مدت گزر جانے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن اس ایرانی سردار  
ہرمزان کے قصاص کے طرہ مقدمہ کو باز نہ بند کیا اور اسے فرزند غیر عدالتی کارستانی  
شروع کرنے کے حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبید اللہؓ کو نہہ تیغ کرنے کے لئے  
گرفتار کرانا چاہا، اپنی جان بچا کر مدینہ سے دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے، ایرانی  
سردار کا قصاص لینے میں تو یہ مشرت اور حضرت عثمانؓ کے قصاص خون سے یہ غفلت ان  
کے اس طرز عمل کے نقاد و تباہی کا سبب ان کی بے بسی و مجبوری ہو گیا، وادانہ تساہل، اس  
پر گفتگو مقصود نہیں، مودودی صاحب کو جب یہ تسلیم ہے عثمانؓ جون ص ۲۶۵ کہ  
قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، ان کی فوج میں شامل تھے اور یہ ہرمزان کے  
لئے ہمدانی کا موجب بھی ہوئی اور فتنے کا موجب بھی، اسی کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ  
قتل بھی نقل کرتے ہیں (ایضاً ص ۲۶۴) کہ میں ان لوگوں (قاتلین عثمانؓ) کو کیسے پکڑوں  
جو اس وقت ہم پر قابو بیا فتنہ ہیں، صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں یا وجود مطالبہ  
قصاص کے ان لوگوں سے جو قابو بیا فتنہ تھے اور سیاست وقتی میں دخل ہو گئے تھے قصاص  
کیسے لیا جاتا بقولے کہ :-

وہی قاتل وہی حاکم وہی مصنف ٹھہرے : اقرابیرے کہیں خون کا دعویٰ کس پر  
۵۔ البیادہ و طبری وغیرہ کے حوالہ سے مودودی صاحب خود ہی فرماتے ہیں  
بد حضرت طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے صحابہ کے ساتھ ان سے  
(حضرت علیؓ سے) صلہ اندک کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے  
بیعت کی ہے، آپ اب ان لوگوں (یعنی قاتلوں) سے قصاص لیتے

حضرت رسول خدا یک دست خود بردست دیگر زد و بے عثمان بیعت کرد

اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح کی یہ آیتیں نازل فرمائیں:-

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا  
يُبَايَعُواكَ فَكَلِمًا  
صَالِحًا يَلْوِيهِمْ (الأنفال)

یعنی اللہ اسی ہوا ان مومنین سے جب کہ وہ  
دست کے نیچے تم سے (اے رسول) بیعت کر رہے  
تھے اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیلے  
اللہ پاک کا یہ ارشاد دیکھا اس کے محبوب رسول کا اپنے مقدس ہاتھ کو عثمان  
کا توڑ دینا ایسی لانا ہی خوش سخی و فضیلت حضرت عثمان کی ہوتی جو کسی دوسرے کو نصیب  
نہ ہوتی

دست اور دست نبی دست نبی خدا دست حق پاشد ازین حضرت عثمان رضی  
پھر اسی سورہ فتح کی یہ آیتوں میں رسول خدا سے بیعت کرنے والوں کو خدا  
سے بیعت کرنے والا توڑ دیکر عہد توڑنے والے کو اس کے خانی نقصان کی اور عہد پورا  
کرنے والے کو جو عظیم کی خبر دی گئی اور فرمایا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا  
يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ  
فَمَنْ فُكِّتْ يَدُهُ فَانْكُثْ عَلَىٰ نَفْسِهِ  
وَمَنْ أَدْرَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ  
فَیَسْؤُهُ أَجْرٌ عَظِيمًا

جو دگ تم سے (اے رسول) بیعت کرتے ہیں وہ  
خدا سے بیعت کرتے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں  
پر ہے پھر جو عہد توڑے تو عہد توڑنے کا  
نقدان اسی کی ذات کہ ہے اور جو اس بات کو  
جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو  
وہ اس کو عظیم اجر عظیم دے گا۔

خدا نے عظیم و خیر میری کے علم میں تھا کہ قصاص عثمان کی جو بیعت لی جا رہی ہے وہ  
اس موقع کی نہیں کہ عثمان زندہ بچ آئیں گے بلکہ زندہ اندرون ناک موقع ہی ہے، جب  
سب آیتوں کی منظم سازش سے حضرت عثمان خلیفہ وقت کی حیثیت میں اس شخصیت کی اللہ  
علیہ وسلم کے ان دو حکموں کی تعبیر کرتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے مقتول ہوئے گئے

ایک یہ کہ عثمان جو قمیص (عبائے خلافت) اللہ نہیں پہناتے، اسے لوگوں کے مطالبہ  
پرین سے نہ آتا، نہ دوسرے یہ کہ "خبر دار با مسلمان کی تلمذ کسی مسلمان کے خلاف پیام  
سے نہ نکلے" یہ تھے وہ حالات و محرکات طلب و قصاص کے نہ کہ کوئی وقتی و سیاسی غرض  
مصلحت جیسا مورودی صاحب نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت طلحہ و زبیر اور  
ردس الصغیر جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اپنے اس عہد کو جمانہوں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اللہ سے کیا تھا پورا کرنے اور کرانے اور منصب  
خلافت کی حرمت کے تحفظ کے لئے اٹھے تھے، رہے حضرت علیؑ تو وہ اپنے حالات کے لحاظ  
سے قصاص لینے سے معذور تھے اور قاتلین عثمان اور بلوا اہل کی قوت سے اپنی خلافت  
کے استحکام کے نظرا میں رہے، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی یہ مقالات سے  
(علی رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بکھمت اسلام (انالہ المطاوع اص ۲۷۷)  
۶۔ سب آیتوں نے اپنی عاقبت اسی میں دیکھی کہ کارگذار و تجویہ کار عمل عہد  
عثمانی خصوصاً حضرت معاویہ کو جن سے انہیں زیادہ خطرہ تھا ہر طرف کرادیں حضرت  
علیؑ کے مخلص اصحاب الراضی کی انہوں نے ایک نہ چلنے دی حضرت علیؑ کی بیعت بھی  
ادھوری ہی تھی، انصاف امت یا اس سے زیادہ نے بیعت نہیں کی تھی اور قریہ بہ قریہ  
مسلمانوں کے قلوب امام مظلوم کے اس طرح ذبح کرتے جانے سے مجروح و متالم تھے کہ  
انہوں نے بلو اتیوں سے مورودی صاحب کے ما خدا البدایہ کی روایت کے مطابق یہ فرما  
کر کہ قسم بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میرے بعد تم میں باہمی مودت رہے گی نہ کبھی تم  
سب اکٹھے نازا دار کر کے اور نہ سب اکٹھے ہو کر پھر کبھی دشمنوں سے مقابلہ کر سکرے۔  
وَاللَّهِ لَنْ تَقْتُلُوهُ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ وَالْأَهْلَ جَمِيعًا بَدَأُوا وَلَا تَقَاتَلُوا  
بعدی عدل و جامعاً (ج ۷ ص ۱۸۰) اور اپنے عزیز بل و عامیوں کو عدم تشدد  
کا قطعی حکم دے کر اسی مبارک ہاتھوں میں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ  
فرمایا تھا، قرآن تراویح عقاب کرنا روایت میں مشغول ہو گئے، قابل جمعیتوں نے اسی ہاتھ کو  
مجروح کر کے پشانی مبارک پر ضرب لگائی، خون پاک کا فوارہ چھوٹ کر چند قطرے قرآن

مجید کی سورۃ البقرہ کی اس آیت پر پڑھے نَفِیْکُمْ اِنَّہٗ وَہُوَ التَّوْحِیْدُ اَلْحَلِیْمُ صحابہ کرام نے اس آیت کے مضمون کو منتظم حقیقی کا تقدیری اشارہ سمجھا یعنی خدا کی ذات تم کو کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے جلد ہی تمہارے قاتلوں اور دشمنوں سے نمٹ لے گا چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے چن چن کر قاتلوں سے بدلہ لے لیا۔

موصوفی صاحب کا دعویٰ ہے کہ سوائے شام کے باقی تمام ممالک میں بیعت کی تکمیل ہوئی تھی، اس تصور کی غلطی ہم پچھلے اوراق میں ثابت کر چکے کہ صحابہ کرام امدت کی اکثریت اگر اس خلافت کی اتنی حیثیت تسلیم کر چکی ہوتی تو حضرت علیؑ کے تمام اقدامات میں ان کا ساتھ دیتی، مگر اس بھاری اکثریت نے ساتھ دینے نیز قتال و جدال سے اجراز کیا، یہ ان بزدلوں کی (من کو شئی تھی) وہ چاہتے تھے کہ حالات معمول پر آجائیں اور قتال کبھی فرار نہ ہونے۔

صحابہ کرام کی یہ کسی ابن پندی تھی اور اس وجہ ان کی تعمیری ذہنیت تھی جب مختلف عاملوں کو برطانی کے فرمان پہنچے تو بے مائل الگ ہو گئے، وہ ان کی یہ حیثیت تھی کہ ہر جگہ علم و نفاذت بلند کر سکتے تھے، صرف ایک حضرت معاویہ رضوان اللہ علیہ تھے جنہوں نے بیعت سے انکار کیا تھا مگر اس طرح کہ حضرت علیؑ کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ انہیں اطمینان تھا کہ حضرت ام المومنین جن کے ساتھ کارہ صحابہ کے علاوہ ہر طرف شہہ والی تھی ان کی مساعی کامیاب ہو جائیں گی اور امت بخایہ جنگی سے بچ جائے گی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے بیعت الرضوان کے تحت اپنی ذمہ داری سمجھی اور امت کی ماں ہونے کا یہ تقاضا جانا کہ

امت کی اصلاح کے لئے کھڑی ہوں، آپ کے گرد تمام وہ صحابہ و دیگر حضرات جمع ہو گئے جنہیں صورت حال اندوہناک معلوم ہوتی تھی اور جو اپنی یہ حیثیت پہناتے تھے کہ راتے عامہ کی ذمہ داری کے امت کو اس نابکار ٹولی سے نجات دلا سکیں گے۔

اس تحریک کے لئے مکہ اب موزوں جگہ نہ تھی، کیونکہ حاجیوں سے یہ شہر خالی ہو چکا تھا اس لئے بصرہ جو بڑی گائی، کیونکہ سبائتہ کا وہ بھی ایک مرکز تھا اور وہاں کی بھی ایک ٹولی قاتلوں

میں شامل تھی، ان حضرات نے یہ سوچا اور بالکل صحیح کہ اگر وہاں کی راتے عامہ کو وہ اختیار کر کے تو سبائتہ کا ایک مرکز ٹوٹ جائے گا اور اس کے بعد کوفہ کی ٹولی کی نوبت آئے گی۔

تمام اہل سیراں اور پرستق ہیں کہ ام المومنین نے بصرہ کے باہر قیام فرمایا، کیونکہ آپ وہاں کے نظم و نسق میں اختلاف پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی اور یہاں جب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے تقریر کا سلسلہ شروع کیا تو ایک بڑی جماعت آپ نے ساتھ ہو گئی اور وہی صاحب بھی اس سے مستفق ہیں (جمن ص ۲۶۴)

حضرت عبداللہ بن عامر کی جگہ اب حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے والی عثمان بن حنیف تھے انہوں نے صحابہ سے شہہ کیا کہ اس وقت کیا موقف اختیار کریں، عثمان بن حنیف اور شام بن عامر انصاری نے شہہ دیا کہ بالکل خاموشی اختیار کی جائے (طبری ۵: ۱۴۰، ۱۴۱) منقول از العوام ص ۱۵۲، لیکن انہوں نے یہ شہہ قبول نہیں کیا اور ان کے خلاف علیؑ کا ردوائی کرنے پر تیار ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بصرہ میں اختلاف پڑ گیا اور جو اختلاف اب تک نظری تھا وہ عملی بن گیا، بہت سے لوگ حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کچھ لوگوں نے عثمان بن حنیف کا ساتھ دیا اب بھی بات بگڑی نہ تھی مگر عثمان بن حنیف نے اصحابِ جمل پر حملہ کر دیا، اور اس طرح تعمیری کام میں صورت خرابی کی پیدا ہو گئی (طبری ۵: ۱۴۵) منقول از العوام ص ۱۵۵، اصحابِ جمل اپنی مدافعتانہ جنگ میں کامیاب ہوئے اور بصرہ پر ان کا قبضہ ہو گیا، خود بصریوں نے عثمان بن حنیف کو پکڑ کے ان کی دائرہ ترویج کی، لیکن اصحابِ جمل نے انہیں چھڑا لیا اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے (طبری ۵: ص ۱۴۵) منقول از العوام ص ۱۵۶

پھر حال بصرہ پر اصحابِ جمل کا قبضہ ہو جانے کے باوجود سبائتہوں کا سرغنہ حکیم بن جبیلہ خاموش نہیں ہوا بلکہ اپنی فساد انگیزی پر قائم رہا، چنانچہ اس نے علانہ حضرت ام المومنین کی اسلوات ادب کا ارتکاب کیا، جس پر ایک خاتون نے اسے دانٹا کہ گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے، اس نے برا زور ختم ہو کر اس عقیقہ کو قتل کر دیا، اس کی اس حرکت سے آگ لگ گئی، حکیم کے تین سوادھی اس کی حمایت کرتے اور یوں دوبارہ جنگ چھڑی

تا آنکہ یہ لوگ قتل کر دتے گئے اب اصحابِ جبل کی طرف سے اعلان ہوا کہ جتنے لوگوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی ان میں سے جو شخص بھی یہاں ہوا سے لایا جاتے، بصرہ کے لوگ ان لوگوں کی حرکتوں سے اتنے مشتعل تھے کہ ان میں سے ایک ایک آدمی کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا جاتا اور مقتضاً قتل کر دیا جانا (طبری ۵: ص ۱۸۰)

حضرت علیؑ مدینہ سے بصرہ تشریف لے آئے تو سابقہ کی بھی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ آئی، یہاں آکر صحیح صورت حال معلوم ہوئی اور بجائے جنگ چھڑنے کے اہم اہم تقسیم کا سلسلہ شروع ہو گیا، جناب کبیر حضرت قعقاع بن عمروؓ کی کوشش سے سب خلط جمیاں سف ہو گئیں اور یقین اس پر متحد ہو گئے کہ تا ملان عثمانؓ کو صفوں سے نکال دیا جائے اور عدو کو فریق بل کر ان کی سرکوبی کریں، اس اتفاق حادثا کی فضا نہ کہ مزید مستحکم کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحابِ جبل کے پاس بھیج دیا اور حضرت طلحہؓ نے اپنے فرزند سیدہ کو حضرت علیؑ کے پاس، ابن کثیر البدریہ والنہدیہ میں لکھے ہیں

(۵: ۲۲۶) (طبری ۵: ۲۲۶-۲۳۰) و مہاج السنہ (۲: ۱۸۵، ۲۲۵، ۲۳۱)

سب کے دل مطمئن ہو گئے اور ارا گیا اور دونوں فریق اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ٹھہر گئے جب رات ہوئی تو حضرت علیؑ نے (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحابِ جبل کے پاس بھیج دیا اور ان حضرات نے حضرت محمد بن طلحہؓ کو اور حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا اور ایک سب علیؑ کی طرف جھک گئے اور رات کو ایسی عین کی نیند ہوئی کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور کبھی نہیں بیدار ہوئے (حضرت عثمانؓ کے بارے میں فتنہ کھڑا کیا تھا ان کی نیند جرم ہو گئی اور سرت سارنے نظر آئی ساری رات یہ لوگ مشرے کرتے رہے تا آنکہ غیر طلحہؓ چھڑنے پر انہوں نے اتفاق

مطابقت ان نفوس و سکت و جمع کل فریق با عمالہ من الجیشین نینا امسوا بعت علی بن عبد اللہ بن الحباس الیہم و العتو محمد بن طلحہ السجاءالی علی و عو خا جمیعا علی الصبح و یانوا بخیار لیلئے لم یستوا یشھوا لقا نیرات الذین اتاسوا ہر عثمان بشر امینۃ با تو اھا قتل اشرفوا علی الھلکۃ و جعلوا یتشاردون لیلتھم کلھا حتی اجتمعوا علی

انشاب المحارب فی السنۃ و السنۃ بدلت حشیہ ان یغلن بمالھا ولوا من الشتر فعد و امح اعلس صا لیتھم بھم حیدر الھم سوا الی ذلک الامرا سلا

کر ل اس چیز کو سب سے پوشیدہ رکھا کہ ہمیں لوگوں کو اس ناپاک گٹھ جوڑی ہوانہ لگ جائے چنانچہ مدینہ آدھیرے یہ لگ اٹھ گئے کہ ان کے پڑوسی نہیں ہیں ان کے اور پڑوسی ہو چکے کہ انھوں نے ان کے پڑوسی کی جگہ پر چل چکے کہ انھوں نے ان سے حضرت علیؑ کی طرف سے غدنگھا اور حضرت علیؑ نے اصحابِ جبل کی طرف سے یوں غدنگھا چھڑ گئی۔

حضرت معاویہؓ اس تمام عرصہ میں بالکل خاموش رہے، حضرت علیؑ کی مخالفت کا ادنیٰ خیال بھی ہونا ان کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی زبردست فوجیں لے آئے حضرت علیؑ کو ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہتا، لیکن حضرت معاویہؓ اصحابِ جبل کا مقصد فساد نہیں تھا وہ تو یوں انداز میں امت کو اس تخریبی تحریک سے جو بلو تھیں نے پیدا کی تھی نجات دلانا چاہتے تھے جنگِ جبل سے پہلے جو فضا قائم ہو گئی تھی، وہ اگر بارود جوتی یعنی دونوں لشکر الگ الگ پڑے رہنے کے بجائے یکجا ہو گئے ہوتے تو سب امیوں کو غلامی کا موقع نہ ملتا اور امت کی تازگی بدل جاتی مگر جو ہونا تھا ہو گیا۔

کاش سو صدی صاحبِ تصنیف سے بالا ہو گیا امام ابوحنیفہؒ اور کبار صحابہ کے موقف اور علیؑ اقتدار کی صحیح نوعیت معلوم کرتے اور دشمنان صحابہ کی وضعی رھائیوں پر توجہ کرنے کے بجائے ولایت و امانت سے واقعات کا تجزیہ کرتے تو کیوں اس مصیبت میں مبتلا ہوئے کہ جس مال کے تقصیر کے نتیجے میں جنت ہے اسے وہ کھلیے جاہلیت کا پروردگاری اور سبائی گولی کی غلامی سے لڑائی چھڑ جانے کے نتیجے میں امت کی اس ماں کو شگت خوردہ فریق کی اصل قائد کبیر خوشی سے بھلیں بجائیں یہ تصور وہودی صاحب کا بہت سے علیؑ ہے کہ مقتصد و محقق قاتلوں سے قصاص لینا تھا یا حضرت علیؑ کی خلافت ناگزیر تھی یا اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ قول محدث المہلب کا صحیح نقل کیا ہے۔

ان احداً لم یقبل ان عاشره  
 ومن معهما فان عوا علیاً فی الخلافه  
 ولادعوا احد منهم لیر لواء  
 الخلافه۔  
 (ج ۱۳، ص ۴۱)

یہ سب تصورات صحابہ کرام کے دشمنوں نے قائم کئے ہیں جن کا اعادہ مودودی جتنا  
 نے ابو مخنف وغیر سبائی راویوں کے سہارے کیا ہے وہاں تو مقصود یہ تھا کہ قصاص لے  
 کر آئندہ کے لئے سبب باریک کر دیا جائے کہ آفاقی لوگ نظام سیاسی پر اس طرح حادی ہو سکیں  
 اور اسباب حل و عقد کے بجائے نظم مملکت میں اس طرح من مانی کرنے لگیں کہ خلافت  
 اسلامیہ ان کے مقاصد سلفیہ کی تابع ہو جائے۔

**غلط تصور**  
 مودودی صاحب نے ایک ایسا پاک تصویر قائم کیا ہے اور طبقاً  
 ابن سعد پر نیکہ کر کے اپنی ہوا سے نفس کے سخت اسے صحیح باور  
 کر لیا کہ جمہوری سادات حضرت ام المومنین کے ساتھ تھے، مثلاً حضرت سعید بن العاص حضرت  
 مروان بن الحکم اور عبداللہ بن عامر وہ منافقانہ اس گروہ باصفائیں شامل ہوتے تھے ان کا  
 دل یہ چاہتا تھا کہ حضرت طلحہ و حضرت زبیر اور دوسرے صحابہ کرام کو قتل کر دیں چونکہ مودودی  
 صاحب کے دل ان اموی صحابہ اور اموی سادات کرام کی طرف سے صاف نہیں ان کے  
 متعلق ہر قسم کی روایت قبول کرنے پر تیار رہتے ہیں اس لئے انہوں نے یہ دہائی ادبے سر پر  
 روایت قبول کر لی جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عامر اموی جو عہد عثمانی کے آخر تک حالی دیکھتے تھے اور عثمان بن  
 عینف کے آنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے تھے انہوں نے ام المومنین سے عرض  
 کیا تھا کہ مرکز بنانے کے لئے بصرہ مقرر ہے (الحرم ص ۱۳۸) اور واقعی وہ موزوں  
 ثابت ہوا اور وہاں کے ہزاروں لوگ ام المومنین کے ساتھ ہو گئے، اب مودودی جتنا فرماتے  
 ہیں کہ سعید بن العاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا جو اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا

چاہتے ہو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں پھر اس قتل  
 کی توضیح میں فرماتے ہیں (ص ۱۲۸)

اس کا (یعنی حضرت سعید کا) اشارہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ بزرگوں  
 کی طرف تھا کیونکہ نئی امید کا عام خیال یہ تھا کہ قاتلین عثمان صرف وہی  
 نہیں ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا بلکہ وہ سب لوگ جنہوں نے وقتاً فوقتاً  
 حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر اعتراض کئے تھے اسے سب لوگ بھی قاتلین  
 عثمان ہی ہیں جو شوش کے وقت مدینہ میں موجود تھے، مگر قتل عثمانؓ کے  
 روکنے کے لئے نہ لڑے۔

مروان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہ و زبیر اور علیؓ) کو ایک دوسرے  
 سے لڑا میں گئے، دو وفد میں سے جس کو بھی شکست ہوئی وہ تو یوں ختم ہو  
 جائے گا اور فتح یاب ہو گا وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم باسانی اس سے منٹ  
 لیں گے اس طرح ان مناصر کو تھے ہوتے یہ قافلہ بصرے پہنچا اور اس نے عراق  
 سے اپنے ہزار ہا حاسوں کی ایک فوج اکٹھی کر لی۔

مودودی صاحب نے وضعی روایتوں سے یہ خیالی نقشہ تو مرتب فرمایا اور وہ تو  
 بزرگوں کی حقیقہ گفتگو بھی سن لی، مگر اتنا اندازہ تو ہر شخص لگا سکتا ہے کہ ان راویوں کو یہ خبیثہ  
 گفتگو جب معلوم ہو گئی تھی تو ام المومنین اور حضرت طلحہ وغیرہ ہمارے کو بھی ضرور معلوم ہو گئی  
 ہو گی پھر انہوں نے اس کا کیا اثر لیا، اور بنو امیہ سے کیا معاملہ رکھا اور کیوں یہ حضرات ان  
 کی غداری جانتے ہوتے ان کے کہنے میں آگئے۔

مودودی صاحب نے یہ روایت لے کر اس کی توجیہ کر کے ثابت کر دیا کہ اموی  
 سادات کا مذکورہ کرتے ہوئے وہ عدل اور عقل سے کام نہیں لے سکتے، کیا انہیں معلوم نہیں  
 کہ حضرت سعید بن العاص حضرت مروان رضی اللہ عنہما خود مدینہ میں موجود تھے اور اس  
 گروہ میں شامل جو امیر المومنین عثمانؓ صلوات اللہ علیہ کی حفاظت کئے تھے گھر کے اندر اور باہر  
 موجود تھا اسی گروہ میں حضرت محمد بن طلحہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر مدفون بھی تھے اس دن

حضرت محمدؐ کا رجز تھا۔

اذا بن من حامی علیہ باحد ورسا احزابا علی رعم معدا  
 یں اس کا بیٹا ہوں جس نے ان کی حفاظت احد کے دن کی تھی اور کافروں کے  
 لشکروں کو معد کے علی الرعم بھگا دیا تھا، معد قریش کے جدا علی بن ابی طالب اور علیہؑ میں ضمیر  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، گویا حضرت محمدؐ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی حفاظت  
 ایسی ہی تھی جیسے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن الزبیرؓ کو جو عقیدت امیر المؤمنین عثمانؓ سے تھی اس کا تو کہنا ہی کیا، ان کی  
 یہ عقیدت اس وقت بھی قائم تھی جب انہوں نے امیر المؤمنین زبیرؓ کی بیعت سے انکار کیا  
 اور امیر المؤمنین عبد اللہؓ سے ان کی لڑائیاں ہوئیں، نجدہ حردی کے سامنے حضرت عثمانؓ  
 کے فضائل پر جو انہوں نے تقریر کی تھی وہ کتابوں میں موجود ہے، مودودی صاحب نے غالباً  
 پڑھی ہوگی۔

العاصم میں ہے (ص ۳۲)

وقد روی عبد الله بن عاصم  
 بن ربيعة قال كنت مع عثمان في  
 الدار فقال اعز علي كل من راى  
 ان عليه سمعا و فطاعة الا كفت  
 يده و سلاحه ثم قال ثم با ابن  
 عمي و علي بن عمر سيفه متقلبا  
 فاخبر به الناس فخرج ابن عمي  
 و الحسن بن علي  
 عبد اللہ بن عامر بن ربیع فرماتے ہیں: میں اس  
 دن (حضرت عثمانؓ کے ساتھ گھر میں موجود تھا آپ نے  
 فرمایا جو شخص اپنے اوپر میری بات سنی اور اطاعت  
 کرتی واجب سمجھتا ہے میں اس سے پوری قوم کے ساتھ  
 ہاتھ ہوں کیا بنا ہوا تھا ہاں ہاں سمیٹا رکھے پھر آپ نے  
 فرمایا: ابن عمرؓ نے ان کو تاروں کو تاروں (حضرت  
 ابن عمرؓ اس وقت تلوار لگاتے ہوئے تھے چاہا انہوں  
 نے نکل کر لڑنے کو اطلاع دیدی، نتیجہ میں ابن عمرؓ اور  
 حسن بن علیؓ نکل آئے۔

سب سے آخر میں عبد اللہ بن الزبیرؓ نکلے تھے کیونکہ امیر المؤمنین جب شہادت کے لئے  
 تیار ہو گئے تو آپ نے اپنی خیر بری وصیت حضرت عبد اللہؓ کی ہاتھ حضرت زبیرؓ کو بھیجی تھی

گویا حضرت زبیرؓ امیر المؤمنین کے دسی تھے اور آپ نے ان کے مال اور اولاد کی حفاظت و  
 پرورش اپنے ذمہ لی تھی اور آپ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان سب امور کے  
 عینی شاہد حضرت مروانؓ و حضرت سعیدؓ تھے، تو ان امور کی موجودگی میں حضرت سعیدؓ اور  
 حضرت مروانؓ کے مابین وہ ناپاک گفتگو کیے ہو سکتی تھی جو مودودی صاحب نے نقل کی  
 ہے اور تمام امور کا عینی شاہد ہونے والا کوئی شخص یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت  
 زبیرؓ اور ہاجرین و انصار نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مدافعت کرنے کی ضرورت  
 نہیں سمجھی انہوں نے دین و ملحہ سائیموں کی طرح آپ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے انہیں  
 کہ اموی سادات کی عناد میں مودودی صاحب کو یہ خیال نہیں رہتا کہ ان کی مزعوم  
 کی زندگی کہاں کہاں پڑتی ہے، ان کا یہ قول قطعاً باطل ہے کہ ام المؤمنینؓ کے ساتھیوں  
 میں کچھ حضرات ایسے تھے جو اصحابِ جمل اور حضرت علیؓ کو لڑنا چاہتے تھے، اگر ایسا ہوتا  
 تو پھر وہ صلح ہی کیوں ہوتی، تمام تاریخیں متفق ہیں کہ صلح ہوئی، مگر یہی سبب تھی  
 جنہوں نے اصحابِ جمل پر اندھیرے میں حملہ کیا، اموی سادات جو طالبانِ فضاہ تھے۔  
 سب ام المؤمنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ ہے اور جان کی بازی لگاتے رہے۔

**قاتل طلحہؓ** حضرت مروانؓ پر مودودی صاحب نے حضرت طلحہؓ کے قتل کا بہتان  
 باندھا ہے اور صفحہ ۱۳ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:-

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے  
 کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل مروانؓ ہے، البتہ میں علامہ ابن کثیر نے بھی مشہور  
 روایت اسی کو مانا ہے (ج ۷ ص ۲۴۷)

ابن کثیر کے بارے میں مودودی صاحب کی یہ صورتی غلط بیانی ہے کیونکہ البتہ کے صفحہ  
 ۲۴۱ پر انہوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ کسی انجان شخص کا بھینکا ہوا تیرہ سہم شرب جنگ  
 کے دوران حضرت طلحہؓ کے گھر لگا تھا، پھر یہ کہہ کر کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تیر مروان بن الحکم نے  
 مال اللہ اور اللہ اعلم کہ جس کا اظہار بھی کر دیا ہے، لیکن مودودی صاحب نے جس صفحہ  
 کا حوالہ دیا ہے اس پر تو قتل کے ساتھ صاف لکھ دیا ہے کہ ان الذین رہا عنہم



وہذا عندی اقرب یعنی حضرت طلحہؓ کے جس نے تیرا لہ ان کے (حضرت مروانؓ) کے سوا کسی تھا اور یہ بات میرے نزدیک زیادہ قریب صحت ہے، اس درجہ حرمت کے بعد مشہور روایت پر اظہارِ شہدہ و ائدنا علم بھی لکھ دیا ہے، مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کثیرے مشہور روایت اس کو مانا ہے، یہ کیا اختلاف ہے حق و غلط بیانی نہیں رہے ابن عبدالبر کے ثقافت تو الاستیعاب (ج ۱ ص ۲۰۷) پر جس کا حالہ مودودی صاحب نے دیا ہے جن ثقہ راویوں کی سند سے حضرت مروانؓ پر جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ کے تیرا کرنے کی وضعی روایتیں لکھی ہیں، ان میں ایک صاحب تو عبدالسلام بن صالح ہیں جنہیں امام ذہبی نے کثیر شیعہ شیعی جلد لکھا ہے، العقلمی نے رافضی خبیث کہا ہے ابن عدی نے مستم کذب نسائی نے غیر ثقہ اور الدار قطنی نے فرمایا ہے کہ یہ خبیث رافضی حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور کتبنا کتب اللعلویۃ حیو من بنی امیۃ یعنی علوی لوگوں کے کتے بھی بنی امیہ سے اچھے ہوتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۳۲) اسی قماش کے اور بھی راوی ہیں تو ان کی ثقافت کا کیا اعتبار، مودودی صاحب کہ جب یہ آزار ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر یہ حضرت علیؓ کی فوج میں وہ قائلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہوگی تو ہماری خیر نہیں (شمارہ جون ص ۲۶۵) سنا ہے اس کا بھی آزار ہے کہ حضرت طلحہؓ وزیر عثمانؓ کے طالب تھے ان حالات میں اموی سادات کے بغض و عناد سے وہ اگر بالاتر ہو کر خود فرماتے تو واضح ہو جاتا کہ جو لوگ قصاص عثمانؓ کے بارے میں مصالحت ہو جانے سے اپنی خیر نہیں سمجھتے تھے، انہوں نے ہی ان دونوں طالبانِ قصاص طلحہؓ کو زیرِ برہہ کو قتل کرنے میں اپنی عافیت سمجھی تھی، حضرت مروانؓ پر قتلِ طلحہؓ کا بہتان عاید کرنے سے بھی ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب اموی سادات کے بارے میں اپنے طبعی رجحان سے عدل و انصاف نہیں کر سکتے۔

## موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب کے طنز و تعریف کا سب سے زیادہ نشانہ امیر المومنین حضرت

معاویہؓ کی عدیم النظیر شخصیت ہے حالانکہ اصحاب کلام کے نزدیک وہ معیاری حکمران اور ان کے متفق علیہ امام تھے ان کی امامت پر صحابہ نے بالکل اسی طرح اجماع کیا تھا جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اور ان کی خلافت کو استثنائی حیثیت سے وہ بالکل وہی درجہ دیتے تھے جو پہلے تینوں خلفاء کا تھا، مودودی صاحب یا کوئی دوسرا شخص صحیح اور مستند حوالوں سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام نے ان کی اولیٰ تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی فرق کیا اور اگر بھی سکتے تھے کیسے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے۔  
(صحیح بخاری و مسلم)

عن ابی ہریرہؓ رضی اللہ عنہ  
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
قال کانت بنو اسرائیل تسوہم  
الانبیاء کلما هزلت نبی  
خلفہ نبی وانہ لانی بعدی  
فیسکون خلفاء فیکثرون قالوا  
فما قاموا قال فوالبعیۃ الاول  
فالاول اعطیہم حقہم فان  
اللہ سائلہم عما استرعاهم  
(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے  
انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا ہے کہ  
فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کی سیست ان کے انبیاء  
کے ہاتھ میں تھی جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو ان  
کی جگہ دوسرا قائم ہو جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی  
ہنیں، اللہ خلفاء ہوں گے اور میرے بعد کوئی نبی  
نے عرض کیا یہ ہمارے لئے کیا حکم ہے، فرمایا جو پہلے  
آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق  
ادا کرتے ہو، اللہ تعالیٰ ان کی رعایت کے بارے میں  
ان سے خود باز پرس فرمائے والا ہے۔ (متفق علیہ)

گویا خلفاء کی تعداد دو جا سکی نہیں ہے، جبکہ اپنے آپ کو صحابہ کلام سے زیادہ عقلمندانہ اور ان سے زیادہ دین کی سمجھ کا زعم رکھنے والے بر خود غلط لوگوں کا خیال ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ کرتے وقت صرف تیس برس کے لئے وعدہ کیا تھا اور نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ وضعی حدیث میں کہا گیا ہے، جس کی نقلی ہماری پہلی کتاب میں کھول دی گئی ہے، بلکہ آپ نے صراحت فرمادی کہ جب فتنے پیا ہوں اور امت کے اندر غلط عقائد و لغزوات پھیلانے والے لوگ پیدا ہونے لگیں تو اس وقت

اہل حق کی نجات صرف اس میں ہوگی کہ جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہیں (بخاری و مسلم) جو شخص یا گروہ اس نظام خلافت سے ہٹ کر فرقہ بندی کی کوشش کرے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت کی راہ کے علاوہ کوئی راہ تلاش کرنا چاہے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا (السنن ۱۱) اور جو شخص جماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے ہوگا وہ اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرے گا۔

صحیح مسلم باب حکم فزق امر المسلمین ہجو مجتمع ص ۳۷ ج ۲ طبع مصر

عن عبد ریحہ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اتاكم وراکم جمع علی رجل واحد یرید ان یشیق عظامکم او یفرق جماعتکم فاقتلوا

حضرت عرفہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے آئے اور تمہارا لیا کی نظام کسی ایک شخص پر جماعت سے قائم ہو چکا ہو اور وہ چاہے کہ تمہاری حکومت میں اختلال پیدا کرے یا تمہاری جماعت میں تفرق ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔

اسی کوئی ایک دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ بیسیوں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی خلافت کا نظام صدیوں تک قائم رہے گا اور یہ کہ وہ نظام حق ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہم ابتدائی اوراق میں کافی روشنی بحث کر چکے ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب نے خلافت و ملکیت کا فرق قائم کر کے اس نظام کو باطل کہا ہے جو امیر المؤمنین حضرت مخدوم کے عہد مبارک سے امت میں رائج ہوا اور جماعت صحابہ کرام سے جس کی بنیاد رکھی گئی اس طرح وہ سمجھ لیں کہ کہاں گھڑے ہیں۔

اب ہم اس سے بڑے اعتراض پر آتے ہیں جو مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ سے سلسلے میں امیر المؤمنین عثمانؓ پر عیاں کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی شام کا دہائی بنا کر وہ اصل اموی خلافت کا ڈول ڈالا تھا اور ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کے گروہوں کا قبضہ ہو جائے۔

فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۵۳)

انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶ سال مامور رکھا حالانکہ حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً بدل بدل کرتے رہتے تھے اور یہی تدبیر کا تقاضا ہی تھا، مگر حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے اسے ملحوظ نہ رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے، حضرت عثمانؓ نے انہوں سے سرحد روم تک اور بحر ہند سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۲۷ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا، یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔

شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت کی بڑی اہم جگہ حیثیت کا علاوہ تھا، اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے یعنی اس طرح حال تھا کہ ان کے گورنر روم سے منحرف ہو جاتے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بانٹ لیا کرتے تھے، حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت رکھے تھے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

مودودی صاحب نے یہاں ایسی تبلیغ سے کام لیا ہے جس کی بنیاد علیؓ کی ہے ان کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ نے عہد فاسق میں چار سال تک صرف دمشق کے دہائی رہے، گویا ان کے نزدیک صرف دمشق ہی کا تھا، یہ منفق ایسی ہے جسے حلیف بنیاد اور شاہ دہلی کی درجہ اصطلاح کا مطلب یہ نکالاجائے کہ ان کی حکومت بس ان شہر کے حدود میں تھی۔

حضرت معاویہؓ کے تخت شام کا سب علاقہ تھا اور اس علاقہ کا پورا رقبہ خود حضرت

فلق اعظم نے نعت نعت حضرت معاویہ کے تحت کر دیا تھا، ابھی پچھلے اسباق میں ہم حضرت عمیر بن سعد انصاری کا واقعہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے انہیں حمص کی ولایت سے معزول کر کے یہ علاقہ حضرت معاویہ کی تحویل میں دیدیا تھا (ملاحظہ ہو جامع ترمذی ج ۲، ص ۲۲۵ ابواب المناقب طبع دہلی) اس ولایت کی سند نہایت قوی ہے اس واسے کہ سب راوی اہل اہل اشہد ہیں۔

عن ابی ادریس الخولانی قال لما عزل عمر بن الخطاب عمیر بن سعد عن حمص ولی معاویة فقال لتاس عزی عمیر انزلی من معاویة فقال عمیر لا تذکر معاویة الا بالحقیر فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اللهم اهدیہ۔

امام ابوبکر ابن العربی نے صلحت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظم فرمائی تھی کہ شام کا پورا علاقہ حضرت معاویہ کے تحت کر دیا تھا (العوامم) اور ساتھ ہی فرماتے ہیں۔

بل انما ولاه ابوبکر الصديق رضي الله عنه لانه ولي اخاه يزيد واستخلفه يزيد فاقوا عمر لعلقه بولايه ابى بكر لاجل استخلاف واليه له فعلق عثمان بعمر واقرا له۔

حضرت فاروق کے عہد میں تمام شام کا علاقہ حضرت معاویہ کی ولایت میں ہونے کے

بڑے قوی اور صحیح دلائل میں منجملہ اڑاں البلیبہ والنصاریہ میں ہے (۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵) منقول از العوامم ص ۲۰۹

لما قدم عمر الشام وتلقاه معاویة فت مرکب عظیم فاستنكر عمر خلک واعتذر له معاویة بقوله۔

انا با مرض جواسیس العذو فیها کثیرة فیجب ان تظھرو من عز السلطان ما یکون فیہ عز الاسلام واهله ورضعته فقال عبد الرحمن بن عوف لحمیر ما احسن ما صدر عما اوردتہ فیہ یا امیر المؤمنین

فقال عمر یہ من اجل ذلك جسمناہ ما جسمناہ

صحیح ہے کہ حضرت فاروق اعظم اپنے والیوں کو جلد از جلد بدلتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک ہی برس کے بعد بدل دیتے تھے حضرت عمر کو بدل دیا تھا، لیکن یہ علاقہ شام کا تھا، جو سیاسی حیثیت سے اہم علاقہ تھا، اس لیے شخصیت حضرت معاویہ کی تھی کہ آپ نے انہیں مستقلاً وہاں رکھا، مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ صرف چار برس سے تھے اس کی دلیل نہیں کہ حضرت فاروق اعظم انہیں بد میں نہ رکھتے کیونکہ آپ کو پچانگ اسی گروہ کے ایک پیش رو نے شہید کر دیا تھا، جس نے حضرت عثمان کے خلاف اسلام کا لبادہ اڑھو کر یہ ہنگامے پہلے کئے۔

مودودی صاحب نے ایک اور بات پر غور نہیں فرمایا کہ حضرت معاویہ کا تقرر

جب حضرت عمر شام تشریف لے گئے اور حضرت معاویہ ان کے استقبال کے لئے اسلام کے عظیم نشان جلوں کے ساتھ حاضر ہوئے عمر نے اسے ناپ نہ فرمایا حضرت معاویہ نے اس پر یہ بندش کیا۔

ہم اسی سبب سے ہیں میں جہاں دشمن کے جاسوس ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کی اسی شان و شوکت ظاہر کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے شان و شان ہو اس طرح ہم ان پر عیب ڈال سکیں گے۔

اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عمر سے عرض کیا یہ امیر المؤمنین دیکھتے کس غریب کے گستاخ ہیں آپ کو اس الزام سے بچالے گئے جو آپ نے ان پر عیب ڈال کیا۔

تو حضرت عمر نے فرمایا یہ جب تو ہم نے ان پر ایسی ذمہ داری نکالی ہے۔

ان کے برادر بزرگوار حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بعد کیا گیا تھا، گویا مودودی صاحب کے تصور کے مطابق آل ابی سفیان کی ملکیت کی بنیاد حضرت فادوق اعظمؑ رکھ گئے تھے بلکہ ان سے بھی پہلے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے مرکزی سکریٹریٹ کے ساتھ عرب کے سب اہم مقامات پر امویوں کو فائز کیا تھا اور وقت تک رکھا۔ اور آپ کے بعد خاص طور پر حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر یہ حضرت صدیق اکبرؓ تھے جنہوں نے حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کو حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ولید بن عقبہؓ کو اپنی خلافت کے اہم ترین کارپردازوں میں رکھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

گویا مودودی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فادوق اعظم صلی اللہ عنہما کو جو آداب سیاست سکھائے چاہے ہیں اور دنیوں کو اول بدل کوئے گا انہیں بتانا چاہیے وہ انہوں سے کہ ان کی کھ میں نہ آیا اور ایسی غلطیاں کر گئے کہ امویوں کی بد ملکیت قائم ہونے کی راہیں خود بخود ہٹا ہوتی چلی گئیں۔

مودودی صاحب نے دوسرے الفاظ میں وہی بات کہی ہے جو شیخ مصنفین کہتے آئے ہیں، چنانچہ مولف مصباح الظلم نے مستعد دیکھ بتغیر الفاظ کہا ہے کہ در خلافت راشدہ نے اس کی ضرورت دیکھی کہ بنی امیہ رضائند رکھے جائیں اس لئے وہیں سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پیمان کو شام کا ملک دیدیا گیا؟

مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی غلطی اور خلافت کے لئے حضرت معاویہؓ کی منصوبہ بندی کو ظاہر فرمادی مگر یہ بتاتے سے قاصر ہے کہ عہد عثمانی و فادوقی و صدیقی و عہد ثوینی میں ان سے کوئی ہی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ مرکز کے تابع رہنے کی بجائے مرکز کو اپنا تابع رکھنا چاہتے تھے، مرکز کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی وفاداری اور مرکز کا ان پر انتہائی اعتماد تو دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نعمت کے عظیم ترین انجمن میں ہیں اور جہاں ثانی و نظم و نسق میں مثالی کہ تینوں خلافتوں میں ایک جگہ ہے۔

رہا حضرت علیؓ سے بیعت نہ کرنا اور مصاص عثمانؓ کا مطالبہ لے کر کھڑا ہونا تو یہ ان

کافر بن تھا، سیاسیات اسلامیہ کے ارتقا میں انہوں نے جو عظیم ایشان خدمات انجام دی تھیں وہ انہیں تباہ کیے ہونے دیتے اور کیوں اس کے روادار ہوتے کہ چند بے تنگ زبان لوگ مرکز خلافت پر چڑھ بیٹیں، امت کے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو شہید کر دیں اور اپنی مرضی کی خلافت بنا کر کے تمام عالم اسلام کی سیاست پر قابض ہو جائیں۔

حضرت معاویہؓ بیٹھے تو شام میں تھے، مگر ان کی نگاہوں میں پورے عالم اسلام کا حال دا استقبال تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ کی قیادت کا ان لوگوں کے ہاتھوں کیا حال ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ حضرت ام المومنین صلوة علیہا کی تعمیر کو ششیں اسی نابکار ٹوٹی نے کس طرح غارت کر دیں۔

مودودی صاحب کا یہ تصور کہ علوی خلافت آئینی تھی اور تمام بلادا اسلامیہ میں ان کی بیعت کی تکمیل ہو گئی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین نے انہیں اپنا امام تسلیم کر لیا تھا صحیح نہیں اس کی حقیقت پر ہم کھیلے اوراق میں روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا اور نہ صحابہ کرام نے کبھی کہا کہ انہوں نے امام جماعت سے بغاوت کا ارتکاب کیا تھا۔

اگر صحابہ کرام نے انہیں باغی اور فاجر سمجھا ہوتا تو وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے حضرت معاویہؓ کے مقابلے پر جمع ہو جاتے اور اس وقت تک چین نہ لیتے جب تک کہ وہ مغلوب نہ ہو جاتے، لیکن دیکھتے ہم یہ ہیں کہ جب صفین میں جنگ بند ہوئی تو جاملہ، ثمالثوں پر ڈال دیا گیا اور ثمالثوں نے فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں نہیں کیا، اور پھر جب ان کی شہادت ہو گئی تو حضرت معاویہؓ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی اور محالک اسلامیہ میں سوائے خوارج کے باقی سب نے بیعت کر لی، اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا اور تمام صحابہ کرام جو اس وقت زندہ تھے انہوں نے اپنا متفق علیہ امام تسلیم کر لیا، گویا مودودی صاحب کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ پوری امت نے قرآن مجید کا حکم پس پشت ڈال دیا اور جس شخص کا قتل واجب تھا اسی کی سپرد امت کی زمام کار کر دی۔

قتل عمار مودودی صاحب نے بڑی سختی سے حضرت علیؓ کو محرم قرار دیا اور

معاویہ کو باطل پر قرار دیا ہے اور یہ وہ موقف ہے جو آج تک کسی ایسے شخص نے اختیار کیا جو دین کا علم رکھتا ہو اور سنت نبویہ اور جماعت صحابہ سے اپنے کو وابستہ سمجھتا ہو مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۲۴ - ۳۲۵)

یہ اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نفس صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون، وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، حضرت عمار کے منطلق بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضرت کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تعاتک الفتحۃ الباغیۃ (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، سدا احمد بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابوداؤد طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابوسعید خدری، ابو قتادہ، انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابویوب انصاری، ابراہیم خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیسر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہیں ابن سعد نے بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے، متعدد صحابہ تابعین نے جو حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں مذہب تھے، حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کر کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون علامت ابن عباس بن عبدالمطلب الاستیجاب میں لکھے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر تاابید بات منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا اسیہ صحیح ترین احادیث میں ہے، یہی بات حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھی ہے، دوسری جگہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں یہ قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اور

اہل السنۃ اس بات پر متفق ہو گئے دراصل ایک پہلے اس میں اختلاف تھا، یہ طویل بیان محض یہ بات ثابت کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف سے عمار کا قتل ہونا بتایا جاتا ہے، اس لئے حضرت معاویہؓ باغی قرار پائے ظاہر ہے کہ نفس قرآنی کے مطابق باغی گروہ سے قتال واجب ہے، حتیٰ تفعی الی امر اللہ (یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جاتے) مودودی صاحب نے قتل عمار کو حق و باطل کا معیار تو قرار دیا اس حدیث کو نفس صریح بھی بتا دیا لیکن وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ۔

۱۔ حضرت عمار کے قتل کے بعد حضرت علیؑ نے اپنا موقف بدل دیا اور جنگ سے ہاتھ روک لیا لاکھ "باغی" گروہ سے جنگ کی ابتدا انہوں نے کی تھی، ایک رعایت بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس سے ادنیٰ ثبوت اس کا دیا جاسکے کہ جنگ کے لئے حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی تھی۔

حب فرمان خداوندی حضرت علیؑ کا فرض تھا کہ ہر طور پر جنگ جاری رکھنے اور تمام صحابہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اس بارے میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیتے۔

۲۔ صحابہ کرام کے جو مواقف حضرت عمار کے قتل سے پہلے تھے ان میں جو غیر جانبدار تھے مثلاً حضرت سعد اور حضرت ابن عمر وغیرہما وہ اپنی غیر جانبداری پر قائم رہے، جو حضرات حضرت علیؑ کے مخالف تھے جیسے حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت عمرو بن العاص وغیرہما وہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔

۳۔ جو حضرات حضرت علیؑ کے ساتھ تھے، انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا علاوہ انہوں نے نفس صریح "اللہ حق و باطل" کی بات کرنے والے اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ:-

(الف) حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ جمل تک حضرت علیؑ کے ساتھ تھے لیکن صفین میں شریک نہیں ہوئے اور مدینہ جا بیٹھے (الاصابہ بذیل عثمان خالد زید)

(ب) اور حضرت جریر بن عبداللہ جنگ جمل کے بعد تک حضرت علیؑ کے ساتھ تھے پھر آپ کو حضرت معاویہؓ کے پاس سعیت لینے کے لئے شام بھیجا گیا، وہاں کے احوال دیکھنے کے

لئے انہیں حضرت معاویہؓ سے روک لیا، یہاں اشر نے ان کے خلاف مجاہد بنا لیا کہ معاویہؓ سے مل گئے، آپ نے ان کو وہاں کے احوال بیان کئے اور یہ بھی سنا کہ آپ کے متعلق کیا کیا باتیں کہی گئیں، لہذا آپ بدل ہو کر مدینہ چلے گئے اور پھر وہاں سے شام، آپ صورت حال اچھی طرح سمجھ گئے تھے، اہل بیت کی نجات حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں سمجھ لی۔

(ج) حضرت عیسیٰ بن سحر الفارسی رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے مصر کا دلی بنایا اور آپ نے وہاں کا نظم و نسق غوثی کے ساتھ سمجھا لیا، حضرت معاویہؓ بن خدیج وغیرہ اکابر کی قیادت میں وہاں بھی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے، بیعت علیؓ سے منحرف تھی اور ان کا موقف تھا کہ اگر اس خلافت پر اجماع امت ہو گیا تو ہم بھی بیعت کر لیں گے ورنہ نہیں، حضرت عیسیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ امن سے رہیں تو ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی اور آپ کے سب حقوق وہی ہوں گے جو اور مسلمانوں کے ہیں، اس طرح وہاں کی تقاضا نہایت پر امن تھی، مگر یہاں ان کے خلاف بھی مجاہد بنا لیا گیا کہ معاویہؓ سے مل گئے ہیں جو بیعت نہ کرنے والوں سے جنگ نہیں کرتے حضرت عیسیٰ نے بار بار لکھا کہ میرا اعلیٰ نعیمی ہے اور صحیح سیاست پر یعنی اس طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہتے، مگر اشر وغیرہ نہ ملنے اور انہیں معزولی کا حکم بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر دالی بنائے گئے جنہوں نے جا کے جنگ چھیڑ دی اور پھر ان حضرات نے حضرت معاویہؓ سے مد مانگی، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں جا کر حالات پستاپو لیا اور یوں مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے جاتا رہا، حضرت عیسیٰ اس صورت حال سے بدل ہو کر مدینہ چلے گئے یہ روایات نہیں ہیں تاہم حقائق میں اب سوال ہے یہ کیا ان مرتبے نے اللہ کا کلام پس پشت ڈال دیا اور اس حدیث کو بھی اہمیت نہیں دی؟

صحابہ کرام میں سے اس حدیث کو جتنے راویوں کے نام مودودی صاحب نے دئے ہیں ان کے موقف حسب ذیل ہیں:-

(۱) حضرت عثمانؓ، حضرت خدیجہ اور حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ تو اس وقت دنات پانچکے تھے لہذا ان کے موافق کا کیا ذکر اور حضرت عمارؓ کا تو خود یہ قسم ہے حضرت

خزیمہ بن ثابتؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مقتول ہو گئے۔  
۲۔ حضرت ابو سعید خدریؓ جن سے صحیح بخاری کی روایت ہے نیز حضرت ابو ہریرہؓ اپنی غیر حاجت دہری پر تمام رہے، حضرت ابو قتادہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور یہ قطعی ہے کہ ان سب نے حضرت معاویہؓ سے بعد میں بیعت کر لی، اور سب نے امیر شہید کی ولایت عہد کی بھی بیعت کی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مودودی صاحب کی خیالی باتوں کے باوجود حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہے اور پھر بعد میں ان کی طرف سے والی بھی رہے حضرت عمرو بن العاصؓ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے ان کی طرف سے ثالث بنے اور حضرت علیؓ کے خلاف مفصلہ دیا۔

اب تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں (۱) تمام صحابہ مع حضرت علیؓ کے خداداد سولی کے احکام سے بے پروا تھے (۲) یہ حدیث غلط ہے اور ایسی کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی (۳) حضرت معاویہؓ باغی نہیں تھے اور حضرت عمارؓ کے قتل کا وہ مفہوم نہ تھا جو لیا جاتا ہے ان کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا نہایت مشتبہ ہے۔ پہلی بات کسی مومن کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی، دوسری بات کوئی علم حدیث رکھنے والا نہیں کہہ سکتا، لہذا سوائے تیسری بات کہنے اور سمجھنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا، یعنی یہ کہ حضرت عمارؓ کے قتل کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر نہیں بلکہ اسی نابالغ گروہ پر ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے امت میں اختلاف کا دروازہ کھولا۔

حضرت عمارؓ کے قتل کی بنیاد تو اسی گروہ نے اسی وقت رکھ دی تھی جب مصر میں نہیں مدینہ کو واپسی سے روک لیا تھا، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ تمام مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہر وں میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا حضرت عمارؓ کے پر مصر کے احوال معلوم کرنے تھے، وقت گیسب امکان، اپنا اور وہ پولا کر کے مستقر ہو گئے اور گواہی دی کہ کسی جگہ امت میں بے چینی یا ادیبوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں، صرف حضرت عمارؓ کو آئے آتے دطری (ج ۵ ص ۹۹) نیز ابن خلدون

کتاب ثانی ج ۳ میں صریحاً بیان ہے کہ مصر میں حضرت عمار کا میل جول ابن سبا و عبد اللہ بن السواد (دعالم بن ہج و سودانی حران و کنانہ بن بشر سے ہو گیا تھا خود وہاں رک گئے تھے، یا بقلی مورخین طبری و ابن خلدون، لوگوں نے انہیں روک لیا تھا۔ حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ دستبساط الناس عمارا حتی ظنوا انہ قد اغتیل (ایضاً طبری) یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامل مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے سبائی گروہ سے ان کے میں جمل کی اطلاع امیر المومنین کو بھیجی وہی تھی لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ حضرت عمار مصر سے مدینہ واپس آئے یا نہیں آئے تو کب اور جس حد پر ماوراء النہر بھیجے گئے تھے اس کی انجام دہی کی کیا رپورٹ پیش کی۔

جنگ جمل میں انہیں موجود بتایا جانا ہے اور مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان ہی کی وجہ سے حضرت زبیرؓ تذبذب ہو گئے تھے، لیکن مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت زبیرؓ حضرت ام المومنین کے ساتھ تھے جو تمام اہل ایمان کی ماہی اور حق ادھر ہی تھا جدھر وہ تھے اور حجت دہی ہے جان کا اجہاد تھا ان کا یہ منصب نص قرآنی سے ثابت ہے چنانچہ تمام صحابہ مع پہلے تینوں خلفاء کے ہر محلطی ان سے مشورہ لیتے امدان کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے، لہذا حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی طرف ہوتے بھی تو یہ مفصلہ کن بات نہ تھی امدان ہوتی تو پھر تذبذب کا کوئی سائل نہ تھا، حضرت زبیرؓ ان کی موجودگی کو اپنی غلط فہمی کے لئے دلیل قاطع سمجھتے۔

وہاں دراصل صورت یہ تھی کہ فریقین کے درمیان اختلاف مٹ چکا تھا اور باہمی صلح ہو گئی تھی صرف صبح کو رسی کا سدھائی نکل ہونے کا انتظار تھا، اب جو جنگ چھڑ گئی تو حضرت زبیرؓ کا تذبذب بجا تھا، وہ جانتے تھے کہ ان کی طرف سے نہیں چھڑی اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بھی نہیں چھڑ سکتی تھی اس لئے وہ اس دست اندازہ نہ لگا سکے کہ صلح ہو چکنے کے بعد جنگ چھیر دینے کی ذمہ داری کس پر ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا اپنا ارشاد موجود ہے (ج ۲، ص ۱۹۳ باب بركة الغداری فی حالہ طبع مصر)

عن عبد اللہ بن الزبیر  
قال لما اوقف الزبیر یوم الجمل  
دعائی فعمت الی جنبہ فقال  
یا بقی انہ لا یقتل الیوم الا ظالم  
او مظلوم ولانی لا ارا فی الایام  
قتل الیوم مظلوماً.....  
عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں  
جب حضرت زبیرؓ جمل کے دن کھڑے ہوئے مجھے بلایا  
اور میں ان کے پیلوں میں جا کھڑا ہوا، آپ نے فرمایا بیٹا آج  
جو قتل ہوگا وہ یا ظالم ہوگا یا مظلوم اور میں اپنے متعلق  
دیکھتا ہوں کہ آج مظلوم قتل ہوں گا اور گئے ذکر مال  
کے متعلق وصیت کا ہے۔ (م)

اس بیان میں نہ حضرت عمارؓ کی موجودگی کا ذکر ہے، جنہیں مودودی صاحب نے  
حضرت ام المومنین کے مقابلے میں حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے اور نہ اس واپی اور  
بے اصل اور قطعی و ضعیف روایت کا ذکر ہے جسے مودودی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالے  
سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو بلا کر انہیں وہ بات یاد دلائی  
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائی تھی کہ تم دونوں ناحق علیؓ سے لڑو گے اس لئے  
یہ دونوں صاحب الگ ہو گئے، حضرت علیؓ اگر ایسی کوئی بات فرماتے تو اس کا موقع وہ تقاضا  
فریقین پہلی دفعہ ایک دوسرے سے ملے تھے اسی طرح جنگ کا امکان پہلے ہی ختم ہو جاتا اور  
صلح کی بات حیت کی ضرورت ہی نہ رہتی، سب ان کی سبقت میں داخل ہو جاتے۔

پھر سوال یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو یہ نہ ہونا چاہیے  
ہی کیوں چپکے سے الگ ہو گئے، انہیں حضرت ام المومنینؓ سے عرض کرنا چاہتے تھا  
اور اپنے ساتھیوں میں اعلان کرنا چاہتے تھا تا کہ مسلمانوں کی جائین صلح نہ ہوتی، اکون  
تھا جو ان کے بیان میں شک کرتا۔

غرض یہی واپی روایتیں ہیں جن کے ذریعہ عوام کو بے چین اور گراہ کیا جاتا ہے حضرت  
ام المومنین وہاں پر ان مقاصد کے لئے تشریف لے گئی تھیں، اگر عثمان بن حنیف اپنے  
بندگ ساتھیوں کی رائے مان لیتے اور حکیم بن حبلہ وغیرہ سائیموں کی شراکت میں نہ  
آتے تو بصرہ میں کوئی ہنگامہ نہ ہوتا اور رائے عامہ حضرت ام المومنین کے حق میں استوار  
ہو جاتی یعنی سائیم کے خلاف وہاں ایک طاقتور جماعت کی تنظیم کر کے ان کا ایک مرکز تو

دیا جانا، یہی بات حکیم بن جبلیہ کو نظر آئی تھی اس لئے اس نے جنگ تعمیر دی اور یہی بات تھی جس کی بنا پر فریقین میں مصالحت اور یکجہتی پیدا ہونے کو بائیں نے اپنی موت جانا اور انہوں نے مصالحت و یکجہتی کی نوبت نہ آنے دی۔

**الفئة الباغية** | حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کے بارے میں وضعی روایتیں پر جو مودودی صاحب کی کتب مآخذ میں ہیں، واقعات کی روشنی میں نظر ڈالنے اور دائرہ غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ان کی ہلاکت کی ذمہ داری وہی باغی ٹولی سبائیوں کی تھی، جس نے حضرت عثمانؓ غنیؓ کے مظلومانہ قتل کا ارتکاب کیا تھا، ان ہی سبائی باغیوں کے نرغے میں آکر جنہیں ملعونوں علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۷) ایک ارشاد نبوی میں ملعون فرمایا گیا تھا حضرت عمارؓ جنگ صفین سے دو سال قبل اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے چند ماہ پہلے ۳۵ھ میں ہی جب وہ تحقیق حال کے لئے مہر بھیجے گئے تھے ہلاک ہو گئے تھے، جنگ جمل و صفین میں ان کی موجودگی کی روایتیں تو صرف اس غرض سے وضع کی گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تفصیلاً الفئۃ الباغیۃ وہ حضرت معاویہؓ اصحاب کے ساتھیوں پر چسپاں کر کے انہیں باغی جماعت قرار دیا جائے

دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ۳۵ھ میں امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال پر مختلف شہروں میں طعن و تشنیع کا شروع جب زیادہ ہونے لگا، اس کی خبریں اہل مدینہ کو پہنچیں، بقول مورخین (طبری ج ۵) وہاں غلاموں کی کتاب شافعیہ (۴۴) صحابہ کی ایک جماعت نے امیر المومنین کے پاس آکر ان حالات سے مطلع کیا اور طلب شوریہ پر۔

قالوا انشأ علیہم ان تبعت حلالا  
فمن تشق وطمع الی الامم صحتی  
یورجی الی الیت باخیر ہم  
(طبری در ابن خلدون)

ان حضرات نے کہا کہ شہرہ ہمارا یہ ہے کہ معتبر و معتبر آدمیوں کو مختلف شہروں میں بھیجے تاکہ وہاں کے حالات کی خبریں آپ کو لا کر دیں۔

۲۔ امیر المومنین نے اکابر صحابہ میں سے مندرجہ ذیل حضرات کو جہان کے معتمد علیہ تھے مختلف مقامات کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

(۱) الف (حضرت محمد بن سلمہ انصاریؓ) کو کوفہ بھیجا گیا، یہ بدی صحابی تھے خیبر کا مہذب یہودی ان ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا، انصار صحابہ میں سے تھے بتوک کے غزوہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر نہایت مقرر کیا تھا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کی خانہ جنگیوں سے علیحدہ رہے، حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ب) حضرت اسامہ بن زیدؓ لہرو کے حالات معلوم کرنے بھیجے گئے وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی رحلت سے قبل ان ہی کو عیش کا سردار مقرر کیا تھا جس میں اکابر و اہل صحابہ شامل تھے، یہ بھی ایام فتنہ میں علیحدہ رہے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، یہ ملک شام بھیجے گئے، بدر و احد کے علاوہ سب غزوات میں شریک ہو کر بیعت الرضوان میں سب سے پہلے انہوں نے ہی بیعت کی تھی، خانہ جنگیوں سے قطعاً علیحدہ رہے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے انہیں رحیل صالح فرمایا تھا نہامیت درجہ نیک و عابد و ناسخ تھے۔

(د) حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سابقون الاولون میں سے تھے انہوں نے اصحاب کی والدہ ماجدہ نے جو بہت خرم میں سے ابو حنیفہ بن میسرہ کی بوندی تھیں اسلام کی خاطر بڑے غلبہ سے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے کے خلاف میں ان کو کوفہ پر عامل مقرر کیا تھا، مگر جلد ہی معزول کر دیا تھا کیونکہ بروایت طبری (ج ۴ ص ۲۶۱) اہل کوفہ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں یہ شکایت کی کہ جس منصب پر وہ ہیں اس کی ذمہ داری عموماً نہیں کرتے اہل کوفہ ان پر جھپٹے پڑتے ہیں

حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا لیا تو وہ کوفہ سے ایک دفعہ اپنے ساتھ لے کر چلے آئے ایسے لوگوں کو ساتھ لیا جن کو وہ اپنا موافق سمجھتے تھے لیکن وہ ثابت ہوئے ان سے بھی سخت جن کو وہ چھوڑ کر آئے تھے، عمارؓ ان پر جزع و فزع کرنے لگے، کسی نے پوچھا کیوں جزع و فزع کرتے ہوئے کہا میں اپنی فلت کو ممدوح نہیں سمجھتا ہوں مگر اس واقعہ کے ذریعہ آنمائش میں داخل ہوا گیا



ہند، مختار ثقفی کا چچا سعد بن مسعود ثقفی اور جریر بن عبداللہ حمران کے ساتھ گئے تھے انہوں نے ان کے متعلق کچھ لگایا بھجایا اور حضرت عمرؓ کو ان کی بعض ناپسندیدہ باتوں کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور پھر کوئی منصب ان کو نہ دیا، حضرت عمارؓ جب ۳۵ھ میں مصر بھیجے گئے تھے اس وقت ان کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی ان حضرات کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی دوسرے مقامات کو روانہ کئے گئے تھے۔

(۳) یہ سب اکابر صحابہ جو حالات کی تحقیق و تفتیش پر متعین ہوتے تھے ظاہر ہے کہ امیر المومنین کے معتد علیہ تھے ان میں سے کسی کو نہ پہلے سے امیر المومنین کی ذات سے کوئی شکایت تھی اور نہ بعد میں شکایت و نالارضی کی کوئی وجہ پیدا ہوئی، حضرت عمارؓ کے سوائے سب حضرات نے واپس لوٹ کر بیان کیا کہ ہم نے نہ تو عمال اور دایان صوریہ کی کوئی برائی دیکھی اور نہ علوم و خواص کو ان کی شکایت کرتے ہوئے پایا (طبری ج ۵ ص ۹۹ دایان خلفہ کتاب ثانی)

(۴) حضرت عمارؓ کے مصر بھیجے جانے سے پہلے امیر المومنین کو ان پر بھی ویسا ہی اعتماد و اعتبار تھا جسے اپنے دوسرے نمائندہ حضرات پر تھا وہ جس وقت مدینہ سے بھیجے جاتے تھے اگر حضرت عثمانؓ نے ان کو پہلے سے خود اپنے متعلق یا امیر المومنین کی سیاست کے متعلق کچھ شکایتیں ہوتیں یا امیر المومنین کو ان سے ہوتیں تو نہ امیر المومنین ان کو بھیجتے اور نہ وہ اپنا بھیجا جاتا پس اگر امیر المومنین کا ان کو تحقیق حالات کے لئے مصر بھیجنا انسان کا اس خدمت کی انجام دہی قبول کر کے مصر جانا دلیل اس امر کی ہے مصر جانے سے پہلے نہ امیر المومنین کو ان سے کوئی شکایت تھی اور نہ انہیں امیر المومنین سے کوئی کلاش کوہ تھا۔

اب دیکھتے مودودی صاحب کے مآخذ (الامامة السیاسة ج ۱ ص ۳۲) و لاسیتنا ج ۲ ص ۲۲۲) وغیرہ میں جو یہ روایتیں ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی شکایتوں کا ایک بڑا طومار لکھ کر کہ سنت رسول اللہ و سنت شیخین کے خلاف تم نے عمل کیا یہ حق اللہ و رسولہ، اہل ذوق و تاملی و مساکین کے حقوق تلف کر کے جس افریقہ مروان کو بخش دیا اور اپنے عہد و رسدہ داروں کو بے حاشا و سب و دیدیا اپنی زور و سیدہ

نالہ اور اپنی دختر عائشہ اور اپنے بیٹوں کے لئے محلات بنوائے نیز ان تمام اہتمامات کا ذکر تھا جو مودودی صاحب کی حضرت عثمانؓ پر عاید کردہ فرد جرم میں شامل ہیں حضرت عمارؓ صحیح دہی آریوں کے جن میں حضرت مقداد بن الاسود بھی شامل بتاتے گئے ہیں یہ تحریر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دینے کے لئے گئے، راستہ میں ایک ایک کر کے سب ساتھی ان کے مع مقداد کے تو کھنگ گئے، یہ تنہا گئے، جس وقت مکان میں اجازت لے کر داخل ہوئے، روایت میں بیان ہے کہ مروان اور بنی امیہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے حضرت عمارؓ نے وہ تحریر پیش کی پوچھنے پر اقرار کیا کہ یہ تحریر میں نے لکھی ہے، لیکن اپنے ساتھیوں کے نام بتانے سے انکار کیا اس پر حضرت عثمانؓ نے انہیں خراب پڑھایا اور خود بھی نند و کوب کیا حضرت عثمانؓ معہم حتی قتلوا بطنہ (الامامہ ج ۱ ص ۳۲) و الاستیعاب) اور عثمانؓ نے اردوں کے ساتھ انہیں مارا، یہاں تک کہ ان کا سپٹ پھٹ گیا، بیہوشی کے عالم میں عمارؓ کو دغا نہ کے باہر حضرت عثمانؓ نے پھینکا اور یا یہ سارا واقعہ مصر جانے سے پہلے کا گھڑا گیا ہے، مصر جانے کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ اس میں حضرت ولیدؓ عقبہ کے شہر خمر کی سزا دینے کا ذکر ہے جو پانچ سال پہلے ۳۵ھ کا واقعہ ہے اور پچھلے صفحات میں جن کا ذکر آچکا ہے، مؤرخ کہ اسی قسم کے اور بھی قصے گھرے گئے ہیں ان میں سے بعض کو ڈاکٹر طحین نے اپنی کتاب "عثمان" میں بھی لکھ مانا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے حضرت عمارؓ کو نو نڈی بچے کہہ کر خود اس قدر مارا تھا کہ بیہوش ہو گئے تھے اور ام سلمہ اور عائشہؓ نے انحضرت کے کچھ بال، کپڑا اور حجتہ نکالا اور فرمایا یہ اہل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال، ان کا کپڑا اور جو تہ ہے ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو لوگ چلا گئے اور حضرت عثمانؓ اپنے سے باہر ہو گئے ان کی گھڑی نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں" (ص ۲۲۵) کچھ بھی حقیقت ان روایتوں کے وقتی فضیل کی موتی تو جس وقت حضرت عثمانؓ نے ان سے اہل مصر کی شکایتوں کی تحقیق کے لئے کہا تھا تو حضرت عمارؓ صاف کہتے کہ ہم دوسروں کی شکایتوں کی تحقیق کرنے کی جاتیں، عین تو خود ہی تہ سے بہت سی شکایتیں ہیں اور اگر ان شکایتوں کا اظہار نہ کیا تھا تو کیوں دل میں کینہ و بغض ایسی حالت میں لئے

الکوئی مصنف کتاب الفتنہ والردۃ کے حوالہ سے یہ بتائی گئی ہے اور طبری ہی سے  
دوسروں نے نقل کر کے شہر کی ہے کہ (طبری ج ۵ ص ۴۹ وزیر محمد بن خالد بن جبر قزاقی ص ۲۱۹)  
"مصر میں ایک گروہ نے جن میں عبدالقادر بن السواد (رحمہما اللہ) سب اکھلا تا تمام"  
وخالد بن بلعم وسودان بن حمران وکنانہ بن بشر شامل تھے عمار گھوڑا پی جانب  
مائل کر کے روک لیا اولیٰ ماہمنا ورمیہ صیفر بنالیاء  
ابن خلدون فرید لکھتے ہیں کہ ابن سبار:-

امیر المؤمنین عثمان پر اکثر طعن و تشنیع کرتا اور خفیہ اہل بیت کی دعوت دیتا  
اور کہتا کہ محمد (صلعم) پھر واپس آئیں گے، جیسے عیسیٰ واپس آئیں گے، علی  
بن ابی طالب وہی رسول اللہ ہیں، عثمان اور ان کے پیشوا ابو بکر و عمر  
نے جبراً و عصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی، غرض لوگوں کو اس قسم  
کی تعلیم دیتا اور امیر المؤمنین عثمان اور ان کے عمال کے خلاف سناگیتہ کرتا  
اصحاب کو طعن و تشنیع سے یاد کرتا تاکہ بعض شہروں میں عوام لگتا  
ان باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور ایک دوسرے سے خط و کتابت کرنے  
لگے اسی گروہ کے ساتھ خالد بن بلعم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر وغیرہ  
تھے پس ان لوگوں نے عمار کو مدینہ جانے سے روک لیا اور محمد بن خلدون ج ۲  
صفحہ ۱۸

حضرت عمار کے متعلق یہ بقدر کس قدر باطل ہے کہ ابن سبار اور اس کے پیلوں  
چائٹوں کے بہکانے میں اگر وہ ان کے ہم نوا رہم صیفر بن گئے، مگر وہاں تک تو امیر المؤمنین  
کے مخلص و معتمد علیہ تھے برسوں سے ان کی بیعت اطاعت میں داخل تھے ایک یہودی کے  
کہنے سے جو منافقانہ اسلام میں داخل ہوا تھا، سابقین الاولون کے زمرے کے ان صحابی  
نے خلیفہ وقت کی بیعت اطاعت کا جو ایک ایک اپنے گلے سے اتار پھینکا اہل ان کے جانی  
دشمن بن گئے حالانکہ تقریباً چالیس برس سے حضرت عثمان کے حصائل حمیدہ شاندار اسلام  
خدمات اور صلہ اللہ علیہ وسلم سے ان کی مدبری قرابت کے حالات سے کما حقہ واقف تھے

۹۔ طبری میں مندرجہ بالا روایت نیز اسی تمناش کی متعدد روایتیں سیف بن عمر اللہ  
الکوئی کے حوالے سے ہیں اس لڑی کا زمانہ بھی اس عہد سے جس کے واقعات بیان  
کریا ہے، تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کل ہے، امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ  
کے زمانہ خلافت میں فیرت ہوا تھا، انہر رجال نے اسی معصوم و متروک وغیرہ ذہنی  
کہلے اور لکھا ہے کہ حدیث وضع کیا کرتا تھا اور نہ ندیقیت سے بھی سہم تھا، کان سیف  
یضع الحدیث و اتھمر بالن ندقہ و میزان الامثال ج ۱ ص ۴۳۸ پھر جعفر  
الجفی جیسے عالی راضی و دیگر مجاہدین سے روایت کر لے اس اعتبار سے بھی حضرت  
عمار کی سبائیت زدگی کی روایت وضعی و باطل سے خصوصاً ان کی صحابیت و  
سابقیت کے لحاظ سے کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو وہی رسول اللہ حضرت  
ابوبکر و عمر و عثمان کو غاصب خلافت جان کر سبائیوں کی اس باغی جماعت میں شامل  
ہو جائے جنہوں نے بعد میں حضرت عثمان کو قتل کیا، انہیں اگر مصر میں اپنی تحقیقات کے  
سلسلے میں سبائیوں کے عزائم کا سراغ چل گیا تھا اسی لئے ان سے رابطہ پیدا کر کے ان کے  
بلات معلوم کرنے کی غرض سے انہیں رکنا پڑا تھا، تو سبائیوں کی اسی باغی ٹولی نے اپنے  
راز کے افشا ہو جانے کے خوف سے جیسا کہ اسی راوی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت  
عمار کو مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا راوی کے الفاظ میں (طبری ج ۵ ص ۹۹)  
واستبطاء الناس عمار احق ظنوا اور عمار کو لوگوں نے روک لیا حتیٰ کہ لوگوں  
انہ قتل اغتیل۔  
نے گمان کر لیا کہ وہ دھوکہ سے مار ڈکائے گئے۔  
مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں حضرت عمار والی حدیث تفتنک الفتۃ  
الباعیۃ من الفتۃ الباعیۃ سے مراد اسی باغی گروہ سے جسے اسطورہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی زبان مبارک سے بھی ملعون فرمایا گیا تھا حضرت علیؑ نے اس گروہ کو جب وہ  
نواح مدینہ کے ذی المردہ و ذی خثب میں آ کر ٹھہرے ملعون فرمایا تھا اور کہا تھا اللہ  
علم الصاحون ان حبیش ذی المردہ و ذی خثب ملعونون علی لسان  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۴) اسی ملعون باغی گروہ نے امیر المؤمنین

عثمان کے مخلص و معتمد علیہ نما بندے حضرت عمارؓ کو افشائے ساز کے خوف سے مصر سے مدینہ آتے ہوئے دھوکہ سے ہلاک کر دیا پھر امیر المؤمنین کو موصول کر کے بحالت تلامذت دران مجید شہید کیا۔

۱۰۔ اس حدیث کو حضرت معاویہؓ امدان کے ساتھیوں پر چپان کرنے کی غرض سے حضرت عمارؓ کے مدینہ میں بوقت شہادت عثمانؓ نہ معنی موجود ہونے اور اس کے بعد جنگ جمل وصفین میں ان کی شہرت کے قصے اسی طرح گھڑائے گئے جس طرح بے شمار روایتیں بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ کی منقصت میں وضع کی گئیں روایت پرستی کے سبب مورخین و مصنفین نے ذاتاً غور کرتے بغیر اپنی تالیفات میں درج کیا۔

مدینہ میں حضرت عمارؓ کی موجودگی کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ مصری سبائی حضرت علیؓ و طلحہؓ و عمارؓ سے سلسلہ مرسلتا رکھتے تھے مدینہ پہنچ کر اپنا پیغام بھیج دات کے وقت ان تینوں حضرات کے پاس بھیجا تھا، حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی دوڑے دوڑے حضرت علیؓ کے گھر گئے اور کہا یہ بلوائی تمہاری بات سنتے ہی تم ان کے پاس جاؤ کہہ سکتا لوں اور پھر عمارؓ کو علیؓ کے ساتھ جانے کو بلوایا انہوں نے انکار کیا، پھر سعد بن ابی وقاص کو بلوا کر عمارؓ کے پاس بھیجا کہ علیؓ کے ساتھ جانے پر آمادہ کریں، سعدؓ تو ادھر عمارؓ کے پاس یہ کہنے پہنچے ہلن اعلیٰ بخروج فالخرج معہ درار دھولاء القوم عن اہل بیت (طبری ج ۵ ص ۱۱۰) کہ علیؓ تو جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جا کر اپنے امام (یعنی امیر المؤمنین عثمانؓ) کا چھایاں لوگوں سے چھڑاؤ راوی کی یہ نحو بیانی ملاحظہ ہو کہتا ہے کہ سعدؓ کے پیچھے ہی حضرت عثمانؓ نے کثیر بن العصب ایک اور شخص کو بھی یہ کہہ کر دوڑا دیا جو اس کو آؤ سعدؓ عمارؓ سے کیا کہتے ہیں، کثیر نے جا کر جیسے ہی دروازے کے سوراخ سے ایک آنکھ لگا کر دیکھا لکھا چاہا عمارؓ کی نظر ٹپکتی رہ چا تو اٹھا اس کی آنکھ پھوڑنے کو دوڑ پڑے، کثیر اٹے پاؤں بھاگ آیا سعدؓ نے ہر چند عمارؓ سے کہا جاؤ علیؓ کے ساتھ چلے جاؤ اور بلوائیوں کو دفع کرو مگر کسی طرح نہ مانے صاف کہہ دیا کہ میں قیامت تک بھی عثمانؓ کو ان لوگوں سے نہ بچاؤں گا، سعدؓ کا کام ٹوٹ اٹے اور یہ سب ماجرا کہہ سنایا حضرت عثمانؓ ان ہی کی

کوتاہی بتاتے رہے کہ عمارؓ سے بات ٹھیک طور سے نہ کی ہوگی۔

غرض یہ ہے وہ وضعی داستان جس سے بوقت یورش بلوائیاں حضرت عمارؓ کے مدینہ میں موجود ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے، داستان کے گھڑنے والے نے جہاں اس وقت کی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمران امیر المؤمنین عثمانؓ غنی صلواۃ اللہ علیہ کی غریبی و بچاؤ کی وجہ سے کاجن کا حکم اور بقیہ سے ترکستان و خراسان تک اور شام سے یمن تک چلتا نکالوں معطل کر لیا ہے وہیں صحابہ کرام کی خلیفہ وقت سے بیعت صحیح و طاعت کا بھی کیسا بیوقوفانہ نقشہ کھینچا ہے۔

شیخ محمد بن جریر طبری کی روایتوں میں جیسا آپ ملاحظہ کر چکے ہیں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ کا مدینہ قیام مصر میں سبائی بلوائیوں سے رابطہ قائم ہو گیا تھا اور وہ ان کے ہمنوا بن گئے تھے، سنی مورخ ابن کثیر نے ایک صحابی کا سائیموں کا ہتھیار ہوجانا لغو و باطل جانا اس نے انہوں نے ان کے مصر بھیجے جانے کا ذکر ہی سر سے حذف کر دیا اور حضرت عثمانؓ سے ان کی دشمنی و عناد کا سبب یہ بتایا کہ عباس بن عتبہ بن ابولہب کو عمارؓ کسی وقت گالی دے بیٹھے تھے جس پر امیر المؤمنین نے نادیدہ از جرو تو بیخ اور طاعت کی تھی اس نے انہوں نے بلوائیوں کے مولے میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کا ساتھ دینا پسند کیا حالانکہ اہل مدینہ صحابہ و غیر صحابہ سب ہی شریعت مطہرہ کے واضح احکام کی متابعت میں اپنے امام اور امیر المؤمنین کی تعمیل حکم اپنے اوپر لازم سمجھے ہوتے تھے۔ ابن کثیر ہی نے بلوائیوں کے قرب مدینہ میں پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ:-

فلما اقترا ابو امن المدینۃ اہم بلوائی جب مدینہ کے قریب پہنچے (حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جائیں لیکن وہ ہمیں ہلا دھم الی ہلا دھم اور قبل اس کے کہ وہ شہر مدینہ میں داخل ہوں انہیں ان ہی کے شہرہ کی جانب سے پس تو مادیں۔

البدلیہ ج ۲ ص ۱۵۱

طبری کی روایت سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عمارؓ کو ساتھ لیجائے کی بھی ہدایت کر دی

گئی تھی واما سحران یاخذ معہ عمار بن یاسر (البدلیہ ج ۲، ص ۱۷۱) نیز لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے قطعی انکار کیا اور سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ فابی عمار کل الابداء وامتنع امثل الامتلع (ایضاً) اب یہاں پھر وہی سوال حل طلب رہتا ہے کہ حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے جو حضرت عمار سے ہر حیثیت میں برابر بلندتر صاحب اثر و سرور تھے لڑائی نے ایسی اہمیت اور خصوصیت اس معاملہ میں حضرت عمارؓ کی کیوں اور کس مقصد سے بیان کی ہے کہ بغیر ان کے جائے بلوائی نہ بنتے حالانکہ بلوائیوں سے اہم و تفہیم کا کام حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ عمارؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ غریب و خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے تھے اولیوں نے انجام بھی دیا تھا خود مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۲۵۵) کہ بلوائیوں کے حقیقہ۔

”جب مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دیکر حضرت عثمان کی پوزیشن متاثر کی، مدینہ کے ہاجرین اور انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل صل و عقید کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمتا بننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔“

حضرت علیؓ نے جب بقول مودودی صاحب بلوائیوں کے الزامات کی تردید کر کے حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر دی تھی تو حضرت عمارؓ کی نظروں میں بھی جہتیں حضرت علیؓ کا بڑا دار و مدار عقیدت مند بنا یا جاتا ہے، وہ بدرجہ اولیٰ حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر کے تعلق وقت کی اطاعت کے لئے انہیں ہموار کر سکتے تھے خصوصاً جب کہ بقول مودودی صاحب مدینہ کے سب ہاجرین و انصار بلوائیوں سے الگ تھلک رہے، ان ہی مومنین نے صحرا حجابان کیا ہے کہ مدنی صحابہ کی جماعت جن کی تعداد دس نفوس تھی، بلوائیوں کو دھوکے اور ہتار دینے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ان میں ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے جو سابقین و علوئے منزلت اور اسلامی خدمات اور اثر و سرور کے اعتبار سے کہیں بلند مرتبہ و برتر تھے مثلاً حضرت سعید بن زید جو عشرہ مبشرہ کے بزرگ تھے

حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبان وحی میں سے تھے، حضرت کعب بن مالکؓ جو بیعت عقبہ ثانیہ اور مقام غزوات کے شریک تھے حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر و مداح رسول، حضرت جمیر بن معمرؓ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بوقت واپسی سفر طائف کفار قریش کے علی الرغم اپنے جوار میں لیا تھا، حضرت حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور زمانہ نبوت کے قبل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خلوص و محبت کا رکھتے تھے دولت مند تھے، حضرت زید بن حارثہ ان ہی کے فریبر خدمت میں پہنچے تھے اسی طرح دیگر صحابہ تو پھر ایسے ممتاز و با اثر اصحاب کی موجودگی میں حضرت عمارؓ کو بلانے کے لئے جہانِ حضرات سے کم حیثیت کے تھے۔ بار بار لوگوں کو دھمکانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں راویوں نے اسی مقصد سے تراشی ہیں کہ حضرت عمارؓ کو اس زمانہ میں مدینہ میں موجود بتائیں تاکہ بعد میں اولاً جنگ جمل پھر صفین میں ان کے موجود اور شایعہ کے ہاتھ سے مقتول ہو جانے سے حضرت معاویہ و اہل شام کو باغی ٹوٹی (الفتنۃ الباغیۃ) کہنے کی دلیل مل سکے ورنہ یہ حقیقت ہے وہ خود طبری کی روایت سے مختلف ہو جاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کو بلوائیوں کی ٹوٹی نے اپنا لانا فاش ہو جانے کے خوف سے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دھوکے سے ہلاک کر دیا۔ وقتہ اغتیل۔

۱۱۔ کچھ اداق میں ذکر اس وضعی روایت کا آچکے ہیں کہ حضرت عمارؓ کو علوی لشکر میں دیکھ کر حضرت زبیرؓ نے ان سے کناہ کش ہو گئے تھے، گویا راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ الفتنۃ الباغیۃ (والی حدیث گذرہن میں رکھ کر ہی تو علحدہ ہوتے تھے، اگر یہ بات ہوتی تو جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ اکیلے اکیلے کیوں الگ ہو جاتے انہیں لازم تھا اپنے ساتھیوں خصوصاً حضرت ام المومنینؓ کو متوجہ کر کے لڑائی بند کرادیے کم از کم اپنے لخت جگر حضرت عبد اللہؓ کو سختی سے ہدایت کرتے روایت گھڑنے والے نے ان باتوں کا لحاظ نہ کیا۔

خجک جلی جی کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوفہ سے فوجی اعلاہ حاصل کرنے کی غرض سے جو زور دیا جاتا ہے تھے ایک کے ساتھ حضرت عمارؓ کو بھی بھیجا گیا تھا حالانکہ حضرت

میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور الاشترؓ اسی غرض سے بھیجے گئے تھے، اولیٰ کو فہ اس وقت حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ تھے جنہوں نے بالاعلان کہہ دیا تھا کہ خلیفہ شہید عثمانؓ کی بیعت میری گردن میں بھی ہے اور علیؓ کی گردن میں بھی ہے پہلے تو زابلوں سے قصاص لیا جائے گا اور بعد میں ادا ہوئے ہوں گے وہ رشتہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے داماد تھے اور الاشترؓ کا وطن کوفہ تھا جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا، ان دونوں کا کوفہ بھیجا جانا تو مفید مطلب ہو سکتا تھا مگر عثمانؓ سے تو کوفہ کے لوگ بسا کہ طبری ہی کی بیعت سے پہلے بیان کیا جا چکا ہوا اس وقت سے ناراض تھے جب کوفہ کے عالی مقرر ہو کر گئے تھے اس اہل کوفہ ہی کی شکایتوں پر انہیں برطرف کر دیا گیا تھا اس کے بعد انہیں کوئی منصب بھی نہ دیا گیا، ایسے شخص کا فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے جانا نا موجب ناکامی کا ہوتا مصافحہ ظاہر ہے کہ یہ رعایت شخص وضعی ہے۔

۱۲۔ جنگ صفین میں حضرت عثمان کی نبرد آزمانی اور مقتول ہونے کی داستان جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا لہجہ اور عبارت کے فقرات ہی سادگی کی غمازی کرتے ہیں ابن جریر طبری نے قال ابو مخنف کی تکرار کے ساتھ یہ روایتیں درج کی ہیں ابو مخنف کے آبا و اجداد عراقی لشکر میں اپنے قبیلہ ریحانہ کے ساتھ موجود تھے اس کی روایتیں عراقیوں کی طرف لاری اور شامیوں کی مذمت کا رنگ سے ہوتے ہیں، ابو مخنف ہی تو مقتل حسین کا توفیق بھی ہے کہ لاریوں نے عراق کے ممتاز لوگوں میں سے شمر بن ذی الجوشن کو جو حضرت علیؓ کے رشتے میں سالے ہوتے تھے نیز شہید بن ربیع کہ ایسا فستی القلب ظاہر کیلئے کہ حضرت حسینؓ کے سینے پر چڑھ کر زنج کرنے اور سہرا تارنے کے فعل شیعہ کا از کتاب کیا تھا جنگ صفین میں اسی راوی ابو مخنف نے ان دونوں کو حضرت علیؓ کا ایسا رجوش حامی ظاہر کیلئے کہ دوران جنگ حضرت معاویہؓ سے مثلاً شہید بن ربیع کی یہ گفتگو ہو نا بیان کی ہے۔

شہید بن ربیع: معاویہ! ہذا تجھے ہدایت دے! کیا تو عثمانؓ کو قتل کر دے گا۔  
معاویہ: مجھ کو کون چیز اس کے قتل سے مانع ہوگی، ہاں خدا اگر مجھے موقع ملا تو میں عثمانؓ

کے غلاموں کے بدلے اس کو مارنا لوں گا! ابو مخنف اس گفتگو سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ صفین کے معرکے میں حضرت عثمانؓ نہ صرف بذاتہ شریک تھے بلکہ علوی لشکر میں ان کی موجودگی عام لشکریوں یا کم از کم سرداران لشکر کے نزدیک دلیل اس بات کی تھی کہ اگر عثمانؓ شامی لشکر کے ہاتھ سے قتل ہوں تو وہ الفتنۃ الباعینۃ قرار پائے گا، عمر بھی ان کی بانو سے تزاؤ سے برس کی بیان کی گئی ہے لکھلپے کہ جہنمائی طور سے وہ اس قدر کزور تھے کہ ہتھیار اٹھاتے ہاتھ لڑنے لگے تھے۔ لیکن ٹھکان کی لڑائی کے وقت اسی مشہور کذاب راوی کے بیان کے مطابق وہ یہ کہتے ہوتے نبرد آزمانی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (طبری ج ۶ ص ۶۱)

یہ اس وقت تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تیری مرضی اسی میں ہے کہ میں اپنے کو اس دنیا میں بھینک دوں تو میں بیشک ایسا ہی کرتا اور اگر تیری خوشنودی اس میں جانتا کہ تلوار کی ٹوک اپنے پیٹ پر رکھ لوں اور اس کو اس زور سے دباؤں کہ پشت سے نکل جاتے تو میں بلاشبہ ایسا ہی کرتا، اے افتخار آج کے دن میں ایسا کام کیا چاہتا ہوں کہ تو ان فاسقین سے جہاد کرنے سے زیادہ اس سے رنجی ہو گا۔ وانی لا اعلم الا سیوہ عملا ہو رضی اللہ عنہما جہاد ہوا لام الفاسقین!

اس عراقی شیعہ اخباری ابو مخنف نے حضرت عثمانؓ کی زبان سے شامی بو فاسقین سے جہاد کرنے سے زیادہ جس کام کو فضلت الہی کا مستوجب بتایا ہے وہ شامیوں کے ہاتھ سے ان کا مقتول ہو جانا کہہ کر الفتنۃ الباعینۃ کا لیل اہل شام پر لگاتا ہے۔ خانجہ عثمانؓ کا لگوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے اسیہ کہتے ہوئے لشکر شام کی طرف چلنے کی دستخط گھڑی ہے۔ وقد فحمت ابواب الجنة وتزینت المحراب العین لودسازے جنت کے کھل گئے یہ چشم ہمیں بناؤ نگھاہ سے ہیں، پھر کہتا ہے کہ صفین کی داو دیوں میں سے کسی داوی پر سے وہ نہ گزرتے مگر صحابہ رسول انسان کے ساتھ ہوتے جاتے تھے کہ حضرت ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاصؓ تک پہنچ گئے جو علوی لشکر کے علم بردار

تھے ان کو بھی ساتھ لیا حضرت عمرو بن العاص کا مقابلہ ہوا تو عمار کے منہ سے یہ میری  
غلط بات کہلاتی کہ تو آج ہی اس لشکر کے علمبردار سے نہیں لڑتا میں باہر آکھنرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس علمبردار سے لڑ چکا ہے اور آج یہ جو بھی مرتبہ ہے کیا تجھے  
یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عمار کو گروہ باغی مارے گا"

ترجمہ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۴ ص ۴۶ نیز طبری ۶ ص ۲۲

ابو مخنف کو جسے سب ہی ائمہ بھالنے کتاب کہلے صحابہ کے حالات سے صحیح  
واقفیت رہتی ذرا دیکھتے یہاں کسی غلط بات کہہ گیا، حضرت ہاشم بن عبد مناف فتح مکہ کے  
بعد اسلام لائے تھے اور حضرت عمرو بن العاص فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے  
حضرت ہاشم سے ہمہد ساتت میں ان کی بزد آرمائی خود باطل ہے پھر ان کے ہی منہ  
سے ان کے مقتول ہو جانے اور فتنہ باغیہ کا لیل ان پر انداز کے ساتھیوں پر  
چپان کرنا بیان کیا ہے گویا وہ "فا سقین" کا مقابلہ کرنے آئی تھے چلے تھے اور دوسرے  
صحابہ بھی اپنی جانیں ان کے ساتھ دینے پر آئی تھے مستعد ہوتے تھے کہ یہ لیل حضرت  
معاویہؓ ان کے ساتھیوں پر چپان کر سکیں، غرض کہ اس قماش کی وضعی اصل یہاں  
دوایتوں سے حضرت عمار کا مصیبت کے معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو جاتا قابل شام  
کو باغی گروہ قرار دیتے ہی کے لئے گھڑا ہے، کوفہ کی ٹکالوں میں صد بارواتیں ٹھہری گئیں  
حتیٰ کہ حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی اپنے والد سے گفتگو  
بھی وضع کی گئی اور حضرت معاویہ کی طرف سے بھی جواب تقیف کیا گیا کہ جو لوگ عمار کو  
ہماری تلوار کے نیچے محال گئے وہی ان کے قائل اموی فتنہ باغیہ ہیں پھر کسی نے اپنی  
فہانت سے یہ تاویل بھی کر ڈالی کہ باغیہ سے مراد بغاوت ہی نہیں بلکہ باغیہ یعنی طالبہ  
ہے اور ہم لوگ قصاص عثمان کے طالب ہیں اس لئے فتنہ باغیہ نہیں، یہ سب سوال و جواب  
واقعہ سے تیریا دوسری اور خود ہی تصنیف کر کے شہر کر دئے گئے جو روایت پرستی کی  
وجہ سے کتب تاریخ کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی سدرج میں ان سب موضوعات  
کی تردید و کنذیب ایک ایسی سند تاریخی دستاویز سے ہو جاتی ہے جو اسی زمانے یعنی

۳۳۳ھ ہی میں قلم بند کی گئی تھی یعنی خود حضرت علیؓ کا گشتی مراسلہ جو اس وجہ مستند  
ہے کہ کتب تاریخ و تذکرہ کے علاوہ بیخ البلاغۃ کے مصنفین نے بھی اسے درج کیا ہے اسی  
سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

من کتاب علیہ  
گشتی مراسلہ  
السلامی الامصا  
یقنص فیہ ماجری بینہ و بین  
اہل الشام

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب زعلی علیہ السلام کا جو  
تمام شہروں کے لوگوں کو بھیجا گیا جس میں اس  
واقعہ کو بیان کیا ہے جو ان کے اہل شام کے دریا  
پیش کیا۔

وکان بدوا من التقیان والقوم من  
اصل الشام وظاھرات من واحد  
بیننا واحد ودعوتنا فی الاسلام  
ولم یقتلا نستریں ہم ولا یتزید  
وفنا الا من واحد الا ما اختلفنا فیہ  
من دعثمان ونحن منہ بدواع  
بیخ البلاغۃ جزؤ ثانی ص ۱۵۱

اور ہمارے معاملہ کی ابتلا یہ ہوئی کہ ہم میں اور  
اہل شام سے مقابلہ چلانا یہ ظاہر ہے کہ ہمارا اور  
ان کا خلیفہ، ہمارا اولاد کا ہی ایک ہماری اور  
ان کی دولت اسلام ایک اٹھ پر ایمان رکھنے  
اور ان کے رسول کی نصرت میں نہ ہون  
سے زیادہ اہم تھا ہم سے زیادہ پس ساہلو آہ  
ہے سوائے اس کے کہ ہم اہل شام میں خون عثمان کی  
بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

حضرت عمارؓ کو جنگ مصیبت میں علوی لشکر کی جارحیت سے لڑتے ہوئے اہل شام کے  
باہنوں مقتول ہو جاتے تو حضرت علیؓ سے اس گشتی مراسلہ کا جو مصنفین سے واپسی کے بعد  
لکھا گیا تھا نہ یہ لہجہ ہوتا اہل شام حضرت علیؓ کو لڑائی بند کر کے نزاعی معاملہ کے تصفیہ کے تے  
تالیقی منظور کرتے بلکہ حسب فرمان خداوندی اس وقت تک لڑائی جاری رکھتے کہ اہل شام  
جو تملک الفتنہ الباغیہ کے اعتبار سے باغی قرار پائے ہوتے اشد کے حکم کے  
سامنے جھک نہ جاتے حتیٰ نقی الی اہل اللہ کیا مودعی صاحب اہل شام کے ہم خیالی  
یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس معاملہ میں حکم الہی کا لحاظ نہ کیا اصباحی

جماعت کو نہ کر کے بجاتے ان سے صلح مصالحت کرنے کے لئے ثالثی کی تجویز قبول  
 کر لی اور اپنے اس گشتی مراسلہ میں اشارتاً بھی اس بات کا اظہار نہ کیا کہ عمار شامیوں ہی کے  
 ہاتھوں قتل ہوتے تھے، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمار کا قاتل گروہ  
 ہی باغی ہے برخلاف اس کے حضرت علیؑ نے کس وصاحت کے ساتھ ان ہی شامیوں کو  
 اپنا جیسا مومن بنا لیا سے اپنے اختلاف کی وجہ و قصاص خون عثمانؓ کا معاملہ بیان کیا ہے  
 حضرت علیؑ نے گشتی مراسلہ کی تحریر و تشریح اور جنگ بندی کرنے سے بالفاظ دیگر قولاً اور  
 فعلاً ثابت کر دیا کہ اہل شام کو وہ باغی گروہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس کا صاف مطلب یہ ہے  
 کہ عمار اہل شام کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوتے، مقتول ہوتے تو حضرت علیؑ اہل شام کہہ  
 باغی قرار دیکر ان سے لڑائی جاری رکھتے نہ لڑائی بند کرتے اس لئے ثالثی قبول کرتے ان کے قول  
 فعل دونوں سے ثابت ہے کہ عمار جنگ مصفین میں ہرگز مقتول نہیں ہوتے جیسا ہم تفصیلاً  
 بیان کر چکے وہ باقی باغی ٹولی کے ہاتھوں پہلے ہی مقتول ہو چکے تھے نہ مصر سے جہاں  
 ابراہیم بن عثمانؓ کے معتمد علیہ نماز سے کی حیثیت سے بغرض تحقیقات گئے تھے مدینہ  
 واپس آسکے نہ جنگ جمل و مصفین میں موجود تھے اور نہ شامیوں کے ہاتھوں مقتول ہوتے تھے  
 جنگ مصفین تو جیسا خود حضرت علیؑ کا قول نقل ہو چکا ہے و قصاص خون عثمانؓ کے  
 نرہائی معاملہ کی وجہ سے ہوتی تھی دونوں فریق کی دعوت ایک ہی تھی بغاوت کا اس سے کیا  
 تعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ابن کثیر نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

انہ قال لا تقوم الساعة حتى  
 تقتل عثمان عظيمتان يقتل  
 بينهما قتلة عظيمة ودرعواهما  
 واحدان (البدایہ ج ۷ ص ۲۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں  
 تک کہ دو عظیم گروہ آپس میں بڑی خیریزی کریں گے اور  
 دعوت ان دونوں کی ایک ہی ہوگی۔

عثمان عظیمتان سے صاف ظاہر ہے کہ عراقی و شامی افواج ہی مراد ہو سکتی ہیں جن  
 میں دو مقتولہ عظیمہ واقع ہوا اگر حضرت عمار قتل ہوتے تو ضرور اشارہ ان کا اس میں  
 ہوتا اور حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ کا صحابی ہونا قطعاً طور سے مسلم ہے علامہ

سہروردی کی کتاب وقاء الوقایہ میں جو حدیث ان الفاظ میں ہے یا اعتباراً بالاعتقاد  
 صحابی تقتل الفتنة الباغية (اے عمار! تجھے میرے صحابی نہیں قتل کریں گے  
 بلکہ باغی گروہ تجھے قتل کرے گا) قاتلان عثمانؓ کا باغی گروہ ہونا مسلم ہے اسی باغی گروہ نے  
 حضرت عمارؓ کو جیسا تفصیلاً بیان ہوا قتل کیا تھا، قاتلان عثمانؓ میں کوئی صحابی شامل نہیں  
 تھا۔ مصفین میں فریقین کے لشکریوں کی تعداد دو لاکھ بیان کی گئی ہے اس لاکھ  
 عراقی لشکر کے ساتھ ہزار حضرت معاویہؓ کی شامی افواج کے یہ کثیر التعداد جنگجو  
 کم و بیش تین ہجرت تک ایک دوسرے کے مقابل صفت کر رہے ہیں درمیان میں چھٹی بڑی  
 جھڑپیں بھی ہوئیں جو شمار میں مستثنیٰ سے ایک سو دس تک بتائی جاتی ہیں۔

معدوی صاحب نے اپنے مأخذ البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۱۹) میں اس واقعہ کا حال  
 ضرور لکھا ہے کہ عیسیٰ بن بادشاہ دیمصر روم نے جس کی افواج کو حضرت معاویہؓ متقدم معرکوں  
 میں شکست دے چکے تھے مملکت اسلامی کی سرحدات کے قریب اپنے فوجی دستے اس مقصد  
 سے مجتمع کرنے شروع کر دئے تھے کہ عراقی اور شامی افواج خانہ جنگی کے نتیجے میں گھٹ گھٹا کر  
 کمزور و دربانہ ہو جائیں تو دیکھ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کا فائدہ کر دے اس خطرے  
 کا احساس سب سے پہلے حضرت معاویہؓ کو ہوا، چنانچہ انہوں نے دیمصر کو تہمدیدی مراسلہ بھیجا کہ  
 تیری فوجوں نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو میں اور میرے چچا کے بیٹے علی بن ابی طالبؓ تیرے  
 مقابلے میں فوراً صلح کر لیں گے لاصطلمن اننا و ابن عمی پھر ہم دونوں کی سختہ افواج  
 تیرے ملک پر چڑھائی کر کے کچھ نکال باہر کریں گی کہتے ہیں کہ قیصر نے اسی سے متاثر ہو کر ہی  
 اپنے فوجی دستے ہٹائے تھے، عیسیٰ بن مورخین نے الیتہ یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قیصر  
 کے حملے کے پیش نظر امن و امان قائم رکھنے کے بدلے کامعاویہؓ اس شرط پر اس سے کر لیا تھا کہ ایک  
 مہینہ تمام اسے سالانہ پیش کر دی جائے یا کرے گی، واقعہ کی نوعیت بہر حال کچھ مو حضرت معاویہؓ  
 اس خطرہ کو ضرور محسوس کر رہے تھے کہ اس لڑائی میں اسلامی لشکریوں کی حربی قوت اگر کمزور  
 پڑ گئی تو دشمن اسلام قوتوں کا مقابلہ کون کر سکے گا، مورخین کا بیان ہے کہ دونوں لشکروں  
 میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سچے ننگے تھے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے

اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی پیمانہ معقول حل تلاش کیا جائے سبائی پائی کے کھدایے لوگ بھی علوی لشکر میں شامل کئے جنہوں نے پہلے بھی اصحاب جمل اور حضرت علیؑ کے مابین صلح و مصالحت کو ناکام بنا کر جنگ چھڑ دی تھی وہ بعض میں اشغال انگیزی سے جو کئے مالتے تھے، چنانچہ خویریزہ جھڑپوں کے درمیان ہی ایک گھمان کا یسارن پڑ گیا کہ تمام دن اور ساری رات انتہائی خویریزہ لڑائی جاری رہی لگے گویوں کے سر کا جرموں کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے۔

ولاستمر القتال فی هذه الليلة  
 کلھا وھی من اعظم الليالی شرًا  
 بنین المسلمین رستی هذا المیہ  
 لیلة الھرمیر (البدایہ ج ۲ ص ۲۶۱)

اس رات میں یہ لڑائی پوری رات جاری رہی اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان انتہائی پر فتن راتوں میں ہے (اس رات کو لیلة الہرمیر سے موسوم کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے البدایہ والہنایہ (ج ۲ ص ۲۶۲) میں یہ بھی کی روایت سے لکھا ہے کہ یزید کے ساتھ ہزار سپاہی اس لڑائی میں قتل ہو گئے تھے۔

ولکان اهل الشام سبئین الفاً  
 فقتل منهم عشرون الفاً وکان  
 اهل العراق مائتہ وعشرون الفاً  
 فقتل منهم اربعون الفاً ایضاً

اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار قتل ہوئے اور اہل عراق کے ایک لاکھ بیس ہزار میں سے چالیس ہزار مقتول ہوئے۔

عراقی فوج کو تعداد میں شامیوں کی بہ نسبت تقریباً دو گنی تھی لیکن کچھ اوراق میں خود حضرت علیؑ ہی کا قتل نقل ہو چکا ہے، معینہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عطیات کے لالچ میں بہت سے سپاہی ایسے بھرتی ہو گئے تھے جو آزاد و غلام کار سپاہی پیشہ نہ تھے بلکہ ان کے شامی افواج میں اکثر وہی دستے شامل تھے جو باہاقتصر دم کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجوں کو تنگ رہتے پر شکست دے چکے تھے اور اس لڑائی میں تو ایک ایک شامی مسلمان ہنر و کار نامے خلیفہ شہید مظلوم کے فضائل کا حملہ آوروں سے بدلہ لینے کے لئے جوں کے وطن سرخیز پر چڑھاتے تھے جیسا کہ اس نے اس خویریزہ معرکہ میں شامی فوج

کا پلہ بھاری رہنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی مگر کھڑ گویوں کی اس کثیر تعداد کا یوں فنا ہو جانا ایک المیہ تھا، اس لیے ایک خویریزہ کا منظر سخت سے سخت دل کو بھی خون کے آنسو رلا دینے کو کافی تھا اور حضرت معاویہؓ کی تو مسرت ہی میں رات با رعبیت و شفقت علی المسلمین کا جذبہ کوٹ کر بھرا تھا، نیز انہیں تو عساکروں کے خلاف جہاد ہی جموں میں آرزو اور مجاہدین کی شدید ضرورت تھی وہ اس لیے ایک خویریزہ کے خیال سے تڑپا اور صبح ہوتے ہی یہ کہتے ہوئے کہ لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو حفاظت سرحدوں کی کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا۔ قاتل فتنی الناس فمن للشغور ومن لمحاهد المشرکین (البدایہ ج ۲ ص ۲۶۲) انہوں نے قرآن شریف بلند کر کے اعلان کر دیا۔ ہڈی بیننا و بینکم (یہ جملے تمہارے درمیان حکم ہے) موٹوی صاحب نے جو ظاہر ہے حضرت معاویہؓ اور دیگر عظیم اور حلقہ بنی امیہ کی تحقیر و تضحیک میں بہرونی روایت قبول کر لیتے ہیں، مشہور کذاب اخباری ابو یوسف نے اس روایت پر اعتماد کر لیا کہ شامی فوج کو ہتھم ہتھم دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو یہ ترکیب سوچا دی کہ نیزوں پر قرآن شریف آویزاں کر کے جنگ بندی کی اپیل کر دو مخالف فوج میں تفرقہ پڑ جائے سے یہیں موقع مل جائے گا، چنانچہ اس بارے میں بتے میں (شامی ج ۱ ص ۱۵۸)

یہ بعض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنا کر اسے سے مقصود ہی نہ تھا، حضرت معاویہؓ کی ان کے نزدیک یہ اگر ایک جنگی چال تھی تو حضرت علیؑ کی ایسی ہی کارروائی کو وہ پھر کیا کہیں گے، کیا انہوں نے اپنے ماخذ طبری (ج ۵ ص ۱۱۹) میں ایک شدید نقد مادی عمار اللدھنی کی یہ روایت نہیں ملاحظہ کی کہ جنگ جمل میں خود حضرت علیؑ نے قرآن شریف بلند کر کے اسے حکم بنانے کی دعوت دی تھی ان دونوں بزرگ صحابیوں اور کاتبان وحی کے یکساں طرز عمل کے بارے میں جو مزید خویریزہ روکنے کے مقصد سے بقایہ فرق و امتیاز پیدا کرنا کہ حضرت علیؑ کا قرآن اٹھواتا تو خلوص مینت سے تھا اور حضرت معاویہؓ کی یہ بعض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنا کر اسے سے مقصود



پہنہ تھا، کیا مودودی صاحب کے بعض معاویہ کا کھلا ہوا ثبوت نہیں۔  
 مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے چند لفظ نقل کر کے حضرت  
 معاویہؓ پر جلی چار چلنے کا فتویٰ تو صادر فرمایا، لیکن اسی سلسلے میں اس کتاب مادی  
 کے دوسرے فقرے جو اسے اس کی کتب بیانی کا نشانہ بنا رہے تھے، مودودی صاحب  
 پی گئے، صرف اتنا لکھ دیا کہ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ بکھا یا کہ اس چال میں  
 نہ آؤ، جنگ کا خزی فیصلے تک پہنچ جانے دو، حالانکہ طبری کی روایت میں جس کا حالہ  
 مودودی صاحب نے دیا ہے، ابو مخنف نے حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ  
 تم لوگ لڑائی بلا رہا جاری رکھو کیونکہ یہ لوگ یعنی:-

”معاویہؓ و عمرو بن العاص و ابن ابی معیط و صیب ابن سلمہ و ابن ابی سرح  
 و ضحاک ابن قیس یہ لوگ نہ دین والے ہیں نہ قرآن والے (لیسوا باصحبا  
 دین و لا قرآن) میں تو ان لوگوں کو تم سے کہیں زیادہ جانتا ہوں کیونکہ  
 بچپن میں بھی ان کی سنگت میں رہا ہوں اور بڑے ہو کر بھی (قد صحبتم  
 اطفالاً و صحبتم رجلاً) یہ بچپن میں بڑے شریعت تھے (دربڑے ہو کر  
 بھی رہے انہوں نے جو قرآن بلند کئے وہ اسے جانتے ہی نہیں جو اس  
 میں ہے (لا یعلمون بما فیہا) انہوں نے تو محض دھوکہ و فریب و مکر

سے اٹھایا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۷)

اب دیکھئے حضرت علیؓ نے اپنے کئی مراسلے میں جس کا مضمون اوپر نقل ہو چکا ہے  
 اہل شام کو جن سے صفین میں ان کا مقابلہ ہوا اپنا ہی جیسا مومن بتایا ہے مگر یہ کتاب  
 مادی ابو مخنف جس کی روایت سے مودودی صاحب چند لفظ نقل کر رہے ہیں ان  
 ہی مومنین کو جو سب کے سب صحابی ہیں اور اسلامی خدمات و شاعت دین میں جن  
 کے عظیم الشان کارنامے ہیں حضرت علیؓ ہی کی زبان سے بے دین اور کافر کہلا رہا ہے  
 اس پر مستزاد یہ کہ حضرت ضحاک بن قیسؓ و حضرت ولید بن ابی معیطؓ کو جو حضرت علیؓ سے  
 سن و سال میں بیس بیس چھوڑ گئے تھے ان ہی کی زبان سے بچپن اور جوانی کا ساتھی ہم جلس

بھی کہلا رہا ہے، حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے اس کتاب مادی کی ایسی لغو روایت  
 کے چند لفظ تو ان دونوں جلیل القدر صحابیوں حضرت معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ  
 پر چوٹ کرنے کے لئے لے لے کر باقی فقرات کا شاید اس خوف سے احتفا کر دینا مناسب  
 جانا کہ یہ ترجمان القرآن، پڑھنے والے ان صحابیوں کو یہ لیسوا باصحبا دین و لا قرآن  
 بالفاظ دیگر بے دین اور کافر قرار دیا جانا قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکیں گے، ابو مخنف کی ان  
 اکاذیب کے باوجود یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے  
 قرآن کو حکم بناتے جانے کی دعوت کو سب نے قبول و منظور کر لیا، بر خلاف حضرت علیؓ  
 کے قرآن بلند کر کے حکم بنانے کی دعوت کو اصحابِ جمل نے ان کی بدجلی چال سے سمجھ کر مسترد  
 کر دیا تھا، کیونکہ صلح مصالحت ہو جانے کے بعد بھی سیاسیوں نے جیسا کہ مودودی صاحب  
 کو تسلیم ہے اپنی خیر ماننے کے لئے شب و دن مار مار کر جنگ کی آگ بھڑکائی، صفین میں تو  
 ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، حضرت علیؓ اور عراقیوں کی اکثریت نے جہنم میں جنگ  
 لڑ رہے تھے اس دعوت کو بلانا مذنب قبول کر لیا صرف وہ قلیل جماعت متعین رہی جو بعد  
 میں خارج کہلائی۔

**تقر حکمین** ثالث مقرر کرنے کے بارے میں شامی کمپ میں تو دیگر امور کی طرح  
 کامل اتفاق رہا، حضرت علیؓ کے کمپ میں اور باقیوں کی طرح اس میں بھی  
 اختلاف پیدا ہوا، حضرت علیؓ نے پہلے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا۔  
 مودودی صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے لوگوں نے کہا یہ تو تمہارے بھائی تمہاری ذات  
 کے مثل ہیں ہم تو نادبے لاگ شخص چلتے ہیں جس کا تمہارے اور معاویہ کے ساتھ برابر  
 کا تعلق ہو، ہومندک ومن معاویہ سے سوا حضرت علیؓ نے پھر الا شتر کا نام  
 پیش کیا اور کہا یہ تو میرا عزیز نہیں ہے لوگوں نے اس کے نام پر بھی اعتراض کیا کہ ساری آگ تو  
 اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے، مودودی صاحب اس کو پنی گئے شاید اس وجہ سے کہ حضرت  
 علیؓ کا اپنے خاص آدمیوں سے کسی کو اپنی جانب سے ثالث مقرر کرنا تو اسی سبب سے  
 تھا کہ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکتے ہیں وہ اپنا پہلو خود ہی مڑو کر رکھ رہے تھے، لوگوں نے

یہ کہہ کر الاشر تو صحابی بھی نہیں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا اسم گرامی پیش کیا یا الاخر حضرت علیؓ نے بھی مان لیا اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لے کر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں صلہ صادر کر دیں غواہ میری گردن کاٹ دے جانے کے بلے میں کیوں نہ ہو یہ قول ان کا مشہور کوئی ناوی ابو محمد سلیمان بن ہبران الکافی کی سند سے نقل ہوا ہے جو مردودی صاحب کے یہاں خاصا مقبول ہے پوری عبارت یہ ہے۔

قال حدثني من يسمع علياً يوم صفين  
وهو عاصم بن علي شفته لوعلمت  
ان الامر يكون هكذا لاجل خبز اذهب  
يا موسى فاحكم ولو يجر عنقني -  
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۸۳ طبع اول)

سلیمان بن ہبران نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے دن حضرت علیؓ کے منہ سے سنا تھا وہ اپنا ہونٹ چبائے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر میں یہ جانتا کہ معاملہ یہ صورت ہو جائے گی تو فرج ہی نہ کرتا چلو ابو موسیٰؓ صلہ صادر کر دو غواہ میری گردن ہی کاٹنے کے بارے میں ہو۔

**ثالثی نامہ**

ثالثی نامے کے مدبریت لکھے گئے، جس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتدلیہ اشخاص میں سے تیس تیس افراد کے دستخط بطور گواہ و شاہد ثبت ہوئے اکثر مورخین نے ثالثی نامے کے مصنف کو پورا نقل نہیں کیا صرف ابتدائی چند فقرے درج کرتے ہیں اخبار الطول کے مترادف ابو عینضا محمد بن واووالد میوری نے جو اپنے مشہور سیم وطن مؤرخ ابن قتیبہ کے ہم عصر تھے ثالثی کی اس اہم دستاویز کو یہ تمام و کمال درج کیا ہے ابن جریر طبری نے ابو مخنف کی سند سے ثالثی نامہ کا جو مضمون نقل کیا ہے اس میں سے یہ اہم فقرہ جس سے ثالثوں نے فریقین سے اللہ کے نام پر فیصلے کی پابندی و اتباع کا موثقی عہد لیا تھا حذف کر دیا گیا ہے وہ مضمون یہ تھا۔

واخذ عبد الله بن قيس وعمر بن  
العاص علي بن ابي طالب وعاصم بن  
الله وميثاقهم بالرضا بما حكما له  
في كتاب الله وسنته نبويه وليس  
عبد الله بن قيس (ابو موسیٰ الاشعری) اور عمر بن العاص نے علیؓ و معاویہؓ سے اللہ کے نام پر تین عہد و اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلے پر رضی ہوں گے جو کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کی بنیاد پر کیا جائے

لعمارت ينقصا ذلك ولا يجي القاء  
الي عنيدك  
علي و معاویہؓ کو اس کی اجازت نہ ہوئی کہ وہ ثالثوں کے فیصلے کو توڑ دیں اسی کے برخلاف

(اخبار الطول دینوری) کسی اور طرف مائل ہوں  
ابو مخنف کا ثالثی نامے کے اس اہم فقرے کو ترک و حذف کر دینا صاف ظاہر ہے اسی کذب بیانی کی غرض سے تھا کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ ٹھکرا دیا تھا اس بارے میں گفتگو آگے آ رہی ہے۔

ثالثی نامے کی عبارت یوں شروع ہوتی ہے :-

بسم الله الرحمن الرحيم - هذا ما اتفقا  
عليه علي بن ابي طالب ومعاوية بن  
ابي سفيان قاضي علي بن اهل الكوفة  
ومن معهم من شيعتهم من المؤمنين  
والمسلمين وقاضي معاوية علي اهل الشام  
ومن كان معهم من المؤمنين المسلمين  
التي اشخروا (طبری ج ۶ ص ۲۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ و معاویہؓ نے عہد کیا ہے علیؓ نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی جانب جو مومنین و مسلمین میں سے ان کے ساتھ اور ان کے طرفدار ہیں اور معاویہؓ نے اہل شام اور ان لوگوں کی طرف سے جو مومنین اور مسلمین میں سے ان کے ساتھ ہیں۔

مترجم بالا عبارت کے الفاظ سے یہ حقیقت ٹھکے سانسے آجاتی ہے کہ ثالثی کی تجویز نے حضرت علیؓ کی وہ حدیث ختم کر دی جو بیعت خلافت سے انہیں حاصل ہو گئی تھی ثالثی نامہ کی رد سے حضرت علیؓ اہل عراق کے ایسے رہے اور حضرت معاویہؓ اہل شام کے ایسے تسلیم کرتے گئے اور یوں دونوں ایک سطح پر آ گئے۔

ثالثی نامہ میں ثالثوں کو ہدایت کی کئی کئی کہ وہ امر متناہد کے بارے میں لوگوں کی شہادت لیں اور بیانات شہادت کو قلم بند کرتے جائیں ثم یکتیان شہادتاہما (طبری ج ۶ ص ۳۱) ثالثوں کو تحقیقات کرنے کے لئے چار ماہ کی ہدایت اجتماع حکمین اور فیصلہ دی گئی تھی ساتھ ہی یہ ہدایت بھی تھی کہ بضرورت اس مدت میں اور اضافہ کیا جاسکتا ہے ثالثی نامہ ۱۳ ماہ صفر ۳۵ھ کو لکھا گیا تھا، اور شعبان

۳۳۲ مذکور میں یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا اجتماع ہوا، گویا تقریباً چھ مہینے تحقیقات میں صرف ہوئے حسب قرارداد فریقین کو ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لئے اپنے ساتھ چار چار سو اشخاص کے اس اجتماع میں لگانے کی اجازت تھی اور خود ثالثوں نے بھی اپنی جانب سے عطلت امت کو مدعو کیا تھا، حضرت معاویہؓ اپنے چار سو ساتھیوں کے موقع پر موجود تھے حضرت علیؓ نے بذات خود حاضری سے گریز کیا شاید اس لئے کہ فیصلہ کے اپنی موافقت میں ہونے کا انہیں یقین نہ تھا، اس لئے اپنی جانب سے اپنے چہرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیج دیا تھا،

جیسا ہم بتا چکے ہیں مورخین نے ثالثی نامہ کا مضمون تو نقل کیا ہے اکثر نے خلاصہ اور ایک نے پورا مضمون درج کیا ہے، لیکن تقریباً چھ ماہ تک تحقیقات کرنے اور گواہوں کے بیانات قلم بند کرنے کے بعد جو عدالتی تجویز ثالثوں نے تحریر کی تھی وہ روایات کے انبار میں گم ہے، اس کا متن کہیں نہیں ملا، مسعودی جیسے شیعہ محدث کا بھی یہ بیان ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے زبانی تقریر نہیں کی (مروج الذهب ج ۲ ص ۱۱۱) چونکہ ثالثوں کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف تھا ابو مخنف نے اس کے متن کا احقار کر کے روایتیں وضع کر دی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ واقعہ معین اور تکلیف (ثالثی) کی روایتیں ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی سے لی ہیں اور قال ابی مخنف کی تکرار سے درج کروالی ہیں، بعد کے مورخین نے طبری سے نقل کیا ہے مسعودی صاحب نے ابن اشر والبلدلیہ والہنایہ وغیرہ کے حوالے تو دے مگر یہ نہ سوچا کہ ان سب نے ایک دوسرے سے ہی نقل کیا ہے، لہذا بعد کے لوگوں کے بہت سے نام دینے سے بات معتبر نہیں بن جاتی، مسعودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے حملے سے فرمادیا کہ حضرت علیؓ کے ثالث حضرت ابو موسیٰؓ نے کھڑے ہو کر کہا: دیکھ میں اور میرے دوست عمرو بن العاصؓ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ کر دیں لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں آپ لوگ جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنالیں اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا ان صاحب نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں

کیونکہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے دعویدار اور ان کی جائستگی کے سبب سے زیادہ مستحق ہیں۔

یہ روایت خالص سبائی جنگ سال کی ہے، مسعودی صاحب اسے مستند سمجھنے سے پہلے چند باتوں پر غور کر لیتے تو یہ خود گمراہ ہوتے اور نہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے۔ انہیں اعتراف ہے اور سب کے نزدیک مسلم کہ اس اجتماع میں فریقین کے چار چار سو مخلصانہ شریک تھے اور غیر جانبدار حضرات کی بھی ایک جمعیت موجود تھی جن میں اس عہد کی اعلیٰ مندرجہ ہستیاں شامل تھیں گویا کم و بیش ایک ہزار چھ سو مسلمانوں کا اجتماع تھا، اس وقت کے بہت سے صحابہ و تابعین شریک تھے جو درود روز مقامات ابن و حجاز و مصر و شام و عراق سے طویل مسافتیں طے کر کے آئے تھے اور ثالثوں کی شش ماہہ تحقیقات کے تبلیغ کی روشنی میں ان کی عدالتی تجویز سننے کے جو کلام اللہ و رحمت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا کی رو سے بدلائل و براہین قلم بند کی گئی تھی مشتاق تھے اگر واقعہ اسی طرح کا ہوتا جس کا نقشہ کذاب مادی نے ڈرامائی انداز کا کھینچا ہے تو وہیں جنگ چھڑ جاتی اور نہ چھڑتی تو غیر جانبدار حضرات کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ کسی بددیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے نژادی معاملہ قصاص خون عثمانؓ کا تھا شش ماہہ تحقیقات سے ثالثوں نے کیا نتائج اخذ کئے ہیں ان کی بنا پر کون فریق دستور دار ہے، تجویز پر مٹو کر کیوں نہیں منائی جاتی خلیفہ منتخب کرنے نہ کرنے کا ثالثوں کو کیا اختیار ہے لیکن تاریخ میں کسی جگہ کسی واپسی روایت میں اس کا اشارہ نہیں ملا کہ اس اجتماع میں امن شکنی کی کوئی مداخلت ہوئی ہو یہ قطعی اور حتمی ثبوت ہے کہ ثالثوں نے کوئی غلط اور فتنہ انگیز بات نہیں کہی اور اہلاس پر امن طریقہ سے برخواست ہو گیا۔

**شُرک عبارت بہ مصلحت** | مسعودی صاحب نے ابو مخنف کی سن گھڑت روایت سے پہلے تو یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے یہ اعلان کر دینے کے بعد کہ میں علیؓ و معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں کہا تھا کہ میں بھی ان کے آدمی (علیؓ) کو تو معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں کیونکہ

وہ عثمان بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دشمن اور ان کی جانیشی کے سب سے زیادہ سختی ہیں، دشمنانہ جو لائی، پھر یہ فقرہ نقل کیلئے ہے۔

حضرت ابو موسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا۔ مالک لا وفقت الله علیٰ وفقت اور مجرت (یہ تم نے کیا کیا، خدا تمہیں تو فریق نہ دے تم نے دھوکا دیا، اور خہد کے خلاف وزنی کی

مندرجہ بالا عبارت سے پیوستہ ہی جو چند اور جملے سبائی نکال کی گئی ہیں اس روایت کے پیرانہ موروثی صاحب نے یہ مصلحت ترک و حذف کرتے یعنی عربی کے یہ لفظ مالک لا وفقت الله عند سرت و مجرت تو نقل کرتے مگر اسی جملے سے پیوستہ لفظ انما کے ساتھ جو چند جملے اس کذاب راوی نے ان دونوں بلند پایہ صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں حضرت علیؑ کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا، موروثی صاحب نے ترک و حذف کر کے روایت میں یہ پورے عبارت جس کے خط کشیدہ جملے موروثی صاحب نے یہ مصلحت حذف کر دی ہے۔

فقال ابو موسیٰ مالک لا وفقت الله علیٰ وفقت و مجرت انما مثلک مثل الکلب ان تجعل علیہ بلہوناً و تتركہ بلہوناً قال عمرو انما مثلک مثل الحمار یحمل اسفاً (طبری ج ۶ ص ۴۱)

(حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ تو نے کیا کیا، اللہ تجھے ہدایت نہ دے تو نے بد عہدی کی اور جھوٹ بکا۔ تیری مثال لہوینا ہے کہ تو نے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیا ہے پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے (حضرت) عمرو نے کہا تیری مثال اس گدھے کی ہے جو بوجھل اٹھاتا پھرتا ہے۔

حوالہ دینے کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت کے ان جملوں کو موروثی صاحب کا ترک و حذف کر دینا ظاہر ہے اسی خوف سے ہو سکتا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اس روایت کو جس میں اکابر صحابہ کی تحقیر و تہقیر کی غرض سے گالم گلوچ کے یہودہ کلمات ان سے منسوب کئے گئے ہوں قبول و تسلیم نہ کر سکیں گے اور اس طرح موروثی صاحب کی یہ یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکتی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ ساتھ لڑے دیکھتے اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو مستحق

وچاہا ثابت کر کے ثالثی (تجکم) کی ساری کارستانی ہی کو ایک گورگور دھندہ ظاہر کریں اگر گالم گلوچ کے ان ماہی کلمات کو وہ اکابر صحابہ کی زبان سے ادا ہونا غلط جانتے تو اس سبائی روایت ہی کو باطل قرار دیتے مگر ان کو تو اپنے مقصد کے پیش نظر ان اصحاب کو صدق و دیانت، تہذیب و اخلاق، منانیت و بیحدگی کے اعتبار سے بانٹنا، آجیبوں سے بھی گلام اور محض اس وجہ سے ثابت کرنا تھا کہ انہوں نے کافی عرصہ تک تحقیقات کرنے کے بعد حضرت علیؑ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

شاید اسی خوف سے کہ لوگ یقین نہ کریں گے موروثی صاحب نے وہ یقین بھی اپنے الفاظ میں لکھنا مناسب نہ جانا جو ان کے مقبول سبائی راوی نے یہ کہہ کر کھینچ دیا ہے کہ ابو موسیٰ اور عمرو بن العاصؓ کی گالم گلوچ کے ساتھ ہی حضرت علیؑ کے خاتمہ سے شروع ہوا ہائی نے حضرت سعید بن مسیب سے کہی تھیں حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر صحابہ و تابعین کے اس صحیح عام میں گورے برسلنے شروع کرتے جس کے جواب میں حضرت عمرو کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے جو خود بھی بڑے پایہ کے عالم و فاضل صحابی تھے شروع کیا تھا پھر شروع کر دیا کہ تین لوگ بیچ بچاؤ کو دوڑ پڑے مگر بقول اس کذاب راوی کے تیرے ہونے کو انہوں نے ریا کوڑے مارنے پر کیوں اکتفا کیا حضرت عمروؓ کو تہ تیغ کیوں نہ کر دیا اس من گھڑت روایت کا ٹیپ کا بندھی سن لیجئے جس کا انفا کر دینا بھی موروثی صاحب نے منہ جانا اور ابو مخنف کے کتاب سے کہ ثابت صابان کے اس فیصلے کی روایت اور جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ہاشمیوں کو تہ تیغ کیا تو حضرت علیؑ کے کوشش گزار کی تو انہیں یہ سن کر اس درجہ تعلق ہوا کہ ہر نماز میں جس میں وہ ان اکابرہ مسلمات اہل شام یعنی حضرت موازیہ حضرت عمرو بن العاصؓ و حضرت ابوالاعور اسلمیؓ حضرت عبید بن مسعودؓ حضرت عبدالرحمن بن حضرت خالد بن سفیانؓ حضرت صحاح بن قیسؓ اور حضرت دینار بن عقیبہؓ پر جو سب کے سب صحابی غازی و مجاہدانہ کو فاتح اور تسلیم تھے لہذا بھیجا کرتے تھے، ابو مخنف نے یہ روایت لکھی کہ حضرت معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا حضرت علیؑ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مالک بن انسؓ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجی شروع کر دی۔

سچے مورخ ابن کثیر نے اگرچہ روایت پرستی کی بنا پر ابو مخنف کی یہ من گھڑت روایتیں بطری سے نقل تو کر دی ہیں، لیکن اکابر صحابہ سے بدکلامی کے وہ الفاظ بھی جو مودودی صاحب نے لکھوئے ہیں منسوب کرنا پسند نہیں کئے صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ ابو موسیٰ کے کلام میں یہ غلطی تھی تو عمرو بن العاصؓ نے الٹ کے ویسا ہی جواب دیا البتہ با نقی پائی اور مار پٹائی کا تذکرہ ”وذكر مروان جبرير“ کہہ کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ میں قنوت پڑھتے ہوئے سادات اہل شام پر لعنت کے ڈنڈے برسائے اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے ایسا ہی جواب دے جانے کو الفاظ جان کر لکھ دیا ”من هذا المصحح والله اعلم“

الغرض یہ ہے کہ نہ کی کسال کا ترتیب دادہ وہ تاریخی مواد جس کا سہارا لے کر مودودی صاحب نے اکابر صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظفر و تشنیع کے تیر و تشتر پینے ان مضامین میں چلانے مناسب سمجھے ہیں۔

ابو موسیٰ دیکھئے کہ جس مصنوعی بدوئے کا اوپر ذکر پہلاں کے اکابر صحابہ پر اتہام | اسے ہی مودودی صاحب نے اسی ابو مخنف کی روایت سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب کئے ہوتے بعض کلمات جتنا لٹول پڑھیں و تشنیع کئے ہیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :-

یہ درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔

(شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

حضرت ابو موسیٰ سے تو راوی نے یہ تقریر منسوب کی ہے کہ میں علیؑ و معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں، تو سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو انہوں نے کس چیز سے معزول کیا تھا؟ کیا خلافت سے؟ تو کیا کسی طرح ثابت کیا جاسکتا ہے کہ وہ خلافت کے مدعی تھے، مودودی صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی نہ تھے (شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء) جب وہ خلافت کے مدعی ہی نہیں تھے تو انہیں امارت شام ہی سے معزول کیا جاسکتا تھا

لیکن اس کا مال کار کیا ہوتا، زیر دستغیبہ سلسلہ صرف یہ تھا کہ سبائی باغیوں نے امت کے متفق علیہ امام کو ظلماً شہید کیا اور وہ حضرت علیؑ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص کس طرح لیا جاتے اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات سے قائم کی ہے جس کے سبب امت میں ایسا تفرقہ پڑ گیا کہ شمشیر کشی تک ذیبت پہنچ گئی ہے، ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیقات سے یہ فیصلہ کیا کہ باغی اور قاتلوں کے شمول اشارات سے حضرت علیؑ کا انتخاب غیر آئینی ہے وہ سنو خ ہو کر کل امت کے نمائندہ اصحاب کے مشورہ سے از سر نو انتخاب ہوا اور جب تک ایسا نہ ہو فلقین اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور باہم امن رکھیں، اس عادلانہ و مدبرانہ اعلان کا یہ نتیجہ تھا کہ اجلاس پراس طریقہ پر برخاست ہو گیا اور حضرت علیؑ و حضرت معاویہؓ کے درمیان پھر جنگ نہیں ہوئی اب یہ الگ بات ہے کہ ایسا اجلاس طلب نہ کیا جاسکا اور اس سے پہلے ہی حضرت علیؑ اپنی ہی پارٹی کے ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اس میں ثالثوں کا کیا مقصود

رہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کے فقرات جو مودودی صاحب نے ابو مخنف کے من گھڑت نقل کئے ہیں تو کیا وہ بنا سکتے ہیں کہ ان اکابر صحابہ حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس چابازی، کو آئینی حیثیت دیکر کیا حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کرنی تھی؟ اگر نہیں کی تو ظاہر ہے کہ راوی کی یہ ساری کذب بیانی عیاں ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے نہ حضرت معاویہؓ کو خلافت پر قائم کیا نہ ان کو خلافت کی بشارت دی بلکہ اطلاع دی کہ ثالثوں نے متفقہ فیصلہ سے حضرت علیؑ کے انتخاب کو سنو خ کر کے قرار دیا کہ امت کے نمائندہ اجلاس میں از سر نو انتخاب ہو۔

مودودی صاحب نے جو صورت حال سبائی راوی کے سہارے سے بیان کی ہے وہ اگر اتنی ترین درجہ میں بھی صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب صرف ایک ہے کہ یہ سب اکابر صحابہ جلیل القدر و مجاہد مدبر جن میں سے بعض کو خود انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ذمہ دار مناصب پر فائز کیا تھا، محض حقیقہ پر ہی حدیث تفسیر جن پر تعلیمات نبویہ کا کچھ بھی اثر نہ تھا، انہیں مخصوص صرح کی پر مبنی تھی نہ حق و باطل کی تمیز اور نہ یہ سمجھنے کا سلیقہ تھا کہ اگر نا انصافی اور ظلم ہو تو اس کا سدھاری کیا کرنا چاہئے، جن بندگان اور ان کی تمام زندگیوں کی حق کی علم برداری اور باطل کی سرکوبی میں صرف ہوئیں ان کے متعلق ہم اس قسم کی خرافات کو کہتے باور کر سکتے ہیں، جو مودودی صاحب بنی امیہ دشمنی میں باور کرانا چاہتے ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۳)

## سبائی مفروضہ

اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حکموں میں سے

ایکے کیا کیا اور دوسرے نے کیا، بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اس کے حدود سے قطعی مجاوز تھی، ان حضرات نے غلط طور پر یہ فریق کر لیا کہ وہ حضرت علیؑ کو معزول کرنے کے مجاز ہیں، حالانکہ وہ حضرت عثمانؓ کی ستمناویت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقہ پر تعلقہ منتخب ہوئے تھے اور معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ انہیں معزول کر دیں، پھر انہوں نے یہ بھی غلط فریق کر لیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھیں، حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے بدلی تھے نہ کہ منصب خلافت کے مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم بنائے گئے ہیں، معاہدہ تحکیم میں اس مفروضہ کی بنیاد موجود تھی۔

مودودی صاحب کی سند جہ بالا تحریر اور مختلف کی وضعی روایت کے اسی مفروضہ پر مبنی ہے کہ معاہدہ تباہین کے اس عظیم الشان اجتماع میں فیصلہ ثالثی سناتے وقت حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہا یہ عقل مندی مودودی صاحب ہے کہ انہوں نے سبائی مفروضہ پر تکیہ کر کے ان دونوں جلیل القاد صحابیوں کو جو دنیا کے عظیم مدبرین میں تھے، اتنا نا سمجھ باور کر لیا کہ وہ معاہدہ تحکیم کی حدود سے نکل کر قصاص

عثمانؓ کے نزاعی مسئلے کے سلسلے میں اپنی تحقیقات سے طے کرنے کے بجائے کہ علیؑ و معاویہؓ ان دونوں لقیوں میں کون خطا دار ہے جس سے امت خوریزہ جنگوں میں مبتلا ہے اس مسئلہ کو انتخاب خلافت کا معاملہ بنا کر امت کو نئے فقہ میں مبتلا کر دیں گے۔

ہماری گزشتہ تحریر سے تاریخ معلوم کر لیا ہو گا کہ ثالثوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جو مودودی صاحب نے ان سے منسوب کی ہے، ثالثوں کے سامنے گواہ شاہد کے بیانات سے جو انہوں نے ثالثی نامے کی رد سے قلم بند کئے تھے یہ حقیقت بھر کر سامنے آچکی تھی کہ جن سبائی لیڈروں نے خلیفہ شہید مظلوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا وہ ادا ان کے دوسرے ساتھی حضرت علیؑ کے نہ صرف مشرور و معتمد علیہ بنے ہوئے ہیں بلکہ انعقاد خلافت اور سیاست وقت میں بھی اثر انداز رہے ہیں، لہذا اس خلافت کو آئینی حیثیت حاصل نہیں ہے، امت کو خانہ جنگی سے نکلانے کے لئے انتخاب کا مسئلہ از سر نو امت کی نمائندہ مجلس شوریٰ کے سپرد کیا جائے، ایک محقق مشرق نے مقالہ بعنوان "خلافت" میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

دینا ثالثی نے ۳۳ھ میں اپنا اجلاس اور ح مقام پر منعقد کیا تھا جو ملک شام کے جنوب مشرق میں اس جگہ واقع ہے، جہاں رومی کا شکر کے آثار تباہیہ پائے جاتے ہیں جیسا کہ برناؤ اور دوسرے مؤرخوں نے اپنی کتاب "صوبہ عرب" میں بتلایا ہے، مورخین نے اس مقام کے بجائے بالعموم دومۃ الجندل بتایا ہے یعنی عہد عتیق کا دورہ جناب جوف کہلاتا ہے۔

ثالثوں کے اجلاس میں کیا واقعات اور حالات پیش آئے اس بارے میں مختلف روایتیں میان کی گئی ہیں، جو قطعاً غیر معتبر ہیں، ویل ہارڈن نے اپنی عمدۃ تالیف "موسولین" میں اس بات کو بہت زیادہ قرین صحت بتایا ہے، کہ فیصلہ ثالثی نے یہ صادر کیا تھا کہ علیؑ کا خلیفہ منتخب کیا جانا مشروع ہے اور عثمانؓ کے جانشین کی نامزدگی اس مجلس شوریٰ کے سپرد ہو جو کل امت کی نمائندگی کرتی ہو، (انسائیکلو پیڈیا برطانیکا، گیارھواں ایڈیشن)

معاہدہ تحکیم میں دونوں ثالثوں کی اس کی اجازت تھی کہ مجمع فیصلہ تک پہنچنے میں جسے

چاہیں مشورے میں شریک کریں چنانچہ انہوں نے یہی کیا کہ جمہور صحابہ و تابعین کو دعوت دی کہ باہم مشورے سے جو مناسب سمجھیں ان سے نڈا انتخاب کا فیصلہ کریں، اس سے ان دونوں بندگوانوں کی الہمیت خلوص اور انتہائی تدبیر کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ ایک کی چال بازی اور دوسرے کی بے عقلی کا، صحابہ کرام میں یہ دونوں بزرگ تھے جنہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی معاملات سپرد کئے تھے، ذمہ دار عہدوں پر ان کا فخر کیا تھا، فتوحات اور اشاعت اسلام میں ان کی نمایاں خدمات ہیں، ہم عصر امت نے بھی ان دونوں بزرگانہ کواست کے اخلال اور فتنہ و فساد کا بجات دہندہ سمجھا تھا چنانچہ شاعر ذوالرئیم نے حضرت ابو موسیٰ کے پوتے بلال بن ابی بردہ کی شان میں جو قصیدہ کہا ہے اس کے یہ شعر بھی ہیں:-

البرکۃ تلافی الذین وللناس بعد ما  
نشاء وادبیت اللہین منقطع الکس  
وہ آپ ہی کے باپ تھے جنہوں نے دین کی اس وقت شیرازہ بندی کی جب لوگوں میں پراگندگی تھی اور فخر و مہندم ہو چکا تھا۔

فشد اصار السدین ایام اذ رح ورس  
حسرو با تد لفقن الی عقر  
انہوں نے اذرح کے داؤں میں خیمہ دین کی ٹٹا میں کس دی امان جنگوں کو روک دیا جو اسلام کی نسل منقطع کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔

موردی صاحب امان کے ہم خیال لوگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور ہرگز کمزور و سادہ لوح کہتے ہیں، لیکن ہم عصر امت نے ان کی سیاست و تدبیر کا لوہا مانا اور انہیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین محسنوں میں شمار کیا، رضوان اللہ علیہ جزاہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

اب اگر صحابہ کرام کا یہ اجلاس منعقد ہونے سے پہلے ہی سبائیوں نے اصرار انہوں نے حضرت علیؓ کے زیر نظر علاقوں میں فساد بیاگئے اور اس صورت حال سے بدول ہو کر یہ لوگ نے بینوں اور حجازیوں نے عاقبت اسی میں دیکھی کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو جائیں اور یوں رفتہ رفتہ علاقے کے علاقے بغیر کسی جنگ اور خون خرابے کے حضرت علیؓ کے تسلط سے نکلنے چلے گئے تو اس کی ذمہ داری نہ ثالثوں پر ہے اور نہ حضرت معاویہؓ پر رضی اللہ عنہم۔

اس کی ذمہ داری بلوائی ٹولی پر ہے جس نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا لیکن پھر ان کی خلافت کو نامقبول بنانے کی کسی صورت سے دریغ نہ کیا اور قدم قدم پر فساد انگیزیاں کیں تا آنکہ ایک بد بخت خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ شہید ہو گئے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی اور یوں تمام امت پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی اور امت نے اس غمگینی میں اس کا نام مہ عام الجملہ مندر کیا، یوں دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت عملاً دیکھ لی کہ اہل ایمان کو حضرت معاویہؓ کی امامت میں وہ ہدایت ملی جس سے پانچ برس کا اخلال رفع ہوا اور کاروان ملت پھر شاہراہ ارتقا پر پھر سے روانہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ سبائی معتمدوں اور کیا دلوں کے سامنے انہیں بہترین کارکن نہ مل سکے تھے، موردی صاحب اس کے معترف ہیں۔

حضرت یحییٰ بن سعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ کے علاوہ اور سب کارکن تاجر تھے اور خود حضرت علیؓ کی ذات میں تقویٰ و طہارت کے عہدہ صفات ہونے کے باوجود سیاسی امور میں تدبیر و امرانہ وقت کا فقدان نہیں تو نمایاں نقصان ضرور تھا، ایک آواز ہے لاگ محقق دے غم سے کے الفاظ ہیں، دو علیؓ سپاہ و شخص تو ضرور تھے مگر حکمراں ہونے کی ان میں صلاحیتیں نہ تھیں (صفت انسانیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ALI WAS A VALIANT PERSON, BUT HAD NO

GREAT TALENT AS A RULER

یہ خلف اس کے حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت کے بہترین دہر و منتظم جمع تھے ان کے زیر نگیں علاقے میں کسی قسم کی شورش کبھی بپا نہیں ہوئی، یہ وجہ تھی کہ سائے عا ان کی طرف دھلتی چلی گئی۔

موردی صاحب کو شکوہ ہے کہ حضرت معاویہؓ عرصہ دراز تک شام کے اہم علاقے پر حکمراں رہے اور یہ حیثیت بنالی کہ مرکز کا تابع رہنے کے بجائے مرکز کو تابع بنا لیں تو یہ ناراضگی موردی صاحب یا ان کے ہم خیال سبائیوں کو ہوا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے خوش تھے، آپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ جس بزرگ امتی کی قیادت میں پہلا بحری جہاد ہو گا اور عیسویت کے مرکز قسطنطنیہ پر حملہ ہو گا وہ حضرت معاویہؓ ہی ہیں اللہ اولس کے رسول اور اہل ایمان جس سے خوش ہوں اس سے مودودی صاحب اور ان کے سابقین زندہ ہم خیال ناراض ہوتے رہیں، اس کا اثر امت مسلمہ کے اس مبرا اعظم پر کیا ہو سکتا ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

## موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۱۴۲)

حضرت علیؓ نے ان کے (ثالثوں کے) فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

ہم سنیوں کو دو نوز صاحب نہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انہوں نے قرآن کے حکم کو بیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت نبویہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں بیٹھے ہیں۔

اس بیان کا ایک حرف بھی حضرت علیؓ کے منہ سے نکلا ہوا نہیں معلوم ہوتا

ثالثوں نے اگر وہ کیا ہوتا عجمان کی طرف اس بیان میں منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو لغو و باطل من ذلک حضرت علیؓ کو غلط کو سمجھا جائے کہ فیصلہ رد کر لینے کے بعد بھی یہ قرآن حکیم کو بگاڑنے کے دونوں ثالثوں نے بیٹھ پیچھے ڈال دیا تھا اے نافذ کرانے کے لئے کوئی علیؓ قدم نہیں اٹھایا پھر چہرہ صحابہ اور افراد امت کو معاذ اللہ ہزدل و باطل پرست بکھ لیا جائے جنہوں نے دونوں ثالثوں کی ان میں سے ایک کی جا بجا و بددیانتی خاموشی سے برداشت کر لی (اور اس عداوتی کام سر کھینچنے کے لئے حضرت علیؓ کے ہتھیار کے نیچے جمع نہیں ہوتے اور ان کی بیعت نہ کی۔

اسناد صحیحہ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی اور نہ ثالثی نام میں ثالثوں کے فیصلہ کی پابندی کا موثق عہد کر لینے کے بعد ایسی کوئی بات کہہ کہہ سکتے تھے اور نہ ثالثوں نے کوئی بددیانتی کی اور نہ شش ماہہ تحقیق و تفتیش کے دوران شہادتیں قلم بند کرنے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو جانچنے کے بعد کر سکتے تھے، تحکیم کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں پھر نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ لشکر کشی، جو کچھ ناسد ہوا وہ صرف حضرت علیؓ کے اپنے علاقہ میں ہوا، اگر حضرت معاویہؓ ایسے ہوتے جیسے مودودی صاحب نے انہیں بتانے کی کوشش کی ہے، تو وہ دنیا پرست لوگوں کی طرح ایک ہی پہلے میں حضرت علیؓ کا علاقہ فتح کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دے سکتے تھے۔

ایک علاقہ جو شام اور مصر پر مشتمل تھا جہاں ہر طرف امن و امان تھا تمام رعایا اپنے امیر کی مطیع تھی اور فوجی طاقت ایسی زبردست اور قوی کہ بازنطینی سلطنت کے لشکروں کا حلیہ لگاڑیا کرتی تھی اسے اس حکومت کا ختم کر دینا کید و شتات تھا جہاں آسے دن نساہ ہوتے رہتے تھے اور قریہ بقریہ اختلاف تھا اور آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے منصلہ ایرانی علاقے کے کہیں اس حکومت کا اثر و اقتدار باقی نہ رہا تھا، فیصلہ ثالثی میں چونکہ مصر کا دار دیدیا گیا تھا کہ جب تک امت کی نائشہ مجلس شوریٰ از سر نو انتخاب کی کارروائی نہ کرے دونوں فریق اپنے اپنے علاقہ کا نظم و نسق چلاتے رہیں ان کی پابندی دونوں فریق کرتے رہ سکتے اسی وجہ سے پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ان دونوں ثالثوں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحبت یا قہ لوگوں کی بابت جو غلط باتیں دشمنان ملت نے منسوب کی ہیں ان پر تیکہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قصداً و عمداً رواۃ سبائیہ کا ہونا ہو کر اسلامی تاریخ پر خط شیعہ کھینچ دینے پر تامل ہو اور اس طرح دنیا کو یہ باور کرانا چاہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناکام گئے اور اپنے اصحاب کی اتنی بھی تربیت نہ کر سکے کہ شریف آدمیوں کی طرح معاملات طے کریں اور عدالتی مفید کی خواہ موافق ہو یا مخالف پابندی و یا امت سے کر سکیں، سبائی راویوں کے بیانات میں بتایا گیا ہے



کہ حضرت علیؑ کی حکومت کو فیوضِ عراقیوں کے بل پر چل رہی تھی، صفین کی عبرتناک شکست کے بعد حضرت علیؑ نے دوبارہ جنگ کرنے پر ان کو ابھارا مگر وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوتے، چیلے بہاتے ہی کرتے رہے، مودودی صاحب کے نزدیک علوی خلافت کی بیجاگی کا یہی عالم تھا تو پھر اسے اپنی خلافت کیسے کہا جاسکتا ہے وہ اسے خلافت کہتے اور حکومت جانتے ہیں تو انہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؑ نے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ سے انہوں نے نہ دوبارہ جنگ کرنی چاہی اور نہ فی الواقع کوئی لڑائی صفین کے بعد ان سے ہوئی انہوں نے اپنی ناکامی اور شکست کو ایک صادق القول مرد شجاع کی طرح تسلیم کر لیا تھا۔

**ناکامی کا اعتراف** ابن کثیر نے اپنی اسی تالیف البدایہ والنہایہ میں (ج ۲ ص ۳۳۳) جو مودودی صاحب کا ماخذ بھی ہے حضرت علیؑ کی سیاسی ناکامی اسے سب سے سببی کی حالت کا اظہار کرتے ہوئے خصوصاً فیصلہ ثالثی کے بعد سے کہا ہے کہ حضرت موصوف اگرچہ اپنے زمانہ کے بہترین اشخاص میں سے تھے، بایں ہمہ لوگ ان سے ایسے بر گشتہ اور کناہ کش ہو سکتے تھے کہ آخر کار وہ بدل ہو کر اپنی زندگی سے اتنے تنگ آ گئے تھے کہ موت کی تمنا کرنے لگے تھے (حدیث مولا و تحلو اسعدہ حتی کمرہ الحیاة و تثنی الموت) یہ انہوں نے صورت حال سیاسی مناقشات کے نتائج کی پیداوار تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور ان کے دو سرسائی ساتھی تھے حضرت علیؑ کے ساتھ ہو گئے تھے اور بقول مودودی صاحب ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے تھے۔

چنانچہ فرماتے ہیں (ص ۱۳۶)

”بعد ریح وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرتے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ مکہ بن حادث الاشرار اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیدتے۔  
دران حالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔“

مودودی صاحب ذرا اور تحقیق سے کام لیتے تو یہ ان دونوں صاحبوں یا کے علاوہ اور ”صاحبوں“ مثلاً کمانہ بن بشر کیسی مصری کے بطور شریک و زمزمہ مقرر کئے جانے کا بھی ذکر کرتے دریاں حالیکہ یہی وہ خبیث شخص تھا جس نے خسیفہ شہید کے سر اور پہلی پہ ہلک مریں لگا کر قتل کیا تھا، حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائکہ کی قوی آٹھوں دیکھا یہ سارا سا کچھ تھا اپنے محبوب شہر کے مرثیے کے اشعار میں ان کا یہ شعرا سی جلی کے بارے میں ہے۔

(الاخانی ج ۱۵ ص ۶۸)

الا ان خیر الناس بعد ثلاثہ قتل البعیدی الذی جاء من مصر  
یہ اور اسی طرح کے دیگر حالات و واقعات جو سبائیوں کے سلسلے میں ثالثوں نے دوران تحقیقات معلوم کئے تھے ان ہی کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا تھا لیکن صدور فیصلے سے بہت پہلے تقریباً اسی ہی کے وقت سے حضرت علیؑ کو احساس اس امر کا ہو گیا تھا کہ خلافت پر اب ان کا قائم رہنا دشوار ہو گا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انانہ الحقایق بضمین تذکرہ حضرت علیؑ (ج ۲ ص ۲۸۳) شہمی کی رعایت سے بیان کیا ہے کہ صفین سے لوٹتے ہی انہوں نے کچھ لیا تھا کہ اب وہ کبھی حکمرانی نہ کر سکیں گے درلما رجع علی من صفین علم انہ لا یملک ابداً، مدای کا بیان ہے کہ اس وقت ایسے کلمات ان کی زبان سے آ رہے تھے جو پہلے کبھی نہیں کہے تھے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمادیا تھا کہ:

ایھا الناس الا تکرھوا امامتک  
معاویۃ فواللہ لو فصل تمویہ لقد  
سایتیم السوس تنز عن کواھلہا  
کا الحفظ۔  
اے لوگو! معاویہ کی مارت سے (امیر المؤمنین ہونے سے) تم کو ہمت ہو گئی کہ تم کو تکرہ تم کو بولا اگر تم نے ان کو بھی گنوا دیا تو دیکھو گے کہ ہنر و مصلحت سے سرکوں کو کھ کر دھرا دھرا مٹ کر گریں گے جیسے نخل (اندلیج) کھل کر گرتے ہیں۔

مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ شرح البیضا بن ابی الحدید والاریہ والنہایہ میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت حسنؑ نے اپنے والد ماجد کا یہ ارشاد اپنی تقریر میں اس وقت بیان کر دیا تھا جب حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے سے پہلے عراقیوں کے سامنے تقریر کی تھی الاما

والسیاستہ کے عالی مولف نے ہی (ج ۱ ص ۲۷۲ طبع اولیٰ) حضرت حسنؑ کی تقریر کا یہ فقرہ لکھا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:-

ان ابی کان یجد شنی ان معاویۃ | میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر سبیلی الامر الی آخر (۱)

ان واقعات سے مرودوی صاحب کے اس بیان کی تکذیب ہو جاتی ہے جو انہوں نے حضرت معاویہؓ کے برسرِ اقتدار آنے کے بارے میں فرمایا ہے اس کے مقلد آگے بھی گفتگو آ رہی ہے ایک شیعہ مجتہد مومنین کے بیان سے بھی مرودوی صاحب کا بیان باطل ٹھہرتا ہے وہ لکھتے ہیں:-

لما صالح الحسن بن علی ابی طالب معاویۃ | جب حسن بن علی بن ابی طالب نے معاویہؓ سے ابن ابی سفیان دخل علیہ الناس سفیان سے صلح کر لی تو لوگ ان کے پاس گئے اور حض لوگوں نے ان کو معاویہؓ سے بیعت کر لینے پر ملامت کی تو انہوں نے کہا تمہاری خرابی ہو تم کیا جاؤ نہیں نے کیا کام کیا خدا کی قسم جو کام میں نے کیا ہے وہ میرے طرفداروں کے لئے تمام دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے کیا نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی نہیں جس کی گردن میں اپنے نماز کے کسی گمراہ (طاغیہ) کی بیعت نہ ہو سوائے قائم (یعنی ہمدی) کے جن کے پیچھے روح اللہ عیسیٰ بن مریم نماز پڑھیں گی۔

یہ تو عالی طرز کا قول ہے تاہم اس سے بھی ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جو حضرت علیؑ کی سیاسی ناکامی کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہؓ پر تمام امت نے اجماع کر کے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا۔

## العقاد خلافت حضرت معاویہؓ

مرودوی صاحب فرماتے ہیں (ص ۵۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنائے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنے، وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انہوں نے لڑکر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہوتے پر ان کی خلافت کا اخصاص نہ تھا لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے نفس سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ کا سنہ تھا، اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے حاکم اور منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنی فوزینہ و بد نظمی کے تھے جسے اس وقت نظم پر تیز چیم نہیں دی جاسکتی تھی اسی لئے امام حسنؑ کی و تبراری (ربیع الاول ۳۵ھ) کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا۔

مندرجہ بالا بیان وہ ہی شخص دے سکتا ہے، جو واقعات ثابتہ سے انکھیں بند کرے اور معتبر ترین ماخذ کندی کی نوکری میں قال سے اسبابہ کے علاوہ یہ کس نے کہا کہ وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے، اور انہوں نے لڑکر خلافت حاصل کی، شروع سے ان کا ایک مطالبہ تھا کہ خلیفہ شہید حضرت عثمانؓ غنیؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے یہی مطالبہ ان بندگان کی اکثریت کا بھی تھا جو حضرت علیؑ کے زیرِ نگیں علاقے میں رہتے تھے، مگر ان سے بیعت نہیں کی تھی امدان کے اقتدار میں ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، مرودوی صاحب کو ان تمام تراشی کے جوش میں یہ بھی یاد نہ ہوا کہ پہلے کیا کہہ چکے ہیں اسباب کیا کہہ رہے ہیں، جبکہ صحیفوں کے بعد ثائلوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے موقف کے سلسلے میں انہوں نے خود ہی صراحتاً لکھا ہے (ص ۱۲۳) کہ وہ صرف

عمر عثمان کے مدعی تھے کہ منصب خلافت کے تو کیا اس نفاذ و بیانی پر حاکم نہ باشکام  
صاف نہ آئے گی، حضرت معاویہ نے مقاصد عمر عثمان کے مطالبے اور اعلان کے سوا نہ اول  
تلاش کھاتی اس لئے عثمان میں پہل کی، وہ اگر لڑ کر خلافت حاصل کرنے کے مدد پے ہوتے تو اپنی  
اصحابِ جبل کی مدد کو بصرے بھیج سکتے تھے، پھر اسی میدان میں سب کچھ فیصلہ ہو جاتا، مگر انہیں  
خانہ نجی اور مسلمانوں میں فخریہ کرانے سے گریزا، وہ سب سائل انہما و تقسیم سے طے کرنا  
چاہتے تھے، حضرت علیؑ نے یہ مطالبہ ان کا مٹا کر قبول کیا کہ مگر بعد از خرابی بسیار۔

حضرت معاویہ نے اپنی فوجوں کو اس وقت حرکت دی جب حضرت علیؑ نے عراقی لشکر کے  
ساتھ جس میں بلوانی قتالین عثمان شامل تھے، شام پر چڑھائی کر دی، لیکن اس حالت میں بھی یہی چاہا  
کہ معاویہ گفت و شنید سے طے ہو جائے، سیاستہ نے یہ بات نہ ہونے دی، مجبوراً جنگ چھڑ گئی مگر  
اس جنگ کے بند کرنے میں بھی پہلا قدم حلیا کہ گذشتہ اوقات میں تفصیلاً بیان ہوا، حضرت معاویہؓ کی بیجا  
سے اٹھایا گیا، قرآن مجید کی طرف انہوں نے ہی دعوت دی اور اس کے نتیجے میں معاویہؓ انہوں کے  
سپر د کر دیا گیا، ان فریقین اپنے اپنے مستقر کو پاس ہو گئے، اختلافات کے معاملہ میں پھر فریقین  
میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

اس نام عرصہ میں یعنی ثالثین کا فیصلہ صادر ہونے اور اس کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کے  
علاقہ میں کامل امن رہا، اس کے برخلاف حضرت علیؑ کے علاقے میں آتے دن ہنگامے اور فساد ہوتے  
رہے، حتیٰ کہ اپنے ہی ایک گروہ دشمنان کے خلاف انہیں ہونا تک جنگ لڑنی پڑی پھر ایران میں  
بغاوت ہو گئی، حضرت معاویہؓ نے عراق و ایران کے اس اختلاف سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھایا۔  
ثالثی نامے کے احترام پر پوری طرح قائم رہے، وہ نہ ایک ہی ہے میں عراق کی حکومت کا تختہ الٹتے  
حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مصر و یمن وغیرہ علاقے کیوں نکلتے تھے۔ یورپ کی صاحب تو دولت ہے یہ کہ  
مصر اور شمالی افریقہ کے حضرت معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کی توجیہ و تادیب سے حضرت علیؑ کے  
ہاتھ سے نکل گئے، مگر صحیح صورت حال جو پیش آئی وہ یہ تھی۔

مصری مسلمانوں کی ایک جماعت نے جو عثمانی کہلاتے تھے یعنی طرفداران عثمان حضرت  
علیؑ کی بیعت خلافت سے یہ کہہ کر توقف کیا تھا کہ جب باقی امت بیعت کر لے گی تو ہم بھی کریں گے

حضرت قیس بن سعد نے جو وہاں حاکم تھے حضرت علیؑ نے ان لوگوں کے موقف سے آگاہ  
کہتے ہوتے یہ صائب مشورہ دیا تھا کہ یہ لوگ پیرا من طوطے سے مقام خرابی میں مقیم ہیں ان کے  
خلافت کوئی تشوہی کا دعویٰ نہ کی جاتے مگر الا شتر وغیرہ کی راتے سے حضرت علیؑ نے حضرت  
قیس جیسے کام کرنا حکم کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر جیسے نا تجربہ کار لڑکھان کو جنہوں نے قتل  
عثمان غنیؓ نہیں نمایاں کر دیا، حاکم مصر قرق کے بھیجا اور کاندہ بن بستر بھیجی کہ جس نے  
خلیفہ شہید پر خنجر سے مار کے تھے بطور مشرک کے ساتھ بھیجا، محمد بن کور نے مصر پہنچے ہی

ان بندگان اہل کے خلاف جارحانہ کا دعویٰ کیا، شروٹا کر دی، جن سے تنگہ گمان کے قائد حضرت  
عمر ابن خطابؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اپنے لوگوں کے تحفظ میں، معاویہؓ کی انہوں  
نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر کو فوجی دستے کے ساتھ بھیجا اور یوں مصر میں امن قائم ہو  
کر یہ علاقہ حضرت معاویہؓ کے زیر حکومت آ گیا، اسی طرح یمن و حجاز وغیرہ کے لوگوں نے آگے  
دن کی بدنامی سے تنگ آ کر حضرت معاویہؓ سے اپنے فرائض کے ذریعہ دستاویز کیں کہ ہمارے  
علاقوں کا انتظام بھی آپ سنبھالیں، چنانچہ رفتہ رفتہ یہ علاقے بھی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے نکل گئے  
اور انہیں قیہ نسبت بھی کہ سوا کے کوڑا اور اس کے متعلقہ علاقے کے حضرت علیؑ کے تحت حکومت  
کچھ باقی نہ رہا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ نامساعد حالات سے نہ  
حضرت علیؑ کی خلافت ہی حکم ہوئی نہ ان کا حکم اقطار رضی میں نافذ ہوا اور انہوں نے بجز کوڑا  
اس کے مضامین کے ان کی حکومت باقی نہ رہی، شاہ صاحب فرماتے ہیں، حضرت مرتضیٰ باوجود  
دولت و صفات خلافت... ممکن نشدہ، خلافت وہ اقطار رضی حکم اور نافذ نگشت و ہر روز  
دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ دعا خور ایام بجز کوڑا و ما عمل آن محل حکومت مساند  
(ازالۃ الحقائق ص ۲۳۹ طبع اولی)

صفین کے بعد سے حضرت معاویہؓ کی جانب سے حضرت علیؑ کے مقابلے میں کوئی تکرار نہیں  
ہوئی کی گئی یہ سب علاقے وہاں کے باشندوں کی خواہش سے کہ آتے دن کی بدنامیوں سے  
وہ تنگ آ گئے تھے، حضرت معاویہؓ کے تحت انتظام آگئے، اس آئندہ میں حضرت علیؑ اپنی بیعت  
کے ایک خابجی عبدالرحمن بن لحو کے قاتلانہ حملے سے ایسے شدید محروم ہو گئے کہ اس مذلت

نہ ہی لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے فرزند حسن سے بیعت خلافت کریں، فرمایا ہاں اگر تم اس پر راضی ہو، فحسرات سرخیم، عراقی پارٹی نے پھر حضرت معاویہ سے جنگ کرنے کی تہدیک شروع کر لی، حضرت معاویہ نے فرزندوں یعنی یزید کے لئے حضرت حسن سے صلحت کی سلسلہ جنابی کی حضرت حسن کو شروع ہی سے ان خانہ جنگیوں کے خلاف تھے جن کی ابتدا حضرت علیؓ کی جانب سے کی گئی تھی، قاتلین عثمان کی بیعت قبول کرنا وہی اصل جمل سے لڑنا والا اختلاف کو فہ کو منتقل کرنا اصل رستم پر فوج کشی یہ سب امجدان کے نزدیک مفاد امت کے خلاف تھے، وہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہی ادا طاعت بھی کی مگر فرزندانہ ہمد ہی اختیار ان کے ہاتھ میں آیا، انہوں نے اپنی معاہدہ سے یہاں تک کہ بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ خود حضرت علیؓ نے اپنے آخری وقت یہ محسوس کر کے کہ ان کے فرزند یا ان کی پارٹی کے کسی فرد میں اس کی صلاحیت نہیں کہ ملت میں جہانتنار خانہ جنگیوں کے نتیجے میں پیدا ہوگا، اس کو روک کر سکے، حضرت حسنؓ کو وصیت کر دی تھی کہ معاویہ کی امانت سے کراہت مت کرنا، حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ سے بخوش ولی بیعت کر لی، صحیح بخاری کی سند سے ذیل روایت سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

عن ابی موسیٰ قال سمعت الحسن  
 یقول استقبلہ واللہ الحسن بن  
 علیؓ معاویہ بکتاب کمثل  
 الجبال فقال عمرو بن اعاص انی  
 ادی کتاب لا تولى حتى تقتل  
 اتواها نقلہ معاویہ وکان  
 ولایہ خیر الرحمن الی عمران نقل  
 ہاء لاء ہلوا لاء وھلوا لاء  
 من لی باصر الناس من لی بلسام  
 من لی بضیعہم فیعت الیہ رجلین  
 البرہمی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔  
 میں نے حسن (رضی) کو یہ کہتے سنا کہ  
 بخدا حسن بن علیؓ ہر رسول کی فوجوں  
 کے پرے لیکر معاویہ پر حملہ کرنے کے لئے فوجوں کو  
 لے گیا میں فوجوں کے ایسے پرے دیکھا ہوں  
 جو اپنے مقابل کو قتل کرنے بغیر نہ چھوڑے، حضرت  
 معاویہ نے فرمایا بخدا وہ ان دونوں میں  
 بہتر شخص تھے، اے عمر و اگر ان لوگوں نے نہیں  
 قتل کیا اور نہیں آہیں تو انتظام کے لئے میں آفا  
 کہاں سلاطین کا انکی خواتین کی دیکھ بھال

من بنی عبد الشمن عبد الرحمن  
 بن سمیرہ و عبد اللہ بن عامر بن  
 کوزی فقال اذہبا الی ہذا الرجل  
 فاعرضوا علیہ و قولالہ و اطلبوا  
 الیہ فاتیوا و دخلوا علیہ فتکلموا  
 و قال لہ و طلبوا الیہ۔

فقال لهم الحسن بن علیؓ انابو  
 عبد المطلب قد اجنا هذا الہمال  
 وان هذا الاملہ قد عانت  
 فی دمائھا۔

قالانانہ یعرض علیک  
 کذا و کذا و یطلب الیک و یتأک  
 قال فعن لی بهذا؟ قال لا یخونک  
 بلہ فما ساءھا متیثا الا قال یخون  
 لک بلہ فضا لعلہ

کے لئے مجھے کون سے گا امدان کے مل قتل  
 کی حفاظت کس سے کر آوں گا۔

پھر آپ نے ابو عبد الشمن میں سے دو صاحبوں  
 کو بھیجا یعنی عبد الرحمن بن سمیرہ اور عبد اللہ  
 بن عامر بن کوزی کو اور فرمایا ان صاحب  
 حسن بن علیؓ کے پاس جاؤ، مسئلہ پیش کرو،  
 اولیٰ نے مطالبات ان کے سامنے رکھو چنا۔

یہ دونوں صاحب تشریف لاتے ملاقات کی  
 گفتگو کی، پیغام پہنچا یا اور مطالبات پیش  
 حسن بن علیؓ نے فرمایا ہم بنو عبد المطلب  
 اس مال سے بھریاتے اور اس امت نے بے  
 وجہ اپنا خون منہج کیا۔

تو ان دونوں نے فرمایا کہ: ان کی طرف سے  
 یہ نیکش ہے اور ایسا مطالبہ ہے اور یہاں  
 فرمائش ہے، آپ نے فرمایا اچھے اسکی ضمانت کو  
 دے گا، ان دونوں نے کہا: ہم اس کے ضمانت ہیں، چنانچہ حضرت حسنؓ نے جو بھی ان سے  
 کہا وہ کہتے گئے، ہم اس کے ضمانت ہیں، اس طرح انہوں نے صلح کر لی۔

یہ ہے اصل صورت حال جس کی تردید کوئی صاحب عدل نہیں کر سکتا، امام بخاری کی  
 اس روایت سے فرسوخ ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی منظر مانہ شہادت کے نتیجے میں، او  
 ساتیوں کی شرارت سے جو فتنے برپا ہوئے ان کا حل یہاں طریقے سے پیدا کرنے کی سب  
 سے زیادہ کوشش حضرت معاویہ نے کی اور جب جنگ فرنی کافی کی وجہ سے ناگزیر ہو گئی تو یہاں  
 تھے جنہوں نے یہ جنگ بند کرانی اور آئندہ کے لئے خانہ جنگی منع کرنے کی کوشش سے روکنا نہ کیا  
 مودعی صاحب کا یہ محض اقرار ہے کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ کے حق میں

وستراری دیکر جو بیعت کی نیز چہرہ صحابہ نے بھی ان کی بیعت اس لئے کر لی تھی کہ وہ خود اپنے نعرے خلیفہ بنے اصعب بن خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مودعی صاحب کے اس تصور میں صحابہ کرام اور پہلی ہجری کے مسلمانوں کی انتہائی ہرکسا ہے کہ وہ جو کہ سارے گونہ جھکا سکتے تھے اور کئی شخص غیر انہوں کے صحابہ و تابعین کو مادی طاقت کے بل پر لہانیں نہ کر سکتا تھا، جن صحابہ امتناہین نے حضرت علی سے بیعت نہیں کی ان کے احوال میں ساکت نہیں دیا، انہیں تو شروع ہی سے حضرت معاویہ کے موقف سے اتفاقاً تھلا ساریہ کا قلع قمع کرنا اور خلافت کا مسئلہ اجتماع صحابہ کے ذریعے طے کرنا ان سب کا مصلح نظر تھا، مگر وہ سب یہ چاہتے تھے کہ یہ کام خانہ جنگی اور باہمی جدل کے بغیر انجام پذیر ہو۔ یہی موقف حضرت علی کے گلے بڑے بھاتی حضرت عقیل کا تھا، وہ اپنے بھائی سے جدا ہو کر حضرت معاویہ کے ساتھ تھے، مودعی صاحب نے اس بارے میں وضعی روایت کے سہارے جو غلط تاثیر پیدا کرنے کا نام کوشش کی ہے، اس کا مسکت جواب پہلے آچکا ہے۔

حضرت معاویہ سے صحابہ کرام و تابعین عظام نے یہ بیعت نہایت خوش دلی سے کی تھی وہ اسلامی سیاسی نظام کی سربراہی و خلافت کے لئے اپنی کامل صلاحیت اور چہرہ ہاہل اسلام میں اپنی عام مقبولیت ثابت کر چکے تھے، لہذا ان ہی کی امامت برساہل حل و عقد کا برملت لئے اجتماع گلیلا، امیر المؤمنین معاویہؓ پر یہ اجتماع آئندہ کے فسادات و بد نظمی اور خونریزیوں کو کئے کی غرض سے نہیں ہوا بلکہ اس لئے ہوا کہ جو فسادات ان کے پیش رو کے زمانہ میں ہو چکے تھے اور امت پر سخت لڑائی طاری تھا وہ رفع ہو، عزائم علیہ ہوتے کام آتی، اس وقت امت کی تمام امیرین حضرت معاویہؓ جیسے حلیم و کریم اور علیم المثال مدیک کی ذات پر مرکز تھیں، ان ہی کو اس وقت کے مسلمانوں کا اور ملت اسلامیہ کا بچاوت دہندہ سمجھا گیا، اس لئے یہ بیعت ہوئی اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا جو حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کی سفایت سے مودعی صاحب کے ماخذ البیادہ والہنایہ میں منقول ہے۔ جو حضرت معاویہ سے ہی آپ نے کی تھی کہ اللہم اجلعه ہادیاً ووصل یا واهد بلہ در الہی، معاویہ کو ہادی و ہدی بنا، انہوں کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما، یہ دعائی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح تجلب و مقبول ہوتی و احکامات

تاریخ شاہد ہیں، حتیٰ کہ مودعی صاحب بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی (معاویہ کی) یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے، کہا نہیں ہے پھر سے دینائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دینائیں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا (ص ۱۵۲)

دینائے اسلام کو پھر سے "متحد کرنے اور" اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کرنے کی خدمات کا اعتراف ایک مخالف و معاند کے قلم سے قیادت و سیادت کی ان بے نظیر صلاحیتوں کا مستحق اعتراف ہے، جو قلت نے حضرت معاویہؓ کو عطا کی تھیں، مقتدر حلیہ اقدار صحابہ حضرت بن عباس و حضرت ابن عمر و حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے مستعد اقوال و صحابہ صاحب کا کتب ماخذ میں منقول ہیں جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ سے زیادہ لائق موندی انتظامی امور اسلام حکومت و فرمانروائی کی صفات میں دوسرا کوئی نہ تھا، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ دیکر صفات میں معاویہؓ سے افضل تھے و نکات معاویہؓ اسود منہم (مگر سراری کی صفت میں معاویہؓ ان سے بڑھ کر تھے) یہ ان کی خدمات و صلاحیتوں اور بدیہی صفتوں کا اندازہ تھا کہ جملہ صحابہ و تابعین امت سلمہ کی تمام قیادت و سربراہی حضرت معاویہؓ کے دست مبارک میں دینے اور ان سے بیعت کرنے پر خوش دلی آمادہ تھے، بخلاف ان کے پیش رو حضرت علیؓ کے جنہیں تمام قیادت و سربراہی ملت سبائی بلوائیوں اور حضرت عثمانؓ کے قائلین نے اپنے "زور" سے و لڑائی کھلا کہ وہ پیش نصف امت نے ان کی بیعت سے اسی بنا پر سنا کر کر دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قائلوں سے قصاص لینے سے وہ نہ صرف خود قاصر ہے بلکہ ملت آئے اور حبل و صفین کی جنگوں میں اسی بنا پر تقریباً ایک لاکھ کلہ گورمقتول ہوئے، مودعی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ قائلین عثمانؓ کو گدڑی پر ناز کیا گیا تھا، مودعی صاحب کا یہ تصور قطعاً باطل ہے کہ حضرت معاویہؓ خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انہوں نے لڑا کہ خلافت حاصل کی وہ اگر ایسا کرتے تو صحابہ کرام ان کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت نہ کرتے جس طرح انہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور ان کے بعد ابن الزبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت سب صحابہ و تابعین نے حضرت معاویہؓ کو اپنا مستحق علیہ امام تسلیم کیا ان کے بعد امیر المؤمنین یزیدؓ کو مودعی صاحب نے حضرت معاویہؓ کو شریعت و قانون کے نکات کی تعلیم دینے کی جسارت کی ہے، مگر انہوں نے اپنا خود ساختہ کلیہ حضرت علیؓ کو بتانے

کی کوشش کیوں نہ فرمائی، جنہوں نے نصف است کے انکار کے باوجود اپنی خلافت قائم کرنے کی کوشش میں کسی جنگ و جدل سے مدیخہ نہ کیا، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بڑی مقالات دے دلی (یعنی اللہ عزوجل کے ہاتھ سے طلب خلافت ہوئی نہ کہ ہمت اسلام) انالذخارف (ص ۷۷)

ادامت کا مطالبہ مانا تو بدیع مجاہد ہی اس وقت کہ زمین مسلمانوں کے خون سے تر ہو گئی جو خود کا صاحب کا یہی کلیہ اگر صحیح ہے کہ خلیفہ سے اکثریت بیعت نہ کرے تو وہ اپنے منصب سے الگ ہو جاتا، بہتر تھا کہ یہ کلیہ حضرت علیؑ کے گوش گزار کرنے کی کوشش فرماتے، حضرت علیؑ کی بیعت خلافت کے لئے سب سے پہلے جہا نغہ اٹھا تھا وہ قاتلین عثمانؓ کی کوئی جماعت کے لیڈر الا شتر کا تھا اور حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کو جو دست مبارک سب سے پہلے اٹھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناسے حسن بن علیؑ ابن ابی طالب کا تھا!

امیر المؤمنین یا بادشاہ | سو دوی صاحب مائتین صدی ہجری کے مولف ابن اثیر کے بے سند حوالے سے کہتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں اختیار کیے کا خلافت سے ٹوک دیا کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبرتی مرحلہ تھا، بعینت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے میں سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سلجھ دینا ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب حضرت معاویہؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک اے اللہ کے امیر المومنین کی کہہ کر خطاب کیا، حضرت معاویہؓ نے کہا اگر آپ امیر المؤمنین کہتے تو کیا حرب تھا، انہوں نے جواب دیا وہ خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملے اس طریقہ سے اگلی بھی مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا (ص ۱۳۷)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے جو گفتگو منسوب کی گئی ہے وہ ان پر مرتب بہتان ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تو وہ بزرگ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ سے بیعت نہیں کی تھی لیکن حضرت معاویہؓ سے بجزوش دلی کرتی تھی تو جس ذات گرائی کی انہوں نے بیعت خلافت میں حضرت علیؑ پر ترجیح

دی اس کی ان الفاظ سے کیوں مخاطب کرتے پھر اسی کے ساتھ یہ قول بھی ان کا سو دوی صاحب کے کے مآخذ البیادہ و النہایہ میں منقول ہے (ص ۱۳۳ جلد ۱)

ملامت احد بعد عثمان تھی | میں نے عثمان کے بعد کسی شخص کو حق کے ساتھ بھی من صاحب هذا ایاب یعنی | اس بارگاہ کے شخص، یعنی معاویہ سے بہتر معاویہ | فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

قوان حالات میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ امیر المؤمنین کے بیعتے، ایسا الملک کیوں کہتے اس ایک حضرت سعدی کیا جہوں معاویہ ان کو امیر المؤمنین ہی کہتے تھے حتیٰ کہ کئی محفلوں میں بھی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ۔ | قبل لابن عباس هل لك في معاوية بن ابي سفيان | (حضرت) ابن عباس سے عرض کیا گیا وہ دیکھتے تو امیر المؤمنین معاویہؓ نے کیا کیا کہ تو نے نماز صرف ایک رکعت پڑھی فرمایا وہ فقیر ہیں۔

یاب ذکر معاویہ | قال انه فقیہ (رج ۲ ص ۷۰۷)

نیز ان ہی امام بخاری نے الاحیاء المفروض میں ص ۳۹۹ طبع مانا لا شاعت کراچی میں حضرت زید بن ثابتؓ کا وہ خط نقل کیا ہے جو میراث کے بارے میں حضرت معاویہؓ کو لکھا تھا اس میں انہوں نے ابواہل حضرت معاویہؓ کا نام لفظ امیر المؤمنین کے ساتھ لکھا پھر اپنا اس طرح:-

بسم الله الرحمن الرحيم بعد | لبسم الله الرحمن الرحيم - خدا کے بندے معاویہ امیر المؤمنین من | معاویہ امیر المؤمنین کی خدمت میں زید بن ثابتؓ کی طرف سے اے امیر المؤمنین آپ پر سلامتی ہو اے اللہ کی رحمت۔

صحیح بخاری کے علاوہ ترمذی امام مالک میں ہے (ص ۱۳۳ طبع قرآن محفل کراچی) | عن خارجه بن زید عن زید بن ثابت انه كتب الى معاوية بن ابي سفيان | معاویہ کو یہ خط لکھا لبسم الله الرحمن الرحيم | معاویہ کے بندے معاویہ امیر المؤمنین کی خدمت میں

امیر المومنین عن ابن عباس  
 حضرت معاویہؓ تو اپنی جگہ ہی، حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبدالملک کو بھی اسی طرز پر ملامت ہی کی ہے میں خط لکھا تھا تو ظالم امام محمدؓ  
 اخبرنا مالک احبنا عبد اللہ  
 بن ویشیر عن ابن عباس عن عبد اللہ بن  
 عمر انہ کتب الی امیر المومنین  
 عبد الملک یبا یعدہ بلسنہ  
 الرحمن الرحیم اما بعد لعبد اللہ  
 عبد الملک امیر المومنین عن  
 عبد اللہ بن عمر۔

زید بن ثابت کی طرف سے۔

ہمیں امام مالک نے اطلاع دی وہ  
 فرماتے ہیں، ہمیں عبدالعزیز بن دینار نے اطلاع  
 دیا کہ وہ اپنے لئے (حضرت) عبداللہ  
 بن عمر کا حال دیا کہ انہوں نے امیر المومنین  
 عبدالملک کو اپنی بیعت کا خط لکھا  
 بھیجا: لبسنا اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے  
 عبدالملک امیر المومنین کی خدمت میں عبداللہ  
 بن عمر کی طرف سے۔

واقعہ ہے کہ یہ امام محمد عباسیوں کے دور میں تھے انہیں عبدالملک امیر المومنین ہوا تھا  
 کا وہ خلیفہ عبدالملک کو امیر المومنین لکھ رہے ہیں اور کہیں نہ لکھتے ہیں کہ وہ امت کے متفق  
 علیہ امام احمد نے زین کے حکمرانوں میں صف اول کے حکمران تھے جن کے قادی اور فیصلے موٹھا  
 اور صحیح بخاری اور حدیثی کتابوں میں قادیانی نظارت کی حیثیت سے مروی چلے آتے ہیں۔

مروعی صاحب کے خیال کے مطابق ہمارے یہ ائمہ کرام اور خلفائے عظام سب ملوک  
 جبارہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو غلام بنا رکھا تھا اور حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے سے خلافت  
 ملوکیت میں تبدیل ہو رہی تھی، مگر مستعجب اور متعجب ہوتی لوگوں کے علی الرغم جس شخص نے تاریخ  
 اسلام کا مطالعہ نہ کیا ہو گا انہوں نے کبھی اس کی نگاہ ہو گی، وہ چند باتیں  
 ایسی پاتے گا، جو اقوام عالم کے لئے موجب غبط ہیں اور ترقی و مافیہ میں کوئی دوسری قوم ایسے  
 طرز فکر کی مثال پیش نہیں کر سکتی، خلافت اسلامیہ امویہ و عباسیہ کے بڑے بڑے تین خصائص تھے  
 ۱۔ عدلیہ ہمیشہ انتظامیہ سے آٹا دیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انتظامیہ کی وجہ  
 میں اشرافانہ ہو سکا ہو، قاضی اسلام ہر کہ دمہ کو عدالت میں حاضر ہی پر مجبور کر سکتا تھا محض

حاکم وقت ہی کو نہیں بلکہ خود امیر المومنین کو بھی وہاں ایسی کوئی دھم دے تھی کہ فلاں شخص کو قاضی عدالت  
 پر طلب نہیں کر سکتا یا فلاں کے خلاف عدالت میں دعویٰ نہیں کیا جاسکتا (۲۱) خلافت اسلامیہ کی دوسری  
 خصوصیت یہ تھی کہ مملکت کے حدود میں ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت حکومت کو تھی بیت المال کے  
 ضمن میں اس پر مختصر تبصرہ کیا جا چکا ہے، (۳۳) فروغی آزاد کا یہ حال ہی احرام کیا جانا تھا اور حکومت کسی  
 شخص کے نجی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتی تھی اور ہر شخص آزاد تھا کہ شہریت مطہر کے حدود میں جس طرح چاہے  
 اپنی زندگی بسر کرے تب ہی تو یہ عالم تھا کہ خلفاء اسلام کے خلاف شہریت کرنے والوں کو حمایتی نہیں ملے تھے سب آہ  
 نے کتے ہی علوی بزدلی کو سزا دینا دیکھا کہ خود پر ماہ کیا، مگر سو سو سے زیادہ انہیں اپنے حمایتی میسر نہ  
 آئے، حضرت جین کو سو کے قریب آدمی مل سکے پھر ان کوئی ساتھیوں کی موافقی کے نتیجے میں صورت حال دیکھ  
 کر بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المومنین زین کی بیعت کرنے کے لئے دیش کی ملے کی تھی کہ اپنے ہمراہی  
 ساتھ کو قیوں اور بلوچان مسلم بن عقیل کے عاقبت اندیشانہ جاننا نہ چلے سے وہ حادثہ محروم پیش آ گیا  
 پھر جب اہل مدینہ نے حضرت ابن زبیر کے مدد کے لئے کھڑے ہوئے تو ان کی قیوں کی تباہی آئی نہ تھی کہ  
 مدین گھنے بھی جم کر آسکتے، حضرت جین کے پوتے زید بن علی زین العابدین کو امیر المومنین ہر شام کے فلا  
 ٹھکانے تین سو حمایتی بھی نصیب نہ ہوتے، اور امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسی کے خلاف محمد  
 الہدی بن عبداللہ الحنفی کو جنہیں مسابیحہ نے من گھڑت پسر رہا تھا تو ان کے زلمے  
 سے کئی سو برسوں بعد نفس اڑکیہ کا خطاب دیا تھا، جسے مروعی صاحب نے بھی بجاتے ان  
 کے نام کے بار بار لکھا ہے تو ان محمد الہدی کو اتنے آدمی بھی نہ مل سکے کہ اس کے خلاف سے چند لکھتے  
 بھی مقابلہ کر سکے اور یہی حال اللہ سے خرد چوں کا ہے، یہ واقعات دلیل ہیں خلافت  
 اسلامیہ بنی امیہ کی معتولیت عامہ کی، کیونکہ وہ یہی لوگ تھے جنہوں نے خلفاء کے  
 خلاف بغاوتوں میں ساتھ نہیں دیا، مگر وہ خلیفہ کے اشارے پر جہاد کرنے کے لئے ہزاروں  
 کی تعداد میں نکل کھڑے ہوتے تھے، یہی سبب تھا کہ اموی خلف امیر استبدادی عباسی خلفاء  
 کے زمانوں میں تینوں برا عقلموں کے وسیع علاقے خلافت اسلامیہ کے زیر اقتدار آئے۔

### حضرت معاویہ کی تقریر میں مودودی صاحب کی مذموم تلبیس

کسی شخص کے بیان کے چند جملے اس طرح نقل کرنا کہ ان میں اس بیان کی پوری مدح آجائے تلخیص کہلاتی ہے۔ لیکن تقریر بیان کے وہ جملے جو منہر کی حیثیت رکھتے ہوں انہیں ترک کر کے اول و آخر کے چند ایسے جملے نقل کرتے جاتے جیسا کہ بیان کی مدح کے خلاف ہوں اور مفہوم الٹا پیدا ہوجاتے تو اسے تلبیس وافترا ہی کہا جاتے گا، مودودی صاحب نے البتداء والنبایہ کے مندرجہ ایک بیان کے متعلق جو حضرت معاویہ سے منسوب ہے یہی عمل جراحی کیسے، اس تقریر کے راوی اصحیح ہیں جو نہ مندرجہ ہیں بلکہ ہذا راوی اخبار بلکہ تیسری صدی ہجری کے ایک ادیب ہیں، پہلے تو مودودی صاحب کو دیکھنا یہ تھا کہ اس بعایت کا صحیح ماخذ کیا ہے، پھر اس کے متن سے وہ باتیں نقل کرنی چاہتے ہیں جو حضرت معاویہ جیسے شہرہ آفاق حلیم و کریم حکمران کی طبیعت و جبلت کے متضاد ہوں، مسگر انہیں تو یہ منسوب بیان مسخر کر کے پیش کرنا اور بتا دینا کہ اس کا وہ مفہوم دکھانا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا وجود ہم عصر امت میں متغرض تھا، پہلے تو مودودی صاحب کا یہ نا انصافی ملاحظہ ہو کہ اس منسوب تقریر کے دسمیاتی جملے ترک کر کے اول و آخر کے چند جملے عربی متن کے اس طرح نقل کئے ہیں۔

#### عربی متن

ما بعد نانی و الله ما وليت اكرم  
حين وليتة ولانا احلما نكم  
لا تسررت لبر لا يتي ولا تحب زها  
و يتي لعالم بماتي نفوسكم  
من ذالك و لسكني خاليه سكر  
بسيفي هذا محانسة .....  
لان لم تجلدوني

#### اردو ترجمہ

بجھ میں تمہاری حکومت کی تمام کاہا پنے  
ہاتھ میں لیتے ہو تو اس بات سے ناواقف نہ تھا  
کہ تم میرے برسر اقتدار سے نہ خوش نہیں ہو اند  
اسے پنہ نہیں کرتے اس معاملہ میں جو کچھ  
تمہارے دل میں ہے اسے میں غیب جانتا ہوں  
گر میں نے اپنی اس تلوار کے نھ سے تم کو نہ تو  
کے سے ..... اب اگر

اقوم محققم کلہ نارہنوا منی  
ببعضتہ و البتداء والنبایہ  
لابن کثیر (ج ۸ ص ۱۳۳)

تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا  
نہیں کیا ہوں، تو حق توڑے پر تجھ سے  
راضی نہ ہو۔

اب وہ جملے درمیان اصاخر کے ملاحظہ ہوں جو مودودی صاحب نے بکھلویت ترک و حذف  
کرتے ہیں وہ پوری عبارت ترک و حذف ہوئی ہے۔

ولقد رمت نفسي على عمل ابن  
ابن تحافة فلم اجد ما تقوم بذلك  
ولا تقدر عليه و اسر دتھا  
على عمل ابن الخطاب فكانت  
اشد نقورا و اعظم هرا بئا  
من ذلك و ما ولتھا على مثل  
سنيات عثمان فابت على و ابن  
مثل هولا و من يقدر على  
اعمالهم؟ هي مات ان يدرك  
فضلهم احسن ممن بعد هم؟  
رحمة الله و رضوانه عليهم غير  
ان سلكت بها طرفيالي ذية منفعه  
دلكم فيه مثل ذلك و لكن فيه  
مواظلة حسنة و مشار بله جميلة  
ما استقامت السيرة و حسنت  
الطاعة فان لم تجلدوني خيركم  
فان خيركم و الله لا حمل السيف  
على من لا سيف معه و بسھا

میں نے اپنے نفس کو ابن ابی تحافہ یعنی  
حضرت صدیق اکبرؓ کے طرز عمل پر چلانا چاہا  
تو میں نے اسے ایسا نہ دیکھا کہ اس میں اس کی  
قدت پائی پھر میں نے اس سے ابن الخطاب  
یعنی حضرت فاطمہ اعظمؓ کی پیروی کی خواہش  
کی تو اس پر وہ اس سے زیادہ بھڑکا اور  
دھبھا گا، پھر میں نے اسے گھیر کر حضرت  
عثمانؓ کے حسن تدبیر کی طرف لانا چاہا تب  
بھی اس نے میری بات نہ مانی ان جیسے لوگ اب  
کہاں! اصان کے سے اعمال کی قدت کس میں  
ہے اصا کا امکان کب ہے کہ ان کے بعد آنے  
والا کوئی شخص ان کی سی فضیلت حاصل  
کر سکے رحمتہ و رضوانہ علیہم  
ہاں یہ ہے کہ میں نے عمل کی راہ وہ  
اختیار کی ہے جس میں جتنی منفعت میرے  
لئے ہے اتنی ہی آپ لوگوں کے لئے بھی ہے  
اس طریقے پر ہر شخص کے لئے خیر کے  
ساتھ کھانے اور کھلانے کے مواقع ہیں اور



تقدم مما قد علمتموه نقد  
جعلت دبراذق  
روان لم تجد ورنى اقوم محقكم  
كله فامضوا متى ببعضه  
فانها بقاية قودها وان السبيل  
اذا جاء يبرى وان قتل اغنى  
ولياكم والفتنة فلا تكفروا  
بها فانها تمد الطعشة و  
تكدر النعمة وتوسد  
الاستيصال استغفر الله لى وكم  
استحق الله

البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۲

حسن کے ساتھ پیچھے اسی لئے کہ بشرطیکہ  
کردار میں پختگی ہو اور اطاعت کوشی  
قوی کے ساتھ ہو، لہذا آپ حضرات اگر مجھے  
اپنے سے بہتر نہ پاتیں تو کیا تم اپنے حق میں بہتر  
ضروریاتیں گے جنہا میں اس شخص پر تلوار نہیں  
اٹھاؤں گا جس کے پاس تلوار نہ ہو اور جو باتیں  
گریچکی میں جن کا علم آپ کرے ان کے بارے میں  
اب میں نے اپنے کان بند کر لئے (یعنی گورے  
ہوتے فتور کی کوئی انتہائی کا بدلتی نہ ہوگی)  
اب اگر آپ دیکھیں کہ میں آپ کے تمام حقوق ادا  
نہیں کدا ہوں تو فتور سے پرہیز صحتی رہتے،  
کیونکہ چنہ اب خول سے باہر آچکا (یعنی فتور  
نہا و ختم ہو کر حکومت قائم ہو چکی ہے)

سیلاب جیہ تاپے تو کھیتی غارت ہو جاتی ہے، لیکن جہاں بھانا ہلکا ہو تو سپید اندازہ بڑھاتا ہے  
لہذا اچھی طرح جان لو کہ فتور سے بچنا اور اس کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ اس سے معیشت تباہ  
ہو جاتی ہے، زندگی کی لطافتیں بھی برباد ہوتی ہیں اور قوم تباہی کی طرف جاتی ہے، میں اللہ تعالیٰ سے  
اپنے لئے اسباب کے لئے پردہ پوشی کی دعا کرتا ہوں اور اللہ کی جناب میں معرفت کا طالب ہوں۔

ان فقرات کے مطالعہ سے ناظرین صحیح اندازہ کر سکیں گے کہ مودودی صاحب نے یہ فقرات  
ترک و حذف کر کے کس درجہ قابل مذمت تلبیس کا ارتکاب کیا ہے۔

اگر حضرت علیؑ کو صفین میں فتح حاصل ہو جاتی تو وہ محض دشمن میں نہیں جہان کے مخالفوں کا  
مركز شخص مکی میں نہیں جہاں اطراف و اکناف سے آنے والے ان کے مخالف و موافق سب جمع ہوتے بلکہ  
خود بیت میں بھی ایسی ہی تقریریں کرتے کیونکہ وہاں ان کے مخالفوں کی تعداد حضرت معاویہؓ کے مخالفوں سے  
بہتر ہے۔

ہی کے زمانہ اقتدار میں اہل مدینہ بقیہ علاقہ حجاز کی طرح حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو  
تھے اس لئے کہ تمام اہل فکر اس صورت حال سے بددل تھے، جو سبائیہ کی وجہ سے حضرت علیؑ  
کے علاقہ میں رونما ہوئی، اسی البدایہ والنہایہ میں جو مودودی صاحب کا مآخذ ہے، حضرت علیؑ  
کی تقریروں کے ایسے فقرے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا بھی ان سے ناراض تھی  
اسدہ رعایا سے بددل تھے، شاید ہی کسی حاکم یا اختیار نے جھنجھلا جھنجھلا کر ایسی تقریریں اپنے  
آدمیوں کے سامنے کی ہوں گی، جیسی حضرت علیؑ نے بارہا اہل کوفہ کے سامنے کیں مثلاً  
البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۲ پر ان کی تقریر کا یہ فقرہ درج ہے، جو راوی نے یہ کہہ کر بیان  
کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے قرآن شریف اٹھا کر اپنے سر پر رکھا پھر فرمایا (خداوند  
میں ان سے بھریا یا امدید مجھ سے مجھے ان سے نفرت ہے اور انہیں مجھ سے پھر دعا مانگی کہ  
خداوند ان لوگوں کے بدلے میں مجھے ان سے اچھے لوگ دے اور میرے بدلے ان کو وہ شخص  
دے جو مجھ سے بدتر ہوگا)

امیر المؤمنین معاویہؓ نے اپنی حکمت علیؑ اور طرز حکومت پر جس فتویٰ اور لکھا  
سے اپنی تقریر کے فقرات میں روشنی ڈالی اور بتایا کہ وہ تینوں خلفاء ابو بکر و عمر و  
عثمان رضی اللہ عنہم کی راہ چلنے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتے تو یہ ان کی مومنانہ توجیح  
تھی، اور نہ حقیقتاً علم سیاست کا معمولی طالب علم بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ ان کے وقت میں  
معاشرت کا ماحول بدل چکا تھا، اس وقت صرف صاحب سرب و انصاری پر امت مشتمل  
نہ تھی، محض عرب عنصری غالب نہ تھا بلکہ نئے نئے عناصر اسلام میں داخل ہو گئے تھے ضرورت  
متقاضی تھی کہ ماحول کے مطابق طرز عمل میں تبدیلی کی جاتے اور وہ طریقے اختیار  
کئے جاتے جن سے اصلاح تو محسوس نہ ہوں لیکن اس نئے ماحول کے تقاضے بھی پورے  
ہوں، مودودی صاحب امدان جیسے خیالی کے لوگ کچھ بھی کہتے رہیں، لیکن اصحاب  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائد و امام کی حکمت اچھی طرح سمجھ لی تھی اور پوری  
طرح ان کے سمجھتے تھے، اس موضوع پر ہم گزشتہ امدان میں بھی روشنی ڈال چکے ہیں اور  
آئندہ بھی حقائق تاریخیہ سے مزید روشنی ڈالیں گے۔

رہا تلوار کے نعرے سے حکومت کرنا تو جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے، تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ خلافت کے حصول اور استحکام کے لئے اسلام میں تلوار اٹھانے والی پہلی شخصیت حضرت علیؑ کی ہے، ام المومنین صلوٰۃ اللہ علیہا اور طاہران نقصا عون عثمانؓ کے مقابلے میں جانا جس کے نتیجے میں جنگ جمل پیش آتی، پھر اہل شام کے خلاف فوج کشی کرنا آخر کس بات کا ثبوت میں حضرت معاویہؓ کا اقدام تو عین دفاعی تھا، حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد عالم اسلام میں کوئی ایسی ہستی ایسی نہ تھی جس پر سب امت متفق ہو سکے، اس لئے حضرت معاویہؓ کی امامت و قیادت پر کل امت نے اتفاق کیا، یہ اتفاق کسی عیبی کے تحت نہ تھا اور نہ اس وقت کی امت کو طاقت کے بل پر یہ لالچ دے کر مغلوب کیا جاسکتا تھا، عراق کے مفسدین کی مختصر جماعت کا اس وقت کوئی وزن نہ تھا۔

تاریخ کا جو بھی گہرا مطالعہ کرے گا، اور جذبات میں مودودی صاحب کی طرح بیٹھے سے گریز کرے گا، اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا، کہ امت میں حضرت علیؑ کو نہ مقبولیت کبھی حاصل نہ ہو سکی جو حضرت معاویہؓ کو شروع سے آخر تک رہی، ہم اس کے اسباب سے یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے، بلکہ صرف واقعہ دیکھتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ جمل و صفین کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ کی مقبولیت اور بروز برہمی چلی گئی، اور حضرت علیؑ کی زندگی ہی میں عرب کے بڑے علاقے بغیر جنگ کے حضرت معاویہؓ کے تحت چلے گئے، جنہوں نے اپنی فلاح شام کے ساتھ الحاق میں سمجھی، اس طرح حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت عراق کا چھوٹا سا علاقہ ان کے تحت رہ گیا تھا، باقی تمام عرب حضرت معاویہؓ کا ہنوا تھا، یہ وہ وجہ ہے کہ ان کی خلافت پر امت نے اجماع کیا۔

مودودی صاحب کا یہ تصور یا ظاہر ہے کہ اگر ان کی بیعت نہ کی جاتی تو نئے و فساد اور خون ریزی کا خوف تھا، اس لئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت کر لی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان صلوٰۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جو نئے بیٹے ہوتے ان کے باوجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ حضرت

علیؑ سے بیعت کر کے ان کی خلافت کو مضبوط بنا دیں کہ فتنے رفع ہوں، وہ اس بات کو کیسے برداشت کر لیتے کہ حضرت علیؑ کی آڑ لے کر وہ ٹولی سیاست اسلامیہ پر مستولی ہو جائے جو ہر فرد کی ذمہ داری تھی، صحابہ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت اس لئے کی کہ اس مفید ٹولی کی چیز و دستوں سے نجات دلانے کی طاقت و صلاحیت صرف حضرت معاویہؓ میں تھی، وعدہ علالتا بت کر چکے تھے کہ کشتی امت کے ناخدا اس وقت صرف وہ بن سکتے ہیں۔

اگر اس وقت کی امت کو تلوار سے مغلوب کرنا ممکن ہوتا تو سوچنا چاہتے کہ حضرت علیؑ کی تلوار سے مغلوب کیوں نہ ہوتے اور ان کی بیعت کیوں نہ کی، بلکہ یوں کہنا چاہتے کہ حضرت علیؑ کی بیعت سے گریز ہی اس لئے مٹھا کہ انہوں نے اسے عامہ کا خیال کئے بغیر تلوار اٹھائی اور اس کے نتیجے میں سوائے کشت و خون کے اور کچھ حاصل نہ ہوا، آخر میں وہ اسے عامہ کی پذیرائی پر تیار ہوئے اور معاملہ تالیخ کے سپرد کر دیا مگر ثالثوں نے کئی چہینے کے غور و خوض کے بعد جو فیصلہ کیا وہ حضرت علیؑ کے خلاف مٹھا ایک بات اہل ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تالیخ نامہ ہونے پر ساری امت نے تو اطمینان کا سانس لیا تھا، مگر مفید لوگ اس پر اتنے ناراض تھے کہ صفین سے بھی زیادہ ہوننا کہ جنگ حضرت علیؑ کو اپنی پارٹی کی باغی ٹولی سے کرنی پڑی اور جنگ نہروان نے علالتا بت کر دیا کہ جن لوگوں میں حضرت علیؑ گھرے ہوئے تھے ان کے سامنے محض تخریب تھی اور تعمیر کا شائبہ بھی نہ تھا۔

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۵)

**تقریر خلیفہ** | ابو خلافت راشدہ میں قاعدہ یہ تھا کہ کوئی شخص

خود خلافت حاصل کرنے کے لئے نہ اٹھے اور اپنی سہمی قبیلہ سے برسراقتدار نہ آئے بلکہ لوگ جس کو امت کی سربراہی کے لئے موزوں سمجھیں اپنے مشورہ سے اقتدار اس کے سپرد کریں بیعت اقتدار کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا سبب ہو، بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کسی کوشش یا سفارش کا قطعاً کوئی

دخل نہ ہو لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں پوری طرح آزاد ہوں اور جب تک کسی کو لوگوں کی آنا دانا رضا مندی سے بیعت حاصل نہ ہو جاتے وہ برسر اقتدار نہ آتے۔

مودودی صاحب نے جو یہ کلیتہً بیان کیا ہے کہ لوگ اپنے مشورے سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں، اصولاً اس پر کوئی اعتراض نہیں، خلافت کا انعقاد اکثر و بیشتر اسی طرح ہوتا رہا کہ اہل محل و عقد نے اس پر اجماع کیا، سوائے چند خلفاء کے جنہوں نے بقول ابن حزم (غلبہ و تسلط) سے اقتدار حاصل کیا ان حضرات میں ابن حزم نے اپنی کتاب نقطۃ العروس میں سب سے اول نام حضرت علیؑ کا لیا ہے کیونکہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کو جن جنیشوں نے قتل کیا تھا، انہوں نے ہی حضرت علیؑ سے بیعت خلافت کی اور حضرت طلحہ و زبیرؓ سے جب یہ بیعت کرائی تھی تو انہوں نے اپنے مشورے سے ان کو برسر اقتدار نہیں کیا تھا۔

پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا انتخاب اہل مدینہ کے ایک غیر ناستہ اجتماع میں محض ایک شخص کے بیعت کر لینے پر ہوا بعد میں اہل مدینہ اس پر متفق ہو گئے انعقاد و بیعت کی اطلاع تمام مملکت اسلامیہ میں بھیج دی گئی اور سب مسلمان بلا جبر واکراہ اس بیعت میں داخل ہو گئے، اس پہلے خلیفہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی صوابدید سے اپنا جانشین مقرر کیا، منکر فرمان یہ اس جانشین کے لئے بیعت کی جس کی تجدید پہلے خلیفہ کے گزر جانے کے بعد فرمان کھولنے پر سب نے کرنی، مملکت اسلامیہ میں جب اس بیعت کی اطلاع سرکاری طور پر بھیج دی گئی تو سب امت نے بیعت کر لی، اس دوسرے خلیفہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی صوابدید سے چھ آدمیوں کا نام تجویز کیا کہ وہ آپس

۱۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے میروچ کے کتاب خانہ میں تھے اور ایک قسطی لائبریری میں میروچ کے نسخے کے مصنفین کو پروفیسر زیوولڈ نے ۱۹۱۱ء میں ہٹارٹیکل اسٹڈیز (مغناطہ) میں شائع کیا تھا۔

میں کسی ایک پر مجتمع ہو جائیں، حضرت فاروق اعظمؓ کی وصیت میں اسی اشارہ بھی نہیں کہ یہ چھ نام امت کے سامنے بطور امیدوار پیش کئے جائیں، آپ نے اہل محل و عقد اہل مدینہ کے سامنے بھی یہ نام رکھنے کا کوئی اشارہ نہیں کیا، فیصلہ تو ان چھ کو آپس میں دیکر کیا تھا ان میں سے تین نے اپنے نام واپس لے لئے، معاملہ بقیہ تین پر آپڑا ان میں سے حضرت عبد الرحمنؓ نے بھی اپنا نام واپس لے لیا اور بات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ پر پڑی، اہل شوریٰ نے حضرت عبد الرحمنؓ کو یہ اختیار دیا کہ ان دونوں میں کسی کو نام زد کر دیں (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۹ باب قصۃ البیعت) حضرت عبد الرحمنؓ کی اپنی بلہیت اور وہ مبنی تھی کہ بطور خود فیصلہ کر دینے کے بجائے اہل مدینہ امداد عساکر سے ذرا فرما اسقصاب کیا اور بہت بھاری اکثریت کی رائے کے مطابق حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۳۵ ص ۲۳۶ کتاب الاحکام) اور یوں بعد میں تمام عالم اسلام میں حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو گئی اور متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے، اس تمام کارروائی میں مودودی صاحب کے اس نظریے کی کوئی علامت نظر نہیں آتی سوائے اجماع امت کے جو انعقاد و خلافت کے بعد ہوا نہ کہ پہلے اس طرح مودودی صاحب کا یہ نظریہ باطل ہو گیا کہ بوجہ تک کسی کو لوگوں کی آنا دانا رضا مندی سے بیعت حاصل نہ ہو جاتے وہ برسر اقتدار نہ آتے، اور یہ بھی کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا، سوائے امیر المومنین عثمانؓ زبیرؓ اور کسی کے لئے عقد بیعت سے پہلے اسقصاب نہیں کیا گیا تھا، اور یہ اسقصاب بھی محض مدینہ میں ہوا تھا، باقی دنیا سے اسلام کا اس اسقصاب میں کوئی دخل نہ تھا، اگرچہ ناموں کے دینے کے بجائے حضرت فاروق اعظمؓ کسی ایک صاحب کو نامزد فرمایا جاتے تو اتنا اسقصاب بھی نہ ہوتا، اس وقت کی دنیا میں کہیں اسقصاب رائے کا اصول رائج نہ تھا اور صدیوں بعد تک اس کا امکان ہو سکا کہ خلیفہ کے منتخب ہونے سے پہلے تمام امت سے مشورہ کیا جائے اس وقت ایسے وسائل کہاں تھے کہ مملکت کے تمام صوبوں کے لوگوں سے خلیفہ کے سزا خلافت پر مدتی افزونہ ہونے سے پہلے رائے حاصل

کر لی جاتی، مودودی صاحب کے نقور کے تحت شلاً امیر المومنین ہشام کو خلیفہ منتخب ہونے کا حق نہ تھا، جب تک اندلس سے لے کر مغربی پنجاب اور ترکستان سے لے کر سندھ تک کے لوگوں کی رائے اور فہم گھونٹا اور بادبانی کشتیوں میں سفر کر کے معلوم نہ کر لی جاتی اس زمانے میں رسل و رسل اور نقل و حمل کے یہی ذرائع تو تھے، آج جو وسائل حاصل ہیں، ان کے ذریعہ بھی یہ کام آسان نہیں تو اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس کا امکان کہاں تھا، صحابہ کرام جو علم و حکمت کے معلم تھے وہ ایسا تصور کیوں کرتے۔

علامہ ازہب مودودی صاحب کے نقور کے مطابق خود صحابہ کرام بھی امت کے منتخب کردہ نمائندے نہ تھے، کیونکہ انہیں آئینی انتخاب کے ذریعہ مملکت اسلامیہ کے شہریوں نے یا ان کی متعدد جماعت نے یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ اہل حل و عقد کی حیثیت اختیار کر کے خلفاء کا انتخاب کریں گویا سیاسیات اسلامیہ میں جتنے اقدامات کئے گئے وہ مودودی صاحب کے زاویہ نگاہ سے سب غیر آئینی تھے، ماشاء اللہ کیا تجدیدی کا لٹنا آپ نے انجام دیا ہے اور کیا رسا آپ کی عقل ہے۔

صحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اہل مدینہ کو اہل حل و عقد ہونے کا منصب خود بخود ملا تھا، کیونکہ وہ دعوتِ محمدیہ کے اولین علمبردار تھے ان کا یہ منصب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، کیونکہ قرآن مجید میں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے اور ان ہی کی راہ کو سبیل المومنین بنایا ہے، جس امر پر وہ مجتمع ہو جاتیں وہ ہی سنتِ ماقبہ ہے اس اجتماع پر حرف لانے والا یا ان کے اجماعی فیصلے کو غلط کہنے والا شخص گمراہ ہے اس بارے میں خلافتِ رسول کے احکام صریح ہیں۔

اہل حل و عقد تھے ثلاثہ کا انتخاب صحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اہل مدینہ نے کیا، بعد میں کل امت نے اس پر اجماع کیا، البتہ مودودی صاحب نے یہ صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کا انعقاد بھی اسی طریقے پر ہوا ان کا انتخاب ان باغیوں نے کیا جن کے ہاتھ متفق علیہ امام کے خون سے لٹھرے ہوئے تھے، ان کے

انعقاد بیعت کے بارے میں امت کسی وقت بھی متفق نہ ہو سکی، حضرت صدیق اکبرؑ کے ہاتھ پر پہلی بیعت حضرت فاروق اعظمؑ نے کی، حضرت عثمانؑ کے ہاتھ پر پہلی بیعت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کی، لیکن حضرت علیؑ کا ہاتھ جس نے پہلے پکڑا وہ اشتر نخعی تھا، اقاتل امیر المومنین عثمانؑ، خداوند رسول کا باغی دہلوی ج ۵ ص ۱۵۵-۱۵۶) جو حبشہ میں نبوی اسلام کا جواہر گرن سے آثار کرھنیک چکا تھا، کیا اس کا ہاتھ ان دونوں ہاتھوں کے برابر سمجھا جاسکتا ہے، اور پھر یہ بیعت ہوئی، اس حالت میں کہ امام المسلمین اور سید المومنین کی نفس بے گند کفن پڑی ہے، اس کا گھر ٹٹا جا رہا ہے، مسلمان اس کے جنازے کی ناز نہیں پڑھ سکتے اور جنت البقیع میں اسے دفن نہیں کیا جاسکتا۔

آسمانِ راحی بود گردنِ بیارو بزد میں

حضرت علیؑ کے بجائے اگر کوئی دوسرا غیر صحابی شخص اس طرح برسر اقتدار آتا تو اسے کبھی کا ختم کر دیا جاتا، لیکن پھینکی پیدا ہوئی، حضرت علیؑ کی شخصیت کی بنا پر نیز اس لئے کہ چند صحابہ نے خواہ بچھوڑا بیعت کر لی تھی، لیکن یہ بات بھیر بھی اپنی جگہ قائم ہے جسے کسی دلیل سے رو نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت کی آئینی حیثیت آخر وقت تک معرض بحث میں ہی، اگرچہ صحابہ نے بیعت کر لی تھی، تہ پھر ثالثی کا سوال نہ تھا۔

مودودی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ "بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کوشش یا سفارش کا قطعاً کوئی دخل نہ ہو، سوائے حضرت علیؑ کے خلفائے ثلاثہ اور دوسرے خلفاء کے برسر اقتدار آنے میں ان کی اپنی کوشش یا سفارش کا کوئی دخل نہ تھا مودودی صاحب ہی کے ماخذ طلب سوری ۲۰ (ج ۵ ص ۳) میں بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے بعض ارکانِ شوریٰ کی رائے اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی، اپنے سرزند حسن کو ساتھ لے کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے اس بیٹے کا جو رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور میرے چچا حمزہؓ کی جو قرابت تم سے ہے اس کا خیال رہے اس طرح کی کوئی ایک حضرات میں سے کسی نے نہیں کی جو خلافت کے لئے منتخب ہوتے، ہمیں حضرت علیؑ کے اس طرز عمل پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے اپنے

انتخاب کے لئے ہموار کرنے کی کوشش کی، یہ دیکھا کہ تو مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فقرے کے جواب میں کیا لکھے۔

**شاہی جرس** | مودودی صاحب کو اموی خلفاء پر یہ بھی اعتراض ہے (مثلاً) کہ وہ محافظ دستوں کے ساتھ نکلے تھے، شاہی عیالات میں رہتے تھے، شاہی جرس (BODY GUARD) ان کے محلوں کی حفاظت کرتے تھے، حالانکہ فاتحہ یہ ہے جیسا علامہ ابن حزم نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ نہ کسی اموی خلیفہ نے اپنا کوئی نائب مقرر کیا نہ کوئی عملی دشمن میں بنوایا، ان ہی مکانات میں رہتے رہے، جن میں خلافت پر فائز ہونے سے پہلے رہتے تھے، ان کی معاشرت اسی سادگی سے رہی جو عرب سادات کی خصوصیت تھی، رہا جرس کا معاملہ تو مودودی صاحب کا مقصد چونکہ محض اعتراض ہے، واقعات سے انھیں منکر کر کے جوٹا لکھ دیا، حضرت فاضل اعظم، حضرت علی اور حضرت معاویہ پر عین عتاز کی حالت میں قاتلانہ حملہ کیا گیا، اس کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ انہیں محافظ دستوں کے بغیر نکلنا چاہتے تھے یا ان پر لازم تھا کہ اپنی حفاظت کا انتظام نہ کریں تو اس سے زیادہ جاہل و نادان کون ہو گا، کیا کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ فاضل اعظم امت میں مقبول ترین شخص نہ تھے یا حضرت معاویہ پر اپنی شام جان نہیں چھڑاتے تھے ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی اپنی قوم میں کتنا ہی مقبول ہو پھر بھی دشمنوں سے حفاظت ضروری ہے، حضرت ابوالیوب انصاری نے جب ایک رات اس صفحہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہرہ دیا تھا آپ نے انہیں دعا دیتے ہوئے یہی تو سرایا تھا، اللہم حافظ ایبا ایوب کما باتتہ یحفظنی آپ کے حراسی مختلف اوقات میں حضرت زبیر علیہ السلام سے مواضع بن ابی وقتاس و ذکوان بن میتس و عباد بن بشر و غیر ہم رہے تھے، آیت شریفہ **وَلَا تَلْمِزُوا عَمَلَهُمْ** کے نزول کے بعد تو لوگوں میں

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۰) **رعیت کے حالات** | اپنی رعیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے

وہ اپنے ماتحت کارپردازوں کے محتاج ہو گئے، جن کے ذریعہ سے کبھی کسی حکومت کو بھی صحیح صورت احوال کا علم نہیں ہو سکا ہے اور رعیت کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ بلا تو سلطان تک اپنی حاجات اور شکایات لے کر جا سکیں، یہ طرز حکومت اس طرز کے بالکل برعکس تھا، جس پر خلفائے راشدین حکومت کرتے تھے، وہ ہمیشہ عوام کے درمیان رہے، جہاں ہر شخص ان سے آزادی کے ساتھ مل سکتا تھا، وہ بائبلوں میں چلتے پھرتے تھے اور ہر شخص ان کا دامن پکڑ سکتا تھا، وہ پانچوں وقت عوام کے ساتھ انہی کی صفوں میں نماز پڑھتے تھے

گویا مودودی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ مثلاً امیر المومنین ہشام کا تمام وقت اس میں صرف ہو کہ اندلس سے لے کر مغربی پنجاب تک اور ترکستان سے لے کر سندھ تک پیدل سفر کرتے رہتے اور ایک ایک گھر پر جا کر احوال دریافت کیا کرتے کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں کیونکہ نیک کار پردازوں کے ذریعہ صحیح احوال کبھی معلوم ہی نہیں ہو سکے، یہ کیا مودودی صاحب بھی بروچک و بندیں اپنی تنظیم کے احوال معلوم کرنے کے لئے اسی طرح چاؤں میں چکر لکھے ہیں۔

پھر سوال ہے کہ حضرت فاضل اعظم بائبلوں میں چلتے پھرتے تھے تو صرف مدینہ کے بائبلوں میں، ساری مملکت کے بائبلوں میں (اصیہ کون کہتا ہے کہ خلفاء اسلام پانچوں وقت مسجد میں جا کر نماز ادا نہیں کرتے تھے، مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ خلفاء راشدین عوام کے ساتھ انہی کے ساتھ انہی کی صفوں میں نماز پڑھتے تھے، گویا انہیں فقہ کا یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ امام صفوں میں نہیں بلکہ صفوں کے آگے کھڑے ہوتا ہے خلفاء اسلام عوام کے محتاج رہا، اس لئے ان کے مخالفین انہی کے ساتھ آتے تھے اور تاریخ بھری پڑی ہے کہ کسی طرح دینا سے اسلام کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی شکایات بیان کیا کرتے تھے

ادبیہ کون کہتا ہے کہ خلفاء اسلام رعایا کے احوال سننے کے لئے کھلے اجلاس میں نہیں بیٹھتے تھے دارالمنظالم کا حکمہ قائم ہی اس لئے ہوا کہ ٹنگ بے ٹنگ ٹوک ٹوک ایسے مقدمات ان کے مدبر و پیش کریں جن کے فیصلے عدالتوں میں نہ ہوسکتے ہوں، ایک بڑی کتاب چاہئے بزم برس کے اس قسم کے واقعات کی حقیقت بیان کرنے کے لئے۔

**آزادی راتے** | مودودی صاحب نے حضرت معاویہ پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آزادی چھینی لی گئی تھی اور کہا ہے۔

۱۳۔ کہ انہوں نے جبرین عدلی کو قتل کر دیا اور انہیں نابود بنا دیا صحابی اور صلی مامت میں اونچے درجہ کا، شخص بنا لیا ہے حالانکہ امام بخاری اور دوسرے بزرگوں نے انہیں تابعی بتایا ہے، بعض ایسے بھی ہیں جو انہیں صحابہ میں شمار کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں مفسد صحابہ میں کہا جاسکے گا، اور انہیں قتل کر لیا ہے، حضرت معاویہ امیر المومنین نے جو ان کے احوال سے زیادہ واقف تھے، انہیں معلوم تھا کہ وہ اموی خلافت کے مخالف ہیں اور وہ کوزہ میں دی و فضا پیدا کرنا چاہتے تھے جو ہمد فاروقی سے کوزہ کے امراہ کے بارے میں ان لوگوں نے بپا کر رکھی تھی اور ہمد عثمانی میں ان کی شرارتی حد کو بڑھ گئی ہے، مودودی صاحب نے یہ غلط کہلے بھولوں کا قتل نقل کیا ہے کہ حدیث نیا ڈمبیر حضرت علیؑ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ جبر رسول حضرت علیؑ کے بہترین رفقاء میں اصحاب کی عظمت ان کے دل میں اتنی تھی کہ ان کی شہادت کے بعد بھی وہ حضرت معاویہ سے بیعت کرنے میں رکے رہے تو وہ یہ فضول اور بیکار کام کریں گے امام ابن سیرین نے بیان کیا ہے کہ امیر زیاد نے خطبہ فلاطویل کر دیا تو جبر اصحاب کے ساتھیوں نے شہید چایا اور ان پر کنکریاں پھینکیں اس کی شکایت انہوں نے امیر المومنین معاویہ کو کی، حالانکہ شرعاً وقتاً و ذمماً وہ خود انہیں پوری سزا دے سکتے تھے مگر یہ ان کا اندھا تھا کہ ان کا معاملہ بارگاہ خلافت میں بھیج دیں، وہاں پوری تحقیقات کے بعد انہیں قتل کیا گیا، کیونکہ شہادتیں ایسی گزری تھیں جن سے ان کے باعینانہ اور مصدمانہ عسرتاں کا پتہ چل گیا تھا، ان کے جن ساتھیوں پر جبرم ثابت نہیں ہوا انہیں چھوڑ دیا گیا، دنیا کی کوئی حکومت اس حرکت کو برداشت نہیں کر سکتی جو عیسر اور ان کے

ججے کی تھی دلا خط ہو الحراسم من التواصم صلا تعلقہ

**قانون سے بالاتر؟** | مودودی صاحب فرماتے ہیں ص ۷۱،

قرابیا امدان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کاروائی کرنے سے صاف انکار کیا ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن عقیل ایک مرتبہ بصرہ میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا، ایک شخص نے عدلان خطبہ میں اس کو کٹر مار دیا، اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹا دیا، حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جبرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جاتے حضرت معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دے گا، مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں ہے

یہ بیان ابن اثیر اصحاب کثیر یعنی ساتویں آٹھویں صدی کے مصنفوں کا ہے جبکہ تاریخ پوری طرح صحیح ہو چکی تھی اور تحقیق روایات کا کام انتہائی عرق ریزی چاہتا تھا، قدما کی..... کوئی تحریر پیش کی جاتی تو ہم بھی سوچتے کی بات کیا تھی۔ بہر حال روایت کی موجودہ صورت ہی پیش نظر رکھ کر ہم مودودی صاحب کے تفسیر اور شرعی قانون کے علم کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، مودودی صاحب نے شاید قرآن مجید کی اس آیت کا شان مندل پڑھا ہوا لا تقوا لوطین التی الیکم السلام لست مؤمتا رجوہمیں سلام کرے اس کو یہ مت کہہ کہ تو مومن نہیں یا تجھے امان نہیں حضرت اسلام نے ایک شخص کو کافر حبلی سمجھ کر قتل کر دیا حالانکہ اس نے سلام کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت ناراض ہوئے اور مقتول کی ویت ادا کر دی، مگر حضرت اسامہ سے قصاص نہیں لیا۔

اسی طرح حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا اور اس کے انہماک اسلام کو وقت نہیں دی بلکہ مرتد بنا، حضرت فاطمہ بنت العاصم

کا اصرار تھا کہ حضرت خالدؓ سے قصاص لیا جاتے، لیکن حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا اور مقتول کی دینہ ادا کر دی۔ وجہ ظاہر ہے کہ مدکنہ بالادوں سے قتل میں حالات جنگی تھے اور مقابلہ دشمنان ملت سے تھا، اور سامنا ایسے فتوں کا تھا جو پوری امت کے لئے انتہائی خطرناک تھے ایسی صورت میں حکومت کے کارکن سے اگر کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے اور وہ جرم بغاوت یا دشمنی دین کا تصور قائم کر کے کوئی سخت قدم اٹھالے تو اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کا مقصد دفعِ فتنہ ہوتا ہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ امیر عبداللہ بصرہ میں مسجد کے منبر پر کھڑے ہیں یعنی فرض الہی بجالانے میں خود امیر المؤمنین کی نمائندگی کر رہے ہیں، ایسے وقت میں ان پر کبھی پھینکا معمولی بات نہیں ہے، ایک پولیس کا سپاہی بھی جب اپنا فسر من منصبی ادا کر رہا ہو تو اس کی بے حرمتی کو خود حکومت پر حملہ سمجھا جاتا ہے، چہ جائے کہ امیر کے ساتھ گستاخانہ کی جائے، دینا کی کوئی حکومت ایسی حرکت برداشت نہیں کر سکتی اور سواتے بغاوت اہل فتنہ پھیلنے کے اسے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا، یہ شخص تو واجب القتل تھا۔ امیر نے بڑے عمل کا مظاہرہ کیا کہ صرف ہاتھ کاٹ دیا، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عراق اس وقت شہہ شہت لوگوں کا مرکز تھا اور بصرہ کی اس حیثیت سے خاص اہمیت تھی، وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کے جو ہولناک نتائج سامنے آتے تھے ان کا تقاضا یہ تھا کہ سخت گیری سے کام لیا جائے اگر دیانت صحیح ہے تو امیر المؤمنین معلوم کرنے بالکل سنت کے مطابق کام کیا اور اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنے امر اور کوفتوں سے بالائیکھا چاہتے تھے جب وہ خود قانون کے پاس بند تھے تو امر اور کوفتوں سے بالائیکھے کھڑے تھے، قرآن حکیم میں تو صاف حکم ہے۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ  
ورسولہ ویبعون فی الارض  
منہ ان یقتلوا ویصلبوا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف  
جنگ کرتے اور زمین پر فساد پھیلانا چاہتے  
ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا  
یا سولی دیا جائے یا

تفتیح اہل بیہم و اسر جلعیم  
موت خلاف اور ینفوا من الایم  
ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے  
کاٹ دئے جاتیں یا انہیں شہر بدر کر دیا  
جاتے۔

اگر واقعی ایسا ہوا تو قرآن کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی  
یہاں مودودی صاحب کا حضرت امیرؓ کا ہاتھ پاؤں کا تقاطع اصل ہے  
اگرچہ کسی کتاب کا ہوا، مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۸)

مزید کہ حضرت معاویہؓ نے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی  
گورنر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لئے کوفہ کی جامع مسجد  
کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر گنگر پھینکے، اس نے  
فوراً مسجد کے دروازے بند کر دئے اور گنگر پھینکنے والے  
تمام لوگوں کو درجن کی تعداد ۳ سے ۴ تک بیان کی جاتی ہے  
گرفتار کر کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹا دئے، کوئی معذرت  
ان پر نہ چلا یا گیا، کسی عدالت میں وہ پیش نہ کئے گئے کوئی باقاعدہ  
قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی، گورنر نے محض اپنے  
انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعاً کی سزا دے ڈالی جس کے  
لئے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا، مگر صبار غلافت سے اس کا بھی  
کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔

مودودی صاحب کا یہ بیان از سر تا پا کذب محض ہے اور گورنر کی دینت سے انہوں  
نے غور کیا ہوتا تو یہ مذہب اور اہمیت اہم کرتے، اصل صورت حال یہ ہے کہ جیسا کہ امام  
ابن سیرینؒ نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے اور انھوں نے مسئلہ یہ کہ امیرؓ نے  
خطبہ ذرا طویل کر دیا تو جبرین عدی نے کہا: "نار پڑھئے" لیکن امیرؓ نے اپنے  
تفسیر جاری رکھی اس پر جبر اور اہل ان کے ساتھیوں نے ان پر کنگریاں پھینکی  
امیرؓ نے اس کی اطلاع امیر المؤمنین معاویہؓ کو کی آپ نے حکم دیا ان سب لوگوں کو

آپ کی خدمت میں بھیجا گیا جاتے، مگر بن عدی ذاتی و فنانہ کے باوجود اموی خلافت کے خلاف نئے اندیشی خیال رکھتے تھے، ان کا وہاں ایک جتھے تھا جو خلافت کے سلسلے میں خفیہ سازشیں کیا کرتا تھا، اسپی شومہ پشتی پر قائم تھا، مورخوں نے اس طبقے کی کارروائیاں کافی تفصیل سے دی ہیں، مگر ہمارا مقصود اس تفصیل میں جانا نہیں، ہم تو یہاں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جب حکومت کے مخالفین کا ایک گروہ موجود ہے وہ انقلاب یا کفر کے قیام و اہل لانا چاہتا ہے تو وہ جتھے اس قابل تھا کہ میرزا یا اس کے خلاف سخت کارروائی کرتے مگر انہوں نے یہ آئینی طریقہ اختیار کیا کہ ان کے اعمال بارگاہ خلافت میں بھیجا کر ہدایت طلب کی اور ساتھ ہی وہ گناہ بھی بھیجے جو حرامان کے ساتھیوں کی برکتوں سے واقف تھے، حضرت امیر المومنین نے تحقیقات کر کے ان لوگوں کو قتل کر دیا جو جتھے کے بانی تھے اور باقی لوگوں کو چھوڑ دیا، ان مستویوں میں جو بھی بھی ہیں جتھے کے اعتبار سے وہ تابعی تھے، جیسا کہ امام بخاری نے لقرآن کی ہے، لیکن لوگوں نے اپنے خاص مقاصد کے تحت انہیں صحابی یا مدکر انا چاہا ہے اور بعض حضرات انہیں ان رعایا کی بنا پر صحابی کہنے بھی گئے، بلکہ جلیل القدر صحابی اگر وہ واقعی صحابی ہوں تب بھی وہ امت کے ایک فرد ہوتے، جس کی قیادت امیر المومنین معاویہ کے پسر یعنی ان کا فرض تھا کہ وہ امت میں فتنے کا سبب نہ بنے دینا۔

اب سوچنا چاہیے کہ امیر زیاد اتنی اہم اور کھلی ہوتی منہ پروردی کے باوجود جب خود کسی نادبی کارروائی سے پرہیز کریں اور اپنے امام کے حکم کے بغیر کسی اقدام سے انہیں گریز نہ ہو تو وہ یہ کیسے کر سکتے تھے کہ تیس سے لے کر اسی آدمیوں تک کے ہاتھ گٹھوڑیں۔

دوبارہ خلافت سے نوس اس لئے نہیں لیا گیا کہ ایسا واقعہ ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہو سکتا تھا، اس صورت حال سے قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح رعایتیں وضع کی گئی ہیں اور جن کے دلوں میں عیارتی ہے، وہ کس طرح ان رعایتوں پر نیکہ کر کے بزم غم و غمش اپنا یہ مقام رکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور خلفاء پر طعن کریں، ہنسنا یہ وہ نہیں رعایتیں جو معاویہ نے بیان کی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت بسیر رضی اللہ عنہ

موردی صاحب فرماتے ہیں (ص ۱۷۶) اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بسیر بن ابی اوطاہ نے کئے جسے حضرت معاویہ نے پہلے حجاز میں کو حضرت علی کے قبضے سے نکلانے کے لئے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لئے ماوردی کا تھا، اس شخص نے یمن میں حضرت علی کے گورنر عبید اللہ بن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔۔۔۔۔ اس کے بعد اس ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جس وقت حضرت علی کے قبضے میں تھا، وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں انہیں لونڈیاں بنا لیا، حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی حجاز نہیں، یہ سازش کا سبب بن گیا اس بات کا اعلان نہیں کہ اب گورنر اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے پابند نہیں!

یہ ذکر اس زمانہ کا کیا جا رہا ہے جب حضرت علی کی خلافت قائم تھی، عراق اور ایران کے تمام علاقے پوری طرح ان کے قبضے میں تھے اور اگر وہ چاہتے تو لاکھوں فوجی ہیا کر سکتے تھے، پھر یہ وقت تھا کہ سیکڑوں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، اور یہ اس امت کا حال بیان ہو رہا ہے جس نے اس سے پہلے اس کے بعد جاننا ہی اور سرزدوشی کی کسی ہم سے منہ نہ موڑا، جس کا ہر باغ شخص مسلح تھا اور ہر حرب و ضرب۔

موردی صاحب کے نزدیک تو غالباً حجاز و یمن غیر مسلح شہریوں کے دو قبضے تھے، جنہیں چند ہزار آدمیوں نے مل کر تاراج کر دیا اور ہمدانوں کا قبیلہ شاید سو سو ہو معتمد لوگوں پر مشتمل تھا جو ہاتھ پاؤں ہلاتے بغیر زنج کر دتے گئے، جب عقل پر تعصب کے پردے پڑ جاتے ہیں تو آدمی بے سوچے سمجھے ایسی ہی مضمحل و لاعینی باتیں کیا کرتا ہے۔



مودودی صاحب نے تو ساتویں آٹھویں صدی کے مصنفین کی ضخیم کتابیں پڑھی ہیں۔  
 کہیں ان میں ان عظیم الشان سرکوں کا تذکرہ ملا جس سے معلوم ہو کہ میں اور حجاز میں حضرت  
 بشر کے خلاف گھسان کی لڑائی ہوئی، میں تو اس وقت بھی سہارے سامنے ہے، اور  
 موجودہ آلت حرب کے باوجود برس ہو گئے، لیکن وہاں امن قائم نہ ہو سکا اور مختار  
 گروہوں میں لڑاؤ جاری ہے تو حضرت بشر کے ہاتھوں کو نسبی طاقت تھی جو حجاز  
 میں اس طرح ان کے قبضے میں آگئے اور ہمدانیوں کو اس آسانی سے تہ تیغ کر دیا گیا۔  
 حقیقت یہ ہے کہ حجاز زمین کے باشندے اپنی رضی سے حضرت معاویہ کے ساتھ  
 ہو گئے تھے، اور تمام طاقت صرف کرنے کے بعد بھی برسوں میں یہ علاقے فتح نہ کر سکے مودودی  
 صاحب نے عربوں کو اور وہ بھی اس وقت کے عربوں کو کیا سمجھ رکھا ہے جو اس قسم کے  
 سفیہانہ تاثرات پیدا کرنے کی سعی لاحقہ میں مشغول ہیں۔  
 ہاں حضرت بشر کا حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کے بچوں کو قتل کرنا تو  
 یہ محض جو جاتی بات ہے، جس میں کوئی اصلیت نہیں، تعجب ہوتا کہ طبری اور مورخ  
 اور مودودی ان بچوں کے تھے جو تڑپ رکھتے ہیں وہ تڑپ ہمیں ان بچوں کے والد  
 ماجد اور چچا اور بھائیوں میں کہیں نظر نہیں آتی، ہاشمیوں کی کسی مجلس میں کبھی اس  
 تذکرہ کو مودودی صاحب کوئی حوالہ دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ سب باتوں کی  
 وضع کردہ سفارتیہ اور اس پر مدگلندے کا جرز ہے، جو امیر المؤمنین معاویہؓ ان  
 کے امراء اور اموی خلفاء کے متعلق کیا گیا ہے۔

اب ہم آتے ہیں اس بہتان اور افتراء خالص کی طرف جو مودودی  
 صاحب نے پانچویں صدی کی ایک تصنیف سے دیا ہے، حضرت بشر نے اگر یہ حرکت  
 کی ہوتی کہ ہمدانیوں کی غواہی کو لوٹدیاں بنالیں تو کیا اصحاب رسول خدا صلی اللہ  
 علیہ وسلم چکے رہتے یا حضرت خال المؤمنین معاویہؓ باز پرس نہ کرتے ان غواہین کو  
 لوٹدیاں بنانے میں کوئی سیاسی مصلحت تھی جو اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی تھی  
 اس وقت تک حضرت معاویہؓ کو خلافت نہیں ملی تھی، ان کی سیاسی مصلحت، تو اس میں

تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنائیں، ایسی حسرتوں سے وہ اپنے آپ  
 کو مغرور بناتے یا مقبول؟ مودودی صاحب انسان کے ہم خیال لوگ حضرت معاویہؓ  
 کو جو چاہیں کہیں انہیں احمق اور نا سمجھ کہنے کی تو جسرات نہیں کر سکتے، اب وہی صورت  
 ہیں یا تو یہ رسالت کذب محض اور افتراء خالص ماننی ہو گی، یا پھر یہ سمجھنا ہو گا کہ  
 اگر ایسا واقعہ ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمدانیوں کو مسیئہ کذاب کے ساتھیوں  
 کی طرح مرتد جانا، حجاز کی عورتوں کو بانڈیاں بنانا جانتے سمجھا اور اس حرکت کے باوجود  
 حضرت معاویہؓ کی امامت پر اجماع کر لیا۔

مودودی صاحب کو تعصب میں غرق ہونے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ ان کی اس  
 تحریر سے کیا نتائج مرتب ہوں گے، حضرت بشر سے ظلم و جہالت کے ان افعال کا ہرگز  
 حصہ بھی سرزد ہوا ہوتا تو عرب کی راتے عامہ حضرت معاویہؓ کے خلاف ہو جاتی، سب کے  
 سب حضرت علیؓ کی طرف ڈھل جاتے اور وہ قوت ہوتی کہ معاویہؓ اس کا مقابلہ نہ کر سکتے  
 لیکن ہمدانیوں کے خلاف، راتے عامہ سرزد ہونے حضرت معاویہؓ کی طرف ڈھلتی  
 چلی گئی، اور بڑے بڑے علاقے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل کر حضرت معاویہؓ  
 کے ہم نوا ہو گئے۔

حضرت بشر کی ان خیالی چیرہ دستیوں کا خیال رکھتے وقت البدایہ والنہایہ  
 (۳۲۵:۳۲۶) حضرت علیؓ کا خطبہ حضرت بشر کے بارے میں دیکھ لیا ہوتا، جس کی سند ہے  
 الامش عن عمرو بن بقرہ بن عبد اللہ بن الحارث عن زبیر بن  
 حضرت علیؓ نے جمعہ کے دن ہمارے سامنے  
 تقریر کی اور فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ سر  
 اب یمن میں آگئے ہیں اور بخدا مجھے  
 ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ تم پر غالب  
 آجائیں گے اور ان کے اس غلبے کا سبب  
 ہو گا، تمہارا اپنے امام کی نافرمانی کرنا اور

الاسم قال خطبنا علی یوم الجمعة  
 فقال بنت ان بسئل تطلع الیمن  
 وانی والله لاحسب ان هؤلاء القوم  
 سیطھرون علیکم وما یظھرون  
 علیکم الا بصیائکم وطاعتھم  
 امامھم وینھیائکم واما انھم

مناذد کفری ارضکم و اصلاحکم  
ان کا اپنے امام کی اطاعت کرنا تمہاری  
خیانت امان کی امانت تمہارا اپنی زمین  
میں مناذد کرنا امان کا اصلاح کرنا۔

کہاں حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت بسراہمان کے ساتھیوں کی تعمیری  
جدوجہد کی مدد و دستاویز اور کہاں مودودی صاحب کی یہ فقرہ باندی و ہمت تراشی  
حضرت بسراہمان و صحابی و سادوی حدیث پر

مودودی صاحب نے اپنی تحقیق کی نقاب کشائی کرتے  
ہوئے امیر المؤمنین معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کرام  
سے اپنی عدالت کا بھی دیکھتے کس ڈھٹائی سے مظاہرہ کیا ہے یہ خلافت و ملکیت کا فرق  
اور ذیلی سرخی ہے یہ قانون کی بالائے سرخی کا خاتمہ ہے اس کے تحت حضرت معاویہؓ و دیگر خلفاء  
کی بابت یہ اتہام لگایا ہے کہ وہ اپنے مقاصد سفلی بر لانے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ  
اعتیار کرتے تھے، حتیٰ کہ حلال و حرام کی بھی تمیز روانہ رکھتے تھے پھر ایک ذیلی سرخی  
قائم کی ہے۔

حضرت معاویہ کے عہد میں ۳۳۵ھ کے تحت لکھتے ہیں (ص ۱۷۳)

یہ پالیسی بھی حضرت معاویہ کے عہد سے شروع ہو گئی تھی امام  
زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چاروں  
خلفاء راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ وہ کافر مسلمان کا وارث  
ہو سکتا تھا نہ مسلمان کا فر کا، حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت  
میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا، اور کافر کو مسلمان کا وارث  
قرار دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اگر اس بدعت کو موقوف کیا، مگر ہشام بن عبدالملک  
نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ نے سنت کو بدل

دیاسنت یہ تھی کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہ نے اس کو  
نصف کر دیا اور باقی نصف خود یعنی شروع کر دی۔

عدالت اور دیت کا تعلق شریعت سے ہے اور ایسے فقہی عدالت میں طے ہوتے  
ہیں، حضرت معاویہ نے بقول مودودی صاحب یہ بدعت جاری کی اصلاح حکام شریعیہ کو پس  
نیت ڈال کر ایسے قانون بنائے تو ظاہر ہے کہ عدالتوں میں فیصلے امیر المؤمنین کے حکم کے  
مطابق ہی ہوتے ہوں گے، اس وقت بلکہ پوسے اموی دور میں مملکت اسلامیہ میں محکم  
قضائے عوامیہ صاحبہ کرام کے سپرد کیا جاتا تھا اور ہر عہد کے قاضیوں کے اسماء گرامیہ صنفی  
تاریخ میں مرقوم ہیں، تو گویا مبتدع محض حضرت معاویہؓ نہیں بلکہ وہ سب اصحابِ رسول  
خدا ہیں، جنہوں نے سنت کے خلاف یہ فیصلے کئے، یعنی سب نے دین سے منہ منڈ لیا  
تھا، انہیں پیمانہ تھی کہ خدا اور رسول کے احکام کیا ہیں اور یہ یہ بادشاہ کیا چاہتا ہے  
اب اگر ان قاضیوں نے فیصلے احکام شریعیہ کے مطابق کئے تو حضرت معاویہؓ  
کے سنت بدل ڈالنے کا اثر امت پر کیا؟ کیا یہ معاویہ کا دین؟ محض اکبر کا دین  
ابن بن کر رہ گیا تھا کہ دوبار سے باہر اس کا کہیں ذکر نہ ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جب  
انسان کا دل سچ ہو جاتے تو اسے اپنی زبان و قلم پر قابو نہیں رہتا، اس سے اس کی پرمعا  
ہیں ہوتی کہ کمال کیا بھلے گا۔

اہل علم کے نزدیک اس شخص سے زیادہ جاہل اور حکمت دینیہ سے بے بہرہ کوئی  
نہیں، جو فقہی مسائل میں اپنے مذہب کو عین حق جانے اور دوسروں کو باطل کہے، علماء  
فقہ و حدیث اگر مودودیت کا رنگ اختیار کرتے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
بنائی ہوئی جماعت اور صحابہ کرام کے دامن سے دالبتہ امت کبھی کی مستفیض و بخار ب  
فرقوں میں بٹ چکی ہوتی اور ہم اس کی یہ شان نہ پاتے کہ ایک مذہب کا مجتہد دوسرے  
مذہب پر فتویٰ دے اور ہر مذہب کے پیرو دوسرے سے مذاہب کے انہ کد اپنا امام و  
مقتدا جائیں اور سب سے یکساں عقیدت و محبت ہو۔

البعیہ والہنایہ فقہ کی کتاب نہیں ہے، جہاں فقہی مسائل کی ترویج کی جاتی ہے

اور صحابہ دائمہ کے مذاہب انسان کے اختلافات سے بحث ہوتی ہے، مودودی صاحب کو سلامت دعویٰ سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو سوچتے کہ وراثت و وصیت کا تعلق علم فقہ سے ہے اس کے لئے کتب فقہ دیکھنی چاہتے، مگر انہیں تو حضرت معاویہؓ جیسے صحابی جلیل مجتہد عظیم اور صاحب مذاہب امام کو مبتدع اور علی ثابت کرنا تھا۔

اب ہم قارئین کرام کو فقہ کی بلندی یا یہ کتاب المغنی پر متوجہ کرتے ہیں جو امام حنفی کی تشریح ہے اس کے مصنف ہیں امام ابن قدامہؒ (المتوفی ۲۴۲ھ) جو حنبلی المذہب ہیں لیکن ان کے اختلافات پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور جو اپنے ذوق علم فقہ اور لٹریچر میں یکتا رنگ کا تھے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں دیکھنا ایسا تھا کہ جیسے کسی صحابی کو دیکھ لیا، ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۴۲ھ) سے بہر حال وہ اقدم و اعلم و اذہم ہیں، وہ فرماتے ہیں (المغنی ج ۶ ص ۲۹۲)

اجمع اهل العلم على ان الكافر لا يرث المسلم - وقال جمهور الصحابة والفقهاء لا يرث المسلم الكافر - يردى هذا عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى وامامة بن زبير وجابر بن عبد الله عنهم ربه قال عمر بن عثمان وعروة والزهرى وعطاء وطاوس والحسن وعمر بن عبد العزيز وعمر بن دينار والثوري والبو حنيفة واصحابه ومالك الشافعى وعامة الفقهاء عليه العمل وروى عن عمر ومعاذ ومعاوية

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ کافر ایک مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اور جب صحابہ اور فقہاء کا قول ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، یہ قول حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت اسام بن زید اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے یعنی اللہ عنہم، یہی بات حضرت عمرو بن عثمان، حضرت عروہ، حضرت زہری، حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت حسن (بصری)، حضرت عمرو بن دینار، حضرت ثوری، حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب

رضی اللہ عنہم اقموا ثلوا المسلم من الکافر ولم یورثوا اللکافر من مسلم - وحكى ذلك عن محمد بن الحنفية وعلی بن الحسین وسعيد بن المسيب وسمرق وعبد الله بن معقل والشعبي والبخاری ومجیح بن یعمر و اسحاق و لیس لم یورثوا به عنہم

حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور عام طور پر تمام فقہاء نے کہا ہے اسی پر عمل ہے، لیکن حضرت عمر، حضرت معاذا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو تو کافر کا وارث بنا دیا مگر کافر کو مسلمان کا وارث تسلیم نہیں کیا، یہی بات حضرت محمد بن الحنفیہ، حضرت علی بن الحسین، حضرت سمرق، حضرت عبد اللہ بن معقل، امام شعبی، امام بخاری، حضرت مجیح بن یعمر اور حضرت اسحاق کی بابت بھی کہی گئی ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت معتبر نہیں۔

مودودی صاحب اگر یہ بیان پڑھ کر قلم اٹھاتے تو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے کہ صحابہ کرام اور خلفاء اسلام کو دین سے بے بہرہ بتائیں اور کہیں کہ انہیں حلال و حرام کی تمیز نہ تھی، حضرت معاویہ کے متعلق اگر بقول ابن کثیرؒ کسی طرح یہ ثابت ہو جاتے کہ یہ سنت کے خلاف ہے، انہوں نے مسلم کو کافر کا وارث بنا دیا تو اس بارے میں وہ تہما نہیں ہیں بلکہ حضرت فاروق اعظمؓ حضرت معاذا اور حضرت علیؓ کے بیٹے پوتے بھی اسی مذہب پر ہیں، اگلیہ تقوید بحث ہے جسے امیر المؤمنین عمر ثانی نے موقوف کیا اور پھر امیر المؤمنین ہشتم نے مجال کر لیا تو کیا مودودی صاحب میں ہمت ہے کہ ان تمام بزدگانوں کو بھی مبتدع اور مخالف سنت قرار دیں، جن میں حضرت علی بن حسینؓ ان کے بیٹے پوتے بھی سب شامل ہیں۔؟

اسی طرح وصیت کا مسئلہ ہے المختصر کے الفاظ میں یہودیہ الحس الکتا بی

نصف دبیة الحزب المسلم ویناؤرهم علی النصف من دینا نعم کا زاد پہنری اور نصرانی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت سے نصف ہے امان کی عمدتوں کی دیت ان کے مردوں کی دیت سے نصف اس کی توضیح میں امام ابن قتادہ فرماتے ہیں

المغنی ۷ ص ۹۷

هذا ظاهر الحدیث وهو من  
عمر بن عبد العزیز وعروة  
وما لك وعمر بن شعيب  
ومن احمد انهما ثلث دية  
المسلم الا انه رجع معنا وان  
صالحا روى عنه انه قال  
كنت اقول دية اليهودى و  
النصرانى اربعة اذان وانا  
اليوم اذهب الى نصف دية  
المسلم

پھر فرماتے ہیں۔

وقال علقمة ورجاهذا الشبي  
والنخعي والشوري وابوعنيفة  
ديته كدية المسلم وروى ذلك  
عن عمرو عثمان وابن مسعود  
ومعاوية رضى الله عنهم  
وقال ابن عبد البر هو قول سعيد  
بن المسيب والذهرى للروى عمر

حضرت علقمة، حضرت مجاہد، امام شعبی، امام  
نخعی، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ فرماتے  
ہیں کہ یہ اس کی دیت ایک مسلم کی دیت  
کی برابر ہی ہوتی ہے۔ یہ رعایت حضرت  
عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود اور  
حضرت معاویہ سے ہے، رضی اللہ عنہم۔  
ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہی قول حضرت

بن شعيب عن ابيه عن جد  
ابن النبي صلى الله عليه وسلم  
قال: دية اليهودى والنصرانى  
مثل دية المسلم

سید بن سبیب اللہ حضرت زہری کا  
بھی ہے، جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب  
نے اپنے والد سے اس بات پر ان کے دلغا  
سے رعایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا یہ یہودی اور نصرانی کی دیت  
ایک مسلمان کی دیت ہی کے برابر ہوتی ہے

ان کے مقابلے حضرت امام شافعی نے آلام میں فرمایا ہے (ج ۷ ص ۶۸)

فقهي عمر بن الخطاب وعثمان  
بن عفان رضى الله عنهما في  
دية اليهودى والنصرانى  
بثلث دية المسلم

مردودی صاحب کو شاید کچھ عیسرت ہو کہ معاہدہ کی دیت کو مسلمان کی دیت  
کا نصف قرار دینا امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز کا مذہب ہے جنہیں مجدد بنا دیا گیا ہے  
گویا مردودی صاحب کے نظر سے صحابہ نے دین غایت کر دیا امان تا سبھی صاحب نے اسے  
بدعتوں سے پاک کیا، اسی لئے حضرت معاویہ جیسے امام جلیل اوصیاتی خلفاء کے مقابلے میں  
اپنی خلیفہ راشد کہا جاتا ہے اور اس کی دیت مسلمان کی برابر قرار دینا اپنی امیر المؤمنین  
معاویہ صلوٰۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جو مردودی صاحب کے نزدیک جاہلیت کے امام  
ہیں، یہاں اب کثیر کا یہ بیان کہ معاہدہ کی نصف دیت اس کے رشتہ دار کو ملتی تھی، اللہ  
نصف خود حضرت معاویہ لیا کرتے تھے اور مردودی صاحب نے ان کی اصلی عبارت  
بھی حاشیہ میں نقل کی ہے۔ وہ کان معاویہ اور لیکن قصر ہا الی النصف واخذ  
النصف لنفسه معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے (رومی کی دیت) کو آدھا کر دیا اور  
باقی نصف رقم خود لینی شروع کر دی

یہ بات اگر ثابت ہو جاتی تو پھر اس کے حتمی یہ ہوتے کہ تمام عالم اسلام کی عدالتوں

میں ہی معمول تھا، کم از کم بیس برس ضرور رہا، یعنی حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں اور بعد میں بھی رہا ہوگا، کیونکہ اموی خلافت میں عموماً حضرت امام معاویہؓ کی پیروی کی جاتی تھی، تو پھر اسے بدعت کہنے کی جرأت کن کر سکتا ہے؟ یہ تو اصطلاح فقہ میں سنت ہو گئی، کیونکہ صحابہ کرام کا معمول رہا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ معاہدہ کی دیت ہے تو اتنی ہی جتنی ایک مسلمان کی مگر یہ تقسیم ہوگی دو حصوں میں، ایک حصہ اس ولی الدم کو رہا، گا، جس سے مقتول خون کا رشتہ رکھتا ہوا اور نصف لے گا امام المسلمین کو جو ہر ذمی کا حقیقی ولی الدم ہے اور ہر ذمی اسی کے ذمہ پر اسلام میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ کہنا نہیں ہے کہ واقعی حضرت معاویہؓ کا یہ معمول تھا کیونکہ اگر ہوتا تو امام ابن قتیبہؒ اس کا ذکر ضرور کرتے اور موطاء صحیح بخاری اور صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی یہ مذکور ہوتا، ہم قیہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت گفتگو کرتے وقت الفاظ کے استعمال میں احتیاط لازم ہے اور انہیں مبتدع یا دین سے بے نفع کہنے والے کو اپنی انجام کی فکر کرنی چاہئے۔

### ایک خیالی مکروہ بدعت

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۴)

”ایک اہل ہدایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کی تھی۔“

کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اہل ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب شتم کی بوجھا کر کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبویؐ میں منبر رسول پر عین روز منبر نبوی کے سامنے حضرت کے محبوب ترین مسزیر کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانٹوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکناس انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو لیں گنہ گری سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی اس رعایت کو بدل دیا!

ماشا اللہ کیا منظر کشی ہے اور کیسی سعادت مندی کا ان صاحب نے منظر ہوا کیا ہے، جو اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی اولاد میں بتا کر نسبت نبی پر فخر کرتے ہیں، حضرت معاویہؓ اہل ان کے گورنر شریعت اور اخلاق سے اگر مودودی صاحب کے خیال میں ہنگام تھے تو ان ہاشمیوں کو کیا ہونا تھا، جو اپنے کانٹوں سے یہ حصوں کے محبوب ترین مسزیر پر سب و شتم گوارا کرتے تھے، آج اس گنہ گز سے زمانے میں کوئی باحیثیت شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے بندوگوں کو اس کے سامنے گالیاں دی جائیں تو قرآن اول کے یہ ہاشمی سادات کیا دینی حسرت اور عربی جلالت سے اتنے عاری ہو گئے تھے کہ مسجد نبویؐ میں اور منبر رسول پر روزانہ نبوی کے سامنے حضرت معاویہؓ اور ان کے گنہ گروں کی یہ حرکت برداشت کر لیں اور معاملہ محض ہاشمیوں کا نہیں ہے بلکہ ان تمام صحابہ کرام کا بھی ہے، جو مدینہ میں رہتے تھے اور مسجد شریف میں نماز کے لئے آتے تھے اب صرف مودودی صاحب ہیں۔

۱۔ یا تو ان سب بندوگوں کے نزدیک حضرت علیؓ واقعی اس کے مستحق تھے کہ ان پر لعن و طعن ہوا اور معاذاً اللہ یہ بھی جانتے تھے کہ نماز کی برکات اس وقت تک مرتب نہیں ہو سکتی جب تک اس ”تبراً شریفاً“ کی تلاوت نہ کرنی جائے۔

۲۔ یا پھر یہ سب صحابہ کرام جنہوں نے جان و مال کی باتی لگا کر اس دین کی آبروی کی تھی اور ساری دنیا سے جنگ مولیٰ نے کر رکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے، ان سب نے دین سے منہ موڑ لیا تھا، دین میں پھنس گئے تھے اور غیرت و حیثیت سب کو خیر یاد کہہ کے شنیکی بدمذہبی کی تیز آواز دی تھی۔

اگر یہ دونوں باتیں ایک مومن کے بقدر میں نہیں ہو سکتیں، اور جس شخص کو قرآن اہل کے مسلمانوں کے کہنا کا ادنیٰ علم بھی ہے وہ ان خرافات کو باور نہیں کر سکتا تو پھر سیدھی اور صاف بات یہی کہی جاسکتی ہے کہ ایسی تمام بدعات ہیں دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو چاہتے ہیں کہ یہ امت اپنے اسلاف کرام سے برگشتہ ہو کر دعوت محمدیہ کے فروغ سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

موردی صاحب نے اسی البدایہ والنہایہ میں یہ بھی دیکھا ہوگا (ج ۸ صفحہ ۱۵۱)  
 فلما استقرت الخلافة المعروفة  
 كان الحسين تيرودا ليه مع  
 اخيه الحسن فيكرهما هادية  
 كواما زائداً ويقول لهما  
 مر جبا واهلا ويعطيهما اعطاء  
 جزيلاً وقد اطلق لهما في  
 يوم واحد ما لثقي الف

یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن جعفرؓ حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ  
 بن الحارث بن عبدالمطلب اور محمد بن علی بن ابی طالب اور دوسرے بڑے ہاشم کے متعلق  
 بھی ہے کہ یہ حضرات برابر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جنہوں ان کے ہمراہ  
 رہتے اور عطیات جزیلہ سے نوازے جاتے، حضرت ابن جعفرؓ اور حضرت ابن ربیعہؓ  
 سے تو تعلقات اتنے شگفتہ تھے کہ کیا کہتے، حضرت ابن ربیعہؓ تو مستقل طور پر دمشق  
 منتقل ہو گئے تھے اصناف کے وقت امیر المومنین یزیدؓ کو اپنا وصی بنایا تھا چہرۃ الانساب

ابن حزم ص ۴۸ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن  
 عبدالمطلب بن ہاشم صحابی  
 انتقل الی دمشق ولہ بھادرا  
 فلہ مات اوصی الی یزید بن  
 معاویہ وهو امیر المومنین  
 وقبل وصیتہ۔

کیا کوئی سلیم اعقل شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ ہاشمی سادات ایسی عقیدت میں

دشمن جاتے امیر المومنینؓ کے یہاں رہتے امدان کے عطایا قبول کرتے اسیہ نہ سچے  
 کہ یہ وہ شخص ہے جو حضرت علیؓ پر خطبوں میں لعنت ملامت کرتا ہے، موردی صاحب  
 کے خیال میں خود حضرت معاویہؓ بھی یہ حرکت کرتے تھے تو کیا مسجد نبویؐ کی طرح جامع  
 دمشق میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ یہ حضرات جمعہ کی نماز میں سامنے بیٹھے ہوں امیر المومنینؓ  
 خطبہ میں ذکر الہی اور وعظ و نصیحت کی بجائے حضرت علیؓ پر لعنت ملامت کریں؟  
 صحیح ہے کہ اموی سادات حضرت علیؓ کے چندان معتقد نہ تھے اور اس کے اسباب  
 قدرتی ہیں، لیکن اس کے معنی یہ کیسے ہو گئے کہ وہ انہیں منبروں پر گالیاں دیتے تھے صحیح  
 میں ایسی کوئی چیز عین نہیں ملتی جو احوال امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت کے نتیجے میں  
 پیش آئے اس سلسلے میں کبھی کچھ ذکر ہوا تو ممکن ہے کسی اموی والی کی زبان سے  
 کچھ نکل جاتا ہے، لیکن اسے نظمیں بنانا کس طرح ممکن تھا، ایک واقعہ صحیح بخاری میں ہے  
 اس قسم کا ملتا ہے کہ امیر نے منبر پر ایک تقریر کے دوران حضرت علیؓ کو ابوتراب  
 کہہ کر یاد کیا صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۳ مناقب حضرت علیؓ طبع عصر

ان مرجلا جاء ابی سہل بن سہل  
 فقال هذا فلان لامیر المومنین  
 یسوع علیاً عند المنیر قال فیقول  
 ماذا قال یقول لہ ابو تراب فیقول  
 قال والله ما سمعہ النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم دواکان  
 لہ اسم احب الیہ منہ.....

یا ایسی ہی ایک بات صحیح مسلم میں ملتی ہے (ج ۲ ص ۲۸۳ طبع مصر) کہ حضرت معاویہؓ نے  
 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا ما صنعک ان تسب ابنا ابوتراب؟ آپ کماں

بات سے کیا چیز مانع ہے کہ آپ ابو تراب پر طعن کریں یا یہ سن کر حضرت سعد نے ان کے فضائل بیان کئے تو حضرت معاویہ چپ ہو گئے، اور کبھی ایسی باتیں ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ خطبوں میں یہ لعنت ملامت کی جاتی تھی، ویسے اگر احوال کا جائزہ لیا جائے تو جس بے لگائی کا مظاہرہ مودودی صاحب جیسے لوگ حضرت معاویہ کی جانب میں کرتے ہیں ایسی کوئی بات امویوں کی بابت ثابت نہیں کی جاسکتی، علی و معاویہ دونوں صحابی و کاتبان وحی تھے، سیاسی معاملات میں اختلاف ہونا انہماک بات ہے لیکن صحابیت کا احترام تو اہل سنت سب صحابہ کا ملحوظ رکھتے ہیں۔

حضرت علی کا ساتھ

کتاب الاستیعاب کے حوالے سے مودودی صاحب کہتے ہیں (شمارہ ۱۳۵)،

وہ ابراہیم نخعی کی روایت ہے کہ مسروق بن الاعدع حضرت علی کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو عمر بھروسہ بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علی کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔

یہ مسروق بن الاعدع تو صحابی بھی نہیں تابعی ہیں، جیسا خود ابن عبدالبر مولف الاستیعاب نے بھی تصریح کر دی ہے، اکابر صحابہ کے اقوال کے مقابلے میں ان کے قول کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا، بعض اکابر صحابہ کے اقوال ہم صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں، یہاں ہم پھر صحیح بخاری ہی کے حوالے سے ایک اور جلیل القدر صحابی ہیں بن صنیف کا قول نقل کرتے ہیں جو بعدی ہیں، حضرت علی کے ساتھ تھے ان کی طرف سے بصرہ کے عامل بھی رہے تھے وہ امدان سے روایت کرنے والے تابعی ابوالفضل شفیق بن سلمہ ساری عمر افسوس کرتے رہے کہ وہ کیوں صفین میں حضرت علی کی جانب سے شریک ہوئے (صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۳ طبع مصر) وہ فرماتے ہیں۔

ماوضعنا صدقنا علی عوانتنا الی | ہم نے کسی پریشان کن بات کیلئے تم کو تین

امیر لقطعنا الا اسمعنا بنا  
الی امیر بعض منہ غیر هذا الامر  
قال وقال ابورائل مشہدات  
صفین و شمس صفون

اپنے کندھوں پر نہیں رکھیں مگر انہوں نے ہمارے لئے اس انجام تک پہنچا آسا کر دیا جو ہماری سمجھ میں آتا تھا سوائے اس معاملے کے (مادی یعنی آتش) کہتے ہیں کہ ابوعائل نے فرمایا میں صفین میں شریک ہونا اور بڑی سختی یہ صفون وصف بندی کی جگہ

بہی حضرت عبداللہ بن عمرو کی ندامت تو وہ حضرت معاویہ کے ساتھ ہونے پر نہ تھی، کیونکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے امدان کی طرف سے مصر کے والی بھی ہوتے یہ ندامت خانہ جنگی کی شرکت ہی کی بنا پر تھی، جیسا اور صحابی شکر کار جنگ جبل و صفین کو عمر بھر رہی۔

سروں کی نمائندگی

یہ مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۳۵)

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند میں صحیح

سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے امدان سعد نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمار کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ کے پاس لایا گیا، اور معاویہ اس پر جھگڑے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے اس کے بعد سراسر عمرو بن العاص کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابیوں میں سے تھے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایت عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی وہ جھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے، وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے، تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے، اس نے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا، وہاں اسے برسر عام گشتہ کر لیا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی

گود میں ڈال دیا گیا۔

ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابی بکر کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؓ کے گود بڑھے، حضرت معاویہؓ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اور پھر ان کی لاش ایک درجہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔

**حضرت عمار کا سر** | موروثی صاحب نے جو واقعہ حضرت عمارؓ کے سر کا مسند احمد سے بقول خود: "صحیح سننہ" کے ساتھ نقل کیا ہے اور وہ حدیثوں کا حامل دیکر اپنی دانست میں اسے قوی تر بنانے کی کوشش کی ہے اس بارے میں یہ چند باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں۔

۱۔ یہ حدیثیں دو باتیں چار نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور ایک ہی سلسلہ روایت ہے یعنی یہ حدیث غریب ہے جس کی توثیق دوسری کسی طرف سے نہیں ہوتی اس لئے غریب حدیث چنداں - لائق اعتناء نہیں۔

۲۔ مدار اس حدیث کا ہے، اسود بن مسعود پر جس کے متعلق امام ذہبی کہتے ہیں۔ لادین سری من ہو و پتہ نہیں یہ کون ہے، ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں البتہ یہ لکھ دیا ہے کہ اسے ابن معین نے پہچان لیا اور کہا یہ ثقہ تھا، پر حال چنانکہ ماویوں کا تعلق ہے ثقہ نام دیکھ کر اگر قوی کہہ لیا جائے پھر بھی یہ حدیث غریب رہے گی اور قابل استدلال تسلیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہاں تیار صحیح معنی ہے سب سے پہلے

دیکھنا چاہیے اس حدیث کا متن یعنی حد ثنا عبد اللہ بن عثمان بن عفان بن مالک بن نويرة بن مسعود عن حنظلة بن خويلد الغيري قال بينا انا نحن بمعاوية اذ جاءه رجل جلدان يختصمان في راسي عمار يقول

ہم سے عمارؓ نے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے والد (احمد بن عثمان) نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں، ہم سے زید بن ہارون نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں عمارؓ نے بتایا وہ کہتے ہیں مجھ سے اسود بن مسعود نے حنظلة بن خويلد الغيري

کل واحد منہما انا قتلته فقال عبد الله بن عمر وليطيب به احد لكانت صاحبه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم تقاتله انفة الباعية قال معاوية فما بالك قال ان ابني شكافني الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال طح اباك ما دام حيا ولا تعصه فانا معكم ولست اقاتل۔

کے ۱۶ سے بیان کیا وہ کہتے تھے میں حضرت معاویہؓ کے پاس تھا کہ اتنے میں دعاوی (حضرت) عمارؓ کے سر کے بائے میں جھگڑتے ہوتے تھے، دو دنوں میں سے ہر ایک کہتا تھا کہ: "ابنیں قتل میں نے کیا ہے" اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ تم میں سے ایک کو چاہتے کہ بخوشی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جاتے، میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ: "ابنیں رومی عمار کی باغی گروہ قتل کر دینا" حضرت معاویہؓ نے فرمایا تو پھر تم خود ہمارے ساتھ کیوں ہو، انہوں نے کہا میرے والد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک تمہارے والد زندہ ہیں ان کی اطاعت کرتے رہنا اور ناسرمانی مدت کرنا، اس لئے میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں مگر لڑتا نہیں۔

۱۔ ظاہر ہے کہ حنظلة بن خويلد راوی جن کی آنکھوں دیکھا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت معاویہؓ کے پاس اسی حالت میں ہو سکتے تھے جب وہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کے کیمپ میں موجود رہ کر نبرد آزما ہوئے ہوں تو کیا کوئی ثبوت اس کا پیش کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان سن کر وہ حضرت معاویہؓ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت علیؓ کے پاس ان کے کیمپ میں چلے آئے تھے اور اگر وہ نترزع



ہم سے حضرت علیؑ کے ساتھ تھے تو عین جنگارہ قتال میں وہ حضرت معاویہ کے پاس کیسے پہنچ گئے؟

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے آنحضرتؐ کا ارشاد تو بیان کر دیا مگر جو عند پیش کیا وہ ان جیسے فقہہ کذیب نہیں دیتا، اپنے والد کی اطاعت کی تکمیل تو اسی صورت میں ممکن تھی کہ قتال میں حصہ لیتے، کیونکہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ و قضاہ خون عثمان سلام اللہ علیہ کے سلسلے میں اہل کوفہ سے قتال واجب جانتے تھے علاوہ ازیں ایک گروہ کے ساتھ ہوتا اور لڑائی میں بھی اسی کی طرف رہنا یہ جنساہی بات تھی کہ انہیں بھی فہمہ یا غیر میں شامل رہنے سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں مانتا پڑے گا، وہ محض تلوار چلانے سے گریز کر کے فہمہ یا غیر میں ہونے سے بچ نہیں سکتے۔

۳۔ جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے قول کے مطابق حضرت علیؑ کے قتل ہو جانے پر قطعاً وحشی طور پر معلوم ہو گیا کہ باجی ٹولی کو کسی ہے تو حب فرمان خداوندی نقائلوا الیٰ تبیی (جو گدہ باجی ہو جلتے اسی سے قتال کرو) ان پر سرفرض ہو گیا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر حضرت معاویہؓ سے قتال کرے، لیکن ایسا انہوں نے نہیں کیا بلکہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہے اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کی طرف سے مصروف رہے، مصروفی میں فوت ہوتے جہاں ان کا تعلق ہے یعنی اپنی بیان کردہ حدیث کے مطابق جہاں انہوں نے فرمان نبوی کی پابندی نہیں کی اللہ تعالیٰ کا صریح حکم بھی پس پشت ڈال دیا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا شمار فقہار صحابہ میں ہے، یہ حدیث اگر قبول کر لی جلتے تو ان جیسے صحابی کا تعقیب چھو جاتا ہے لہذا اس حدیث کو الحاقی مانتا ہو گا۔

دو فہمیں جب ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتی ہیں ان کا مقصد محض قوی کرتب دکھانا ہی نہیں ہوتا بلکہ مارنے مرنے کے لئے میدان میں نکلتی ہیں اور حریف کو شکست دینے کے لئے سب کچھ کرتی ہیں، بعد میں فریقین خون ریزی پر لگتے ہی منفعیل کیوں نہ ہوں، جیسا کہ صحابہ کرام ساری عمر جہل و صفین میں اپنی شرکت پر استغفا رکھتے رہے کیا مودودی

صاحب کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت عمارؓ کا سر جب حضرت معاویہؓ کے پاس آ گیا تھا تو اس سر کا پھر کیا ہوا، کیا یہ سر حضرت علیؑ کے کیمپ میں واپس کر دیا گیا، واپس کر دیا گیا تو لاتے دالوں کے ساتھ کیا عمل ہوا، واپس نہیں کیا گیا تو حضرت علیؑ نے اپنے ساتھی طویل اللہؓ صحابی سے سر بیدہ لاش کے جنازے کی نماز کیا بغیر سر کے پڑھ کر دفن کر دیا تو پھر اس سر کا کیا ہوا، بغیر جے کے کسی اور جگہ دفن ہوا تو کہاں؟ حضرت معاویہؓ نے قتاد قلب اور جاہلیت کے تحت اسے واپس نہیں کرایا تھا تو حضرت معاویہؓ کے صحابی صاحبیوں نے اسے کیسے برداشت کر لیا؟ علاوہ ازیں صفین کے شہداء میں حضرت علیؑ کی طرف سے دوسرے صحابہ بھی تو تھے، ان کے سر کیوں نہ کاٹے گئے اور ان کی نماز کیوں نہ کی گئی، حضرت عمارؓ کی کیا خصوصیت تھی، مودودی صاحب کے پاس کوئی ادنیٰ دلیل بھی اس کی نہیں ہو سکتی کہ صفین کے شہداء کی بے حسرتی طرفین میں سے کسی نے کی ہو، حضرت عمارؓ جس رتبہ کے تھے اسی درجے کے دوسرے حضرت بھی تھے، ان کا جذبہ و جوش ان سے کم نہ تھا، اگر انہوں کے ساتھ بھی یہ ہوتا ہوا ہوتا تو حضرت عمارؓ کے بارے میں بھی یاد کر لیا جاتا، کیا مودودی صاحب بھی باقی صحابہ کو عمارؓ و عمارؓ و سلمانؓ کے علاوہ کامل الایمان نہیں سمجھتے شاید اسی لئے ان کے سروں کی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں۔

حضرت عمارؓ کا امام جہاں دوسرے معاملات میں لوگوں نے اپنے تختی عزائم کے تحت اچھا لایا، وہاں حضرت معاویہؓ پر طعن کرنے کے لئے یہ افسانہ بھی گھڑ کر بیان کر دیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ جب تک قلب سلیم اور فکر تعمیری نہ ہو اس وقت تک ردایات کا رد و قبول عادلانہ نہیں ہو سکتا، یہاں ہم نے مسند کی تین ردایاتوں پر غور کیا ہے ان میں سے ایک قدیم نسخے سے لی ہے، اور دوسری ہیں جن کا حوالہ مودودی صاحب نے دیلے، ان تینوں میں یزید بن ہارونؓ سے اوپر کی سند ایک ہی ہے اس کے باوجود ایک روایت (شمارہ ۹۲۹) میں حضرت معاویہؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی بات سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ عناحبونک یا عمروؓ

اُسے عمرو دیکھتا ہے اپنے اس مجنون سے ہمیں بے نیاز نہیں کرو گے، ظاہر ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے اور اس نے بھی ایک ہی شخص سے جب ایک بات کہی تو اتفاقاً میں فرق کی کوئی وجہ نہ تھی، یہ ثابت ہے اس کا کہ نیچے کے سادوں نے اس میں لغت کیلئے، گھیا غریب ہونے کے ساتھ ساتھ اس حدیث کا متن بھی غیر محفوظ ہے لہذا اتفاقاً اور روایتاً اسے ناقابل قبول سمجھنا چاہئے، گزشتہ ادراک میں ہم بدلائل ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عامر کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا ایک افسانہ ہے۔ جو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو باغی ٹوٹی قرار دینے کے لئے گھڑا گیا ہے، حضرت عامر کو تو اسی باغی گروہ نے پہلے ہی قتل کر دیا تھا، جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا تھا نہ وہ صفین کی جنگ میں شریک تھے اور نہ وہاں مقتول ہوتے، موضوع روایتوں کی بنا پر بعض محدثین کی کتابوں میں یہ طعنت آگئی، حالانکہ کتاب وفاء انوار للہدیٰ میں تو حدیث کے یہ الفاظ ہیں یا عمار لا یقتلک اصحابی تقتلک الفتحة النبویة داے عامر تھے میرے ساتھی (صحابی) نہیں قتل کریں گے (بلکہ) باغی گروہ تھے قتل کرے گا) عمرو بن الحمق کے بارے میں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے مظلوماً

**عمرو بن الحمق** قتل کے وقت ان کے جسم پر کئی فارکتے تھے، مودودی صاحب کے بیان کی دعوت بہت دلچسپ ہیں جن میں پہلی بات ہے ان کی صحابیت کی تصریح کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چند ہی دن پہلے اسلام لائے تھے اور بعض کے نزدیک یہ بھی مشتبہ ہے مودودی صاحب کا ان کی صحابیت کی یوں تصریح کرنا گویا ان کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی ان کے مقابلے میں صحابی نہیں تھے اور کیا شہیدا عظم حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ سلام اللہ علیہ بھی صحابی نہ تھے۔ اور اسی قابل تھے کہ انہیں ذبح کر دیا جائے، جنت البقیع میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہیں دفن نہ ہونے دیا جائے، اور اسی وقت قائم کر دی جاتے کہ چند آدمی چھپ کر سات کے اندر صرے میں ان کی نماز جنازہ پڑھ کر یہودیوں کی ایک افتادہ زمین میں انہیں دفن کر دیں، جو لوہے مودودی صاحب نے اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک

عمرو بن الحمق کا اپنے امام کے خلاف خروج کرنا اور اسے قتل کر ڈالنا بہت ہلکی سی بات تھی۔ ان کی صحابیت کی صراحت شاید وہ یہ تصور قائم کرنا چاہتے ہیں کہ اتنے بڑے جرم کے باوجود جو کتاب و سنت کے مطابق مثل ارتداد کے ہے، ان کی صحابیت کے سبب ان کے ساتھ رعایت ہونی چاہئے تھی، اور حضرت معاویہؓ جیسے عیسٰی الفردار عظیم المرتبت صحابی بن صحابی اور امام المسلمین یہ حق نہیں رکھتے تھے کہ عمرو بن الحمق کو قتل کرنے کی دستاویز کر سکیں۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ اس مرتبے کے نہ ہوتے اور صحابیت کا ثبوت بھی انہیں حاصل نہ ہوتا تب بھی امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے انہیں کتاب و سنت نے یہ حق دیا تھا کہ متفق علیہ امام کے خلاف شورش برپا کرنے والے قاتلین میں سے ایک ایک شخص کو سخت ترین اور عبرتناک سزا دیں۔

قانون کے نفاذ میں شخصیتیں نہیں رکھی جاتیں نص قطعاً ہے (النساء ۱۲۲) **مَنْ يَعْمَلْ سُوًّا يُجْزِئْ بِهِ (جو برا کام کرے گا سزا پائیگا) ارشاد نبویؐ ہے (صحیح بخاری ج ۲، صفحہ ۳۳، کتاب الحدود) وَكُلُّ أَنْفِطَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سُرِقَتْ لِقَطْعِ يَدِهَا (اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم انکا ہاتھ کاٹ ڈالتے) چوری اور زنا اور دسبے کیا ترکا اور کتاب امام کے خلاف خروج کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اس کے بارے میں جو وعیدیں ہیں کیا وہ مودودی صاحب کی نگاہ سے نہیں گزریں یا ان کے نزدیک ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی برائی نظام ہے جس میں یہ کیا جلتے کہ نسب یا طبقے کے اعتبار سے چونکہ نلال شخص نارنج ہے لہذا وہ بغاوت کر لیا تو اسے مجاہد کہیں گے اور دوسرے شخص ہی حرکت کر لیا تو باغی کہلائیگا۔**

عمرو بن الحمق یا دوسرے صحابی جو حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ یا کسی دوسرے متفق علیہ امام کے خلاف خروج کے مرتکب تھے۔۔۔ وہ شخصی حیثیت سے ہمارے نزدیک کبھی ہی محترم ہیں ان کے معاملے کو ہمیں قوانین شریعہ کے تحت دیکھنا چاہئے اور اگر اسلام کے حقوق کا لحاظ کیے بات کرنی چاہئے۔۔۔ ان حضرات پر خلفاء اسلام کا یہ احسان ہے کہ انہیں قتل کر دیا گیا اور یہ قتل ان کے جرم عظیم کا کفارہ ہو گیا۔ ورنہ خروج علی الامام کا وبال اپنی

گردن پر لے جلتے۔

موردی صاحب کے بیان میں دوسری دلچسپ بات ہے سر کا بیوی کی گود میں ڈالنا یعنی جب بیوی صاحبہ کو اطلاع ہوئی کہ ان کے خاوند قتل کر دیئے گئے اور ان کا سر لایا جا رہا ہے تو مجلس عزائم منعقد کر کے چار نانو بیٹھ گئیں کہ تاہم لوگ بغیر اجازت گھر میں آکر ان کے خاوند کا سر ان کی گود میں ڈالیں گے۔ لاجول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب ملاحظہ ہوا عمر کے بارے میں موردی صاحب کے ڈرامائی بیان کے مقابلے میں ان کے معتمد مصنف ابن اثیر کا بیان (الکامل ترجمہ بعنوان خلافت بنو امیہ حصہ اول سلسلہ تاسکھہ کے واقعات۔ مترجم ہیں محمد جمیل الرحمان پٹوہ جامنہ عثمانیہ، طبع نفیس اکیڈمی گراچی، اصلاً) بعض دیگر اشخاص کی طرح مترجم صاحب بھی شاید یہ سمجھتے تھے کہ عمرو بن لُحَیْن صحابی نہیں تھے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ترجمہ کرتے ہیں۔

عمرو بن لُحَیْن کا یہ ہوا کہ وہ رفاع بن شداد کو اپنے ہمراہ لے ہوئے موصل پہنچا اور دونوں وہاں ایک پہاڑی میں روپوش ہو گئے۔ عامل موصل کمانچی تیر ہو گئی۔ وہ ان کی طرف روانہ ہوا اور وہ دونوں کے مقابلے کو نکلے۔ عمرو کو استسقاء ہو گیا تھا اور وہ اپنی حفاظت پر قادر نہ تھا۔ مگر رفاع جو ان اور مضبوط شخص تھا، اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر عمرو کی طرف سے بھی لڑنا شروع کیا۔ عمرو نے کہا تمہارا میرے لئے لڑنا مجھے کچھ فائدہ نہ دیکھا، تم اپنی جان بچاؤ۔ مگر عمرو گرفتار ہو گیا انھوں نے یعنی سپاہیوں نے اسے عامل موصل یعنی عبدالرحمان بن عثمان ثقفی معروف بہ ابن الحکم خواہر زادہ امیر حارثیہ کے پاس بھیج دیا انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اور اس کے بارے میں امیر معاویہ کو خط لکھا، انہوں نے لکھا "اس شخص نے حضرت عثمان پر ایک دراز پیکان تیر کے نو وار کئے تھے۔ تم بھی اس کو اسی طرح تیروں سے چھیدو جس طرح اس نے

حضرت عثمان کے ساتھ کیا تھا، چنانچہ اسے باہر نکال کر اسی طرح تیرا کانشانہ بنا دیا گیا۔ مگر وہ پہلے یا شاید دوسرے ہی تیر میں مر گیا۔

یہ دونوں افسانے یعنی وہ جو موردی صاحب نے ابن معد و غیرہ کے حوالے سے لکھے ہیں یا یہ جو ابن اثیر نے یہاں درج کیے ہیں، دونوں قطعی باطل اور وضعی ہیں۔ اصل ظہور حال یہ ہے کہ عمرو بن لُحَیْن نہ عراق میں تھے اور نہ موصل میں۔ وہ مصر میں تھے اور وہیں قتل ہوئے۔ ابن حجر عسقلانی نے عمرو بن لُحَیْن کو صحابی جان کر تقریباً تہمت یہ میں ان کے متعلق لکھا ہے صحابی مسکن الکوفۃ ثم مصر قتل فی خلافت معاویہ (وہ صحابی ہیں کو نہ میں بسے اور پھر مصر میں معاویہ کی خلافت میں قتل کئے گئے) ہمیں یہ حوالہ دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اسکی طرح دلیل موجود ہے یعنی مصر میں عمرو بن لُحَیْن کا دفن ہے۔ موردی صاحب چاہیں تو کتابوں کی ورق گردانی کی بجائے اپنے کسی "صراح" معنفد کے ذریعے دریافت کر سکتے ہیں۔ قارئین کرام کو اسکا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تاریخ اسلام کے بارے میں کیسی کیسی ہوائی باتیں وضع کی گئی ہیں۔ اور جیسے جس کے ہذبات تھے ویسی ہی روایت اس نے وضع کر کے چپکا دی موردی صاحب نے "بعض معاویہ" کے قتل سے ان دہائی روایتوں پر اعتبار کر لیا۔

**محمد بن ابی بکر** | مورخین کی اکثریت کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عثمان کو شہید کرنے کیلئے محمد بن ابی بکر ہی ایک متصلہ مکان میں سے اپنے ساتھی تانوں کو لے کر کاشانہ خلافت میں داخل ہوا۔ اور جاتے ہی حضرت عثمان کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اور جب اس نور مجسم نے فرمایا "بھتیجے تمہارے والد اگر تمہیں اس حال میں دیکھتے تو پسند نہ کرتے" اس پر محمد شرمندہ ہو کر مہٹ گئے اور استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔ لیکن الکاہلہ استغفار خدا اور بندوں کے نزدیک کارآمد اس وقت ہوتا جب اپنے ساتھیوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے وہ نہ ہٹتے تو امیر المؤمنین کے دفاع میں اٹھتے اور مدد کے لئے باہر کے لوگوں کو آواز دیتے تاکہ یہ ظلم و ظم نہ ہوتا جس نے ہمیشہ کے لئے فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ بعض

روایتوں میں صراحتاً بیان ہے کہ ابی محمد نے پہلا وار حضرت عثمانؓ پر کیا تھا۔

ابن ابی بکرؓ کا جو استغفار بیان کیا جاتا ہے وہ محض زبانی تھا اور انکی بعد کی زندگی میں استغفار کا کوئی اثر نہیں ملتا۔ وہ پوری طرح سہائی گردہ کے پھندے میں پھنس چکے تھے اور اس گردہ نے انھیں اسی لئے ناکا تھا کہ بے تدبیر اور مغلوب الغضب ہونیکے سبب ان کے ذریعہ کار برآئی کی توقع تھی جو ہر طرح پوری ہوئی۔ مصر کے والی حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ نیا والی منتخب کرنے کا جب سب ایوں نے مطالبہ کیا تو بجائے کسی سچے کار صحابی کے ان لوگوں نے ابی محمد کا نام لیا تھا۔ کیونکہ حضرت مروانؓ اور حضرت امیر المؤمنین عثمان صلوات اللہ علیہ کو مطعون کرنے کیلئے انھوں نے جعلی خط والی مصر کے نام وضع کیا تھا اور ترکیب کی تھیں کہ وہ غلام کا ہڈ پکڑا جلے اور محمد کے سانسے سے پیش کرتے شتعل کر سکیں۔ ان بد بختوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت عبداللہؓ امیر المؤمنین کے حکم سے مصر چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کی گئے روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کے نام کوئی خط بھیجنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اگر محمد کی جگہ کوئی اور سلیم الطبع بزرگ ہوتے تو اس کید عظیم کا شمار نہ ہوتے۔ مگر محمد کے ذریعہ ان لوگوں کا کام بن گیا۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہؓ کے مصر چھوڑنے کے بعد محمد بن ابی ذریعہ بننے والے حکومت برقیضہ کر لیا اور پھر انھیں معزول کر کے حضرت علیؓ کے قیس بن سعد کو مصر کا والی بنا کر بھیجا اور انہوں نے غایت تدبیر سے وہاں کا نظم و نسق درست کر کے حضرت علیؓ کی بیعت سب کے لے لی اور حضرت معاویہ بن خدیج اور اس کے ہزار ساتھیوں کو بھی ہموار کر لیا جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ اور ان سے یہ عہد کر لیا کہ اگر وہ کوئی شورش نہ کریں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ اور ان کے تمام حقوق برستوار کئے جائیں گے۔ یہ حضرات مجتمع ہو کر قریش میں پناہ گزیر ہو کر بیٹھ گئے، تو سبائیہ نے حضرت قیس کے خلاف پردہ پیکرنا شروع کر دیا اور مطالبہ کیا کہ انہیں معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو بھیجا جائے۔ لیکن یہ دوسرا شخص انھیں

کوئی اور نہ ملا سوائے محمد بن ابی بکر کے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت پیچھے ہی غیر صالحین سے جنگ چھیڑ دی۔ یہ حضرات مدافعت کرتے رہے مگر جب محمد بن ابی بکر کی چیرہ دستیوں تک آگئے تو حضرت معاویہؓ سے مدد طلب کی۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو فوجی امداد دیکر بھیج دیا۔

حضرت عمرو بن العاص نے وہاں پہنچ کر ابن ابی بکر کو تحریری پیغام بھیجا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اس شہر پر گردہ کا ساتھ چھوڑ دیں جنھیں کیفر کردار کو پہنچانے کے لئے حضرت عمروؓ تشریف لے گئے۔ لیکن انھوں نے عاقبت نااندیشی کے سبب ابن ابی بکر نے اس مخلصانہ اور بزرگانہ نصیحت کی پروا نہیں کی، اور مقابلے پر آکر شکست کھائی اور پھر بھاگ کر رولوش ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ خدیج نے انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ علامہ خضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں (ص ۷۷، ج ۶) حضرت عمروؓ کے اس مکتوب کا متن نقل کیا ہے

اما بعد اے ابو بکرؓ کے بیٹے اپنی جان  
محمود رکھنے کے لئے میری راہ سے  
ہٹ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے  
ہاتھوں میں تمہیں کوئی خراش پہنچے۔  
اس علاقے کے لوگ سب تمہارے خلاف  
مجمع ہیں اور تمہارا تسلط ہٹانے پر  
متفق ہو چکے ہیں اور وہ تمہیں میرے  
سپر دکر رہیں گے اگر یہ معاملہ اتنا ہی  
سخت کیوں نہ ہو جائے۔ لہذا یہاں  
سے نکل بھاگو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

ابن ابی بکر فانی لا احب ان  
یصیبک منی ظفر۔ ان الناس  
بهدا البلاد قد اجتمعوا علی  
خلافک ورفض امرک و  
ندموا علی اتباعک فہم  
مسلموہک لو قد اتفتت  
حلقنا البطان۔ فاخرج منها  
فانی لک من الناس حین

اب خضری کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن خدیج نے انھیں ڈھونڈ نکالا۔  
فقہاء وبقال انہ احرقہ بالنار۔ تو انھوں نے (یعنی حضرت ابن خدیج

نے انہیں قتل کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ آگ سے جلادیا۔

بہر حال حضرت عمر بن العاص کا مکتوب جو شخص پڑھے گا اور یہ جان لے گا کہ حاکم حضرت عمرؓ کو تھے وہ یہ باور نہیں کر سکتا کہ ان کی لاش جلائی گئی ہوگی۔ یا مردہ گدھے کی کھال میں انہیں لپیٹا گیا ہو گا۔ محمد بن ابی بکر کی قبر میں اب بھی موجود ہے مودودی صاحب چاہیں تو اس مزار کو اینٹوں کی بکری کی سادھی کہیں۔ کیونکہ بحال مودودی صاحب کے وہاں ان کی راکھ دفن کر دی گئی، مگر کوئی سلیم القفل شخص اسے تسلیم نہیں کریگا۔

محمد کے ساتھ جتنی رعایت کی گئی وہ محض حضرت صدیق اکبرؓ کے سبب تھی، اور حضرت ام المؤمنینؓ کے سبب جو حضرت معاویہؓ کی حمایت پر تھیں اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کے سبب جو حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ ورنہ ان کے جرائم نے انہیں کسی رعایت کا مستحق نہیں رکھا تھا۔ اس لئے ان کا قتل عین انصاف تھا۔ جو ہاتھ حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ کی دار بھی نہ پہنچ سکتا تھا اور بعض رداہتوں کے مطابق اسی ہاتھ نے پہلی ضرب بھی لگائی تھی۔ وہ اسی قابل تھا کہ کاٹ ڈالا جا سکے اور جو بائبلیں اس امام راشد و مرشد کو قتل کرنے کے لئے بڑھی تھیں انہیں تو راہی جانا چاہئے تھا اور کاشانہ خلافت کا دروازہ جو لوگ جلانے کی جرأت کر سکتے تھے وہ خود اس قابل تھے کہ انہیں جلا کر ان کی راکھ مکر دی جائے۔ مگر کیا واقعی ایسا ہوا؟ مودودی صاحب اگر اس کا کوئی ثبوت کسی قدیم کتاب سے دکھادیں تو ہم تسلیم کریں گے، چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کی کتاب کی سند سے کام نہیں چل سکتا مودودی صاحب کے جتنے اعتراض کئے ہیں وہ سب ان خرافات پر مبنی ہیں جو صدیوں بعد کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں بھردی ہیں۔

اگر بالفرض ایسا ہو بھی ہو تو حضرت معاویہؓ پر وحشیانہ سلوک کا طعن کرنے سے پہلے مودودی صاحب اپنی معتد کتاب طبقات ابن سعد ملاحظہ فرمائیں جس کے حوالے سے، بیوطی نے تاریخ الخلفاء میں (ص ۱۰۵) حضرت علیؓ کے قاتل عبدالرحمان

ابن یحییٰ قتل کا حال لکھا ہے۔ کہ اول اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ گئے اور پھر ٹوکری میں بند کر کے جلادیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ سخت واقعہ ان مرتدوں کا ہے جنہیں حضرت علیؓ نے زندہ جلادیا تھا۔ مردے کو جلاتا اور زندہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر جلاتے کافرن ظاہر ہے۔ یہ روایت ادھر ادھر کی ہیں ہے، صحیح بخاری کی ہے (ج ۱ صفحہ ۱۹، کتاب استماتہ المرتدین) طبع مصر

عن عکرمۃ قال اتی علی بن زیاد فقتلہ  
فاخرقہم فبلغ ذلک ابن عباس  
فقال لو کنت انا لم احرقہم نہی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ولقتلتمہم لقول رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم من بدل  
دینہ فاقتلوا۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضرت علیؓ کے پاس کچھ بد عقیدہ لوگ لائے گئے تو آپ نے انہیں زندہ جلا دیا۔ یہ بات (حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمامت کے سبب انہیں جلاتا نہیں بلکہ قتل کرتا۔

فرمایا ہے "جو اپنا دین بدلے یعنی اسلام کے بعد تو اسے قتل کر دو۔"

مودودی صاحب مجھ سے کام لیں تو انہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ بعض احوال الیہ پیش آجاتے ہیں جنہیں ہم عصر لوگ اچھی طرح جانتے ہیں اور انہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ جرم کی نوعیت کیلئے اور نئے قسم کی دینی چاہئے کہ دو عمروں کو عورت ہوا جو تحریک چل رہی ہے کہ نئے موت نہ دی جائے۔ اگر یہ سلسلہ قائم ہو گیا تو ہمارا زمانہ وحشیانہ کہلائیگا۔ اسی طرح جب خفیہ پھانسی دینے کا رواج ہوا اور وہ زمانہ وحشیانہ کہلا گیا۔ میر عام قتل کے داروں کے ہاتھ سے قاتل کو قتل کرنا جانا تھا۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے خفیہ پھانسی کے رواج سے قبل کی دہائیوں زیادہ ہو گئیں اور نئے موت نہ دینے کی وجہ سے اور بھی بڑھیں گے، اجمالاً جو راکھ ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے جو "مہذب" لوگوں کے نزدیک نہایت وحشیانہ عمل ہے وہاں چوری کی وارداتیں نہیں ہوتیں لیکن جہاں چوری کی آواز

قید ہے وہاں جرائم روز بروز بڑھتے چلتے ہیں، پھر مودودی صاحب کو یہ بھی دیکھنا چاہئے اور وہ نہ دیکھنا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جس عہد کو مودودی صاحب انتہائی ظالم اور جاہلانہ عہد ثابت کرتے پرتے ہوئے ہیں، اسلامی تاریخ کا وہی دور سبک درخشاں ہے اور اس امت نے جو عظمت و شوکت و رفعت اس دور میں حاصل کی تھی وہ بعد میں نصیب نہ ہو سکی۔ مسائل ملیہ میں افراد کی بجائے اجتماعی زاویہ نگاہ رکھا جاتا ہے اور اسی میں تعمیر مضموم ہے۔

### مالِ غنیمت

مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۱۷۴) مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاذؓ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مرتج احکام کی خلاف ورزی کی، کتاب سنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج پر تقسیم کئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاذؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

مودودی صاحب کے اس خط کا کیا علاج کہ ”مزاج شناس رسول“ کے مدعی ہو کر جو کچھ خیال کر لیں اسے عین دین جانتے ہیں لیکن کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کتابِ سنت کے ”مرتج“ احکام کون سے ہیں اور امت نے انہیں کب ”مرتج“ سمجھا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب کوئی ہدایت نامہ نازل نہیں ہوگا تو ضلالت حکیم و خیر جس نے کائنات کی بنیاد ارتقا پر رکھی ہے، جسے علم تھا کہ انسانی معاشرہ کہاں سے کہاں پہنچے گا، وہ حاضر وقت احوال کے مطابق ”مرتج“ احکام نازل فرما کر اس امت کو ایسی ضیق میں کیسے مبتلا کر دیتا کہ دنیا میں جینا ہی محال ہو جائے۔ کیا اللہ کے علم میں نہ تھا کہ آلات جنگ میں بدلیں گے اور آداب جنگ بھی وہ ایسے احکام کیوں نازل فرماتا، جن پر عمل ممکن نہ رہے۔ اس لئے کتاب میں اس نے چند

بنیادی اصول بیان فرماتے ہیں۔ جن پر معاشرے کی بنیاد ہر زمانے میں رکھی جاسکتی ہے اگر غنیمت کے بارے میں کتابِ سنت کے احکام ”مرتج“ ہوتے تو علماء و فقہاء کا اس بارے میں اختلاف کیوں ہوتا۔

امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک سے پہلے مفتوحہ زمین مجاہدوں پر تقسیم کی جاتی تھی لیکن فتح عراق کے بعد آپ نے قسمیں کیں کہ یہ طریقہ امت کے لئے جہلک ہوگا اس صحابہ سے مشورہ کر کے فیصلہ ہوا کہ مفتوحہ زمین تقسیم کا شکاروں ہی کے قبضے میں رہے اور حکومت کی ملکیت قرار پائے۔ اسی طرح امیر المؤمنین معاذؓ نے ضروری سمجھا کہ رضا کا فوج کی بجائے تنخواہ دار فوج رکھیں۔ پہلے چونکہ فوجی خدمت رضا کا اہل تھی اس لئے مالِ غنیمت کے چار حصے فوج پر تقسیم کئے جاتے تھے، لیکن جب فوج کا تمام ساز و سامان اور سامنے اخراجات حکومت کے ذمہ ہو گئے تو مالِ غنیمت کو فوج پر تقسیم کرنے کا اصول خود بخود ختم ہو گیا۔ کیا مودودی صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام اور بعد کے فقہاء نے حضرت معاذؓ پر اعتراض کیا؟ پھر ان کے عہد مبارک بلکہ پورے اموی دور میں باقی فوج کی تعداد کے علاوہ رضا کار مجاہد بھی شامل ہوتے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ سونا چاندی بیت المال کیلئے نکال لیا جائے اور باقی مال فوج پر تقسیم کر دیں، مودودی صاحب سے یہ سوال پھر بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت معاذؓ نے جب خلاف شریعت سونا چاندی نکال لیا تو باقی مال کی تقسیم شرعی کیسے ہو گئی، وہ تو سب کام مبتدعانہ اور خلاف شریعت ہوا۔ لیکن اس بغض اور قبیح عداوت کا کیا کیا جلے جو ان صاحب کو صحابہ کرام خصوصاً حضرت معاذؓ سے ہے کہ طعن کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ کج جو میدان جنگ میں ٹینک اور توپیں اور طیارے اور جیٹ پلانے دو سرا سامان حرب غازیوں کو ملتا ہے اس کی تقسیم فوج پر یہ مجدد وقت کس طرح کریں گے؟ علاوہ انہیں مودودی صاحب کے لئے یہ بھی ثابت کرنا ضرور تھا کہ حضرت معاذؓ کے اس فعل پر فقہاء صحابہ میں سے فلاں فلاں نے اعتراض کیا۔ آٹھویں صدی کے ایک مصنف کا قول کسی صاحب عقل کیلئے حجت نہیں ہو سکتا۔ حجت صرف ہم عصر علماء و فقہاء ہی کا

اعتراف ہو سکتا ہے۔

موردی صاحب کو یہ بھی بتانا چاہئے کہ آج کی جنگ میں لمبارڈی جو ضیاع ہوتا ہے اس کی تلافی کس کے ذمہ ہے۔ کیا حکومت کے علاوہ کوئی اور بھی اس کا ذمہ دار ہے؟ میری بات ہے جسے سمجھنے کے لئے کسی منطق کی ضرورت نہیں کہ جنگ حکومت کرتی ہے اور فوجیوں کے تمام اخراجات کا بار حکومت اٹھاتی ہے۔ لہذا جنگ کے نتیجے میں جو فتوحات ہونگی وہ سب فتوحات پوری قوم کی ہونگی، اور حکومت جس طرح چاہے گی مناسب طریقے پر قومی ضروریات پوری کرے گی۔ موردی صاحب کے ان الفاظ سے کہ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے۔ یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی مال غنیمت میں سے وہ اپنی ذات کیلئے الگ نکلا آتے، حالانکہ موردی صاحب ہی کے ماخذ الہدایہ والنہایہ کے صفحہ ۲۹ ج ۸ میں جبکہ حوالہ بھی انہوں نے دیا ہے صاف تحریر ہے کہ حکم یہ تھا کہ مال غنیمت میں سونا چاندی بیت المال کیلئے الگ نکال لیا جائے باقی تقسیم کر دیا جائے الہدایہ کے صفحہ ۲۹ مطرا پر یہ الفاظ بطرف شخص مطالعہ کر سکتا ہے۔ ان یصطفیٰ لہ کل صفراء و بیضاء۔ یعنی الذہب والفضة۔ یہ جمع کل من ہدن کا الغنیمۃ لبیت المال بیت المال کا لفظ چھوڑ دینا ظاہر بعض معاویہؓ ہی کے ہذب سے ہو سکتا ہے کہ تاری کے دل پر غلط اثر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو قوم کی ملکیت قرار دیا ہے۔ اور صرف تشریح تنس کی کی ہے۔ لیکن اس تنس کے بارے میں بھی فقہاء کا اتنا اختلاف ہے کہ کوئی متفق عقیدہ طریقہ کار تعیین نہیں کیا جاسکتا، اور مزید بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ حکومت اسلامیہ رفاد عام کے تحت موزوں اور مناسب دستور مرتب کیے، تاکہ پوری قوم مستفید ہو سکے چنانچہ ہر زمانے کے مسلمانوں نے اپنے احوال کے مطابق غنیمت اور فوجی کی تقسیم کا اپنا طریقہ رکھا اور کسی نے اس طریقہ پر اعتراض نہیں کیا اور نہ کوئی عالم مبنی کر سکتا ہے، بلکہ ہر شخص کے علماء کا فرض ہے بشمئیکہ وہ موردی ذہن نہ رکھتے ہوں کہ اپنے زمانے کے احوال کے مطابق ایسے اجتماعی امور میں حکومت کے لئے مناسب موزوں

طریقہ کار تعیین کرینے جس کے بارے میں باقی باتیں اس سے پہلے مذکور ہوئیں کہ اموی اور عباسی خلفائوں میں تنس کا مال کس طرح تقسیم ہوتا تھا۔

موردی صاحب نے ایک عجیب بات کہی ہے (ص ۱۱۲) **جزیرہ و خراج**۔

اب بیت المال کی آمدنی کو دیکھئے تو نظر آتا ہے

کہ اس بارے میں بھی حلال و حرام کی تیزر اٹھی چلی گئی۔ حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے اپنے ایک فرمان میں ان ناجائز ٹیکسوں کی ایک فہرست

دی ہے جو ان کے پیش رو شاہان بنی امیہ کے زمانے میں رعایا مورد وصول

کئے جاتے تھے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے

بیت المال کی آمدنی کے بارے میں شریعت کے قواعد کو کس بُری طرح

تورنا شروع کر دیا تھا۔

جس شخص کو آداب جہاں بانی کا کچھ بھی شعور ہوگا، اسکی سمجھ میں یہ بات آجائگی۔

کہ حکومت کی طرف سے جتنے ٹیکس لگتے ہیں اور حصول عائد ہوتے ہیں ان کا فائدہ اجتماعی طور پر

پوری قوم کو ہوتا ہے لہذا شریعت میں کسی قسم کے ٹیکس کو اس وقت تک حرام نہیں کہا جاسکتا

جب تک شایع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اسکی حرمت کا اعلان نہ ہو۔ ٹیکسوں کے

سلسلے میں ضروری اور غیر ضروری، مناسب اور غیر مناسب، مفید اور غیر مفید کے اعتبار سے

توجیحت ہو سکتی ہے لیکن حرام و حلال کا فتویٰ دینا کسی درجے میں درست نہیں اللہ تعالیٰ نے

صاف فرمادیا ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَا أَصْفَأُ لِسِنِّتِكُمْ لَكِن بَ هَذَا حَتْلٌ وَ هَذَا حَوَاحِشُ (النحل ۱۱۶) (تمہاری زبانوں پر جو تھوٹی باتیں آتی ہیں انہیں مود سے

مرت نکالو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کسی چیز کو حلال اور حرام قرار دینا اللہ اور اس رسول

کا حق ہے نہ کہ اور شخص کا۔ موردی صاحب نے ان حرام محصولات کی فہرست نہیں

دی جو بقول ان کے امیر المؤمنین عمر ثانیؓ نے مفسر کے ذہن ان پر سبوت ہوتی۔ یہاں میں

صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ امیر اجتہادی ہیں اور امام اس کو سمجھتا ہے کہ امت کے مصالح کیا ہیں

اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ واقعی پہلے خلفائے جو ٹیکس عائد کئے تھے وہ عمر ثانیؓ

کے نزدیک قابل تفسیح تھے تو اس سے نفس مسئلہ پر کیا اثر پڑا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے عمر ثانی کو پہلے خلفاء کے اجتہاد سے اختلاف تھا۔ اسے حلال و حرام مودودی صاحب بتائیں تو بتائیں ہمارے ائمہ نے جب ان خلفاء کے اجتہادات کو بطور نظر شرعی صحیح میں نقل کیا ہے تو ہم کیسے باور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسے ٹیکس عائد کئے تھے جو شرعاً حرام تھے اور پھر سوال ہے کہ واقعی وہ ٹیکس عائد بھی کئے گئے تھے یا نہیں۔ جن بزرگوں کی یہ حیثیت ہے کہ ان کے فیصلوں کو ائمہ فقہ و حدیث شرعی حجت سمجھیں انہیں ہم مصلح ملیہ کے سلسلے میں مرکب حرام قرار دیں تو گویا ہم نے موطاء شریف و صحیح بخاری کی حجت ختم کر دی۔

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۲)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف روعان کے والد لڑائے کو اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو ہو کر بصرہ و کوفہ میں آباد ہوئے ہیں اور اس سے جزیہ و خراج کی آمدنی گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے فرمان جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہرؤں سے نکالا جائے اور ان پر جزیہ سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نو مسلم کو ذمے نکلے جا رہے تھے تو وہ یا احمد الا یا محمد الا پکار پکار کر روتے جا رہے تھے اور ان کی محجہ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جا کر اس ظلم کی فریاد کرے اس صورت حال پر بصرہ و کوفہ کے علماء و فقہاء پر حجاج کے اور جزیہ نو مسلم روٹے پیٹے شہرؤں سے نکلے تو علماء و فقہاء بھی ان کے ساتھ روٹے جاتے تھے۔

ہم نہیں جانتے کہ ساتویں صدی کے اس ابن اثیر نے یہ روایت کہاں سے لی کیونکہ وہ ہمیشہ بے سند بات کرتا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر قواعد شرعیہ کی روشنی میں بحث کر لی جائے تاکہ ناظرین کو اس پر مسئلہ سمجھ سکیں، اور انہیں اندازہ ہو کہ بے سند باتوں پر تکیہ

کر کے مودودی صاحب مسلمانوں کو جہالت کی کس راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

**خراج** | اس موضوع پر ہم صرف مزروعہ زمین کی حد تک بحث کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ مرکزی حکومت کی ملکیت ہوتی تھی۔ اس کے مسائل آگے بیان ہوں گے، اس کیلئے شرعی اصطلاح ہے فئی (سورۃ الحشر ۷) (۲) جو زمین بزرگ شمیر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی اسے مجاہدوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

(۳) حضرت فاروق اعظم کے عہد میں عراق کی فتح کے بعد یہ مسلمانوں کا اب طریقہ کار کیا ہو۔ اس بارے میں شوری ہوا اگر باگم بچیں ہوئیں اور بالآخر سب حضرات امیر المؤمنین کی اس رائے سے متفق ہو گئے کہ یہ زمین اور آئندہ یعنی زمینیں حاصل ہوں وہ سب قدیم مزادوں کے قبضے میں رہنے دی جائیں اور مسلمانوں پر تقسیم نہ ہوں۔ ان پر مناسب خراج عائد کر دیا جائے جو بیت المال میں جملے اور حسب ضرورت خرچ ہو۔ اس طرح تمام مفتوحہ زمینیں خراجی کہلائیں اور ان سے حکومت کی آمدنی نقد کی صورت میں تھی۔

(۴) جو زمینیں اس شوری سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں تھیں وہ عشری کہلائیں۔ ان سے حکومت کی آمدنی عینس کی صورت میں تھی یعنی پیداوار کا دسواں حصہ یا اس سے کم جو بھی تجویز ہو۔ اور مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ خراجی زمینیں خریدیں۔

**فئی** | اس طرح تمام مزروعہ زمینیں و قسم کی ہوئیں ایک خراجی اور ایک عشری تمام وہ زمینیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے ملیں وہ حکومت کی ملکیت تھیں۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کے ساتھ ان زمینوں کو بھی حکومت کی ملکیت قرار دیا جو شاہان ایران اور ان کے امراء نے صرف خاص کے نام سے اپنے لئے مخصوص کر لی تھیں۔ اسی طرح وہ تمام زمینیں بھی مرکزی حکومت کی ملکیت ہوئیں جو افتادہ



تھیں کسی کی ملکیت نہ تھیں اور ان میں زراعت نہیں ہوتی تھی۔

اب فاروق اعظم نے یہ کیا جو زمینیں حکومت کی ملکیت تھیں ان میں حسب سنت نبوی بعض حضرات کو جاگیریں عطا فرمائیں انھیں القطارکھ کہا جاتا تھا، اور اس کا مطلب تھا حکومت کی طرف سے عطا فرمودہ جاگیریں۔ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے جاری تھا۔ مثلاً آپ نے حضرت علیؓ کو چار جاگیریں عطا فرمائی تھیں۔ دوزوالفقیر میں، ایک الشجرہ میں اور ایک کنواں قیس میں افتوح البلدان ص ۳۵] پھر حضرت فاروق اعظم نے بھی انہیں جاگیریں دیں۔ اول ینبع دیا اور پھر ایک اور کا اضافہ کیا [ہمیں کتاب ص ۳۶]

پھر حضرت فاروق نے حضرت طلحہؓ، حضرت جریر بن عبد اللہ اور حضرت زبیرؓ کے بھائی حضرت نافعؓ کو۔ اسی طرح میراؤمینین حضرت عثمانؓ نے حضرت زبیرؓ حضرت خیابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابن ہبار، حضرت عمار بن یاسرؓ کو زمینیں دیں۔ حضرت زبیرؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی جاگیر دی تھی۔ حضرت علیؓ نے بھی بعض حضرات کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ مثلاً کردوسی بن ہانی کو جو الکروہ سے ہی کے نام مشہور ہوئی۔ نیز دازویہ میں سوید بن غفلہ کو یہ سب تفصیلات طبری، فتوح البلدان کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہیں۔

یہ زمینیں حکومت کی ملکیت تھی اور امام کا اختیار تسلیم کیا گیا کہ جسے مناسب سمجھے اس طرح سرکاری زمینیں عطا فرلے بعد کے زمانوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ بروکچک میں سلاطین کرام ایسی معانیوں حسن خدمت کے صلے میں عطا کیا کرتے تھے اور کبھی کسی بڑے خاندان کو کہیں بساتے تو ساتھ جاگیر دیتے یہ سب جاگیریں اگرچہ اصلاً حکومت کی ملکیت تھیں ان عطا یا کا احترام کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسفؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ ایسے عطیات واپس نہ لئے جائیں [کتاب الخراج منقول از محاضرات تاریخ الامم از خضریٰ ج ۱۰۰۰] [۱۴۸]

ان جاگیروں کے بعد جو زر میں باقی بچتی تھیں اس سے زرعی منافع حاصل

کرنے کیلئے امام کو اختیار تھا کہ کاغذ کاروں کو عشری بنا کر دے یا خراجی۔ انہیں کتا ہمیں صفحہ ۱۔ یہی مسئلہ افتادہ زمین کا تھا کہ وہ بھی حکومت کی ملکیت تھی اور امام کے اختیار میں تھا کہ درخواست گزار کو وہ قابل کاشت بنانے کے لئے دیکر وہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی، یہ افتادہ زمین اگر عشری علاقے میں ہوتی تو اسے عشری بنا کر دیدیا جاتا اور خراجی علاقے کی ہوتی تو خراجی بنا کر حسب فرمان نبوی مردہ زمین کو جو زندہ کیے وہ اس کا مالک ہے لیکن خلفاء کا تادمہ یہ تھا کہ اجازت لے کر ایسا کرنا چاہتے اگر کسی نے بغیر اجازت افتادہ زمین پر قبضہ کیا تو امام کا اختیار تھا کہ اس سے لے لے یا اجازت دیدے۔ مگر تین برس کے اندر اسے کام کا بنالینا ضروری تھا ورنہ وہ زمین حاصل کر کسی دوسرے کو دیدی جاتی تھی۔

اس طرح یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ افتادہ زمین ہو یا عقیقی وہ امام کے فرمان کے مطابق عشری بھی بنائی جاسکتی تھی اور خراجی بھی یہ خطیبات چونکہ مسلمانوں ہی کے لئے منظور تھے اس لئے ایک مسلم ایسی زمین کو خراج پر حاصل کر سکتا تھا۔

دوسری طرح ضروری کے ذریعہ طے ہو گیا تھا کہ کوئی مسلمان خراجی زمین خریدنے اس لئے معلوم ہوا یہ حکم سیاسی تھا نہ کہ شرعی اور اس کی گنجائش تھی کہ ایک مسلمان خراجی زمین خرید کر حکومت کو اس پر خراج ادا کرے۔

گویا اب سنون طریقہ یہ ہوا کہ جب ایک ذمی مزارع اسلام قبول کیے تو اسکی زمین یا وہ عشری قرار دیدی جائے یا بدستور خراجی ہے۔ اسکا نام اب خراج نہیں ہوگا۔ بلکہ پڑے، کراہی، یا لگان کہلائیگا۔ اور نقد کی صورت میں ادا کرنا ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ امام ایسے نو مسلم کی زمین کو عشری بنا دے جیسا کہ کتاب الخراج میں حضرت علیؓ کا ایک زمان منقول ہے کہ عین التمر کے ایک نو مسلم سے اپنے فرمایا دے یا تو تم شہر میں آ جاؤ اور وظیفہ لو۔ اس صورت میں بہتیں زمین چھوڑنی ہوگی، یا پھر زمین پر واپس جاؤ اور ہمیں اپنی پیداوار سے حصہ دو۔ (پروفیسر حسینی عرب ایڈمنسٹریشن (عربی نظم و نسق ص ۱۳۵)

اس طرح ہمارے سامنے چند فیصلہ کن امور آتے ہیں۔

(۱) ایک نو مسلم جب اپنی زمین چھوڑے تو وہ اس کے قبیلے والوں کو مل جائے گی، اور خود دیوان فاروقی کے مطابق بیت المال سے وظیفے لگے۔

(۲) اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ جو زمین خراجی تھی وہ خراجی رہی۔

(۳) یہ نو مسلم اگر اپنی زمین پر زاپس ہو تو اس کی زمین یا عشری بنا دی جائے یا بدستور خراجی رہے اگرچہ یہ خراج اب لگانا کھلائے۔

جب تک معلوم نہ ہوا کہ اس پر بخوبی عمل ہوتا رہا لیکن جب بکثرت لوگ مسلمان ہونے لگے اور ان کی تعداد ہزاروں لاکھوں کی ہو گئی تو مسلمانوں میں بھیجی گئی آئی، اس کا صلہ امیر حجاج نے یہ نکالا کہ ان لوگوں کو اپنی زمینوں پر واپس کر دیا اور حکم دیا کہ جو لگان وہ دیتے رہے تھے بدستور دیتے رہیں۔ ان کا یہ اقدام سنت خلفاء کے مطابق تھا۔

معمولی سی عقل کی بات ہے کہ اگر یہ اصناف کا شکر ان ہی خالی ہو جائیں اور وہ لوگ شہرں میں آن بسیں اور دیوان فاروقی کے مطابق وظائف کے خواستگار ہوں تو یہی بات تو یہ ہے کہ زراعت کا کیا ہو گا اور دوسری یہ کہ وظیفہ کہاں سے دیا جائیگا، لہذا اس کا کوئی امکان نہیں کہ ان لوگوں کے نکلنے پر یہ نئے ہوں یا علماء و فقہاء نے من کیا ہو۔ سبائی نہایت کی یہ نفعی روایت باطل ہے۔ یہ بالکل بیدھا اور سادہ مسئلہ تھا۔ اگر زرعی زمینیں اور زمینیں کی ہو جائے یا بیت المال پر وظائف کی بنا پر نادا جب بوجھ بڑھے تو کاروبار ملکیت کیسے چل سکتا تھا اور عام خوشحالی کیسے آسکتی تھی۔

اس اقدام کا اثر ان نو مسلموں کے اسلامی حقوق پر کیا پڑا۔ نہ لگانوں میں متاثر ہوا اور نہ دنیا، ایک کا شکر ان کی اس زیادہ خوش قسمتی کیلئے کہ جو غلہ وہ پیدا کرے اس کا خراج مالک ہو صرف معمولی سا خراج یا لگان ادا کرے اور اپنی مالکانہ حقوق کا تلف نہ ہو۔ آخر جو مسلمان خراج زمین خریدتا تھا ہمیں کی بوجہ میں اجازت دیدی گئی تھی، تو اس پر خراج ہی تو ادا کرتا تھا۔ بعد کی یہ اجازت امام کے اس اختیار پر مبنی تھی کہ نئی زمین وہ جسے چاہے عشری بنا کر دے اور جسے چاہے خراج بر دیدے۔

جو زمین عشری تھی اسے لوگ ملوثا بنانی پراٹھائیتے تھے اور اس طرح سخت کرتا تھا

کا شکر ادا اس میں حصہ دار ہو جاتا تھا۔ مالک زمین امیر المؤمنین معاویہ کے عہد مبارک میں بٹائی کا سلسلہ موقوف ہو گیا (صحیح بخاری کتاب فزار عم) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالکان زمین اپنی زمینوں پر اپنے غلاموں سے کام لینے لگے جن کے تمام اخراجات ان کے آقاؤں کے ذمے تھے جبکہ معیار انھیں وہی رکھنا پڑتا تھا جو خود ان کے اپنے گھروالوں کا تھا اس طرح تمام عشری زمین خود کاشت ہو گئی اور بغیر خرچ کے ہونے لفع اندوزی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور حضرت معاویہ اور بعد کے خلفائے اس کی کوشش کی کہ طغیانی کے سبب جو زمینیں زیر آب ہو گئی تھیں اذران میں زراعت نہیں ہوتی تھی وہ دریاؤں پر بند باندھ کر حاصل کی گئیں اور دریاؤں کا پانی نہرں کے ایک عظیم جال کے ذریعہ دور افتادہ علاقوں تک پہنچایا گیا، امیر حجاج رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بڑے کارنامے انجام دیے ہیں (عرب پرنڈنٹ صفحہ ۱۴۲-۱۴۵)

نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کا رگزار گلزار بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن جبیر کا سفر نامہ اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ تمام علاقے جو آج بنجر پڑے ہیں ان میں بڑی بڑی شاہ راہیں تھیں جہاں دور دورہ درخت کھڑے تھے اور میدان دور دورہ مکانوں کا سلسلہ تھا اور تھوڑے فاصلے پر بڑے بڑے بلوغ اور ایسے فرحت افزا مقامات تھے جیسے سر سبز و شاداب اور ترقی یافتہ ملکوں میں ہوا کرتے ہیں۔ خلافت امویہ و عباسیہ کے خاتمہ جہاں روحانی اور جسمانی اعتبار سے ایک سانحہ تھا وہاں اقتصادی حیثیت سے بھی ایک قیامت ثابت ہوا۔ مزمن عرب کو آج دیکھنے والا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کے مزاج میں سکی کیسی کا یا ایلٹ ہو گئی تھی لیکن موددی صاحب کی قیامت میں سلف صاحبین اور غلطائے ملت پر نکتہ چینی و عیب جوئی ہی کبھی ہوتی ہے انتہا طبیعت سے مجبور میں ۶

گل ہاست سعدی و در چشم دشمنان خار صحت

خیر مسلم مفتوح اقوام جب مسلمانوں کی حفاظت میں آجائیں تو ان کے تندرست اور با کار لوگوں سے فی کس لائے معمولی سی ایک رقم لی جاتی ہے جسے جزئیہ کہتے ہیں یہ رقم مقرر ہے۔ کوئی شخص معذور ہو تو اس پر جزئیہ نہیں اور معذور ہو جائے تو بھی جزئیہ نہیں

جزئیہ

رہتا بلکہ ان کے فقرا کو بریت الممال سے امداد دی جاتی ہے۔ یہ رقم اس لئے لی جاتی ہے کہ انکی اور ان کے دین اور شعائر کی حفاظت کی جائے اور ملک کے دفاع کی ذمہ داری ان پر نہ ہو۔ اس طرح وہ اپنی زندگی خوشگوار بنانے کے تمام وسائل سے پورا احتاط ٹھہرتے ہیں۔ مگر ذمہ داری ان پر کچھ نہیں ہوتی۔

ان کے مقابلے میں مسلمانوں پر زکوٰۃ واجب ہے جسکی آمدنی متعین نہیں بلکہ جتنا زیادہ مال ہوگا اتنی ہی زیادہ زکوٰۃ دینے پھر یہ صدقات وغیرہ اور اس پر مستزاد ہے ملک کے دفاع کی ذمہ داری اور نظم و نسق چلانے کے فرائض۔

اموی عہد سے پہلے ایک نئی چیز مسلمان ہونا تھا جو جزیرہ موقوف ہو کر اس کا وظیفہ بریت الممال سے مقرر کر دیا جاتا تھا، ایسا بھی ہوا ہے کہ آزاد مسلمانوں نے کسی عرب قبیلے سے رشتہ و لاہ قائم کر لیا تو ان کے حقوق دی ہو گئے جو اس عرب قبیلے کے تھے اور بیت الممال سے اسی معیار پر ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، بسا اوقات ایک بہت بڑا غیر عرب قبیلہ کسی عرب قبیلے میں شامل ہوا تو اسی اعتبار سے بیت الممال پلاس کا یو جھڑ گیا۔

جیتک ان موالی اور ان نو مسلموں کی تعداد اتنی رہی کہ انتظام میں غلغلہ نہ پڑے اور دستور کے مطابق عمل ممکن ہو تو یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن عہد اموی میں ان نو مسلموں کی تعداد لاکھوں کی ہونے لگی، مووددی صاحب کے نزدیک اموی خلفائے تبلیغ دین میں رکاوٹیں ڈالیں اور اسے پسند نہ کیا کہ لوگ مسلمان ہوں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے کے لئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نو مسلموں کی تعداد اتنی زیادہ ہونے لگی کہ اس کا اثر جزیرہ کی آمدنی پر پڑا۔

اب یا تو انہیں اپنی یہ غلط بیانی تسلیم کرنی چاہئے کہ امویوں کے ہاں تبلیغی کام نہیں تھا یا پھر ماننا چاہئے کہ تبلیغی کام اتنا تھا کہ جزیرہ کی آمدنی پر اثر پڑا۔ دونوں صورتوں میں انہیں اعتراف کرنا ہو گا کہ جہاں تک دین اسلام کی اشاعت کا تعلق ہے اموی دور پہلے سب ادارے بازی لے گیا تھا، اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہو رہے تھے اب یہاں وہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو مووددی ذہن کی پہنچ سے بالابہ کسی

فرد کا مسلمان ہونا اور کسی علاقوں کے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا مسلمان ہونا ایک حقیقت نہیں رکھتا، اس کا تجربہ عہد نبوی میں ہو چکا تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ادھر قبائل عرب مرند ہو گئے۔ امیر المؤمنین ولیدؓ اور امیر المؤمنین امام جیسے فرزانہ و مدبر دور میں امام اس صورت حال سے غافل نہیں ہو سکتے تھے عہد صدیقی کے مرتد قبائل پھر عرب تھے انہیں زیر کرنا آسان ہو گیا اگرچہ بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن اسلام بہت جلد ان کے دلوں میں گھر کر گیا۔

برخلاف اس کے غیر عرب قبائل مفتوح تھے انھیں اپنے تمدن اور اپنی فوجی نفع کا بڑا احساس تھا اپنے قدیم مذاہب ان کی وابستگی ایسی مستحکم تھی کہ صحیح مسلمان ہونے کے بعد جب وہ مسلم معاشرے میں گھل مل گئے تو ساتھ ساتھ مشتبہ نو مسلم بھی درائے جتسی وجہ سے دین اسلام میں مختلف قسم کی بدعات پھیل گئیں اس وقت مسلمانوں میں تہذیبی مشرکانہ باتیں رائج ہیں اور عقائد میں تزلزل ہے ان سب کی اصل نچی ہے۔

اموی خلفاء اور ان کے امراء جو دین اسلام کے پاس بان تھے۔ انھوں نے انتہائی کوشش کی کہ اس میں عناصر غیر کی آمیزش نہ ہو اور فرقہ بازی کے رجحانات ابھرنے نہ پائیں وہ اس نفسیاتی مسئلے کی طرف سے غفلت نہیں برت سکتے تھے۔ انھیں پوری ہوشمندی کے ساتھ یا اندازہ لگانا تھا کہ اجتماعی جیلنے پر جو لوگ مسلمان ہو رہے اور امت مسلمہ کا جزو بن رہے ہیں۔ ان کے ثبات قلب کیا حال ہے۔ یہ کیوں ان کا ذہن تھا اور نیابت، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بہت بڑا تقاضا تھا کہ وہ اس بڑے پیمانے پر مسلمان ہونے والوں کی ذہنی و قلبی کوائف کا اندازہ لگائیں کہ کہیں یہ بھڑجال تو نہیں اور ایسا تو نہیں ہو گا کہ ان نو مسلموں کے قدیم عقائد و رجحانات بدستور قائم رہیں اور یوں دین حاکم نہ رہ سکے، اللہ تعالیٰ کے ہاں محض نام کا مسلمان ہونا کام نہیں دیتا اس کا صریح اعلان ہے۔

اللَّهُ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ لِيُنْزِلَ بِهِ الْمَاءَ وَهُوَ الَّذِي يُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَزُولَ وَهُوَ الَّذِي يَنْزِلُ بِالسَّحَابِ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُحْمَلُ بِهِ الْغُيُومُ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْمَطَرَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعَلَةً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی)

اس لئے خلفائے یہ اہتمام رکھا کہ اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہونیوالوں پر جزیہ قائم رکھا جائے جس کی مقدار سال بساں ان کے احوال پر کھنے پر کم ہوتی چلی جائے گی اس طرح اہل مکہ کو یہ معلوم کرنے کی سہولت ہوگی کہ یہ لوگ واقعی اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلم معاشرے کا رکن بننا چاہتے ہیں یا محض معاشرتی حیثیت سے اپنا وقار بڑھانا مقصود ہے انفرادی طور پر جو لوگ مسلمان ہوئے وہ فوراً مسلم معاشرے میں داخل کیے گئے لیکن مسلمان لاکھوں آدمیوں کا تھا جو اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہوں۔ جزیہ کی کوئی ایسی رقم نہ تھی کہ آدمی پر بوجھ بنے۔ پھر ان کا ایک فائدہ یہ تھا کہ جب تک ان پر جزیہ ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے مکلف نہ ہوں گے اور صرف شہر اسی زمین پر خرچ ادا کریں گے یا سالانہ جزیہ دیں گے جو رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جائے گا۔

اس طریقہ کار کا یہ فائدہ ہوا کہ جو لوگ واقعی مسلمان ہوئے تھے وہ جزیہ دینے کے باوجود اپنے اسلام پر قائم رہے لیکن جن کی تیرت درست نہ تھی وہ ہند ہو گئے اور انھوں نے بغاوت کر دی جیسا کہ امیر المؤمنین ہشام کے زمانے کا ایک واقعہ خضریٰ نے نقل کیا ہے۔ [محاضرات تاریخ الاحم لاسلامیہ ج ۲ ص ۱۹۱]

ایک زمانہ تھا جب لوگوں کو روپیہ اور دوسری مراعات دیکر ان کے ثبات قلب کی کوشش کی جاتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب افراد مسلمان ہوتے تھے پھر وقت آیا جب اسلام کی سر بلندی سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے لگے اس وقت ضرورت اسکی ہوئی کہ معمولی سارو پیہ لیکر ان کے ثبات قلب کا امتحان کیا جائے تاکہ بڑی تعداد میں ایسے لوگ معاشرے میں نہ آنے پائیں جنہوں نے صدق دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔

جب خود قدیم مسلمانوں کو خدائے تعالیٰ کے ہاں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے قسم کے امتحان دینے پڑتے ہیں اور وقت آنے پر جان مال کی بازی لگادی ہوتی ہے تو ان کو مسلمان کیا یہ فرض نہ تھا کہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ معمولی سی قربانی دیں اور اس قربانی سے بدرجہا زیادہ روحانی اور مادی فوائد حاصل کریں۔

جزیہ ایک سیاسی اور معاشی مسئلہ ہے اور اس بارے میں امام پر کوئی قدغن نہیں۔ وہ چاہے تو ایک شخص پر جزیہ بالکل معاف کرے اور چاہے تو اس کی نوعیت بدلے اور ضرورت ہو تو اس میں اضافہ کرے۔ اس کا تعلق حاضر الوقت مصلح سے ہے چنانچہ بنو تغلب کے نصاریٰ نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا لیکن پیشکش یہ کی کہ مسلمان اپنے مال پر جتنی زکوٰۃ دیتے ہیں اس شہر سے وہ دو گنی زکوٰۃ ادا کریں گے۔ حضرت فاروق اعظم نے انکی پیشکش منظور کی کہ جزیہ اٹھا دیا۔ یا امیر المؤمنین معاویہ نے صحرے کے قبیلوں پر فرض عائد کیا کہ وہ حکومت اسلامیہ کو خاص مقدار میں عمارتی لکڑی ہتیا کریں۔ وہ اگر نقد رقم دینا چاہتے تو قبول نہیں کی جاتی تھی، کیونکہ جہاز سازی کیلئے جو لکڑی مسلمانوں کو درکار تھی وہ وہیں ملتی تھی۔ گویا جزیہ ہونا ٹیکس ہوں وہ اجتماعی فائدے کیلئے ہیں۔ اس فائدہ پر اٹھے نہیں پڑنا چاہئے اور ساتھ ہی مصلح تلبہ بھی پورے ہونے چاہئیں۔

ایسی صورت میں اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہونیوالے اگر ایک طرح جزیہ کی رقم ادا کرتے مکلف بنائے گئے تو اس کے روحانی اور مادی دونوں فائدے انھیں بھی حاصل ہوتے اور مملکت اسلامیہ کو بھی یہ باتیں سطحی دماغ کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں، ان کیلئے پہلی حدی بھری کے خلفاء و امراء جیسے معماران ملت کی عقل درکار ہے۔ اللہ اس کا جسی فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی توجہ محض عذری قوت بڑھانے پر نہیں رہی بلکہ ان کے معاشرے میں صرف صادق القول والعم عمل مسلمان داخل ہوئے۔

یہی عظیم مصلحت تلبہ تھی جس کی بنا پر امیر المؤمنین معاویہ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خلافت اسلامیہ کو خالص عربی خلافت رکھا تاکہ جو مسلم لوگ حکومت کے کارکن بن کر دعوت محمدیہ میں اپنے خیالات و شعائر کی آمیزش نہ کر سکیں، حضرت معاویہ کی روزی کا نتیجہ نکلا کہ دین خالص محفوظ ہو گیا، اور ہم آج اس قابل ہیں کہ خالص و غیر خالص دین میں فرق کر سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہو کر اسی وقت کاروبار مملکت میں بھی شریک ہو جاتے تو معلوم نہیں آج دین اسلام کی شکل کیا ہوتی۔

## امیر تیزید کی ولایت عہد

موردی صاحب نے امیر تیزید کے ولی عہد بننے کے سلسلے میں سیاسیوں کی وضع کردہ یعنی لغو اور بچرا داریے پایہ روایتیں بیان کی ہیں انھیں پڑھ کر کوئی شخص جسے شریعت اور سیاسیات اسلام سے کچھ بھی مناسبت ہو اور صحابہ کرامؓ سے یہ حضرات اہم المومنین کی کچھ بھی عظمت دل میں رکھتا ہو، وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ ان کے پیش نظر واقعات ثابتاً نامہ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ چلتے ہوئے بازاری قصے بیان کرنا مقصود ہے کس قدر سطحی اور گستاخانہ ہے موردی صاحب کا بیان (ص ۱۲۸)

اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہؓ انھیں کوٹنے کی کوریزی سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور تیزید سے مل کر کہا کہ صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لئے سعیت لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ تیزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا انھوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے تیزید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا "امیر المومنین آپ کے بچے ہیں کہ قتل و غارتگری کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ تیزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو، حضرت معاویہؓ نے پوچھا اس کام کو پیدا کر دیتے کی ذمہ داری کون لے گا؟" انھوں نے کہا اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور بصرہ کو زیاد۔ پھر اور کوئی مخالفت کرنیوالا نہیں یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم

دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہؓ کے پاس جائیں اور تیزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اسے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہؓ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریداہے؟" انھوں نے کہا تیس ہزار درہم ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا "تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے،"

اللہ اکبر! صحابہ رسول اللہ صلعم کی باتیں ہو رہی ہیں اور ذکر اس قوم کا، جس کی ٹھوکر دس میں اس وقت دنیا کے خزانے تھے! ان دس آدمیوں نے رشوت بچی لی تو کتنی کہ اس عہد کے معیار زندگی کے مطابق بہت معمولی سی رقم تھی۔ اس ولایت کی تفصیلات اگر دسویں جماعت کا طالب علم بھی پڑھے تو سوچے گا کہ جو امت دربر انظار میں پھیلی ہوئی تھی اور جس کا امام دنیا کا عظیم ترین حکم بلاں تھا۔ اس کے ولی عہد کے انتخاب کے لئے ایسے آفاقی لوگ تحریک کرنے بھی گئے تھے جو تین تین ہزار درہم یا دینار میں اپنا دین فروخت کر دیتے تھے۔

پھر دیکھنا ہے کہ حضرت مغیرہ امیر تیزید سے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت سعید بن زید (دونوں عشرہ مبشرہ میں ہیں) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور دوسرے سیکڑوں بڑے اور چھوٹے صحابہ اس وقت موجود تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عامر اور سعید بن العاص بھی ہیں جو اپنی فاتحانہ اور مدبرانہ شان کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس امت کے عظیم ترین بزرگوں میں ہیں اپنے علاقے کو مشا علی حکم ران تھے۔ آپ کی محبوبیت مقبولیت اور عظمت ایسی تھی اور آپ کی اصابت راسخ اور تدبیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کی رعایا آپ پر پورا اعتماد رکھتی تھی اور آپ کے مشوروں کو حق

و صلوات پر مبنی سمجھتی تھی، اور وہ ان کے نزدیک نہایت محترم تھے (صحیح بخاری) مزہ ملاطبع صرا  
 عن زیاد بن علاقہ قال سمعت حضرت زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت  
 جریر بن عبد اللہ یقول جریر بن عبد اللہ کہ مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے دن  
 یوم مات المغیرہ بن شعبہ سنا۔ آپ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا  
 قام حملاً لله و اتنى عليه قال تم پر لازم ہے اللہ سے ڈرنا جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی  
 عليك بالتقاء الله و حمد لا شريك له نہیں، اور وقار اور سکون سے رہنا تاکہ تمہارا  
 لسا و الوقار والسكينة حتى ياتيتم (نیا) امیر کے اور وہ عفریہ آیا اب پھر فرمایا  
 امير فاما ياتيكم الان ثم قال اپنے (مروج) امیر کے کہ خدا تعالیٰ سے معافی  
 استعتوا الاميركم فان كان مانگو کیونکہ معاف کرنے کو دوست رکھتے تھے پھر فرمایا  
 يحمل الغم ثم قال اما بعد فاني و اب سنو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا  
 اثبت النبي صلى الله عليه وسلم اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنا چاہتا ہوں  
 قالت اب يورك على الاسلام تو آپ نے شرط لگائی کہ ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر بھی  
 فشرط على والنصم لكل مسلم چنانچہ میں نے اس پر بیعت کی۔ اور اس سجد کے ربکی  
 فيالغنة على هذا ورتب هذا قسم میں تمہارا بھی نام ہے ہوں پھر آپ نے استفقار  
 المسجد اني انصم لكم ثم استغفر کیا اور منبر سے اتر آئے۔  
 ونزل

یہ ایک طویل القدر صحابی کی حضرت مغیرہ کے بارے میں شہادت ہے کہ وہ لوگوں  
 کی غلط روی پر چشم پوشی فرماتے تھے اور ان کی خطا میں بخش دیتے تھے تو پھر وہ غصے بھی  
 محبوب ہوں کہ ہے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ نئے والی کے آئے تک پوری طرح امن رہا  
 اور آپ کی پیروی و تکلیف کی گئی۔

عرض یہ ہے کہ کوئی جو ہمیشہ اپنے والیوں کے لئے درد سہا رہا اور جہاں کبھی ان  
 والیوں کی عظمت شخصی اور تعمیر و ترقی کی کوششوں کو نہ سہرا گیا وہاں حضرت مغیرہ  
 بن شعبہ کی ہستی ایسی محترم تھی کہ لوگوں کو رشہ میں لے کر اپنا ہمنوا بنائیں۔ کوئی نہ سے جو

وقد گیا تھا، وہ آفاقی اور بے حیثیت لوگوں کا نہ تھا۔ بلکہ عربی النسل اکابر کا تھا۔

سیدھی اور صاف بات ہے جسے سب نے تسلیم کی ہے کہ امیر تیز رو کو ولی عہد  
 بنانے کی تحریک حضرت مغیرہ نے کی تھی وہ کوفے کے فسادوں کے حالات سے باخبر تھے  
 دیکھ رہے تھے کہ حضرت معاویہ کی زندگی میں کس کس طرح ان لوگوں نے حضرت حسن  
 کی وفات پر حضرت حسین کو طلب خلافت پر ابھارنے کے جن کئے تھے ان حالات میں  
 ان کی پختہ دماغی تھی کہ خلافت کے بارے میں جو فسادات حضرت عثمان کے بعد ہوئے ان کا  
 تعاضل ہی تھا کہ ولی عہد المسلمین کا تقرر حضرت معاویہ اپنی زندگی میں کر جائیں اور وہ  
 ولی عہد ہوں قرظند امیر المؤمنین جو اپنی صلاحیت و قابلیت آداب جہاں نمائی سے  
 واقفیت اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے کا پورا ثبوت جہادوں میں لے چکے تھے  
 پھر تمام بنو امیہ اور قریش ان کی حمایت پر تھے اور قبیلہ بنو کلیب کی پوری طاقت  
 ان کی پشت پر تھی۔ صحابہ کرام میں وہ مقبول تھے اور ان کی قدر سب کو معلوم تھی چنانچہ  
 جمہور صحابہ و اہل بیت المؤمنین اور ان کا برائمت نے اس تحریک کی تائید کی اور ارباب  
 عقل و عقد کے اتفاق سے یہ سلسلہ طے کیا گیا جسے ہم آئندہ بیان کریں گے

مودودی صاحب نے یہ تصور قائم کیا ہے کہ وہ صرف کوفے کے ان پست و  
 دوں فطرت لوگوں کا تھا اور یہ کہ امیر تیز رو کی زندگی تک حضرت معاویہ کو یہ  
 مسئلہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی، کیونکہ وہ امیر تیز رو کو ولی عہد بنانے کے خلاف تھے  
 مگر یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے سب باطل ہے۔ شیعہ مورخ مسعودی تک کو اس کا  
 اعتراف ہے کہ وہ کسی ایک جگہ سے نہیں بلکہ چاروں طرف سے آئے تھے۔ چنانچہ وہ

کتاب ہے۔ (مروج الذهب، ج ۳، ص ۳۶-۳۷)

و فی سنتہ تسع و خمسين فد	اور وہ ۵۵ میں (حضرت) معاویہ کی خدمت میں
علی معاویة و فد من الامصار	عراق وغیرہ کے شہروں سے دندائے۔ اور جو
من العراق و غیرها۔ فکان من	و فد اہل عراق کی طرف سے آیا تھا اس میں
و فد من اهل العراق الاحنف	دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ احنف بن

بن قیس فی آخرین من جوہ الناس قیس بھی تھے۔

مسعودی نے سزا غلط دیا ہے طبری و دیگر مورخین نے سزا میں کیا ہے مگر یہاں نہیں بتانا ہے کہ سارے عالم اسلام سے جو زور دئے تھے وہ اکابر اہل سنت و عقیدہ و زہد و جاہلت لوگوں کے تھے نہ کہ ان کے جو دو تین ہزار درم یا دینار رشوت لیکر رائے دیں۔ امیر زیاد نے بھی بصرے سے وفد بھیجا تھا۔

ان وفدوں کے سامنے موافق و مخالف قسم کی تقریریں ہوئیں اور لوگوں نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے دی مسعودی نے احنف بن قیس کی یہ تقریر نقل کی ہے۔

ان الناس امسوا فی منکر زمان  
قد سلف و معروفان یتنف  
یزید حبیب قریب فان تولہ  
عہدک فعن غیرک برمفن او مرضا  
مضین وقد حلیبت الدھوری  
جریبت الامور فاعرف من تستدل  
عہدک ومن تولیہ الامر جہدک  
واعص راعی من یامرک ولا یقدر  
ویشیر علیک ولا یظنرک۔

لوگ بڑے دور سے گزر چکے اور اچھے زمانے کا امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ بڑے محبوب ہیں اور قریب ہیں۔ آجچھا نہیں دی عہد بنا ہے میں بیڑاں بڑھ چکے جو قوی کو کمزور کر دینا چاہو اور غیر اس مرض کے جو جسم کو گھلانے والا ہو اپنے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور حالات کو خوب پرکھتے ہیں اور کچھ حال کرانیا عہد پر کھٹے اور اپنا عہد بناتے، ان لوگوں کی سائے پر مت چلئے جو بات تو کہتے ہیں لیکن آپ کی ہی بات کی قدرت نہیں کہتے اور آپ کو شکر دیتے ہیں لیکن آپ کی خیر خواہی مطلوب نہیں۔

حضری نے لکھا ہے (محاضرات تفتح الائم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۸) کہ جب لوگوں نے کافی بحث کر لی تو امیر المؤمنین نے حضرت احنف سے فرمایا انا نقول یا ابا بکر ہاے ابو بکر کیا کہتے ہیں تو انھوں نے عرض کیا۔

نحنا قسم ان صدقنا وحقنا فاللہ ان ہم حق ہمیں تو آپ کا خوف ہے اور حضور ﷺ ہیں

کن بنا وانت یا امیر المؤمنین علم  
بیزید فی لیلہ و نهارہ وسرہ و علا  
ومدخلہ و محزجہ فان کنت تعلم  
للہ و لاملاتہ رضا فلا تشاور فیہ و  
ان کنت تعلم فیہ غیر ذلک فلا تزولک  
الذنی و انت صائر الی الاخرة و  
انما علینا وان نقول سمعنا  
واطعنا۔

ہم تو ہمارا کام ہے سنتنا اور اطاعت کرنا حضرت احنف جیسے دلیر اور ذی رتبہ شخص کی طرف یہ دو تقریریں منسوب کی گئی ہیں ہمیں ان پر بحث کی ضرورت نہیں یعنی نہ یہ کہتا ہے کہ ان تقریروں کی نسبت حضرت احنف کی طرف درست ہے یا نہیں اور نہ یہ کہ ان تقریروں کا کونسا مضمون کیا حیثیت رکھتا ہے ہمیں تو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان اجلاس میں موافق و مخالف قسم کی تقریریں ہوئیں اور کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کی گئی، حضرت صحابہ بن قیس نے قہری صحابی بڑی قوت سے اس تحریک کی تائید میں تھے۔ ان کی پر جوش تقریریں نقل کی گئی ہیں مسعودی شیعہ نے یہ پر جوش تقریریں اپنے طریقے پر نقل کی ہیں۔

اب ہم اہل مدینہ کی بابت مودودی صاحب کی گل نشانیاں بیان کرتے ہیں  
فرماتے ہیں (ص ۱۵۰-۱۵۱)

حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لئے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا "امیر المؤمنین نے تمہارے لئے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سمجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کرے ہے میں تو کوئی نئی بات نہیں۔ ابو بکر و عمر نے بھی

جانشین مقرر کئے تھے اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، اور انھوں نے کہا جھوٹ بولتے ہو تم اے مروان اور جھوٹ کہا معاویہ تم نے ہرگز اہمیت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے، تم نے قیصریت بنا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مر تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابی بکر و عمر نہیں ہے، انھوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کی جانشینی نہیں بنایا تھا، مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو ابھی ہے وہ جسکے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدِهِ اِنَّكَ (الاحقاف، ۱۷) حضرت عبدالرحمن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ چیخ اٹھیں کہ ”جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے محلے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے محلے میں آئی ہے جس کا نام میں پچھا ہوں تو بتا سکتی ہوں البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا“ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمن کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت جعفر بن عمر اور حضرت جعفر بن زبیر نے بھی زبیر کی ولیعهدی ماننے سے انکار کر دیا۔

یہ روایت اپنے ناشائستہ اصنافوں کے سبب بتا رہی ہے کہ اس کے راویوں میں کس ذہنیت کے لوگ ہیں۔ مودودی صاحب نے اس روایت کی خاص سند دی نہیں جانشین پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے سن وفات کے سلسلے میں ابی بکر وغیرہ کے نام لکھ دیئے ہیں۔ سند دی ہوئی تو رجال کی نقلی بھی کھول دی جاتی اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ اس کا متن ہی اپنی حقیقت بتا رہا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:-

۱- حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور آخر تک رہے۔ انھیں اگر اختلاف تھا بھی تو اسے حسن کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ اور یہ ناممکن ہے

کہ انھوں نے اپنے امام کے متعلق یہ لہجہ اختیار کیا ہو پھر وہ اس زمانہ میں دنیا میں جو رہی نہ تھے۔ بروایت اصح ۲۵ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور مودودی صاحب خود کہتے ہیں کہ زیاد کی وفات ۲۵ھ میں ہو جانیکے بعد ولیعهدی کی یہ تہرہ کی گئی تھی۔

۲- حضرت ام المؤمنین صلوات اللہ علیہا کے یہ الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدری البطلان ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکم بن عنت اگر ان کے لفر کی حالت میں کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ بیکار گئی کیونکہ وہ اسلام لائے اور حضرت مروان نے ساری عمر حکومت کی اور آخر میں خلیفہ ہے۔ پھر علم و فضل کے اعتبار سے انکا شمار اکابر امت میں ہوا۔ اور ان کے فتاویٰ اور فیصلے شرعی نظائر کی حیثیت سے صحیح میں مندرج ہوئے یعنی انھیں لعنت میں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا بلکہ بڑی رحمت ثابت ہوئی۔ اور اگر لعنت حضرت حکم بن عنت کے اسلام لانے کے بعد کی تھی تو حضرت مروان ان کی پشت سے جدا ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے وقت ان کی عمر نو دس برس کی تھی۔ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، صفار صحابہ اور کبار تابعین میں ان کی حیثیت مسلم ہوئی

۳- حضرت مروان نے اول تو سنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہو گا۔ اور اگر کہا تو صحیح کہا کیونکہ مسند اپنے بعد کے خلیفہ کو نام زد کرنے کا تھا اور یہ یقیناً سنت ابی بکر رضی اللہ عنہ ہے۔ رہا بیٹے کو نام زد کرنا تو یہ الگ بات ہے اور کتاب سنت میں اس کی کہیں ممانعت نہیں اور جب ممانعت نہیں تو اباحت خود بخود ثابت ہو گئی حضرت صلی اللہ عنہ کے آخر وقت ان کے بیٹے کی نامزدگی ہوئی تھی۔

۴- حضرت عبدالرحمن اگر اس وقت یقیناً حیات ہوتے بھی تو قیصریت کا کوئی ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ قیصر امر و ناہی ہوتا تھا۔ اور اسے یہ اختیار تھا کہ جو قانون چاہے بنائے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اس کی رعایا کے لئے قانون کا حکم رکھتا تھا۔ اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تمام معاملات





خود حجاز تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا، اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؑ حضرت ابن الزبیرؑ حضرت ابن عمرؑ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؑ ان سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔

اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انھوں نے مکہ کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے اس مرتبہ ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انھیں اپنے ساتھ لے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تنخیلے میں بلا کر انھیں بڑی کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا "آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجئے۔ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین بنانے لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنا لیں گے جس طرح انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کو بنایا تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت ابو بکرؓ نے کیا کہ اپنی جانشینی کیلئے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا دور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت عمرؓ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔"

حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا "آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟"

انھوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن الزبیر نے کہا ہے۔

اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا ہوں"

لہٰذا یہاں ایک دلچسپ بات جو داستان گو کے ذہن میں نہیں آتی ہے کہ اس نے ان حضرات کی زبان پر نہیں کہلوا یا کہ اگر تین طریقے منظور نہیں تو چوتھا وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت علیؑ کی بیعت کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا جس ظاہر ہوتا ہے کہ اس چوتھے طریقہ کو نہ یہ حضرات صحیح سمجھتے تھے اور نہ اس

اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تو اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا "ان میں ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کرو اور اسے تاکید کرو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔ اس کے بعد وہ انھیں لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا۔

"یہ مسلمانوں کے سزاوار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا نیز کسی کوئی عہدہ پر راضی نہیں اور انھوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔" (بحوالہ ابن اثیر ص ۱۵۲)

ابن اثیر نے واقعی یہ افسانہ نقل کیلئے ہے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مصنف ہیں (متوفی ۳۷۰ھ) جب تاریخ اسلام پوری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ ان کے تمام بیانات بغیر اسناد کے ہیں اور انھوں نے کہیں اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ایک مربوط کہانی کے طور پر تاریخ اسلام بیان کی ہے۔ یہ صرف اپنے زمانہ کے یا اس سے کچھ پہلے کے واقعات کے بارے میں تو مستند سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن قرون اولیٰ کے واقعات کے بارے میں ان کا بیان تیسرے کے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

انھوں نے یہ افسانہ جس مربوط شکل میں بیان کیا ہے، اور یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ ان چاروں اصحاب سے حضرت معاویہؓ کی یہی ملاقات مدینہ میں ہوئی اور ان کے رویہ سے بدل ہو کر یہ حضرات جب مکہ چلے گئے تو دوسری ملاقات وہاں ہوئی اور ان کی بیعت کا ذکر وہ واقعہ پیش آیا، اس طرح کا بیان ابن اثیر سے سو برس پہلے کہیں نہیں ملتا۔ قاضی ابو بکر بن نعیمیؒ (المتوفی ۸۵۰ھ) کے زمانے میں یہ ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں تھیں اور ان سب کا مدار وہب بن جریر بن حازم پر تھا یعنی کسی شخص نے ان وہب کی طرف منسوب

کر کے کوئی بات نہی اور کسی دوسرے نے کوئی دوسری بات۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی نے تینوں باتیں بھی بولی  
یہ روایتیں یوں ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ جب مدینہ حاضر ہوئے تو ابن عمرؓ، ابن ابی بکرؓ، ابن الزبیرؓ کے استقبال  
کے لئے نکلے۔ اور پھر حضرت معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر تعزیر کی اور خلافت کے لئے نیرید کی موزونیت  
بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ اور حج سے فارغ ہو کر حضرت ابن عمرؓ کو بلا کر بیعت  
کینے کہا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک شخص ہوں، بیعت  
کر لیں گے تو میں بھی کروں گا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلا یا اور  
ابھی سلسلہ گفتگو شروع ہی کیا تھا کہ یہ بیچ میں بول پڑے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے اور آپ کو اس  
معاہدے میں شوریٰ کرنا ہو گا یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ راکھ اہل شام کو تمہاری  
یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ میں رات کو یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ تم نے بیعت کر لی پھر حجتہ ملا  
جی چلے کرنا، پھر حضرت ابن الزبیرؓ کو بلا یا اور انھیں سخت سخت کہا کہ تم ہی نے ان دونوں  
کو بھی درغلا یا ہے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ  
ہو جائیے۔ ہم آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ تم دونوں کی بیعت کبھی جمع نہیں  
ہو سکتی۔ حضرت معاویہؓ باہر نکلے اور لوگوں سے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ، ابن الزبیرؓ اور ابن ابی  
نے بیعت نہیں کی حالانکہ وہ مطیع ہیں اور بیعت کر چکے ہیں۔ شامیوں نے کہا یہ یوں نہیں  
انھیں بیعت سب کے سلسلے کرنی چاہئے ورنہ ہم انھیں قتل کر دیں گے۔ حضرت معاویہؓ نے  
فرمایا سبحان اللہ! کیسے جلدی لوگ قریش کی برائی پر اس طرح تل گئے۔ آئندہ میں  
ایسی بات کسی کی زبان سے نہ سنوں گا یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔

اس روایت کی دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱- حضرت ابن عمرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابن الزبیرؓ تینوں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مکہ گئے مگر  
اور مدینہ کی تقریب سے لیکر حج ختم ہونے تک حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں  
کوئی بات نہیں کی۔ اور جب کی تو تینوں نے اپنی اپنی رائے الگ الگ بیان کر دی  
یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی کو نمائندہ بنایا گیا ہو۔ نیز یہ کہ حضرت حسینؓ کا اس میں کوئی

ذکر نہیں۔

۲- دوسری بات جو راوی کی چہالت ثابت کرتی ہے وہ حضرت ابن الزبیرؓ کے جواب  
میں ہے کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائے ہم آپ کے بیٹے سے  
بیعت کر لیں گے۔ آپ دونوں کی بیعت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت  
ابن الزبیرؓ جو امام الفقہار ہیں کیا وہ اتنی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ بیعت خلافت  
کی نہیں بلکہ ولایت عہد کی بی جا رہی تھی یعنی امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات کے بعد  
ولی عہد کو خلیفہ تسلیم کرنے کی۔

(۲) ابھی وہ بگ دوسری روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں جو تقریب کی  
تھی تو اس میں فرمایا کہ ابن عمرؓ کو بیعت کرنی ہوگی ورنہ میں انھیں قتل کر دوں گا۔ فرزند  
عبداللہ بن عمرؓ نے جو یہ بات سنی گھبرا کر کہہ روانہ ہو گئے تاکہ اپنے والد ماجد کو یہ بات بتائیں  
حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ سنا تو رو پڑے۔ ابن صفوان جو ان کے ساتھ تھے انھوں نے کہا  
کہ آپ کا ارادہ اگر جنگ کرنے کا ہو تو میں ساتھ دیتے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن حضرت  
ابن عمرؓ نے فرمایا میں صبر کروں گا۔ (گو یا حضرت ابن عمرؓ مدینہ میں نہیں تھے بلکہ پہلے ہی  
سے مکہ میں تھے) اتنے میں حضرت معاویہؓ نے مکہ پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے عبداللہ بن صفوان  
نکلے اور کہا کہ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ابن عمرؓ نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہیں کی تو آپ انھیں  
قتل کر دیں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں اور ابن عمرؓ کو قتل کر دوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا  
(یعنی منبر پر جو قسم کھائی تھی وہ بے معنی تھی۔ م)

(۳) ابھی وہ تیسری روایت یہ ہے کہ یہ سب حضرات مکہ میں تھے اور جب حضرت  
معاویہؓ وہاں پہنچے اور یہ استقبال کے لئے نکلے تو امیر المؤمنین نے فرمایا۔ میں اکیلا چلتا ہوں  
کوئی میرے ساتھ نہ چلے اور جب میں سواری مانگوں تو پیش کی جائے۔ پہلے حضرت حسین  
بن علیؓ آئے۔ حضرت معاویہؓ نے بڑے تلطف سے ان کا استقبال کیا، درج سزا ہوئے  
اور سواری منگوائی۔ کچھ دور چلے تھے کہ حضرت عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ آئے اور ان کا  
استقبال بھی اسی طرح ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابن عمرؓ

تشریف لاتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور سواری منگوائی گئی، پھر تھوڑی دور چلے گئے کہ حضرت ابن الزبیر نے ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی، اس طرح ان سب کو ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور حج ختم ہونے تک بڑی شگفتگی سے ساتھ باتیں رہیں۔ پھر وہ سب تھکے تھکے جو ردی صاحبین لکھا ہے۔

اس روایت کے مطابق چاروں حضرات مکہ میں پہلے سے موجود تھے۔ جب امیر المؤمنین کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی اور شہر کے عمائد آپ کے استقبال کے لئے نکلے، تو یہ چاروں صاحب شہر ہی میں رہے اور پھر چلے چاروں ایک ساتھ آنے کے ایک ایک کر کے ڈرامائی انداز میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نمودار ہوئے۔ راوی نے ترتیب بھی اپنے زاویہ نگاہ سے رکھی۔ اس کے نزدیک سب سے بلند رتبہ حضرت حسینؑ اس لئے وہ سب سے پہلے آئے۔ پھر حضرت صدیق کے بیٹے ادران کے بعد حضرت فاروقؓ کے چونکہ ابن الزبیر اس شخص کے نزدیک سب سے کم رتبہ تھے۔ اس لئے سب کے بعد آئے۔

دوسری چیز اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاروں نے اپنی اپنی رائے الگ نہیں بتائی بلکہ ابن الزبیر کو وکیل کیا اور وہ سب کی طرف سے بولے۔ تیسری چیز اس میں بھی وہ ہے جو راوی کی جہالت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حضرت ابن الزبیر جیسے ذکی و فطن شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے جب حضرت عثمانؓ کے انتخاب تک ہر انتخاب مختلف تھا۔ تو حضرت ابن الزبیر کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب اختلاف نہیں ہو سکتا۔

یہیں وہ تین نناناقص غیر مروط و ضعیف روایتیں جو ایک دوسرے سے بے خبر راویوں نے اپنی اپنی جگہ وہب بن جریر کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ ابن اثیر نے اپنے زمانے میں انھیں ایک مروط انسانے کی شکل دینے کے لئے برائے قائم کرنا کہ حضرت معاویہؓ کے برتاؤ سے بددل ہو کر یہ حضرات مکہ چلے گئے تھے۔ مگر انھوں نے یہ نہ سوچا کہ مکہ میں بھی تو امیر المؤمنین سے انھیں چھٹکارا ملنے والا نہیں تھا۔

امام ابن العربی نے ان تینوں روایتوں کو جمعاً بتایا ہے [ص ۲۱۹-۲۲۰] اور علامہ محمد بن عبد البر نے ہر روایت پر تنقید کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں ہم ناظرین کرام کو ایک اور بات پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ شاید مودودی صاحب کچھ عجزت پکڑیں۔

(۱) ابن اثیر المتوفی ۷۰۰ھ نے ساتویں ہجری میں جو مروط انسانے لکھا وہ ان سو برس پہلے امام ابن العربی کے زمانے میں (المتوفی ۵۰۰ھ) یعنی العاصم کی تالیف کے وقت ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں الگ الگ مشہور تھیں کوئی کہتا تھا کہ واقعہ یہ ہوا اور کوئی کہتا تھا یہ۔

(۲) امام ابن العربی سے دو سو برس پہلے شیعہ مروج مسعودی کے زمانے میں المتوفی ایسی کسی روایت کا وجود نہ تھا ورنہ وہ اسے ضرور نقل کرتا۔ کیونکہ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ پر قسم قسم کی چوٹیں کی ہیں وہ بنو بویکے دربار سے منسک تھا۔ جنھوں نے دنیا میں پہلی مرتبہ ہاتم حسینؑ کی ابتدا کی اور صحابہ کرام کی منقصت میں کتابیں لکھوائیں۔ اگر ادنیٰ درجہ میں بھی ایسی کسی روایت کا اسے کہیں سراغ ملتا تو درج کر کے بغیر نہ رہتا۔

(۳) مسعودی سے نصف صدی پہلے تیسری صدی ہجری میں دوسرے شیعہ مروج محمد بن جریر طبری ہوئے ہیں (المتوفی ۳۰۰ھ) وہ وہب بن جریر سے روایت کرتے ہیں لیکن انھوں نے ایسی کوئی روایت وہب سے نقل نہیں کی۔

علامہ ازین ابن اثیر سے لے کر وہب تک اور وہب سے لے کر ابوترکمان تک ایک یا ان تین روایتوں کی کوئی سند نہیں ملتی جو اس کے راویوں کی بابت کچھ کہا جا سکے غرض یہ ہے کہ امیر نیکو کی ولایت عہد کے سلسلے میں جو تھی صدی ہجری کے اوائل تک کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جیسی ابن اثیر نے بیان کی ہے۔ البتہ الامام والسیاستہ میں پہلی مرتبہ وہ روایت ملتی ہے۔ ان چاروں روایتوں نے حضرت معاویہؓ کا استقبال مکہ میں کیا اور اس ڈرامائی انداز میں ایک ایک کر کے تھوڑے تھوڑے

ذیل پران سے۔ پھر تہتے بیستے وقت گزرا اور آخر ان تینوں کو بلایا گیا پھر گئے کہ کیوں بلایا گیا ہے اور انھوں نے ابن الزبیرؓ کو اپنا وکیل بنا دیا جنھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو حضرت معاویہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بغیر وصیت کے اس دنیا سے جائیں یا حضرت صدیقؓ کی طرح ایک غیر شخص کو ولی عہد بنائیں یا حضرت فاروقؓ کی طرح چند آدمیوں کو نام زد کر جائیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ میں اعلان کرنے والا ہوں کہ تم سب نے بیعت کر لی اور تمہارے سروں پر تنگی تلوار کی لئے آدمی کھڑے ہوں گے۔ اگر تم میں سے کسی کے ہونٹ ہلے تو بات منہ سے نکلنے سے پہلے اس کا سر زمین پر پڑا ہو گا۔

الامامة والسياسة کے قالی مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب حضرات یعنی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ و حسین بن علیؓ سب سادھے سادھے کسی نے کچھ بھی نہ کہا قس ہو جانے کے ڈر سے کھر بتکلموا شئنا أحدنا سر القتل (ج ۱ ص ۲۰۰) ان وضعی روایتوں سے جہاں حضرت معاویہؓ کے لئے یہ بیانی کا الزام لگایا ہے وہیں ان سب بزرگوں کی بزدلی کا بھی کیسا برا نقشہ کھینچا ہے۔

الامامة والسياسة کے متعلق اہل تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم المعروف بابن قتیبة کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی مجهول قالی نے وضع کی ہے یہ کتاب لکھی ہے (ملاحظہ ہو العواصم من القواصم ص ۲۴۸ تالیقہ علامہ خطیبؒ) گویا ساتویں صدی ہجری سے لیکر تیسری صدی ہجری کی تاریخ کا جائزہ دیتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہم سے پانچویں صدی ہجری تک کے زمانے میں یہ تین مختلف روایتیں الگ الگ لوگوں نے وہ سب کے نام سے وضع کی تھیں اور ابن اثیر نے انھیں ایک مرویہ طے انسانے کی شکل میں پیش کر دیا جو کچھ تیسری صدی کے اوائل تک ایسی کوئی بات امت کو معلوم نہ تھی۔

سعودی کی مردج الذہب [ج ۳] کا مطالعہ واضح کر لے کہ امیر زبیرؓ کی

ولایت عہد کے سلسلے میں صحابہ کرام کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف یا بجزئی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر طرف کے وفود نے کثرت رائے سے اس کی تائید کی اور عالم اسلام نے قبول کر لیا۔ ایسی حکومت میں ابن اثیر اور ان کے بعد کے راویوں کا کوئی بیان کب لائق توجہ ہے۔ اور کسی صاحب علم کے لئے کبر و وسوسے کا ان فضولیات کو بطور حجت پیش کیے۔ اب ہمیں ایک طرح اور دیکھنا چاہئے کہ ابن اثیر نے جس طرح یہ افسانہ مرتب کیا ہے اور مروزی صاحب جو تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت اہل مدینہ میں یہی چاروں بزرگ اصحاب نمود تھے، لہذا حضرت معاویہؓ کے لئے ضروری تھا کہ انھیں رام کریں۔ حالانکہ یہ قصور قطعاً باطل ہے۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے جن کے سامنے یہ چاروں خوردوں کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، پھر ان چاروں میں دو تو بالکل ہی خورد تھے یعنی حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حمینؓ گویا سلسلے کا فیصلہ کرتے وقت رائے دینے والوں میں حضرت ابن عمرؓ تو بیشک تھے اور ان کے بعد حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اگر وہ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے لیکن حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حمینؓ اس وقت یہ حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ بزرگوں کے فیصلے کے خلاف جاسکیں۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام کا شمار تھا کہ تمام اہم معاملات میں حضرات اہمات المؤمنین سے مشورہ کر کے کوئی اقدام کرتے تھے۔ اور اس بارے میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقؓ کی بھی کوئی تخصیص نہیں وہ بھی اہمات المؤمنین کی رائے لیا کرتے تھے حالانکہ وہ ان کی بیٹیاں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے انھیں تمام امت میں جو عظیم ترین سر بلندی ملی ہے اس کا اقتضار بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو معارف و فہم میں خاص درج عطا فرمایا تھا جیسا کہ نص قرآنی سے ثابت ہے: وَ اذْکُرْنَ مَا یُنزِلُ فِیْ بُیُوتِکُمْ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَہِ (اور تم یاد کیا کرو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں) تمام امت میں سے یہ تخصیص اہمات المؤمنین کی ہے کہ وہ علوم نبویہ کی ایسی حامل ہیں کہ ان کو کوئی

نہیں پہنچ سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت خاصہ ان سب کو حاصل ہے۔  
 یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلے میں صحابہ کرام آنحضرت اہمات المؤمنین کی ہدایات حاصل  
 کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلیٰٰ علیہم ذالکما ابدا اب یہ  
 کسی طرح ممکن نہیں کہ حضرت ابن عمر حضرت عبد الرحمن بن عمر حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور  
 حضرت حسین اپنا موقف بناتے وقت اہمات المؤمنین سے استصواب نہ کرتے، اور  
 کسی درجے میں بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت ابن عمر نے سیدہ حفصہ سے عذر لیا  
 اور ابن الزبیر نے سیدہ عائشہ سے حضرت ابن عباسؓ نے سیدہ میمونہ سے  
 رائے نہ لی ہو۔ اور اس رائے پر عمل نہ کیا ہو۔

۶ چنانچہ ہم ان روایات و اسباب اور ان تمام تعویبات و خرافات کے مقابلے میں  
 صحیح بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں جس سے سب مسئلہ صاف ہو جائیگا۔

[ملاحظہ ہو ج ۱۶، ص ۵۸۹ اصح المطابع]

عن ابن عمر قال دخلت على  
 حفصة ووالداتها تنظف قلت  
 قد كان من اصحابنا من فاترين فلم  
 يجعل لي من الاثر شي فقالت  
 الحق فانهم ينظرونك وانشى  
 ان يكون في احتباسك  
 فرفة فلم تدع حتى ذهب

فلما تقرق الناسو خطب  
 معاوية قال من كان يريد  
 ان يتكلم في هذا الامر فليطعم  
 قرنته فلنحق احق به و

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں (ام المؤمنین)  
 حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی زلفوں سے اس  
 وقت پانی ٹپک رہا تھا غالباً سرد دھویا ہو گا، میں نے  
 عرض کیا آپ لوگوں کی باتیں دیکھ رہی ہیں اس معاملے  
 میں میری کوئی حیثیت نہیں سمجھی گئی آپ نے فرمایا وہاں  
 جا بیٹھو لوگ کہتے ہیں، انتظار میں ہیں اور مجھے ڈر ہے  
 کہ تمہارے رک جانے سے اختلاف نہ پیل ہو جائے۔  
 اور اس وقت تک انھیں نہ چھوڑا جب تک کہ چلنے نہ گئے۔  
 جب لوگ متفرق ہو گئے یعنی صرف خاص مجمع رہ گیا  
 تو حضرت معاویہؓ نے تقریر کی اور فرمایا ایک کئی تھا اس  
 بارے میں بلینا چاہیں تو مہرٹھا میں، ہم ان سے اور  
 ان کے والد دونوں سے اس امر کے اختلاف کے اثر

حفظہ ہیں۔

من ابیہ

قال حبيب بن مسلمة  
 فهلا احبته قال عبد الله  
 فحلفت جوتى وطمعت ان  
 اقول باحق برهنا الا منك  
 من قاتلك واياك على الا  
 فخشيت ان اقول كلمة تفرب  
 بين الجمع وتسفك الدماء  
 ويحمل عني غير ذلك فذ  
 ما اعد الله لي في الجنان  
 قال حبيب حفظت و  
 غصت

حضرت حبيب بن مسلمہ نے کہا پھر آپ نے  
 کوئی جواب بھی دیا، "حضرت عبد اللہ نے فرمایا میں  
 چاہا کہ اپنا جبوہ کھولوں اور کہے گا ارادہ ہے اس کا  
 زیادہ حق تو ان کا ہے جنھوں نے آپ کے اور آپ کے  
 والد سے اسلام کیلئے جنگ کی تھی، لیکن پھر میں ڈرا کہ  
 کہیں ایسی بات منہ سے نہ نکلے گا جو اجماع کے بعد  
 اقران کا موجب ہو، خوئی زبیری کی زبیر سے اور میرا  
 عذر یہ اس کے علاوہ کچھ اور سمجھ لیا جائے، لہذا میں نے  
 جنت کی بات نہ توئی اور کیا جو اللہ نے میرے تیار کی ہے  
 حضرت حبيب نے فرمایا اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے  
 سے محفوظ رکھا۔ اور غلط اقدام سے بچا لیا

اس صحیح اور ناطق حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

- ۱۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی ہمیشہ معظم ام المؤمنین حفصہؓ سے مشورہ ضروری سمجھا۔
- ۲۔ بیعت کا معاملہ مدینہ طیبہ میں طے ہوا تھا نہ کہ مکہ میں۔
- ۳۔ مسجد شریف میں پورا اجتماع تھا اور تمام اہل الزامی جمع تھے یعنی حضرت سعد بن  
 اور حضرت سعید اور دوسرے اکابر رضی اللہ عنہم۔
- ۴۔ حضرت ابن عمرؓ کے دل میں یہ خطرہ ہوا کہ ملی عہد ہونے کا زیادہ حق انھیں ہے تو  
 ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے یہ خطرہ رنج کر دیا۔
- ۵۔ حضرت ابن عمرؓ کی ایسی اہم شخصیت تھی کہ آپ کی عدم شرکت سے فتنہ کھڑا ہو سکتا  
 تھا۔
- ۶۔ آپ کے وہاں پہنچ جانے کے بعد بیعت کی تکمیل ہو گئی اور تمام بزرگواروں کے اجماع  
 سے یہ مسئلہ طے ہوا۔
- ۷۔ جب عوام اکٹھے اور خواص رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے اپنے گھرانے کا استحقاق

ظاہر کیا کہ کس طرح حکومت نبویہ سے لیکران کے اپنے عہد تک یہ گھرانہ امت کی قیادت کرتا چلا آ رہا تھا اور اسے کسی مقبولیت حاصل تھی۔

۸۔ حضرت ابن عمرؓ نے طیش میں جو کہنا چاہا تو صرف تحریر لیا تھا۔ معاویہؓ نے کسی قبیلہ بھی اسلام اور کفر کی آویزش میں اسلام کے مقابلے پر نہیں آئے تھے، اس لئے ان کے اس کہنے سے کہ آپ اور آپ کے باپ اسلام کیلئے جو لڑے تھے، اس مقصود مرزا تھا تھا کہ یہ باپ بیٹے اسلام بہت بعد میں لائے تھے اور اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں حضرت ابو سفیانؓ کفر کی طرف تھے۔ غزوہ طائف و حنین میں الیہ المؤمنین صلوات ہو کر آنحضرتؐ کی معیت میں رہے اور ایک آنکھ کفار سے لڑائی میں نہ لڑی تھی

۹۔ حضرت عبید بن مسلمہؓ مجاہد صحابی جو حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں تھے اور اپنے جہادوں میں مشغولیت کے سبب موقع پر موجود نہ تھے۔ بہت بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بات سن کر برازد خستہ ہوئے مگر حضرت ابن عمرؓ کا چپ رہنا انھیں مناسب موزوں معلوم ہوا۔

ظاہر ہے کہ طبقے اور عمر کے اعتبار سے امیر زیدؓ تابعی ہیں اور ان بزرگوں اور ان پر فضیلت نہیں تھی لیکن جن مصارع کی بنا پر انھیں ولی عہد بنا یا گیا وہ سب کی سمجھ میں آگئیں اگرچہ وقتی طور پر کسی رجبے میں کسی کو پسند نہ ہوا ہو۔

مگر یہ حدیث ان تمام فضولیات کا قلع قمع کرتی ہے جو اس سلسلے میں لوگوں نے وضع کی ہیں اور اس سے قطعی ثبوت اس کا ملتا ہے کہ امیر زیدؓ کی وجہی کا مسئلہ جمہور صحابہ کی رضائے سے ہوا تھا۔ اور یہ فیصلہ ان بزرگوں اور ان نے کیا تھا جن سے زیادہ نہ کسی میں دین کی سمجھ ہو سکتی ہے، اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص لائق اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار ہو سکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ کسی کو اس وقت کے احوال سے واقفیت ہو سکتی ہے اور نہ ان سے زیادہ حالات حاضرہ کی مصلحتوں کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اس وقت حضرات اہمات المؤمنین میں سے جتنی موجود تھیں ان سب کی اولاد اعزہ و اقربانے امیر زیدؓ کی ولایت عہد اور بعد میں خلافت بیعت کی اور اکثر بیعت پر مستقیم ہوئے

مثلاً حضرت ام سلمہؓ کے فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہؓ، حضرت میمونہؓ کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ وغیر ہم۔ اس بیعت کے وقت کوئی استثناء نظر نہیں آتا اب اللہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے بھی بیعت کی تھی جیسا کہ امیر زیدؓ نے اپنے قطعہ اشعار میں اس کا اشارہ کیا تھا۔

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے سگے بڑے بھائی تھے اور حضرت ابو بکر الصدیقؓ کی اولاد میں بھی سب سے بڑے تھے ان کی وفات اپنی سگی چھٹی بہن حضرت عائشہؓ رضویہؓ سے پانچ سال پہلے ۳۵ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر کیا گیا ہوگی تھی عات فجاءة سنة ثلاث وثمانین یجبل بقرب مکتة المعارف ابن قتیبہ ص ۲۷) دونوں بھائی بہن میں بڑی محبت تھی لوگوں نے جنازہ کو کندھوں پر لاکر حدود حرم میں دفن کرایا حضرت عائشہؓ کو محبوب بھائی کی جدائی کا بڑا قلق تھا مدینہ سے مکہ آ کر بھائی کی قبر پر گئیں حسرت سے یہ شعر پڑھے جو متمم بن نویر نے اپنے بھائی مالک کی جدائی میں کہے تھے۔

وکننا کتد مانی جدیمة حقیة من الدھ حتی قیل لمن یتصدعا  
فلما تفرقنا کانی وما لکنا طول اجتماع علم نیت لیلۃ معا

امام ابو محمد عبد اللہ بن قتیبہ الدیوبوری متوفی ۲۷۰ھ نے سن وفات ان کا صراحتاً ۳۵ھ لکھا ہے ان سے دو سو برس بعد کے مؤلف ابن عبد البر نے بھی ۳۵ھ ہی بتایا ہے اگرچہ لفظ قبیل کے ساتھ ۳۵ھ بھی یہ کہہ کر لکھ دیا ہے کہ اول الذکر سنہ کی روایت بکثرت ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی جو ابن قتیبہ سے پانسو برس بعد کے مؤلف ہیں ابن سعد ابو یوسف وغیرہ ہم کا بیان کر وہ ۳۵ھ و ۳۶ھ سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے ۳۵ھ کو جو حضرت عائشہ صدیقہ کے انتقال کا سنہ ہے غلطی سے ان کے بھائی کا بھی سن وفات قرار دے ڈالا حالانکہ ان کے یکایک مرتے اور حضرت عائشہ کے بھائی کی قبر پر جانے اور شعر پڑھنے کے سب حالات بھی لکھے ہیں۔ غرضیکہ حضرت عبد الرحمنؓ کا انتقال تحریر یک لیم ہدی

زید سے جب تین سال پہلے ہو چکا تھا تو یہ وضعی روایتیں خود بخود باطل ہو جاتی ہیں جو سبائی  
راویوں نے ان کی رائے ہوا کر کے کیلئے حضرت معاویہؓ کو متہم کیا ہے کہ انھوں نے ایک  
لاکھ درہم رشوت میں ان کو بھیجے تھے۔ اور مودودی صاحب نے البدلیہ ج ۷ ص ۹۹ کا حوالہ  
دے کر بھی یہ غلط بیانی کی ہے کہ یہ رشوت انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دی تھی۔ یہ  
مفتریات سب بعد میں وضع ہوئیں مودودی صاحب کا جبکہ دار و مدار چونکہ ان موضوعات پر  
اس نے اسی کے مطابق تنقید ہم نے کی ہے ورنہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر متوفی ۵۳ھ  
اس زمانہ میں یقیناً حیات نہ تھے۔

حضرت ابن الزبیر نے گو خلافت کی بیعت نہیں کی لیکن امیر المؤمنین زیدؓ کی زندگی  
بھر خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا حضرت حسینؓ نے سبائیوں کے دھوکے میں آکر خراج تو کر دیا  
لیکن کوئی بیعت صحیح حالات دیکھے تو موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المؤمنین سے بیعت  
کر لے کیلئے دمشق کی راہ پکڑی لیکن جب کہ بلا پہنچے تو آپ کے کوئی ساتھیوں نے ان کے  
دمشق جانے اور اپنے مارے جانے کے خوف سے یہ فساد برپا کر دیا جس کے نتیجے میں کربلا  
کا حادثہ رونما ہوا۔

۱۰۔ جب مدینہ میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تب حضرت معاویہؓ نے بلاد اسلامیہ میں امیر زیدؓ  
کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی۔

اگر سب شہزادوں میں بیعت پہلے ہو گئی ہوتی تو اہل مدینہ پر بھی ویسے ہی اس بیعت میں  
داخل ہونا واجب ہو جاتا اور نہ ہوتے تو منتر غان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی  
حضرت معاویہؓ جیسے بیگانہ روزگار مدینہ پر غلطی کیسے کر سکتے تھے کہ اہل مدینہ سے بیعت بعد  
میں لیں۔ اور پہلے وہ فساد کا سبب نہیں۔ اول صرف تحریک ہوئی تھی اور بیعت اہل  
مدینہ سے بیعت کر لی۔ یہ حدیث اس کی دھنچت کر رہی ہے۔ یہاں تو صرف  
ولایت عہد کا مسئلہ پیش تھا تب ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "میرا اس معاہدے میں خیال  
نہیں کیا گیا۔"

صحیح بخاری کے اس بیان کی موجودگی میں مودودی صاحب کی بیان کردہ خرافات کی

گیجائش کرب ہتی ہے اور کس طرح کوئی صاحب علم و ایمان یہ فنقول بات کہہ سکتا ہے جو  
مودودی صاحب نے امیر زیدؓ کے بارے میں کہا کہ (ص ۱۵۰)

دو باتیں بالکل واضح ہیں ایک یہ کہ زیدؓ کی ولی عہدی کیلئے اہل مدینہ  
تحریک کسی صحیح جذبے کی بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی  
مفاد کیلئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا  
اور دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ  
کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ زیدؓ بچائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا  
ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص اس سے قائم کرے کہ  
حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لئے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔

مودودی صاحب نے جو پہلی " واضح " بات فرمائی ہے اور حضرت معینؓ اور حضرت  
معاویہؓ دونوں کو ہوا بہت بتایا ہے تو ان کا یہ طنز صرف ان دونوں بزرگوں پر نہیں  
بلکہ ان سب پر ہے جنہوں نے اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور  
ان میں عظیم ترین صحابہ کرام کے علاوہ حضرات اہمات المؤمنین بھی شامل ہیں۔

دوسری " واضح " بات تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ امیر زیدؓ کا موزوں  
ترین ہونا ان بزرگوں کو معلوم تھا جنہوں نے ان کی ولایت عہد پر اجماع کیا۔ اور  
اجماع اس شان کا تھا کہ تمام امت کے سربراہ آردہ لوگوں سے استنقواب کے بعد ہوا  
تاریخ اسلام میں جس وسیع پیمانے پر استنقواب امیر زیدؓ کی ولی عہدی کے بارے  
میں ہوا۔ ایسا استنقواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں ان کی شخصی قابلیت اور فضائل بھی کم نہ تھے۔ ان کے علم و فضل ان  
کے تقویٰ و دینداری کا ان کی شجاعت و شہامت کا اور ان کی باہمیت و صلاحیت جہانگیر  
کا اعتراف ہم عصر امت نے کیا۔ اس سے بڑی اور کیا شہادت ہے کہ صحابہ کرام ان کے کارکن  
تھے، ان کے عامل تھے۔ ان کے سپہ سالار تھے ان کے صاحب خاتم تھے۔ اور ان کے



قاصی سے یعنی امیر المؤمنین زید کی خلافت عملاً صحابہ کرام کی خلافت تھی۔

اور یہ خلافت ایسی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف کھڑے ہونے کو خدا و رسول سے سب سے بڑی قہاری کہتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے جہاں ابی مرثدہ کی بغاوت کے وقت حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تھا ہم نے اس شخص سے خدا و رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی قہاری نظر نہیں آئی کہ جس کے ہاتھ پر ہم خدا و رسول کی بیعت کریں اس سے لڑنے کھڑے ہو جائیں۔

رہا حضرت حسینؑ کا نام خروج جو لقبول مخرج انحصری نتیجہ تھا نا تجربہ کاری و ناعاقبت اندیشی کا اعدام الاناة والتبصر فی العواقب) چنانچہ مزید کہا ہے کہ و علی الجملة فان الحسين اخطاه و عظم خطاه عظیماً فی خروجہ ہذا الذی جر علی الامۃ وبال لفرقة و الاختلاف و عززع عماد الفتحا الی یمناھن او قد اکثر الناس من الکتابۃ فی ہذا الحادث لا یریدون بذالک الا ان تشتعل لذران فی القلوب فی شجب تباعلھا غایۃ ما فی الامران الرجل طلبہا لم یجہا لہ و لم یعدا لہ عدتہ فحیل بینہ و بین ما یشتمہی و قتل دونہ قبل ذالک و قتل ابی قلم یجد من ا قلام الکاتبین من یشیع امس قتلہ و یرید یہ نار العداوۃ

تاجیجا و قد ذہبا لجمیع الی  
ارہم یجا سبہم کلی ما فعلوا۔

والتاریخ یاخذ من ذالک

عبدی وھی انہ لا ینبغی لمن یرید

عظائم الاموران یشیر الھما غیر

عدتھا الطبیعۃ فلا یرفعہ سلفہ

الا اذا کان معہ من القوۃ ما

یکفل لہ النجا ح او یقرب من

ذالک کما انہ لا یدان تکون

ہناک اسباب حقیقیۃ لمصلحتہ

الامتہ بیان یکون ہناک جو کما

ظاہر کلا لا یحتمل و عسف

شایدی نیور الناس عملاً ما

الحسین فانتہ خالف علی بن

وقد یایع الناس ولم یظہر

متہ ذلک الجور و لاعسف

عند اظہار ہذا الخلاف

(المحاضرات الحنفیہ ج ۱ ص ۱۳۵)

لکھنے والوں کے قلم روکے نہیں جاسکتے انہوں نے ان حسینؑ کے قتل کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے جس سے عداوت کی آگ بڑھتی آئی مگر یہ سب لوگ اب اللہ کے حضور میں پانچ بجکے ہیں وہ ہی ان کے کلمے کا محاسب بنے گا۔ لیکن س واقعہ سے تاریخ ایک عبرت دلاتی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص بڑے کاموں کا لارا دہ کرے تو مناسب تیاری سے پہلے ان کی جانب بڑھنا ٹھیک نہیں اور جب تک وہ اتنی قوت حاصل نہ کرے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے یا کم از کم اس کے قریب ہی ہو سکے تو اسے تلوار اٹھانا نہیں چاہئے نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے ایسے حقیقی طور سے موجود ہوں جو امت کے لئے اصلاح طلب ہیں یعنی میں طور پر ناقابل برداشت ظلم و ستم ہو رہا ہو اور لوگوں پر اتنی سنگلی ہو کہ وہ در ماندہ ہوں۔ مگر حضرت حسینؑ نے

امیر المؤمنین) زید کی مخالفت تو اس حال میں کی تھی کہ امت نے انکی بیعت کر لی تھی اور اس مخالفت کے اظہار کے وقت انکی راہب المؤمنین)

جانب سے کسی قسم کے ظلم و ستم کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

کا رخ تیز ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؑ نے ”گاری کو پھوسے صحیح پٹی پر ڈالنے کے لئے

اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا، نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی وقت

موردی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر زید کی بیعت و بیعتی سے نہ خلافت کی گاری

عہد ہی کا معاملہ تھا تو وہ اس وقت کیوں چپ سا رہ گئے تھے۔ جب بقول مودودی صاحب  
حضرت معاویہؓ نے ارباب سہل و عقده سے ولایت عہد کی بیعت لینے مدینہ تشریف لائے تھے  
اور ان پانچوں حضرات کے سروں پر جن میں حضرت حسینؓ بھی شامل تھے تلوار لٹکادی گئی  
یعنی "جان لڑائیے گا" وقت تو وہی تھا جب خلافت کی گاری کا کاٹنا بقول مودودی  
صاحب بدلا جا رہا تھا یعنی ۱۵ھ میں یزیدت بیعت و لعینہ ۱۵ھ سے ۱۵ھ کی پانچ  
پانچ سال کی مدت میں حضرت حسینؓ کا ہذیبہ ہرزوشی آخر کیا کرتا رہا۔ صفحات تاریخ پر  
دیکھا جاسکتا ہے کہ گاری کا تلخ موڑنے کیلئے جان کی بازی لگانے کے بجائے حضرت معاویہؓ سے  
برابر تعاون کر کے وظائف کی سالانہ رقم کے علاوہ گرانقدر عطیات بھی وصول کر کے  
شاد کام ہوتے رہے۔ خود مودودی صاحب کے مافذ الہادیہ میں صراحتاً بیان ہے کہ  
حضرت حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق جایا کرتے تھے۔ سچی بات جس پر سب  
اہل تحقیق متفق ہیں یہی تھی کہ حضرت حسینؓ نے مکہ سے عراق کا سفر اپنے بیوی بچوں کو  
ساتھ لے کر جان دینے کے لئے شروع نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس لئے شروع کیا تھا کہ تہذیب  
کو نبیوں کے مواعید نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا امکان پیدا کر دیا تھا اپنے معتبر  
ایجنٹ مسلم بن عقیلؓ کی رپورٹ موصول ہوتے ہی کہ کوفہ میں سب آپ کی بیعت خلافت  
کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اپنے سب عزیزوں اور خیر خواہوں کی رائے کے خلاف جن کیلئے کوفہ  
کی تلون مزاجی کا تجربہ تھا روانہ ہو گئے مگر ابھی منزل مقصود پر پہنچے ہی نہ تھے کہ خاصرے میں  
آجلانے کے بعد یہ تین شرطیں خود ہی پیش کیں۔

(۱) یا تو وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو  
جاں اور مسلمانوں کا ہوگا۔ اسی پر زندگی گزار دوں گا (۳) یا دمشق جانے دو کہ امیر زید کے  
ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں یعنی بیعت کر لوں۔ گورنر اور کمانڈر کو فوج دمشق بھیجے پراس شرط  
پر کارہ نئے کمان کے قافلے کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ان کے حوالے کئے جائیں۔  
تاکہ اس کا امکان باقی نہ رہے کہ اپنے ساتھیوں کے اثر میں آکر رائے تبدیل کر دیں اور  
دمشق چلنے کے بجائے او جاوسلی کے پہاڑوں پر چلے جائیں جیسا کہ کوئی ساتھیوں نے

مشورہ بھی دیا تھا اس گفتگو کے دوران مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں، اہل ان ساٹھ کو فیوں  
نے جو مکہ کے ساتھ آرہے تھے، فوجی دستے پر حملہ کر دیا اور یوں یہ واقعہ حزن انگیز پیش  
آ گیا۔

مودودی صاحب نے جن کتب کو اپنا ناقد قرار دیا ہے ان ہی میں آخری شرط کے  
یہی الفاظ موجود ہیں یعنی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۰، اور تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۸  
کے علاوہ شیعوں کے بڑے ممتاز عالم جوہنج البلاغۃ کی تالیف میں شریک ہے میں  
یعنی شریف المرتضیٰ مستوفی لکھتے ہیں اپنی تالیف السنانی (طبع ایران ص ۱۷) میں  
اس تیسری شرط کے الفاظ بطور دوسری شرط کے درج کئے ہیں:-

وقدروی انہ علیہ السلام حضرت حسینؓ سے بختہ روایت ہے کہ آپ نے  
قال لعمر وبن سعد اختار عمر بن سعد سے کہا میری تین باتوں (شرطوں)  
وامتی اھا الرجوع الی المکان میں سے ایک پسند کر لو (۱) یا تو اس جگہ لوٹ  
الذی اقبلت منہ اوان اضع جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں  
ییدی علی ید یزید فھو ابن اپنا ہاتھ زید کے ہاتھ پر رکھ دوں جب کہ  
ععی لیدی فی رایہا واما ان وہ میرے چپکے بیٹھے ہیں تو وہ سیر متعلق اپنی  
یسیر وابی الی تغیر من ثغوسا رائے خود قائم کر لیں گے (۳) یا پھر مجھ مسلمانوں  
المسلمین فاکون رجلاً من کی سرحدات میں کسی سرحد کی طرف روانہ کر دو  
اہلہ لی مالہ وعلی ما علیہ تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا پھر جو نفع و  
کتاب اثنا فی شریف المرتضیٰ ص ۱۷)

آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی  
ملے گا اور نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں  
کو ہوگی وہی مجھے بھی ہوگی۔

یہ روایت تو ایک ایسے خالی شیعہ مصنف کے قلم سے ہے جن کا زمانہ بھی مودودی  
صاحب سے تقریباً ساڑھے نو سو برس پہلے کا ہے اور وہ اسی کتاب نہج البلاغۃ  
کے مولفین میں بھی ہیں جس کی شرح کو مودودی صاحب نے اپنا ناقد قرار دیا ہے یعنی

شرف المرتضیٰ ابوالقاسم علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم  
بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی (زین العابدین) بن الحسین بن علی  
بن ابی طالب اور سلسلہ نسب بھی ان کا یہ نسبت مودودی صاحب کے خاندانی سلسلہ  
کے صحیح واسطوں سے حضرت حسین سے متصل ہوتے یعنی صحیح النسب حسینی اور غالی  
شیعہ ہونے کے باوجود شرف المرتضیٰ نے حضرت حسین کی پیش کردہ شرطوں کے اظہار  
میں تامل نہیں کیا۔

شرف المرتضیٰ سے ڈیڑھ سو برس پہلے کا ایک اور غالی مولف الامام متا و  
السیاستہ بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین نے سرکاری لشکر کے کماندار عمر  
بن سعد کو اپنی ہی شرطیں پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

لہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ قطب الدین مودودی چشتی بن خواجہ ابو یوسف چشتی کی نسب دالے مودودی  
کہلاتے ہیں مشیخ و صدوق کے تذکروں کی بعض کتب قبائل انوار و انوار العارفین کی تصدیقات کے علاوہ  
خود مودودی خاندان کے ایک مؤرخ مولوی آل حسن مودودی مولف تجلۃ التواریخ نے خواجہ  
قطب الدین مودودی کا سلسلہ نسب جلیل القدر الملقب بہ علی اکبر بن امام علی نقی سے ملایا ہے جو  
غلط ہے کیونکہ شیعہوں کے ان دسویں امام جناب علی نقی کے کوئی فرزند جلیل القدر الملقب بہ علی اکبر نہ  
صرف دو بیٹے حسن و جعفر نام تھے اول الذکر کو فرزند امیلیہ یا گیارہ سال امام مانتے ہیں وہ لادلمر گئے  
تھے۔ امامیہ نے ان کا فرزند محمد نام بتا کر اپنا امام فاضل قرار سے لیا ہے تاہم الذکر جعفر کو یہ حضرات  
کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے میں نہ رکھوں گے لادلمر گئے لیا تھا۔ ان جعفر کذاب کی نسب بہت بھیلی جو  
لوگ اپنے کو نقوی کہتے ہیں وہ سب ہی کی نسل سے ہیں خواجہ تھیل الدین مودودی چشتی کا مودری  
سلسلہ نسب ناہر الدین بن عبد اللہ رض بن حسن منٹی بن علی بن ابی طالب سے ملایا ہے وہ بھی  
غلط محض ہے۔ اس نام کے کوئی بیٹے عبد اللہ محض کے نہیں تھے اور نہ اس قسم کے نام رکھے گئے اور نہ  
اس زمانہ میں ہاشمی یا قریشی خاندان میں تھا۔ بھارت و پاکستان کے مختلف مقامات امر و سہ سہیل  
دہسوسای و بریلی و اجیر و جینا یاد دکن وضع کرتاں وغیرہ میں۔ مودودی گھلنے آباد ہے ہیں  
جن میں علماء و فضلاء سلسلہ نسب ہوتے تھے اور بعض صاحب مقصد و جاگیر بھی تھے، مودودی  
حضرات کے ناموں میں بیٹے خواجہ بالعموم لکھا جاتا تھا بعد کے زمانہ میں یہ لوگ سید لکھنے لگے ان  
میں جو صفوی مشرب تھے وہ بھی نیم شیعہ تھے شاہ اکبر علی چشتی مودودی ہی کے مشورے سے لکھنؤ  
کے خاندان اجینا کے بانی مولوی دلدار علی کی امامت میں شیعہوں کی نماز جمعہ و جماعت لکھنؤ میں  
شروع ہوئی تھی اور تمام شیعہ سلسلہ میں سوز خروانی کے موجب بھی یہی نظر کے خواجہ حسن مودودی تقریباً  
الاصف کے مصنف بھی تھے۔

یاعمر، اختر منی ثلاث خصال  
اما ترکنی ارجع کما جئت فان  
ابیت ہذا فاخای سیر فی  
الی الترتک اقاتلہم حتی اموت  
اوتسیر فی الی یزید فاضع یدک  
فی یدک فیکلم بما یرید فارسل  
عمر الی ابن زیاد بذا لک قرہم  
ان یسیر الی یزید۔  
ارادہ کر لیا۔

رج ۶ ص ۶ مطبوعہ مدرسہ ۱۹۵۶ء

ان تین صورتوں کی اجازت حاصل کرنے کی خواہش ہی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حسین  
نے کوفیوں کے مواعید کی قلع کھل جانے سے طلب خلافت کا خیال ترک کر دیا تھا اور یہی چاہتے  
تھے کہ کسی طرح اس کھیلے سے نکل جائیں، اثبات مدعا کیلئے تو یہی شرطیں کافی ہیں مودودی  
صاحب حضرت حسین کی ان تقریروں اور گفتگوؤں کو جو ان ہی کی کتب یا نسخہ میں ہیں نظر انداز  
کر گئے جو حضرت حسین نے کوفیوں کو مخفی طور پر کے مختلف انداز میں کی تھیں اور کہا تھا کہ تم نے ہی  
مجھے بلا لیا ہے اور اب تم ہی میرے خلاف تلوار اٹھتے ہو۔ مودودی صاحب ہی بتائیں کہ گاری  
کے آگے کھڑے ہو کر اپنی جان نرا دینے والے کے ہی تیور ہوتے ہیں یا اس شخص کا طرز عمل ہوتا ہے  
جو اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنے موقف سے رجوع کر لیتا ہے۔ حضرت حسین کی طہنت کی گرفت  
تھی کہ صحیح صورت حال کا جائزہ لے کر اور یہ جان کر کہ سب لوگ امیر المؤمنین یزید کی بیعت  
میں داخل ہیں۔ وہ بھی آمادہ بیعت ہو کر دمشق کی راہ پر چل پڑے۔ مسلم بن عقیل کے بھائیوں  
اور کوفیوں کے ناعاقبت اندیشانہ حملے سے قتال و جہل کی نوبت آ کر یہ اندوہناک واقعہ پیش  
آ گیا۔ جسے اب مختلف وغیرہ جیسے کذاب سبائی راویوں نے دیوالاٹی انداز میں پیش کر کے  
واقعات کو مسخ کر دیا مودودی صاحب اپنے طبعی رجحان سے بغیر تحقیق و اوقات محض لہر کر لیا  
اب ملاحظہ ہو اتفاقاً میرے مودودی صاحب ملتے ہیں ص ۱۵۳

اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔  
 خلافت کی جگہ شاہی تنازادوں (DYNASTIES) نے لی۔ اور مسلمانوں  
 کو اس کے بے اثر و جنگ پھر اپنی معنی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہ  
 کے حامد و مناتب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجباً حرام  
 ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں نے پھر سے دنیا سے  
 اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ  
 پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ یادی  
 کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے یہ  
 معنی ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔  
 یہاں سو دو دی صاحب سے ہم چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔

۱) آپ کے ہاں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟ یہی خرافات جو آپ نے اپنے مضمون میں  
 بھری ہیں یا آپ کے مضمون جن کا آپ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی ہیں تو کیا آپ  
 اپنی ہستی اس قسم کی سمجھتے ہیں کہ سب مسلمان آپ کی پیروی کے مکلف ہوں یا آپ کے نزدیک  
 بھی شرع سے آج تک کے مسلمانوں کی طرح صحیح اور غلط کا معیار اللہ کی کتاب و سنت  
 سنت، صحابہ کا اجماع اور وہ قیاس ہے جو ان سب پر مبنی ہو؟ ہم اس کا جواب واضح  
 چاہتے ہیں؟ اور پھر پوچھتے ہیں کہ اگر آپ صحابہ کرام کے متبع ہیں تو دین کے ماخذ کی روشنی میں  
 آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت کو کس طرح غیر قانونی کہنے  
 کی جرأت کر سکتے ہیں جبکہ جمہور صحابہ اور اہل اہمات المؤمنین نے ان کا ساتھ دیا۔ اور کسی نے  
 ان کی مہتموائی سے گریز نہ کیا۔

۲) مسلمانوں کی مرضی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ معمولی عقل رکھنے والوں کے نزدیک  
 تو ایک حکومت کی مقبولیت کی دلیل صرف یہ ہے کہ عام طور پر رعایا اپنے راعی کے ساتھ  
 ہوں اور اس کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوں ان کا ساتھ نہ دے اور ان کے غلط اقدامات  
 سے انھیں روکے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی معیار ہو تو ہم جیسے معمولی حیثیت والوں کو

عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ آپ اپنی سطح سے ذرا نیچے اتر کر ہماری سطح پر بات کریں تو شاید  
 کچھ سمجھ میں آجائے۔ ہم یہ بات غیر مسلح منتشر اور کم ہمت لوگوں کی نہیں کر رہے جو مجبور  
 ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی تنگ آمد جنگ آمد کے تحت وہ کچھ کر گزرتے ہیں۔ جو دنیا کو حیران  
 کر دے۔ مگر ہم بات کر رہے ہیں اس عہد کی جو خیر القرون تھا اور اس اُمت کی جس کا ہر فرد مسلح  
 تھا جس کے بچے بھی تیر و کمان سے کھیلنے تھے اور تلواروں کو اپنا کھلونا جانتے تھے۔ جس  
 قوم کا ہر بالغ شخص ماہر حرب و ضرب ہوتا تھا، جو وقت پر ان سب ہتھیاروں سے  
 مسلح ہو کر میدان میں اتر سکتی تھی جو حریف کی فوج کے پاس ہوں۔ ہم بات اس قوم کی  
 کر رہے ہیں جس کی زندگی اجتماعی تھی اور جو صورتیں ایک علاقے کے لوگوں کی اجتماعی زندگی  
 مقبوضہ کرنے کی ہوتی ہیں وہ سب اسے حاصل نہیں۔ ہم بات اس قوم کے افراد کی کر رہے ہیں  
 جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور بڑے بڑے جباروں اور قہاروں  
 کی سر اپنے قدموں تلے روند ڈالنے کے لئے جب چاہتے تھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ  
 قوم اگر حضرت معاویہ کے برپا کردہ نظام خلافت سے ناراض تھی تو اس نے اس حکومت  
 سے کھلو خلاصی کی کوئی موثر تدبیر کیوں نہ کی۔ اس میں وہی سچی کی غیر مسلح منتشر اور  
 حریف ملکوں میں بٹی ہوئی قوم جس کی حرارت دینی مانڈ پر چکی ہے اور جس کی عملی دروہانی  
 قوت پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں کے مقابلے میں ہیچ محض ہے وہ دنیا کی عظیم طاقتوں  
 کے مقابلے میں کھڑی ہو کر آزادی حاصل کیے اپنی مرضی کی حکومت قائم کر لیتی ہے اور  
 حاکم اگر ناپسندیدہ ہوں تو انھیں برطرف کر دیتی ہے۔ مگر ذرا فریب اگر اس پر کوئی مسلط  
 ہو جائے تو زیادہ دن اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتا اسے بھگتے ہی جیتی ہے۔ اس قوم  
 نے حضرت معاویہ اور ان کے بچے کے خلفاء کے خلاف کوئی موثر قدم کیوں نہ اٹھایا اور کیوں  
 ان لوگوں کا ساتھ نہ دیا جو وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے۔

یہ منظر ہمیں کیوں نظر آتا ہے کہ جو قوم دو ہزار اعلیٰوں میں پھیلی ہوئی تھی اور کفار کے  
 خلاف جہادوں میں مشغول تھی۔ اس قوم نے اپنے گھر کی خبر نہ لی اور حضرت حسینؑ کو جب امیر  
 المؤمنین بننے کے خلاف کھڑے ہوئے تو انھیں اپنی حمایت پر چند سو لوگ بھی نہیں مل سکے اور

چاروں طرف سے غزیروں، دوستوں، بزرگوں اور خوردوں، اپنوں اور غیروں سے یہی لے  
تھایا اور کسی ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ دیا تو درکنار ان کے موقف سے زبانی  
ہمدردی کا اظہار تک نہ کیا۔ تا آنکہ وہ اپنے موقف سے رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صحافت تالیف پر ہم کیوں دیکھتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کے بعض منجھلے لوگوں نے دوسرے  
مدعی خلافت حضرت ابن زبیر کے طرفداروں کے شہ دینے پر بغاوت کی تو خود شہر کی  
بڑی اکثریت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور عسکر خلافت کو اپنے محلے میں سے گزرا کر  
شہر پر قبضہ کر دیا۔ ہم یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ جب زید بن علی (زین العابدین) بن  
الحسین نے امیر المؤمنین ہشام جیسے مقبول امام امام کے خلاف کھڑے ہوئے تو  
انھیں دو سو گویوں سے زیادہ لوگ اپنی حمایت پر نہ مل سکے۔ حالانکہ اسی قوم نے  
بعد میں بربروں کی ہولناک بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔

یہ تمام دلائل تو ہر انصاف پسند کو اس کا بین ثبوت معلوم ہوں گے کہ امری خلا  
فت امت میں نہایت مقبول تھی اور سو برس تک تمام امت کی اور چار سو برس اندلس کے  
مسلمانوں کی حمایت اسے حاصل رہی، مسلمانوں کی مرضی کی حکومت، کا اگر کوئی اور  
معیار ہو تو وہ مودودی صاحب کے ذہن میں ہو گا۔

اب ہم ایک دوسرا سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ  
جسٹوں نے آپ کی معیت میں دین قائم کیا تھا اور جس کیلئے انھوں نے کبھی کسی نثر بانی  
سے دریغ نہیں کیا نیز حضرات اہبات المؤمنین سلام اللہ علیہم جن پر دین کی  
حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی ان سب سے حضرت معاویہ کا ساتھ دیا تو کیا  
یہ سب معاذ اللہ دین فروش تھے اور لقبوں روانفص مرتد ہو گئے تھے؟ آپ  
صاف صاف بات کیوں نہیں کہتے اور کیوں امت کو اپنی طولانی تحریروں کے چکر  
میں پھنسا کر اس راہ ڈالنا چاہتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی راہ ہے۔

(۳) مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ پر لعن طعن کرنا زیادتی  
ہے اسکا مفہوم بھی ہماری ناقص عقل میں نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کو خود اعتراف ہے کہ وہ

واجب الاحترام ہیں اور ان کی اس خدمت کا بھی انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کو  
ایک جھنڈے تلے جمع کر کے اسلام کی سر بلندی کا دائرہ وسیع تر کر دیا جس شخص کی یہ  
تعریف ہو اور وہ شخص ہو پہلی صدی ہجری کے وسط میں جبکہ امت صرف صحابہ نہیں  
پر مشتمل تھی تو اس کے معنی یہی تو ہونگے کہ سارے صحابہ و تابعین ان کی امامت پر متفق  
تھے۔ تو پھر ان پر لعن طعن کرنے والے کو محض یہ کیوں کہا جائے کہ ”زیادتی“ کر رہا ہے۔  
ذرا سوچئے جس صحابی کا تب و جی کی امامت پر اللہ اور اس کے رسول کو اعتبار ہو  
اسی کی امامت ددیانت پر اتہام لگانا۔ اور بدگوئی کرنا کیا موجب فضالت و گمراہی  
نہ ہو گا۔ مودودی صاحب صحابہ رسول کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

دستارہ جولائی ص ۳۳۰

بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب

الاحترام ہیں اور برا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو آئی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری

خدا بر بانی پھیرتا ہے اور ان کو مرتبہ کو بھول کر گالیاں دیتے ہر اترا نہیں

وہ ذرا اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں اور گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ صحابہ پر

بددیانتی اور بے ایمانی کے پتھان باندھنا کیا ”ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے

پر اتر گئے“ کے مترادف نہیں۔ کیا یہ امر باعث حیرت نہیں کہ مودودی صاحب کو حضرت

معاویہ کے شرف صحابیت ان کے حامی و مناقب اور ان کی اسلامی خدمات کا بھی

اعتراف ہے۔ اہم گرافی بھی ان کا یوں تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم“

گویا نام ناجی کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ تحریر کرتے سے مودودی صاحب کو اس کا

بھی اترا ہے کہ حضرت معاویہ سے خدا راضی تھا بائیں ہمارے انھوں نے سبائی ملک کی گھڑی

ہوئی مودودی وایت کے سہانے جس کی ساختگی اگلی مسطور سے بخوبی واضح ہو جائی

حضرت معاویہ پر ہر مسلمانوں کے دلوں پر زمرے کے حلیوں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت معیرہ بن

شعبہ پر امیر زید کی ولایت کی تحریک کے سلسلے میں ذاتی مفاد کی خاطر رشوت دے دلا کر لوگوں کا ایمان خریدنے کی برکونی سے اجتناب نہیں کیا، اور حضرت مغیرہ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" یا اس کی علامت "رض" بھی تحریر نہیں کی دراصل ایک ذمہ داری تھی جو بخت صحابہ کے تھے جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اور جن کی شان میں سورہ فتح کی یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ  
بَيَّعُوا نَذْرًا لِّلشَّجَرَةِ الَّتِي  
فَافِيَ قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّنِينَ  
وَأَنَابَهُمْ فَفَتْحًا قَرِيبًا

یقیناً اللہ نے مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے (اے رسول) بیعت کرے تھے سو اس نے جان لیا جو کچھ ان دلوں میں تھا پس ان پر تسکین نازل کی اور انھیں بدلے میں فتح قریب دی۔

مورودی صاحب ہی کی کتب ماخذ الاستیعاب والبدایہ والنہایہ میں لفظ مذکورہ حضرت مغیرہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی کینت ابی عبد اللہ قرظری تھی اور فرمایا تھا۔ قد عقروله ما تقدم من ذنبه و ما تاخر الا استیعاب ج ا ص ۲۵۰ یعنی حضرت مغیرہ ایسے خوش بخت صحابی تھے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا اظہار لسان نبوت سے فرمایا گیا۔ ابن کثیر نے بتایا ہے کہ صلح حدیبیہ کی وقت کفار قریش کے سامنے حضرت مغیرہ تلوار سونپتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے استاد رہے تھے کان واقفا يوم الصلح (الحجید بیہ) علی راس رسول الله صلى الله عليه وسلم بالسيف صلح الربدایہ ج ۸ ص ۲۴۴) پھر نبی کریم نے طائف کے بت خانہ کے انہدام کے لئے ان کو حضرت ابوسفیان کے ساتھ مامور فرمایا حضرت مخنف رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں فتوحات و اشاعت اسلام میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

غزوہ خندق سن ۶۲۷ کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے ۶۳۰ تک یعنی ۹۰ برس مسلسل حضرت مغیرہ نے شاندار اسلامی خدمات انجام دی تھیں بڑے عابد الہامی بزرگ تھے۔ حضرت علی نے ان کا یہ نیک مشورہ نہ مانا کہ حضرت معاویہ سے نہ لگاڑیں۔ مگر ہمتی ناک خور زیدی ہونے کے بعد بھی نتیجہ حضرت علی کے خلاف رہا اپنی وفات سے

چند ماہ قبل حضرت مغیرہ نے اپنے صوبہ کے حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولایت مقرر کر جائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آنکھیں بند ہو جائیں انقاد خلافت کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں اور امت میں پھرتوں خرابی کی نوبت آئے سبائی راویوں نے اس عاقلانہ مشورہ کو بری طرح مسخ کر کے پیش کیا ہی تھا مورودی صاحب نے ایسے عیسیٰ القدر صحابہ پر برداری کا بہتان باندھتے ہوئے جس انداز میں پیش کیا ہے وہ اور بھی افسوسناک ہے۔

قدیم مورخین کے بیان میں اس مرد دروایت کا اشارہ تا وقتاً تک بھی کوئی ذکر نہیں جو مورودی صاحب نے درج فرمائی ہے کہ حضرت مغیرہ نے تیس ہزار دینار میں لوگوں کا دل خردیا اور ولایت عہد کی تائید کیلئے وفد بھیجا۔ مورودی صاحب نے طبری کو ماخذ قرار دے کر متعدد حوالے دیے ہیں لیکن اس موقع پر طبری کا نام ان کے زبان قلم سے ادا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ لوگوں کے دین خریدنے اور رشوت دینے کا اسمیں اشارہ بھی کوئی ذکر نہیں ہے اسمیں تو صرف یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت مغیرہ نے بیعت زید کے بارے میں کارروائی کی اور ایک وفد اس بارے میں حضرت معاویہ کی خدمت میں بھیجا و عمل المعبرۃ فی بیعتہ زید و اوفد ذلک و افا الی معاویہ (طبری ج ۱ ص ۱۶۹) طبری میں جو البدایہ والنہایہ اور لوجہ کے مورخین کا ماخذ ہے امیر زید کی ولایت کے سلسلے میں اہل عراق کے صرف وفد کے بھیجے جانے کا ذکر ہے، ابن کثیر متوفی ۷۳۰ھ نے بھی ابن جریر طبری متوفی ۵۴۰ھ کی اسی روایت کے حوالے سے فقط اتنا ہی لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ نے ولایت عہد کی تحریک کو تقویت دینے کی کوشش کی تھی سعی المعبرۃ تو طیبہ ذالک (البدایہ ج ۸ ص ۷۹) ابن قلدون متوفی ۳۳۰ھ نے جو ابن کثیر مولف البدایہ کے ہم عصر تھے ولایت امیر زید کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مغیرہ کی کوشش کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

حضرت مغیرہ نے کو نہ بھیج کر ہوا خواہان دولت نبی امیہ سے اس کا (ولایت امیر زید) ذکر کیا ان لوگوں نے نہ کہا خوشی منظور کر لیا۔ مغیرہ

سنے ان لوگوں میں سے ایک گزہ بطور وفد اپنے لڑکے موسیٰ کے ساتھ دارالخلافہ دمشق کو روانہ کیا۔ اہل و قدر نے حاضر ہو کر ولیعہدی یزید کی بیعت کی درخواست پیش کی امیر معاویہ نے دریافت کیا "کیا تم لوگ اس کے راضی ہو؟" عرض کیا "ہم سب اور ہمارے سوا اور جتنے آدمی ہیں سب اس سے راضی ہیں" امیر معاویہ نے فرمایا "اچھا جو تم نے درخواست پیش کی ہے اس پر ہم غور کریں گے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حکم دیتا ہے سوچ کر آؤ" کہنا بہتر جملت کرنے سے (کتا ثانی جلد پنجم ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۲۲)

۷ محاضرات تاریخ اسلامی (ص ۲۱۶) میں بھی لکھنے کے خواہاں بنی امیہ یعنی "شبیحہ لبنی امیہ" کے وفد کا موسیٰ فرزند حضرت مغیرہ کی قیادت میں دمشق آنے کا وہی حال لکھا ہے جو ابن خلدون نے مندرجہ بالا عبارت میں بیان کیا ہے گویا ان مورخین نے جن میں قدامت و متاخرین دونوں شامل ہیں اشارتاً و کثرتاً بھی ارکان وفد کو رشوت دیکر ان کا ایمان خریدنے کا ذکر نہیں کیا مودودی صاحب رشوت دینے کی مودود روایت کے ان فقرات پر ابن کثیر کی ميسوط تالیف الایمان والہدایۃ کا غلط حوالہ یوں دیا ہے۔

(الابن ابی ساج ص ۷۹) اور لکھا ہے کہ:-  
 "حضرت معاویہ نے موسیٰ بن مغیرہ (م) کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارا باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خرید لیا ہے؟" انھوں نے کہا۔  
 "تین ہزار دینار میں" حضرت معاویہ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"

مگر ایسا صحیح ۸ کے ص ۷۹ پر یا کسی اور صفحے پر مودودی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا نہ کوئی لفظ ہے اور اس کے اعتبار سے رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے کا کوئی اشارہ۔ کتاب الایمان والہدایۃ میں مطبوعہ ہے ہر شخص یا سنی مطالعہ کے معلوم کر سکتا ہے کہ مودودی صاحب کی جملہ تصانیف کا حوالہ دے کر بھی ایسی بے فربہ نفاذ بیانی کا ارتکاب کیسے جو ایک عالم کے مرتبہ کے منافی اور جو امت اسلامی کے

امیر و رہنما کے بلند مقام سے بہت فروتر ہے وہ تو ماشا اللہ اب جو اتنی دیوانی کی مدد و شہول سے گزر کر سن کہولت کے حدود میں پہنچ چکے ہیں تعجب ہے اور تا سبب بھی کہ انھوں نے صحابہ کرام پر "رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے" کا بہتان باندھے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ کون سے جوڑے کیا تھا وہ شیعہ لبنی امیہ، ہوا خواہاں و طرفداران بنی امیہ کا تھا جنہیں رشوت دیکر انکی رائے خریدنے کا امکان ہی نہ تھا پھر حضرت مغیرہ نے امیر یزید کی ولیعہدی کی تحریک اس زمانے میں کی تھی جب حضرت مغیرہ بوہدین کہولت پبلک خدمات سے سبکدوش ہو رہے تھے اور جب روحی عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور دیگر معارف عظیمہ میں امیر یزید کا رہائے نمایاں انجام دیکر اور ۱۹ھ کے مشہور جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے انتظامی صلاحیتوں اور اپنے ذاتی شجاعت و شہامت کے جوہر دکھا کر زبانِ ملت سے فتی الحرب و عز کے مورما کا خطاب پا چکے تھے۔ اپنے ماخذ البدایہ والنہایہ (ترجہ ص ۵۱) میں مودودی صاحب نے غالباً پڑھا ہو گا۔ کہ صحابہ کرام کی جو جماعت قسطنطنیہ کے جہاد میں امیر یزید کی قیادت و سپہ سالاری میں شریک ہوئی تھی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابوالیاس انصاری، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت حسین کے چچا حضرت عبداللہ بن عباس اور خود حضرت حسین بھی شامل تھے۔ شیعہ مورخ حبیبس امیر علی نے بھی حضرت حسین کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے (مہٹری آف سیرسین ص ۸۷) مورخ اسلام علامہ ذہبی جو الامین عساکر کہتے ہیں۔  
 وقد الحسنین علی معاویہ تا و حضرت معاویہ کے پاس حضرت حسین وارد  
 عن القسطنطنیۃ مع یزید ہوئے اور (امیر یزید کے ساتھ جہاد  
 قسطنطنیہ میں شریک ہوئے۔

(ج ۲ صلا)  
 صحیح بخاری (ج ۱ ص ۲۱۰) میں مدنیہ قیصر (قسطنطنیہ) پر صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی مفعولاً لہم سے اس لشکر کی بشارت مغفرت منقول ہے۔ غازیان اسلام کا وہ یہی لشکر تھا جس کی قیادت امیر یزید کی تھی۔ اور سان نبوت سے بشارت مغفرت پائی تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

کہ اسی بشارت مغفرت کی خاطر امیر نے اپنے جہاد کیا تھا۔

غرض کہ اس مجاہد و غازی قریشی نوجوان امیر نے بڑی کی نمایاں کارکردگیوں، استقامتی صلاحیتوں اور دیگر اوصاف حمیدہ کی بنا پر ولیعہمدی کی تحریک حضرت مغیرہ جیسے سابقوں الاولوں کے زمرے کے جلیل القدر صحابی نے ملت اسلامیہ کے مفاد کیلئے پیش کی تھی نہ کہ بقول مودودی صاحب اپنے ذاتی مفاد کیلئے، حضرت مغیرہ تقریباً پچاس سال متواتر شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کے بعد بجز ضعف پیری کہ ۷۰ سال کا سنہ تھا اپنی ہی مرضی اور خواہش سے انتظامی معاملات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے تھے انہوں نے ملت اسلامیہ کی متعدد سیاسی گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھانے میں نمایاں حصہ لیا تھا اب اپنے آخر وقت کہ یہ تحریک پیش کرنے کے قحوطے ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا تھا انہوں نے امیر المؤمنین حضرت معاویہ کو منوبہ کیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولایت عہد کا انتظام کر جائیں تاکہ سیاسی قسمت آریاؤں کے فتنہ و فساد میں ملت کو حسبِ سابق خونی زریں میں مبتلا ہونا نہ پڑے سبائی راویوں کے سہارے مودودی صاحب نے ایسے بزرگ صحابی کی نیک نیتی پر جو غزوہ خندق کے وقت جہاد ہو کر نبی کریم کے پاس آئے تھے قدم مہاجر الالاستیحا ج ۱ ص ۵۰) چوڑھرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی لحاظ نہ کیا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَنَا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا  
وَلَاؤًا وَكَلَّفْنَا فِيهِمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا  
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب بچے اور سچے مومن ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

**حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما** مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۶) بحوالہ الاستیحا ج ۱ ص ۵۰) حجاج بن یوسف کو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر نے خط لیا کرنے اور نماز جمعہ میں صدر سے زیادہ تاثیر کرنے پر ٹوکا، تو اس نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں اس پر ضرب لگاؤں"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابہ ہیں اور امیر المؤمنین عبدالملک کے روحانی مربی ان کی جناب میں امیر حجاج کو گستاخی کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی یہاں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین کا امیر حجاج کو حکم یہ تھا کہ تمام امور میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہدایات پر عمل کیا کریں چنانچہ ملاحظہ ہو صحیح البخاری ج ۱ کتاب الحج ص ۲۸۹

[باب قصی الخطیبة بعفہ]  
عن سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ امیر المؤمنین (عبدالملک بن مروان نے امیر) حجاج کو زمان بھجوا کج میں (حضرت) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اقتدا کریں۔ چنانچہ جب عرفہ کا دن آیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور میں ان کے ساتھ تھا اس وقت آفتاب نیچے ہو گیا تھا یا فرمایا دھل گیا تھا تو انہوں نے ان کے نیچے کے قریب آکر زور سے پکارا۔ کہاں ہیں یہ، تو وہ باہر آگئے۔ (حضرت) ابن عمر نے فرمایا کج کر دو، انہوں نے عرض کیا "ابھی؟" فرمایا "ہاں، تو انہوں نے عرض کیا "اتنی دیر انتظار کیجئے کہ میں دربار میں ہوں۔ پانی ڈال لوں۔" تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اتر پڑے تاکہ وہ باہر آکر میرے والد کے درمیان چھٹنے لگے۔ میں نے کہا اگر آج آپ سنت کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں تو خطبہ چھوڑنا کیجئے اور بیٹھے کم۔ (تو حضرت) ابن عمر نے فرمایا "بیچ کہا"

یہ تھی امیر المؤمنین کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی شان اور یہ تھا انکار و بدیہ امیر حجاج



کے ساتھ۔ ایسی صورت میں کون باور کر سکتا ہے کہ امیر حجاج نے حضرت ابن عمر کے ساتھ ایسی گستاخی کی ہوگی۔

### حضرت عبدالملک

امیر المؤمنین عبدالملک کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے (ص ۱۶۶) بحوالہ ابن الاثیر وغیرہ۔

عبدالملک بن مروان ۷۵ھ میں حیب مدینہ گیا تو منبر رسول پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ ”میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔ اب اگر کسی نے مجھے اتق اللہ کہا (یعنی اللہ سے ڈرو) تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔“

یہ لغو اور جھوٹی روایت دس اہل الکدی کی ہے۔ سیوطی نے بھی حسب عادت اسے نقل کیا ہے مگر کبھی کے متعلق وہ کہتے ہیں وہ ہو متصہر بالکذب اس پر جھوٹا ہونے کا الزام [تاریخ الخلفاء ص ۸۸ طبع مصر نذیل عنوان امیر المؤمنین عبدالملک] اب اہل علم کو سوچنا چاہئے کہ اس جھوٹے شخص کی روایت قبول کر کے امت کے متفق علیہ امام کے متعلق ایسی لغویات کیسے قبول کی جاسکتی ہے اور وہ بھی منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صیباہ کرام کے سامنے تعجب مودودی صاحب جیسے لوگوں پر ہوتا ہے جو اس قسم کی لغو روایتیں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ انھیں یہ خیال نہیں رہتا کہ امیر المؤمنین عبدالملک اس شان کے خلیفہ ہیں کہ ان کے فتاویٰ اور فیصلے امام مالک اور امام بخاری نے بطور نظر شریعہ نقل کئے ہیں۔ زمرہ تابعین کے چار ممتاز فقہائے مدینہ حضرت سعید بن المسیب وغیرہ بن زبیر و قبیسہ بن زہب کے علاوہ چوتھے حضرت عبدالملک تھے۔ مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ (ج ۱ ص ۶۲) میں علوم دینیہ میں ان کی فضیلت و بصیرت کو کتنا سراہا گیا ہے کہ مدینہ کے اپنے ہم عصر لوگوں میں وہ سب سے زیادہ فقیہ اور قاری کتاب اللہ تھے، علامہ بن کثیر نے شعبی کا یہی قول خلیفہ عبدالملک کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جس کسی عالم سے میری محاسنت رہی میں نے اپنے لئے اس سے افضل پایا سوائے عبدالملک بن مروان کے کہ ان سے گفتگو میں میرے علم میں

اضافہ ہوا۔ چاہے حدیث کا ذکر ہو یا شعر کا۔ ایسے بلند پایہ محدث و قاری کتاب اللہ و امام المسلمین اور اموی خلیفہ کی ذات پر ناسختی خونریزی اور شقاوت قلبک اتہام اور حکومت قائم کے غلات حسنی و فاطمی نسب باغی کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر ”مہدی“ ہونے کا مدعی ہو زلف زکیہ کا لقب!!

امیر المؤمنین الولید | امیر المؤمنین الولید جیسے یگانہ رزگار اور عظیم النظر و امام المسلمین کے متعلق کہتے ہیں عقد الفرید کے حوالے سے جو تاریخ کی کتاب نہیں ادب کی ہے اور ادب میں بھی ادبا اسے حجت نہیں سمجھتے۔ لکھتے ہیں:-

ولید بن عبدالملک نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا ایک شخص نے اٹھ کر کہا یہ امیر المؤمنین وقت آپکا انتظام نہیں کر لیا اور نماز میں تاخیر کرنے پر آپ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔ ولید نے جواب دیا: ”اے شخص تو نے سچ کہا مگر ایسے راست گفتار آدمی کی جگہ وہ نہیں ہے جہاں تو کھڑا ہے۔“ چنانچہ اسی وقت شاہی باڈی گارڈ نے اسے قتل کر کے جنت پہنچانے کا انتظام کر دیا۔

کوئی صاحب عقل کیا یہ عمل روایت قبول کر سکتا ہے؟ آدمی جمعہ کی نماز کیلئے آئے اور اتنی دیر خطبہ دے کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگے تو یہ خطبہ کتنے گھنٹے کا ہوا؟ اور جمعہ کی نماز کہاں گئی کہ ظہر کی بھی نہ ہو سکی اور عصر کا بھی وقت طلتے لگا! تاریخ کا معمولی طالب بھی جب اس عظیم المرتبت امام ولید بن عبدالملک کے احوال پر نگاہ ڈالے گا تو پکاراٹھے گا کہ حسین قوم میں ایسا امام ہوا ہوا سے حق ہے کہ تمام اقوام عالم کے سامنے اس سنی پر فخر کرے کیونکہ امیر المؤمنین ولید وہ امام و خلیفہ تھے جنہوں نے اگر ایک طرف تین برا عقلموں میں اسلام پھیلایا تو دوسری طرف ساری مملکت میں عظیم الشان مساجد بنوائیں، مسافر خانے بنائے شفاخانے قائم کئے شاہ راہیں درست کیں نہریں نکالیں حرمین شریفین کی توسیع کی۔ تبلیغ اسلام کیلئے ہزاروں سرکاری مبلغ مقرر کئے جو کافروں



سائے مخی تو وہ ایسی غلط اور غلط واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ حضرت معاویہؓ نے خلافت کے لئے تلوار چھوئی۔

بیز شہورہ کے حکومت پر قبضہ کرنا الزام بھی وہی لگا سکتا ہے جو اصحاب رسولؐ قدر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ سکتا تھا اور ان کے متعلق یہ مورخین رکھتا ہو کہ کوئی شخص انکی مرضی کے بغیر اس پر مسلط ہو سکتا تھا۔ حسن بصری جو ان اصحاب کرام کو جانتے تھے اور انکی صحیح تھی انھیں نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی تو وہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ حضرت معاویہؓ سے وہ بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یا حضرت حسنؓ نے ان سے بغاوت کھلی کی، صحیح بخاری خود انہی کے حوالے سے ان تمام وہی خیال کی طرف اشارہ کر رہی ہے رہا امیر بصری کی ولایت عہد کا مسئلہ تو اس کے باب سے میں بھی خواجہ حسن بصری یہ فقہول اور لغویات کیسے کہہ سکتے تھے جبکہ انھیں علم تھا کہ مسئلہ اجراء صحابہ سے طے ہوا تھا۔ اور نہ وہ ان کے کردار کے متعلق یہ جھوٹی باتیں کہہ سکتے تھے انھیں کیا علم تھا کہ جب حضرت ابن الزبیر کے داعیوں نے اہل مدینہ سے بغاوت کرانی چاہی تو ہاجرین و انصار نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے ان کے اس اقدام کو خدا و رسول سے بغاوت قرار دیا؟ امیر المؤمنینؓ بصری اگر ایسے ہی ہوتے جیسا اس وقت میں دکھایا گیا ہے۔ تو صحابہ کرام کا موقف بہ گروہ نہ ہوتا جو صحیح ترین ماخذ کے ذریعہ عیاں ہے۔

امیر زیاد کی جو بات کہی گئی ہے تو یہ مسئلہ فقہ کا ہے اور جو حکم بیان ہوا ہے یہ اسلام کا ہے۔ اس کو جاہلیت کے زمانے پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے۔ حضرت زیادؓ جاہلیت کے اس دور کے مطابق پیدا ہوئے تھے جو عرب میں اس وقت جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے صحیح فیصلہ یہی تھا کہ انھیں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا درجہ تسلیم کیا جائے۔ ابن اثیر ساتویں صدی کے آدمی ہیں اور ان کا ہر بیان بغیر سند کے ہے ہذا خواجہ حسن بصری کا یہ بیان کسی درجے میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ قریب اہم روگوں کا بیان اس سے مختلف ہے مثلاً قدیم مورخ و نساب ابن قتیبہ متوفی ۲۵۰ھ

المعارف میں حضرت ابو سفیان کی اولاد میں امیر زیادؓ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں  
زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ  
واما زیاد بن ابی سفیان  
فکان یکنی ابا المغیرۃ و امہ  
اسماء بنت الاعوس من بنی  
عیشی بن سعد ہذا قول  
ابی الیقظان وقال غیر امہ  
سمیہ ام ابو بکرۃ  
زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ اور  
زیاد بن ابی سفیان انکی کیفیت ابو خیرہ  
تھی ان کی والدہ اسماء بنت اللہ  
تھیں جو بنو عیشی بن سعد سے تھیں  
یہ قول ابو الیقظان نساب اہل کلب  
اور دوسروں کا قول ہے کہ انکی ماں  
سمیہ تھیں جو حضرت ابو بکرؓ کی والدہ  
تھیں۔

البلاذری نے نساب لاشراف میں امیر زیادؓ کو ابن ابی سفیان ہی لکھا ہے اور اسی اعتبار سے ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر تفصیل سے کیسے پھر امیر البلاذری نے فتوح البلدان میں بتایا ہے (ص ۲۲۵ ج ۲ ترجمہ مولانا ابوالخیر مودودی) کہ ام المؤمنین عائشہ صلوات اللہ علیہا نے امیر زیادؓ کو جو خط لکھا تو اسے شروع یوں کیا امی زیاد بن ابی سفیان میں عائشہ ام المؤمنین زیاد بن ابی سفیان کی طرف عائشہ ام المؤمنین کی جانب سے پھر ہے موطاء نام مالکؓ جس میں انھیں زیاد بن ابی سفیان ہی لکھا ہے۔ یہاں ایک یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ حضرت ام المؤمنین صلوات اللہ وسلامہ علیہا ساری امت کی ماں ہیں وہ اس حیثیت سے اول اپنا نام لکھتیں پھر امیر زیادؓ کا لیکن شریعت اسلامیہ کے مطابق جو آداب بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ حلیقہ اور امیر کا نام اول لکھا جائے اگرچہ کتاب اس سے درجے میں ارفع و اعلیٰ ہو اور یہی شعار صحابہ کرام کا تھا اب کیسے چاہئے مودودی صاحب کی وجہ سے وہ خلفاء اسلام کے ذکر کے وقت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے امیر المؤمنین معاویہؓ کو جو خط بھیجا تو اس میں اول انکا نام لکھا اور پھر ابن ابی سفیان۔ الادب المفرد ترجمہ ص ۱۰۹ [بسم اللہ الرحمن الرحیم لعبد اللہ معاویہ امیر المؤمنین من زید بن ثابت

ایسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے امیر المؤمنین عبدالملکؓ کو بیعت نامہ بھیجا ہے تو وہ بھی اسی طرح لکھا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اواجعل ل عبد اللہ عبدًا عبدًا عبدًا امیر المؤمنین من عبد اللہ بن عمر۔ لیکن مودودی صاحب کو چونکہ صحابہ کی سنت سے انحراف اور جماعت اور اس کے ائمہ کی ان کے دل میں عزت نہیں اس لئے وہ خلفاء کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن اثیر نے خواہہ حسن بصری سے یہ بیان بالکل جھوٹا منسوب کیا ہے اس کے ایک لفظ کی ہی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں۔ یہ تو کسی غالی سبائی کی ساختگی ہے تاکہ خواہہ حسن بصری کا نام لے کر جو صوفیوں کے ائمہ میں سے تھے وہ ناراض فطرت والوں پر یہ اثر ڈالے کہ خواہہ موصوف کے نزدیک امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ جو صحابی اور کاتب خاتم النبیین تھے وہ نفوذ بالبر من ذلک سیدھے جہنم گئے۔ جب ایک بات ہلاک کر کے لے گئی ہر تو چاروں باتیں تو بدرجہ اولیٰ انہیں جہنمی بنا دیں گی۔

یہ کذب و افتراء تو خواہہ حسن بصریؓ سے منسوب ہے ایسے اور بھی بہتان تراشے گئے جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ افتراء منسوب کیا گیا اذ اس ایتم معاویہؓ تا علی منبیری فاقتلوا (معاویہ کو جب میرے منبر پر خطبہ دیتے) دیکھو تو اسے قتل کر ڈالو تعجب ہے کہ مودودی صاحب نے یہ حدیث کیوں نقل نہ کی خواہہ حسن بصری سے منسوب قول نقل کرنے پر ہی کیوں اکتفا کیا۔ اس قسم کے لغو اقوال کو حضرت معاویہؓ کے بارے میں نقل کرنے سے تو ہی بچھا جاسکتا ہے کہ مودودی صاحب کو حضرت معاویہؓ کا صحابی و کاتب وحی ہونے کی تسلیم نہیں اگر وہ انہیں صحابی و کاتب وحی جلتے اور مانتے ہیں تو کیا صحابی و کاتب وحی کی اس طرح تفتیش ان کو مسلک میں جائز ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا یہ قول تو انہوں نے ضرور پڑھا ہوگا اذ اس آیت الرجل ینقض حدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق (جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک کی بھی تفتیش کرتا ہے تو جان لو وہ زندیق ہے)

امیر المؤمنین یزیدؓ کے دور میں مودودی صاحب نے حادثہ ذکر بلا کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اسکا تعلق نہ تاریخ کے ہے نہ واقعات ثابتہ سے اور نہ ہم عصر امت کے تاثرات سے۔ بلکہ کذب محض اور افتراء خالص کے علاوہ اسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ عنوان قائم کیلئے یزید کے دور میں فرماتے ہیں (ص ۱۴۹)

حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کیلئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتداء ہوئی تھی، ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی اسکے زمانے میں تین ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیا کے اسلام کو لرزہ انداز کر دیا۔ پہلا واقعہ سیدنا حسینؓ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسر بغاوت سمجھی تھی۔ ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کیلئے قطع نظر کرتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؓ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں، اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ انکا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔

تاہم اس معاملے میں یزید کی حکومت کا لفظ نظر ہی صحیح مان لیا جاتا ہے یہ تو امر واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کے بال بچے تھے اور صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادے، اسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا، ان کے مقابلے میں عمر بن سعد بن ابی وقاص کے تحت جو فوج کو ذمے بھیجی گئی تھی اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمیعت سے جنگ ہی کرتی

اور اسے قتل کر ڈالتی۔ وہ اسے محصور کر کے باسانی گرفتار کر سکتی تھی۔ پھر حضرت حسین نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ با تو مجھے واپس چلنے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو یا محکمہ بزرگ کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کو قتل کرنا ہی کے پاس چلنا ہو گا۔ حضرت حسین اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انھیں معلوم تھا۔

آخر کار ان سے جنگ کی گئی۔ جب ان کے سامنے ساتھی شہید ہو چکے تھے اور وہ میلان جنگ میں تہا رہ گئے تھے اس وقت بھی ان پر حملہ کرنا ضروری سمجھا گیا اور جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے اس وقت انکو ذبح کیا گیا۔ پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا، حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اٹلے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر اسے روٹا گیا، اس کے بعد ان کی قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اوتار لیں اس کے بعد ان سمیت تمام شہداء کے ہلاکے سر کاٹ کر کو قتلے جائے گئے اور ابن زیاد نے نہ صرف ہر سر عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا "الحمد لله الذي اظهر الحق واهلها ونصر امير المؤمنين يزيلا وهنر بهما و قتل الكذاب بن الكذاب الحسين بن علي وشيعته ما" پھر یہ سارے سر بزرگ کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھر

در بار میں ان کی نمائش کی ۴  
مورودی صاحب نے امیر عبید اللہ کی طرف منسوب حملے کا ترجمہ نہیں لکھا۔ یہ فرقہ ہم پوری کئے دیتے ہیں۔

مداح محمد لشکر اس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا، امیر المؤمنین زید اور ان کے گروہ کی

مد کی اور کذاب بن کذاب حسین بن علی اور اس کے جتنے کو قتل کیا ۵

ترجمہ شاید اس لئے نہیں دیا گیا کہ کوئی سلیم العقول اس قول کی نسبت امیر عبید اللہ کی طرف تسلیم نہیں کر سکتا۔ کتاب الحج کے قدیم مولف نے "الکذاب بن الکذاب" کی الفاظ نہیں لکھے (ص ۴۴) یہ بعد کے لوگوں کا اضافہ ہے۔

مورودی صاحب کا یہ تمام بیان مجلس عراق کے ایک مرثیہ گو اور سوز خوال کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مورخ، ایک محدث ایک فقیہ اور بزرگ خویش ایک مفکر کے قلم سے یہ کلمات نہیں نکل سکتے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں سب تفصیلات سے بچے ہیں۔ مورودی صاحب اگر علمی انداز میں کچھ لکھنا چاہتے وہ ہماری کتاب کے مزاجات کی تصحیح کرتے۔ چونکہ اس کی ہمت نہیں کر سکتے اس لئے وہی گھسے پٹھے اور جملہ کے جذبات بظاہر کالے والے بیانات سے نہیں ہر اٹھوں نے عافیت سمجھی۔ اس سے ثابت ہے کہ ان کے پاس اپنے موقع کی سوجا ثابت کرنے کی کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے اہل علم متاثر ہوں۔

اس بیان میں حضرت معاویہ یزید پر جو بہتان اٹھوں نے لکھے ہیں وہ تو مختلف عنوانات کے تحت ناظرین کرام اس کتاب میں ملاحظہ فرمائی لیں گے۔ لیکن یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ خاص حادثہ کہ بلا پر مورودی صاحب کے بیانات کی تصحیح کریں۔ (۱) نام زد کردہ جانشین۔ مورودی صاحب نے امیر المؤمنین معاویہ کے ہاتھ میں

یہ مرتب غلط بیانی کی ہے کہ امیر یزید ان کے نام زد کردہ جانشین تھے تمام ارباب میر اس پر متفق ہیں اور کوئی ایک حوالہ بھی اس کے خلاف نہیں دیا جا سکتا کہ امیر یزید کو ولی عہد بنانے کی تحریک حضرت مغیرہ بن شعبہ کی تھی اور اس کی تائید ان عراقی اکابر کے وفد نے کی جو اموی خلافت کے حامی تھے اور سبائی تحریک کے علی الرغم سے برقرار رکھنے کے حق میں تھے۔ کوئے اور لہرے سے یہ وفد دمشق گئے تھے حضرت معاویہ نے اس تحریک تائید کو کافی نہیں سمجھا۔ خود مورودی جیسا غالی بھی اس کا معترف ہے۔

(مروج الذهب ج ۳ ص ۳۶-۳۷) کہ دیار روم کے نمایندے طلبہ کے گئے اور

اس بارے میں کھلا استصواب ہوا۔ موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور بالآخر حامیوں کی پرورش تفریزوں کے نتیجے میں اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ امیر نیریز پڑھی کو آئندہ خلافت کے لئے مقرر کیا جائے۔

حضرت معاویہ نے اسے بھی کافی نہیں سمجھا بلکہ اہل مدینہ کی لئے طلب کی صحیح بخاری) کتاب التفسیر (الاحقاف) ج ۲ ص ۸۰ طبع مصر حضرت مروان نے اس سلسلے میں تفریز کی زعفران حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس پر اعتراض کیا کسی دوسری طرف سے کوئی مخالف آواز نہیں اٹھی۔ حضرت عبدالرحمن کے اعتراض کی تفصیلات صحاح میں نہیں البتہ صحیح کی کتابوں میں بے حیثیت اور نامقبول راویوں کی بیان کردہ فضول باتیں ملتی ہیں جو صحابہ کرام کے شایان شان نہیں اور محض سیاسی راویوں کی خود ساختہ ہیں۔

حضرت معاویہ نے اس آواز کو بھی بہت سمجھا۔ جب حج و زیارت کیلئے خود حاضر ہوئے تو مدینہ طیبہ میں اس سلسلے پر شوری طلب کیا۔ سب طرف سے اس تحریک کی تائید ہوئی۔ صرف ایک ذات حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تھی جو اس تحریک کے تو مخالف نہ تھے مگر دل میں یہ خیال آیا کہ ولایت عہد کے لئے خود وہ موزوں تر ہیں۔ کیونکہ وہ امیر نیریز سے بمراتب بلند تر تھے۔ صحابی ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ عہد رسالت کے متعدد معجزات میں شرکت کی تھی بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے اپنے کو موزوں خیال کرنا قدرتی بات سمجھی۔

چنانچہ آپ اپنی ہمیشہ مسطرہ حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ صدقات اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قداکان من اهل الناس والتمون فلم يجعل لي من الاله شي را بان لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں اس بارے میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی تو حضرت ام المومنین نے فرمایا الحق قانهم ينظرونك فاخشى ان يكون في احتقاسك عنهم فرقتما [جاؤ لگ کر تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے خطر ہے کہ تمہارا بیٹھنے سے کہیں ان میں اختلاف نہ ہو جائے] اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک آپ چلے گئے صحیح بخاری ج ۱ ج ۱ ص ۵۹ طبع مجتہاتی دہلی۔

اس طرح خلافت کا خیال ہمیشہ کیلئے آپ کے دل سے نکل گیا۔ گذشتہ صفحات میں زیادہ تفصیل سے ان امور پر گفتگو کی گئی ہے ہر حال یہ ہے صحیح ترین روایت اور اس سے یہ امر عیاں ہے کہ جیسا استصواب امیر نیریز کی ولایت عہد کے لئے کیا گیا ایسا استصواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ نیز یہ کہ جو فیصلہ ہوا وہ اجماعی تھا۔ حضرات اہمات المؤمنین اور جمہور کبار و سفار صحابہ اس پر متفق تھے۔ اس موقع پر کسی ایک شخص کا بھی بیعت سے محترز رہنا صحاح سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسا اجتماع تھا اور اس اجتماع کا ایسا اجماع کہ قوانین شرعیہ اور علم سیاست کے اصول کے مطابق ہو اس سے زیادہ فیصلہ کن اور کارگر کوئی اجماع نہیں ہو سکتا۔ موجودہ صدارتی انتخابات میں ہزاروں ووٹ مخالفیت میں پڑتے ہیں اور فیصلہ صرف عددی اکثریت سے ہوتا ہے لیکن امیر نیریز کی ولایت عہد کی بیعت کے وقت ایک ووٹ بھی خلافت نہیں تھا، بعد کے لوگوں نے جو انسانے تراشے ہیں وہ بے اصل ہیں جیسا کہ ہم پچھلے بیانات میں ثابت کر چکے۔

امیر نیریز کے حق میں اس اجماع کے بعد حضرت امیر المؤمنینؓ کے دست مبارک سے مدینہ میں بیعت ہوئی پھر تمام عالم اسلام میں یہ بیعت ہو گئی۔ صحاح میں کوئی ایک روایت ایسی نہیں جو اجماع کے اس واقعہ کو مخرج کر سکے۔ گویا مودودی صاحب کا یہ چہیت ہوا فقرہ محض غلط بیانی ہی نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ جو صحابہ و اہمات المؤمنین کی جناب میں سخت گستاخی ہے۔ ان کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ مدینہ میں بیعت سب سے آخر میں ہوئی۔ یہ بیعت سب سے اول ہوئی تھی اور اس کے بعد تمام عالم اسلام نے بیعت کر لی۔

(۱۲) بدترین نتائج | امیر المؤمنین نیریز کے زمانے میں تین واقعات نمودار ہوئے جنہوں نے مودودی صاحب کے خیال میں "پوری دنیا کے اسلام کو لہرہ برانداز کر دیا مگر یہ ان کا محض خیال ہی خیال ہے۔ واقعات سے اس زعم باطل کی قطعاً تائید نہیں ہوتی۔ بعض واقعات کا رد نما ہوتا اس کی دلیل نہیں کہ وہ اس بیعت کا نتیجہ تھے۔ یا ان کے ذمہ دار امیر المؤمنینؓ ہیں فتنے ہمیشہ اٹھتے ہیں اور انہیں پایا جاتا ہے

اختلاف کا اطلاق اس وقت ممکن ہے جب اس کا دائرہ وسیع ہو اور حکومت اس کا بوندہ پاکے۔ اب ہم ایک ایک واقعہ دیکھتے ہیں۔

(۱) حادثہ کر بلا۔ اس سے اہم واقعہ یہ حادثہ ہے لیکن اس کوئی اثر حکومت کے خلاف امت سے نہیں آیا۔ سوائے اس سبب واقعہ کے جو حضرت حسینؑ ان کے ابن بیت کی قیمت جانی بے وجہ تلف ہو جانے سے طبعاً ہر مومن محسوس کرتا ہے لیکن ہم چھرا مت نے اسے محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھا اسی لئے تین برس تک دنیا کے اسلام میں اختلاف کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ تمام امور خلافت یا حسن و جوہ انجام پاتے رہے اور جہاد کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا جو ہرگز جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر امت میں کوئی اندرونی خلفشار ہوتا۔

سجیدہ اور باوقار لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ حادثہ کر بلا کا نقشہ اگر وہ ہوتا جو دکھایا جاتا ہے اور مودودی صاحب نے اوقفت جیسے کذاب کی روایتوں میں جو اپنا جوہر ظہری نے درج کر دی ہیں بڑے اہتمام سے رنگ بھرت ہیں تو واقعی عالم اسلام ہل جاتا اور کاروبار مملکت ایسے ہی مختل ہو جاتا جیسے شہید اعظم سیدنا عثمان صلوات اللہ علیہ کی شہادت کربلا کے بعد ہو گیا۔ حادثہ کر بلا کے نتیجے میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ کبھی محکم اور ناقابل تردید دلیل ہے کہ اس دلہ روز حادثے کی نوعیت وہ تھی جو بیان کی جاتی ہے، اور جس کی تفصیلات میں پر و پگندے کی خاطر روز بروز اضافہ ہوا ہے۔ مودودی صاحب کی ادارت میں پہلا شمارہ جو فرم ۱۳۵۱ھ میں یعنی ۱۹۳۲ء میں پہلے نکلا تھا اس میں شہادت حسینؑ اور قرآن کے عنوان سے جو مضمون ابواجیر صاحب مودودی کے نام سے شائع ہوا تھا وہ خاصہ کی چیز ہے۔ شیعی و سنیوں اس سے زیادہ کیا لکھتے۔

اصل واقعہ | معاملہ بالکل صاف اور سادہ تھا کہ بعض عراقیوں کی غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر حضرت حسینؑ نے یہ باور کر لیا کہ تمام عراق بیعت تو لو کران کی امامت کا اعلان کر کے پرتفق ہو چکے ہیں لیکن کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ پر حمل کیا کہ

جو باتیں آپ سے کہی گئی تھیں وہ سب ہوائی تھیں۔ عراق پوری طرح امیر المؤمنین یزید کی بیعت پر قائم ہے۔ اس لئے وہاں پہنچ کر آپ نے وہ تین شرطیں کو نبیوں کے سامنے رکھیں جو مودودی صاحب نے بھی بیان کی ہیں لیکن تیسری شرط کی یہ یادہ اڑ گئے جو منق علیہ ہے اور چھوٹی بڑی ہر کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے کہ مجھے میرے چچا کے بیٹے کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں (حتیٰ وضع یدای فی یدک) حضرت حسینؑ نے جن الفاظ میں یہ بات کہی تھی شیعوں کے بڑے ممتاز عالم شریف المر قنفی متوفی ۱۳۶۰ھ نے جو بیچ البلاغہ کے مصنف بھی تھے اپنی دوسری تالیف اثانی میں یوں ادا کئے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے حضرت عمر بن سعد سے فرمایا تھا اوان اضع یدی علی ید یزید فہو ابن علی لیدی فی رایہا یا یہ کہ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم نہیں گے (گویا آپ نے اپنے موقف سے رجوع فرمایا اور جماعت میں ایسے داخل ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف چل پڑے۔ اس اعلان کی پہلی ہی شرط سے یا اثر واضح ہو گیا کہ خروج کی وجہ قطعاً دینی یا آئینی نہ تھی۔

اس سلسلے میں مودودی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ شرطیں پیش کرنے کا وقت آخر کا بتایا ہے حالانکہ یہ شرطیں ایسے وقت پیش کی گئی تھیں کہ ان سے جنگ کا خطرہ ٹل چکا تھا۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ مودودی صاحب نے دوسری غلط بیانی یہ کی ہے کہ آپ نے جنگ اس لئے کی تھی کہ آپ امیر عبید اللہ کے پاس جلتے اور ان سے بیعت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایک فقہی حدیث سے آپ کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ دمشق جلتے سے پہلے امیر کوفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں کیونکہ امیر کوفہ کے ہاتھ پر بیعت خود اسی سے نہیں ہوتی بلکہ امیر المؤمنین سے ہوتی ہے، آخر جب صحابہ و اہل بیت اور امت نے اپنے اپنے شہر و ملک والیوں ہی کے ہاتھ پر امیر المؤمنین سے بیعت کی تھی۔ خود ان کے اپنے بھائی حضرت محمد بن علیؑ ابن الحنفیہ نے عبد الملک

کو جو بیعت نامہ بھیجا اس میں صراحت کر دی تھی ”و با بیعت الجحاح لک رہیں جحاح کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کرنی ہے“  
 کہ بلا رکت اس حادثے کے بانی تو وہ ساٹھ کوئی تھے جو آپ کو مکہ سے ہنر پارخ دکھا کر لائے تھے۔

رہی ابن سعد کے ساتھ چار ہزار فوج ہونا تو یہ محض وضعی بات ہے ان مورخوں نے عموماً اور مورخوں نے خصوصاً عربوں کو ایسا ہیچ کیوں سمجھ لیا کہ وہ ستر انتہائی آدمیوں کے مقابلے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں نکلیں۔ چار پانچ ہزار عرب تلہ ایک ملک فتح کرتے تھے۔ پھر وہاں مقلبے کا سوال ہی کب تھا اور حضرت حسین جب رجوع کا اعلان کر چکے تھے تو کسی پیش قدمی کی گنجائش ہی کہاں رہی تھی۔

مورخوں نے صاحب کا یہ کہنا بھی خوب ہے کہ حضرت حسین فوج لیکر نہیں جا رہے تھے اور ستر انتہائی آدمیوں کو لیکر آنا فوج کشی نہیں کہلاتا۔ حالانکہ وہ فوج اس یقین اور اطمینان پر نہیں لے جا رہے تھے کہ سبائیوں کے قول کے مطابق لاکھوں عراقیوں کی تلواریں انکی حمایت کینے نیا مومن میں تر پڑے ہیں یقین پھر فوج اس لئے نہیں لے جا رہے تھے کہ حجاز کے انھیں ایک آدمی بھی نہیں مل سکا۔ سبائی بیعت پر قائم تھے حتیٰ کہ ان کے عزیز و قریب بھی انکی مدد کیلئے تیار تھے، گھرانے کے چند پرورش و جوانوں کو علاوہ اور کسی تلہ انکا ساتھ نہیں دیا۔

البتہ مورخوں نے صاحب نے یہ بیعت کہا ہے کہ اس تھوڑی سی تعداد کو یا سانی گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ مگر گرفتار کیوں کیا جاتا جبکہ حضرت حسین اپنے موقف سے رجوع کا اعلان کر چکے تھے لیکن سبائیوں کو یہ باغی گوارا تھی اور وہاں کسی دوسری طرف نکل جانے کی باتیں ہونے لگی تھیں ایسی صورت میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہما کیلئے ناگزیر ہو گیا کہ کو فیوں کو ایسی حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور ان سے مطالبہ کریں کہ زائد ہتھیار حکومت کے سپرد کر دیتے جائیں تاکہ عملاً ثابت ہو جائے کہ پیش قدمی واقعی دشمن کی طرف ہے اور مقاصد پر امن ہیں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کو فیوں نے دیکھا کہ حضرت حسین دمشق جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ہم ان کے ساتھ گئے تو ہزار سے نہ بچیں کیونکہ ہم ہی تھے تو ان کو اس

اقدام پر آمادہ کیا ہے دمشق نہیں جاتے تو امیر کو ذہب زندہ چھوڑ لیا اس لئے انہوں نے مسلح بن عقل کے بھائیوں کو بھی انتہا دلالتے ہوئے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں پر پانچ حملہ کر دیا اور یوں فوجی دستہ کو بھی مدافعت میں لڑنا پڑا۔

مورخوں نے صاحب کی عنایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابن سعد کی کمان میں فوج صرف چار ہزار بتائی ہے ورنہ ان کے ہم مشرب اور ہم خیال لوگ تو چالیس ہزار بتاتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور جنگ کا وہ نقشہ پیش کرتے ہیں کہ ہما بھارت کا افسانہ بھی اس کے سامنے گڑھے۔ شہادت ناموں میں بتایا جاتا ہے کہ شامی لشکر بسینل میں کے گھیرے میں پڑا ہوا تھا، حالانکہ عراقی گورنر کے پاس ایک سپاہی بھی شام کا نہ تھا۔

سوچنا چاہئے کہ اگر فوج چار ہزار ہوتی اور اس کا مقصد ہوتا حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا تو کیا اس کے قریب آدمی اچانک اس پر حملے کی جرأت کر سکتے تھے اور کیا اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ ہنر پارخ سا تھی حضرت حسین کے اور بیعتی کے قریب آدمی جیسا کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن سعد کے قتل ہوئے اور ہاشمی خاندان کے متعدد حضرات زندہ بچ جاتے۔

رہیں روئے لانے کی باتیں تو ان مورخوں کی داستان سرائی پر تعجب ہوتا ہے کہ ابن سعد کو امیر عسکر کہ جانے کے باوجود ایسی باتیں انکی طرف منسوب کر دیں جو مورخوں نے صاحب نے انیس دہریہ کے ہر پرنسٹر میں بیان فرمائی ہیں۔ جاہل عرب بھی اپنے قبیلے کی خواتین کی حرمت پر کٹ کر اپنی آن بھجھتا تھا اور دنیا کا ہر باغیت آدمی ایسا ہی سمجھتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت ابن سعد اپنے خاندان نے خواتین کی بھرتی بردار نہیں وہ کافر ہوتے تب بھی ایسا نہ ہوتے دیتے۔ پھر جانتیکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کا بیٹا اپنی عزیز ترین خواتین کے ساتھ یہ سلوک کرے جو بیان کیا جاتا ہے یا حضرت حسین کے جسندے جان کے ساتھ یہ کچھ ہونے سے جو مورخوں نے صاحب نے عقل و ایمان کو خیر باد کہہ کر بیان کیا ہے حضرت ابن سعد کو حضرت حسین سے ذاتی خصامت ہوتی تب بھی یہ باتیں



نہیں ہو سکتی تھیں کہ شرفِ نبوی اور جلالتِ قریشی کے خلاف میں۔

یہ حضرت ابن سعد ہی تو ہیں جنہوں نے حضرت حسینؑ اور حکومت کے مابین تمام معاملہ خوش اسلوبی سے طے کر دیا تھا اور امیر عبداللہؑ اس پر خوش تھے کہ حسینی قافیہ دمشق چلا جائے۔ خود طبری جیسے شیعہ نے ابوحنیف جیسے غالی کے حوالے سے حضرت ابن سعدؑ اور حضرت حسینؑ کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے (ج ۶ ص ۲۳۵) انہما کان التقیانہما را ائلا لقا اور ابی جحسین و عمر بن سعد ان دونوں نے تین چار ملاقاتیں کیں یعنی حسین اور عمر بن سعد نے اور پھر حضرت حسینؑ کی تینوں متبادل شرطیں بتا کر آخری شرط کا تصفیہ کر کے امیر عبداللہؑ کو ابن سعدؑ نے اطلاع دی تھی فان الله قد اطفاء النار و جمع الکلمة و اعلم امر الامم را الله تعالیٰ نے آتشِ اختلاف کو بجھا دیا امت کا کلمہ متحد کر دیا اور معاملات درست کر دیے۔ اس پر امیر عبداللہؑ نے کہا ہذا کتاب رجل فاصح لا مبرک و مشفق علی قومہ نعم قد قبلت ربه امر اسلمہ ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے۔ ہاں میں نے یہ شرطیں قبول کر لی یہ سب الفاظ اور جملے تو مووددی صاحب ہی کے ماخذ طبری میں اور طبری سے نقل کرنے والے دوسرے مؤلفین کی کتابوں میں درج ہیں۔

**لرزہ ہر اندام** | تعجب ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں کو چھو صحابہ کرام کو اور قریش کو لوگوں نے ایسے ہیجیت اور بغیرت اور بزدلی کیوں سمجھ لیا کہ اتنا بڑا ہولناک اور دلدور واقعہ ہو جائے اور سب چپ سادہ ہیں۔ حضرت عقبہ بن نافع نہریؓ یا سب جلالت و جلالت و شہادت و شہامت و رومیوں سے توجہ دیکھ لیے چلے جائیں۔ اور اس جوش کیسا تھا کہ تمہارا فریقہ کو روندتے ہوئے ساحل بجز تک پہنچ جائیں اور ٹھوسا سمندر میں ڈال کر ہاتھ اٹھائیں اور بے زور دگار سے کہیں ”خدا یا اگر یہ سمندر حاصل نہ ہوتا تو میں تیرا نام بلند کرنے اسکے پار بھی چلا جاتا“ ایسا شخص اور حادثہ کہ بلا کوئی جائے اور آخر وقت تک امیرؑ بزدلی کا و ذلدار رہے؟ یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے یعنی کر بلا کے ایک سال بعد کا ایسا ہی حال دوسرے بزدلوں کا تھا جو دین پر اپنی جان قربان کر دیتا اپنی بڑی سی بڑی

سعادت جانتے تھے اور پھر بھی سمجھتے تھے کہ حق ادا نہ ہوا۔ ان میں سے کسی نے اس واقعہ کا نوٹس نہ لیا، تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ امیرؑ بزدلی کے پورے دورِ خلافت میں حادثہ کر بلا کے رد عمل کے طور سے کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ہوا۔ ہمارے قومی شاعر نے داہانہ انداز میں کہا ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑ گئے  
بھر ظلمات میں دور لڑنے گھوڑے گئے  
اسے تمام پاکستانی مسلمان قریب انداز میں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہ اسی بزدلی کے دورِ خلافت کا واقعہ جس کے نام کا قافیہ ملاکر ملیں کہے بقول تفضیلہ بلا صا حسان کی سوزشِ قلب دور نہیں ہوتی یہ اب نہیں بجا و کین زین کار نامہ ہے۔ جو واقعہ کر بلا کے بعد خاموش رہے اور امیر المؤمنین کے وفادار۔

حقیقت یہ ہے کہ ۳۱ھ کے آخر میں اہل مدینہ نے جو بغاوت کی اور حرہ کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت حادثہ کر بلا کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اور حضرت ابن الزبیرؓ کی تحریک میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے حادثہ کر بلا کو کوئی اہمیت دی گئی یہ ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ تمام امت یہ جانتی تھی کہ اس حادثے کی ذمہ داری کسی طرح امیر المؤمنینؓ پر نہ اور ان کی حکومت پر نہ تھی۔ اگر ایسی باتیں ہوتیں اور کسی درجے میں اہل مدینہ یا حضرت ابن الزبیرؓ نے حادثہ کر بلا کو اپنی تحریک کی بنا بنا لیا ہوتا یا اسے بھی نچھلے اسباب شمار کیا ہوتا تو ہم یہ نہ دیکھتے کہ نبی ہاشم اہل مدینہ کی شورش سے الگ اور حضرت ابن الزبیرؓ کی تحریک سے بے تعلق ہیں بلکہ اس کے تحت فحاشی کیا یہ صورت حال قطعی اور قطعی طور پر یہ ثابت نہیں کرتی کہ پوری امت نے، جہاں جہاں تھے حتیٰ کہ امیر المؤمنینؓ کے مخالفوں اور حریفوں نے بھی اس حادثے کی ذمہ داری لے لی اور اس کے کارکنوں پر نہ ڈالی بلکہ اسے محض ایک حادثہ ہی جانا۔ جو غدار کو فیوں کے ہاتھوں پیش آیا۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا، جنگِ جمل چھڑی حضرت علیؑ کو شہید کیا۔ حضرت حسنؑ پر قاتلانہ حملہ کیا اور میں حضرت حسینؑ کو دھوکہ دیکر مقتول کر لیا، حادثہ کر بلا کو سب سے پہلے اہمیت دینے کی کوشش التوا ابون نے ۳۶ھ

میں کی۔ ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ لیکن بنو ہاشم نے صحابہ کرام نے اور جوہر امت نے اس تحریک سے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور اسے فساد فی الارض ہی جانا۔  
دوسری مرتبہ مختار ثقفی بھی یہی دعویٰ لے کر اٹھا۔ التوابوں نے بنو ہاشم سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ مواقف بنو ہاشم کے تحت وہ انکی ہمدردیاں حاصل کر سکے تھے لیکن مختار ثقفی نے یہ چالاک کی کہ کذباً افتراء اپنے آپ کو بنو ہاشم کا گناہتہ اور حضرت محمد بن علیؑ بن ابی طالب کا کارندہ بتایا مگر بنو ہاشم نے اس سے بھی کوئی تعلق نہ رکھا تا آنکہ وہ حضرت مصعب بن الزبیر کے ہاتھوں سلمہ میں مارا گیا۔ صحابہ کرام اور جوہر امت نے مختار کو کذاب جانا۔

ان دونوں تحریکوں کا عالم اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور جماعت مسلمین ان دونوں تحریکوں کو مفہمہ پر دازی ہی سے تعبیر کیا گیا اور یہ برانداز ہوتا تو اپنی جگہ کرامت نے تین سو برس تک اس حادثے کو قابل اعتقاد بھی نہیں سمجھا کیونکہ حقیقت سب کے معلوم تھی۔ حادثہ کربلا کو اہمیت تو جو تھی صدی ہجری میں اس وقت حاصل ہوئی جب خلافت عباسیہ کے کم زور ہو جانے کے بعد یومی عباسیہ عالیٰ فضیلت کا خاندان مشرق میں اور تقریباً اسی زمانے میں عبیدی ملاحدہ مغرب میں غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ یومیوں ہی کے زمانے میں ماتم حسینؑ اور دوسری بدعات جاری کی گئیں۔ لیکن علماء و فقہاء اور زہاد و عباد امت اور خلفاء کرام صعب ان فتنہ انگیزوں سے متنفر رہے۔ البتہ سیاسی اختلال کے سبب کچھ نہ کر سکے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے سلطان طغرل بیگ رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ صاحب کس قدر لڑا اور کچھ بات کہی ہے کہ حضرت حسینؑ میر عبد اللہ کے پاس سے لے نہیں گئے کہ انھیں ان کے ہاتھوں مسلم بن عقیل کا انجام معلوم تھا۔ کاش یہ جملہ لکھتے وقت وہ دل کی بجائے کچھ دماغ سے بھی کام لیتے۔ مسلم ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ وہ علانیہ بغاوت کو ہوا دے رہے تھے اور حضرت حسینؑ اگر جلتے تو امیر عبید اللہ کے ہاتھ پر امیر المؤمنینؑ یزید سے بیعت کرتے جاتے۔ کیا

ان دونوں صورتوں میں مودودی صاحب کو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔  
نظر کیوں نہیں آتا۔ ان کے پیش نظر تو حضرت حسینؑ پر یہ جھوٹ بولنا ہے کہ وہ آخر وقت تک اسی موقف پر قائم رہے جو مکہ سے چلتے وقت تھا اور وہ امیر المؤمنینؑ یزید سے بیعت کرنے کو حرام جانتے تھے۔ حضرت حسینؑ پر یہ بہتان رکھے بغیر وہ نقصا کیسے قائم رکھی جاسکتی ہے جس سے حادثہ کربلا کی اہمیت بڑھے اور مسلمانوں کو صحابہ کرام سے یزید کرنے کی سبیل نکلے۔ ساری امت کی توہین و تذلیل کے بغیر نہ فرقہ بازی کو ہوا دی جاسکتی ہے اور نہ ہر طاع آزما کی تخریبی کارروائیوں کو جہاد ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ اس نظام خلافت کے باطل ہونے کا "فتویٰ" دیا جاسکتا ہے جسے صحابہ کرام نے اپنے اجماع کے ذریعہ نہایت ٹھوس اور مثبت بیادوں پر قائم کیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے ہم مشرب لوگوں کی قائم کردہ دعوت حال سے صرف تین نتیجے نکالے جاسکتے ہیں اور جو تھی دعوت سامنے نہیں آتی۔

(۱) جمہور صحابہؓ امت نے یہ سمجھا کہ مقتول کربلا کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسکی سختی تھی اور ان سب کا قتل واجب تھا۔ نحو ذبا لله من ذلک۔

(۲) جمہور صحابہؓ آل البیت اور پوری امت نے دین چھوڑ دیا تھا اور کسی کو اسکی پروردگار تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر کیا لڑائی۔ مودودی صاحب کا بھی حقیقی نظریہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے دوسرے مضامین بھی ان کا نظریہ ہی بتاتے ہیں کہ جمہور صحابہؓ آل البیت اور امت سب پر گم راہی اور دین سے بے تعلق کا عالم طاری تھا یا ان میں سے کسی میں جان نہ تھی کہ حق کیلئے کھڑا ہو یا ظلم کے خلاف احتجاج کر سکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے سینٹ کا چولہ محض تقبیہ اختیار کیا ہے تاکہ بائیس بنا کر اپنا اصلی مذہب لایح کر سکیں اور لوگ سمجھیں کہ سنت کا اتنا بڑا عالم کتاب ہے سنت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا سمجھے ان لوگوں سے جو صحابہؓ رسولی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے خیالات پھیلانے کی کوشش کریں اور خدا ہدایت دے مسلمانوں کو کہ ایسے غارت گروں کو پہچان کر ان کے مکر و فریب اور رد عمل سے اپنے

آپ کو محفوظ رکھیں۔

۱۲ تیسری صورت یہی ہو سکتی ہے کہ بات وہ نہ تھی جو تخریب ساز اور فرقہ پرستوں کو باور کرانا چاہتے ہیں بلکہ محض ایک انسو میں ناک اور دنگلدار حادثہ تھا جس کی ذمہ داری نہ امیر المؤمنین نے پیر تھی نہ امیر عبد اللہ پر اور نہ عمر بن سعد پر اسی لئے ہم عصامت میں کوئی اختلال رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ سب اصل صورت حال سے واقف تھے یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین یزید کے خلاف اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کی حمایت میں جو کچھ ہوا اس میں حادثہ کر بلا کا کوئی ذکر نہیں اور نہ حضرت حسین کے خون کا بدلہ لینے کا کوئی تذکرہ تھا۔ حضرت ابن الزبیر کے داعیوں نے صرف امیر المؤمنین کی ذات کے خلاف پروپیگنڈا کیا اور ایسے اصل کہ خود مدینہ طیبہ کے لوگ بھی اس سے متاثر نہیں ہوئے جہاں تک عالم اسلام کوئی اثر قبول کرتا۔

امیر المؤمنین یزید اول کی خلافت کی حیثیت کی سب بڑی دلیل ہے جو بھوہی بہ کرنا کا اجماع۔ اسی بنا پر حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کے خلاف خروج کو خدا اور رسول کے ساتھ سب سے بڑی غداری قرار دیا تھا، حضرت جابر، حضرت ابو قتادہ، حضرت معاویہ بن خدیج، حضرت ابن عمر بن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین حسب نص قرآنی اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو امت کا سب سے افضل اور زیادہ الاتباع طبقہ ہے (الحادیں-۱)

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں [صحیح بخاری - کتاب الفتن]

عن نافع قال لما طمخ اهل المدينة  
يزيد بن معاوية جمع ابن عمر  
وولده فقال سمعت النبي صلى الله  
عليه وسلم يقول ينصب لكل غدار  
لواء يوم القيمة وانا قد بالعنا  
لهذا الرجل على بيع الله  
حضرت نافع سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے  
یزید بن معاویہ کی بیعت توڑی تو ابن عمر نے  
اپنے متعلقین اور اولاد کو جمع کر کے فرمایا  
میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے  
یہ سنا ہے کہ قیامت کے روز ہر غدار کو  
والے کے لئے ایک جھنڈا نصیب کیا جائے گا

وآتی لا اعلم غداراً اعظم من  
ان نبایع رجلاً علی بیع اللہ  
ورسولہ ثم تنصب ل  
القتال واتی لا اعلم احداً  
منکم خلعه ولا تابع فی  
هذالامر فکان الفصل  
بیعتی و بیعتہ۔

ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے  
رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے  
اس سے بڑا کوئی غدار نظر نہیں آتا کہ ہم  
اللہ اور اس کے رسول کے نام پر جس شخص  
سے بیعت کریں پھر اس کے خلاف لڑتے  
کھڑے ہو جائیں۔ مجھے نہیں معلوم ہوا  
چاہئے کہ تم میں سے کسی نے بیعت توڑ دی  
یا اس ہنگامے میں ساتھ دیا ہے مگر  
ایسا ہوا تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق  
نہیں رہے گا

اگر حضرت حسین کا آخر وقت تک وہی موقف سمجھ لیا جائے جسے سبائتہ نے کذباً  
واقتراناً شہرت دی ہے اور اہل السنہ میں سے موذی صاحب اور بعض سبائتہ زدہ  
مؤلفین نے اپنی غلط اندیشی سے باور کر لیا ہے تو اس سے تمام قوانین شرعیہ باطل ہو جاتے  
ہیں درجہ پو صحابہ و آل البیت بلکہ خاص آل علی کے اس موقف کی تخلیط ہوتی ہے جو حادثہ  
کر بلا کے بعد انھوں نے اختیار کیا اور اس شدت کے ساتھ کہ کسی ہاشمی نے حضرت ابن الزبیر  
سے بیعت نہیں کی کیونکہ انھوں نے متفق علیہ امام کی بیعت سے انکار کیا تھا اور ان کے  
مقابلے میں اپنی خلافت حریفانہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح کوئی ہاشمی مدینہ کی  
شریش میں شامل نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد خنجر تھقی اور التوابوں کے ساتھ بھی انھوں  
نے کوئی تعلق نہیں رکھا حالانکہ انھوں نے بزرگم خویش خون حسین کا بدلہ لینے کا ڈھونگ  
رچایا تھا۔ پھر سب امیر المؤمنین عبد الملک سے بیعت کر لی۔ کیونکہ آئینی خلافت وہ  
شام ہی کی سمجھتے تھے۔

**شہادت** حادثہ کر بلا کے سلسلے میں موذی صاحب نے جو عامیانہ لہجہ  
اختیار کیا ہے وہ ہر صاحب علم کے لئے باعثِ شرم ہوگا۔ مقتولین کو نماز جنازہ کے

بعد احرام کے ساتھ ذبح کر دیا گیا اور وہ بھی اس ترتیب کے کہ یکوئی قبر میں حضرت حسینؑ کے آگے رکھے گئے اور پھر آپ کے پیچھے اور آپ کے قدموں میں آپ کے ساتھی ان مقتولین کی قبریں الگ الگ نہیں تھیں جیسے مصنوعی طور پر لوگوں نے اب بنا رکھی ہیں۔ ملا باقر مجلسیؑ لکھتے ہیں اس کا اعتراف ہے [جلد ۱۱۲ ص ۱۲۱] مقتولین کی نماز جنازہ اس اہتمام سے ہوئی تھی کہ اس میں شرکت کیلئے حضرت ولید بن عقیقہ بن ابی مہیط بھی آئے تھے۔ [جمہر الانساب ص ۱۰۱] یہی امیر المؤمنینؑ مومنی ہیں جن پر موروثی صاحب نے نبیؐ عصیت کے تحت بڑے فقرے چسپتے ہیں جن کی تفصیح ہم پہلے کر چکے۔

آل بیت میں سے جو حضرات زخمی تھے ان کا علاج کیا گیا جیسے زید بن حسن بن علیؑ اور جو زخمی نہیں تھے۔ جیسے حضرت علیؑ، حسینؑ، حسنؑ، المنذر بن الحسن بن علیؑ یا عبداللہ بن عباسؑ بن علیؑ وغیرہم وہ ہر طرح محفوظ رہے اور ساری عمر امیر المؤمنینؑ بزرگ کے مداح اور اموی خلافت کے وفادار اور ان کے حریفوں سے بیزار رہے حضرت آل بیت کی بے حرمتی یا ان کا امیر عبد اللہؑ کے دربارہ میں پیش ہونا یا بنی مویٰ امیر المؤمنینؑ بزرگ کے دربارہ میں پیش ہونا یا امیر المؤمنینؑ بزرگ کا دربار لگانا اور ان کے ساتھ مقتولوں اور جنگی قیدیوں کا سا برتاؤ کرنا سب سبائیکہ خرافات سے ہے اور واقعات کے قطعاً خلاف ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم عصارت ایسا احتساب کرتی کہ دنیا سے حکومت کا نام و نشان مٹ جاتا۔

**خروج** چونکہ حضرت حسینؑ کے خروج کے جواز میں موروثی صاحب کوئی دلیل نہیں دے سکتے جو اہل علم و فہم کو متاثر کر سکے اس لئے وہ اس بحث سے کتراتے مگر ہم کہتے ہیں کہ حکومت وقت کا تختہ الٹنے اور نیا سیاسی نظام برپا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ رائے عامہ اپنے حق میں استوار کی جائے، اسی لئے مسائل جہد کے جائیں اور اقدام اس وقت ہو جب کامیابی صاف نظر آئے، ایسے اقدامات کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ دنیاوی ہزاروں انقلابات کے ہیں۔ جب آئینی ذرائع ناکام ہو جائیں اور طاقت کے بغیر تبدیلی کی کوئی صورت نہ رہے تو اس وقت توہین انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے، نوع انسانی کا ذہنی اور تمدنی ارتقاء ایسے ہی انقلاب کے ذریعہ ممکن ہو سکتا۔ ایسے انقلاب کے کارگر اور یا موار ہونے کے لئے ضروری ہے

کہ تعمیری ہو اور ارتقائی نظریے کے تحت یہ یا کیا جائے اور کامیابی کے بعد تمام نظم و نسق ان نظریات کے تحت مرتب ہو۔ ورنہ پھر وہ انقلاب چمکنے اور مہلک اور مہلک کی طرح سونے نساؤنے الامراض اولیٰ زمین کی بربادی کے اور کچھ نہ کہلا سکا۔ ایسے انقلاب بھی دنیا میں آئے مگر جذبہ میں ان کی فساد انگیزیوں کا قلع قمع کر کے سر سے آباد کاری پر دنیا کو متوجہ ہو گئی۔

لیکن جو یہ مسائل ہیں ان کے عامہ خلاف ہو اور تخریک کی پشت پر کوئی منظم طاقت نہ ہو اور پھر کچھ انتہائی حکومت کے مقلید پر اثر آئیں تو وہ باغی اور مفسد ہی کہلاتے ہیں۔ حکومت وقت مومنی ہو یا فرعونی انھیں فساد فی الارض کا جرم گردانتی ہے۔

تو ہاشم کے دلوں میں عموماً اور آل علیؑ کی فاطمی شاخ میں خصوصاً اپنی خلافت قائم کرنے کی دیرینہ آرزو تھی ان میں آل علیؑ کی تمام شورشیں علم سیاست کے مطابق قسم ثانی میں آتی ہیں اور دعوت عباسیہ کے ذریعہ جو انقلاب لایا گیا وہ قسم اول میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے آل علیؑ ہمیشہ ناکام ہوئے۔ انہوں نے کبھی رائے عامہ کی تنظیم اور وسائل کی فراہمی کی فکر نہیں کی۔ اور نہ امت کے سامنے کوئی تعمیری نصیحت پیش کیا۔ ان میں سے جو بھی کھڑا ہوا۔ وہ ہمیشہ سبائی فتنہ پر زردوں کی غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر خلافت کی تمنا میں بے بنیاد امیدیں باندھ کر کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ کم از کم وہی لوگ متحد ہو جائیں جو اپنی اپنی جگہ خلیفہ بننے کے خواہش رکھتے تھے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحقیق مزید، جہاں ملیکا کہ کس طرح ایک ہی خلیفہ کے خلاف کئی کئی علوی کھڑے ہوئے مگر باہم متحد ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔ پھر یہ بھی ان کا ہمیشہ شعار رہا کہ مستحق علیہ اور مقبول انام خلیفہ ہی کے خلاف خروج کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کو کبھی اتنے بھی جماعتی یسر نہ آسکے کہ دوچار گھنٹے ہی جم کر لوٹ سکیں۔

اپنی یا اپنے خاندان کی یا گروہ اور طبقے کی یا خاص نظریات رکھنے والی کسی پارٹی کی

حکومت قائم کرنے کی خواہش کسی درجے میں مذہبوں نہیں اور نہ کبھی کسی صاحب فکر نے ایسی خواہش اور ایسے عزم کو مذہبوں کہا، لیکن مذہبوں سے غلط وقت اور غلط طریقے پر کھڑا ہونا اور وسائل ہتھیار کے بغیر خیالی امیدیں یا نڈھال اور ایسے مقصد کیلئے کھڑا ہونا جس میں قوم کا کوئی عام مفاد مضمر نہ ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جسے کوئی حکومت برداشت نہیں کر سکتی چاہے ایک وہ حکومت جس کی پشت پر رائے عامہ ہو اور ملک کے تمام اہل فکر اسکی حمایت کریں۔

ایک صاحب غزیرت شخص یا کردہ کیلئے طالع آزمائی کا اس وقت بھی امکان ہوتا ہے جب بعض وجوہ کی بنا پر لوگوں میں بے چینی ہو۔ مثلاً معاشی ابتری یا انتظامیہ عدلیہ کی انصاف کشی یا قومی روایات کی یا مالی، لیکن تنظیم نہ ہونے کے سبب کسی کو اٹھنے کی اہمیت نہ ہوتی ہو یا حکومت کے اسلحہ کے مقابلے میں رعایا اپنی ہو۔ اس وقت اگر کوئی شخص ہمت کرے کہ اٹھے تو اس کی آواز پر لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں اور قیادت کیلئے اسی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ اب یا تو حکومت رائے عامہ کے دباؤ کے سامنے جھک جاتی ہے یا پھر تحریک میں ایسی جان بٹھرتی ہے کہ مہم قرہانیوں کے بعد بالآخر انقلاب آجاتا ہے دنیا کی تمام اقوام کی تاریخ ہمارے اس بیان کی شاہد ہے لیکن علیوں نے سیاست کا یہ گڑھی نہیں سیکھا اور ہمیشہ بے وجہ اور بے اصول ایسا قدم اٹھایا جس کا نتیجہ سوائے تخریب اور پستی کے کچھ نہ نکلا۔ شریف حسین تک کی پوری تاریخ یہی کہتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام میں اس خاندان کو کبھی وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو اولیوں کو عیسائیوں کو اور ترکوں کو ہوئی۔ اپنی ناکامیوں میں پستیوں اور بدنامیوں کو چھپانے کے لیے خیالی مناقب کا ایک ڈھیر لگا دیا گیا اور ان کی غلطیوں پر عہمت کا پردہ ڈال کر جہاد اور شہادت کا نام دیا گیا۔

شریعت اسلام میں کا حوالہ موردی صاحب بار بار دیتے ہیں اور صحابہ کرام کو اس شریعت سے ناواقف بتانے کی انھیں جرات ہے اس کی ہر ایات ہمارے نزدیک اس بارے میں بالکل واضح ہیں اور انھیں کو صحابہ کرام اور ان کے نظام نے اپنے لئے مشعل راہ بنایا

اس شریعت کے ”باطن“ تک ہمیں سائی نہیں اور ہم الفاظ کے وہی معانی سمجھتے ہیں جو ایک فانی اور غیر معصوم انسان سمجھ سکتا ہے۔ اور اس بارے میں صحابہ کرام سے لے کر ہمارے زمانے تک سب صحابہ فکر سمجھتے آئے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے (المائدہ ۳۳)

أَتَمَّا جَزَاءُ الَّذِينَ يَجَارُونَ  
اللَّهِ وَرَسُولَهُ لَيَسْعَوْنَ  
فِي الْأَرْضِ فَسَادًا إِنَّ  
لِيُفْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ  
أَيْدِيهِمْ وَأرجُلُهُمْ مِنْ  
خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ  
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد انگیزی کے درپے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں بھری طرح قتل کیا جائے یا انھیں سولی دی جائے یا جانب مقابل کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے یا قید کر دیئے جائیں۔

گو یا جیسا جرم ہو اس کی مناسبت سے اسے سزا دی جائے تمام ائمہ تفسیر کے علاوہ خود موردی صاحب بھی اس آیت کی تفسیر لیں کرتے ہیں [تفسیر القرآن المائدہ ۳۳] جو الہ منصف رسالت تمیز ص ۱۱۱

خدا و رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے، کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور زہری دوا گیتی کی حرکت ہو یا بڑے پیمانے پر اس نظام صالح کو الٹے اور اس جگہ کوئی نامرد نظام قائم کر دینے کے لئے ہو، دراصل خدا و رسول کے خلاف جنگ ہے۔

موردی صاحب اپنی اس تخریر کا مال جانتے تھے اسی لئے صراح اور فارسی اصطلاح لائے ہیں۔ لیکن کام اس سے بھی نہیں بنتا۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص جو دعوت محمد پر ایمان رکھتا ہو وہ حسب آیات قرآنیہ اور فرمان نبوی یہ عقیدہ رکھنے پر بھی

محبوب ہو گا کہ جو یہی نظم حضرات اہل المؤمنین اور کبار و صغار صحابہ کی تائید قائم کیا گیا اسے لازماً صریح نظام ہی کہنا ہو گا اور اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کرنے والا خدا و رسول کے خلاف جنگ کرنا ہو گا سمجھا جائیگا، موائے اس کے کہ جو میں وہ اپنے موقف سے رجوع کرتے جس طرح حضرت حسینؑ نے کر لیا۔ جیسا کہ کر بلا پہنچ کر واپسی کے لئے یا سرحد مقام پر چلے جانے کے لئے یا خلیفہ وقت کے پاس جانے کی اجازت لینے سے ثابت ہے ظاہر ہے کہ قانون پر عمل کرنے وقت اصول دیکھا جاتا ہے نہ کہ جرم کی شخصیت اور اس کا خاندان۔

۱۔ بن اسلام جس طرح امت کو سمجھا یا گیا ہے اس میں ایسا نہیں ہے کہ کسی کو بہن بنا کر اس کیلئے الگ سزا تجویز ہو اور کسی کو شہر کہہ کر گزرنے زردنی قرار دیا جائے۔ یہاں صاف ہے (النسار ۱۲۳) من یعمل سوءاً یجزبہم رجوعاً کام کر لیا اسکی سزا پائے گا) ارشاد نبوی ہے (صحیح بخاری ج ۲، ص ۲۶۲ طبع مصر) اولوان قاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا از محمدؐ کی بیٹی فاطمہ جو رکی کہے تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا، لہذا یہ تصور خود بخود باطل ہو گیا کہ چونکہ نشان شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد دختری میں ہے لہذا اس کی تعزیری کارروائیوں سے چشم پوشی کیجا اور اسے وہ سزا نہ ملے جو باغیوں کیلئے مقدر ہے۔

ارشاد نبوی ہے صحیح بخاری کتاب الفتن نیز صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۳۶ طبع مصر

عن ابن عباس بن رویہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من رأى من امیرک شیئاً یکره فلیصبر فان لم یس احد یفارق الجماعة شیئاً فہو الاطاعت صیلة جاہلیة

حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے امیر کی کوئی بات ایسی دیکھی جو اسے ناگوار ہو تو چاہئے کہ صبر کرے کیونکہ جو بھی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہو اور اس عانت میں مرے یا تو

تیا سکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے (ج ۲ ص ۱۳۶ طبع مصر)

عن زیاد بن علاقہ قال سمعت عرقیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما ستکون ہنات وھنات من ادانک یفارق امرھذہ الامۃ وھی جمیع فاخر لولا بالسیف کا ننا من کان۔

زیاد بن علاقہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عرقیہؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عنقریب فتنہ پر فتنہ برپا ہوگا۔ تو جو شخص ایسے وقت میں اختلال پیدا کرنا چاہے جبکہ وہ مجتمع ہو تو اس کے تلوار مار دو اگر چہ وہ کوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف گناہوں اور جرموں کی شناخت بتائی ہے دو جرم ایسے ہیں جن کو خدا و رسول سے جنگ کے مراد قرار دیا ہے۔ ایک نبوی کاروبار کا اس سے معیشت تباہ ہوتی ہے دولت چند ہاتھوں میں محصور ہو جاتی ہے اور تقسیم نہ کاتوا زمان بگڑ جاتا ہے اور دوسرا جرم ہے سیاسی اختلال پیدا کرنا کہ اس سے قوم کا وقار جاتا رہتا ہے۔ فرقے پیدا ہوتے ہیں اور اقوام عالم پر اس کا رعب نہیں رہتا۔

انہی کھلے ہوئے احکام کی روشنی میں ائمہ دین نے اپنا فتویٰ مرتب کیا اور بلا استثناء چاروں ائمہ اور ان کے متبع اس سے متفق ہیں۔ یہاں ہم امام احمد بن حنبل کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ ابو زہرہ ا حیات امام احمد بن حنبل ۱۷ مترجم ص ۱۲۱

امام وقت اور خلیفہ قائم خواہ وہ قاسم و فاجر ہو یا نیکو کار اور پرستار اس کی اطاعت واجب ہے۔ وہ جب منہ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اسکی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا نرد و شمشیر، وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المؤمنین کہنے لگے ہوں، کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلیفہ پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے۔ اور جس نے امام المسلمین کے

خلافت خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت کو ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا یہ جبر و اکراہ، تو اس نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا۔ اور اگر اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔

### اصالت فتویٰ

ائمہ فقہ کا یہ فتویٰ کتاب سنت کے صریح احکام پر مبنی ہے دنیا کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو اور نہ کوئی حاکم ایسا ہو ہے اور نہ آئندہ ہو گا جس کے خلاف کچھ لوگ نہ ہوں جب ایک شخص یا ایک گروہ کسی حاکم کو فاسق یا نااہل کہتا ہے تو ظاہر ہے کہ حکومت بھی اسے باغی اور مفسد قرار دے گی۔

بعد دنوں میں محاکمہ و ران کے قضیے کا فیصلہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ کتاب و سنت کے احکام تیار کر معاملہ چھوڑ پھینکا جائے۔ اگر رائے عامہ ایک حکومت یا حاکم کے حق میں ہے اور اس کے خلاف پروردگار سے متاثر نہیں ہوتی۔ تو ایسی حکومت یا حاکم پر عائد کردہ الزامات خود بخود باطل ہو گئے اور جو لوگ اس حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے وہ باغی اور مفسد ہی قرار پائیں گے۔

اسی طرح اگر رائے عامہ حکومت یا حاکم کے خلاف ہو جائے تو یقیناً وہ حاکم اپنے منصب پر قائم رہنے کا حق دار نہیں رہا اور وہ حکومت اسی قابل ہوگی کہ اسے بدل دیا جائے۔ یہی بات ہم کچھ اور قیاس میں بیان کر چکے ہیں اور اسی بناوات اور نظریات کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

کسی ملک اور قوم کے جمہور اپنے نظریہ حیات اور اصول زندگی کے مطابق کبھی باطل یا نا حق پر جمع نہیں ہوتے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ جب یہ لہجے کے نظریے کے تحت کوئی تعمیری یا ارتقائی تحریک اٹھائی جائے تو عوام اس کی پذیرائی نہ کریں۔

اجتماعی زندگی کا یہی فطری اصول تھا جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج تک اس امت کی بھاری اکثریت ہر تحریکی تحریک سے بیزاری۔ اور جب کبھی کوئی مہتمم بالمشائخ اور حرکتہ الآراء مسئلہ پیش ہوا تو پہلے اہل اسلام حق پر متحد ہو گئے اور غلط رائے کو ٹھکرا دیا۔ اگرچہ وہ غلط رائے ان لوگوں کی موجود عورت عام میں علماء و فضلاء کہلاتے ہیں اور صحیح بات اس شخص کی طرف سے ہو جو ان علماء و فضلاء سے کمتر سمجھا جائے۔

فرقہ باز لوگوں نے اس غیر مبہم اور واضح فرمان نبوی کا یہ غیر فطری مفہوم لینے کی کوشش کی۔ اور موردی صاحب بھی اس زمرے میں ہیں کہ ”کچھ نہ کچھ لوگ حق پر رہیں گے اور ایسا نہیں ہو گا کہ تمام امت گمراہی پر جمع ہو جائے اور حق پر کوئی نہ رہے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے تحریکی غم۔ ائمہ کے تحت موجودہ ازگن زدگی ہوئی پوری امت کو گمراہ کہہ کر ایسے لوگوں کو مجاہد اور شہید کہنا چاہتے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً امام جماعت کے خلاف خروج کیا۔ اور ہم عصر امت کی حمایت حاصل نہ ہونے کے سبب فنا کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ اگر اس صریح حدیث کا وہ مفہوم لیا جائے جو موردی صاحب اور ان جیسے لوگ نکالنا چاہتے ہیں تو یہ ارشاد تعمیری ہونے کی بجائے تحریکی ہو جائے گا اور ہر طالع آزمائے شخص اور ہر باطل فرقہ اپنے آپ کو مصلحت کے مقابلیے میں حق پر اور جمہور اہل اسلام کو باطل پر کہہ سکے گا۔ اور جب اس کے سلسلے یہ حقیقت ثابت آئیگی کہ کج ایک ہزار برس سے بھی زیادہ گزر جائے کہ باوجود شروع سے لیکر آخر تک کے تمام باطل فرقے متحد ہو جائیں تب بھی انکی اتنی مددنی قوت نہیں ہو سکتی کہ جماعت حریف بن سکیں، تو وہ ہمیں کہنے پر مجبور ہو جائیں گے جو موردی صاحب کہتے ہیں اور ان کے ایک مرتبہ کہا ہے کہ ”چند رقم چلنے کے بعد جو یہ امت لہ حق سے بھی تو ہٹتی ہی چلی گئی“

حالانکہ عقل اسلامی کو اگر کام میں لایا جائے تو کتابی سنت اور علم سیاست کے بنیادی اصول کے مطابق جمہور صحیح تابعین اور علماء و فقہاء و صلحاء و عوام جب اپنے امام کے ساتھ ہوں اور اس کے خلاف کسی پروردگار سے متاثر نہ ہو سکیں اور اس امام

کے خلاف خروج کر نیوالے لوگ تھے بھی حرمایتی حاصل نہ کر سکیں جس سے نظم و نسق مختل ہو جائے  
تو خود بخود وہ خروج کرنے والے اس وعید کے تحت آجائیں گے جو کتاب سنت اور  
مذہب ائمہ کی روشنی میں ہم بیان کر چکے۔ سوائے ان کے جو اپنے موقف پر جو رجوع  
کر کے جماعت میں داخل ہو جائیں۔ عمرانیات کے اسی اصل اصول کے تحت  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [صحیح بخاری کتاب الفتن] التزام  
جماعة المسلمين واما مهمم زمسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام ہی  
سے وابستہ رہنا

خود حادثہ کہ بلا بھی اس پر شاہد ہے کہ جب بعض کو نبیوں نے صورت حال کا  
غلط نقشہ پیش کر کے حضرت حسینؑ کو خروج پر آمادہ کر لیا تو جمہور صحابہ تابعین کے  
غلاوہ خود عراق کے وہ اکابر بھی بیعت توڑنے پر تیار نہیں ہوئے جو معرکہ صفین میں  
حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور ساری عمر انہی کے عقیدت مند تھے۔ مثلاً یہاں حضرت  
احنف بن قیسؓ کا نام لیا جاسکتا ہے جو یسے میں بنو تمیم کے سردار تھے اور ان سے  
کہ ان کے متعلق کہا جاتا تھا اذ اغضب غضبت لغضبت ما اذ الف سيف  
لا يدرون قيم غضب را اگر انھیں غصہ آجائے تو یہ جلتے بغیر کہ غصے کا سبب کیا  
ایک لاکھ تلواریں انہی کی طرح غضبناک ہو جاتی تھیں (وہ جب چاہتے بنو تمیم کو  
جنگ میں جھونگ سکتے تھے اور جب چاہتے روک سکتے تھے۔

حضرت احنف کا شمار کبار شیعان علیؑ میں ہے۔ لیکن باقی مسلمانوں کی طرح جب  
حضرت معاویہؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے تو اس بیعت کو پوری طرح نبھایا اور اپنے  
ذاتی رجحانات کو امت میں اختلال کا سبب نہ بنے دیا۔ امیر زیدؓ کی ولایت عہد کا  
سئلہ اٹھا تو حضرت احنفؓ اس میں شریک تھے اور اس شریک سے ناپسندیدگی  
بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن جب جمہور صحابہ اور تمام عالم اسلام نے اس کی تائید کی  
تو حضرت احنفؓ نے بھی بیعت کر لی۔ پھر خلافت کی بھی بیعت کی اور پوری عمر بیعت  
کے ساتھ اس پر قائم رہے۔

کیا اس سے یہ بات الم نشرح نہیں کہ عراق کی بابت ان کوئی سبائیوں نے جو افسانے  
سنائے تھے ان کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ عراق کے سبائیوں کے غلاوہ وہاں کے ممتاز  
اہل الرائے کسی طرح بھی امیر المؤمنین زیدؓ کے خلاف پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو کر  
اور نہ ان کی اہمیت اور شخصی عظمت ان کی نگاہوں میں کم ہوئی اور نہ انھوں نے  
یہ جانتا کہ ان کا وہی عہد اور پھر خلیفہ ہونا کسی درجے میں اصول و قواعد شرعیہ کے خلاف تھا  
موقف صحابہ کتاب و سنت کے ان کھلے ہوئے احکام اور ائمہ کرام کے اس  
فتویٰ کی موجودگی میں موردی صاحب کو اس سوال سے قطع نظر کرنے کا کوئی حق نہیں  
کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؑ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔ انھیں پیر  
کھل کر اپنا نظریہ پیش کرنا چاہئے تھا تا کہ اہل فکر اس پر غور کرتے۔ جہاں تک  
واقعات کا تعلق ہے تو موردی صاحب کا یہ بیان کسی ثمن اور عالم کیلئے قابل  
قبول نہیں کہ صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول نہیں ملتا کہ  
ان کا یعنی حضرت حسینؑ کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا  
ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے

روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدریجاً عقیدے سے یا اقدام نامناسب سے  
یہ الفاظ لکھ کر موردی صاحب نے غلط بیانی کی حد کر دی شاید ہی کوئی باوقار  
شخص اس طرح جھوٹ بولنے کی ہمت کر سکے، اور وہ بھی صحابہ پر انھوں نے بار بار  
البدایہ والنہایہ کا حوالہ دیا ہے۔ کیا اس میں صحابہ کرام کے یہ اقوال نہیں ملے۔  
[رج ۸، ص ۱۶۳] مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول جو فرماتے ہیں۔  
كلمت حسيننا فقلت له اتق الله میں نے حسینؑ سے گفتگو کی اور ان سے  
ولا تضرب الناس بعرضهم کہا، اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو ایک  
بعض دوسرے سے مت لڑاؤ۔

پھر حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں [رج ۸، ص ۱۶۲]  
غلبتني الحسين علي الخروج وقتل خروج کے بارے میں حسین نے مجھ پر



ل اتق الله في نفسك والزم  
بيتك ولا تخرج على امامك

تو روڈ والا۔ میں نے ان سے کہا تھا اپنی جان  
کے بارے میں اللہ سے ڈرو یعنی ناحق  
مذکور مت کرو اپنے گھر میں بیٹھے رہو  
اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو  
پھر حضرت ابو واقد الليثی رضی اللہ عنہم راہ میں جا لیا۔ اور روک کر فرمایا (ج ۸ ص ۱۹۳)  
بغاوت مت کرو کیونکہ جو شخص خروج  
کی وجہ نہ ہونے کے باوجود بغاوت  
کرتا ہے تو وہ محض اپنی جان کھونے  
نکلتا ہے۔

پھر طبری میں ہے (ج ۵ ص ۶۰) کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت حسین  
اور حضرت ابن الزبیر دونوں سے فرمایا اتقوا الله ولا تصافوا جماعة  
تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ مت ڈالو۔  
حضرت حسینؑ چار پانچ مہینے اپنے عم بزرگوار حضرت ابن عباسؓ کے پاس مکہ  
میں رہے اس عرصہ میں کوفیوں کے خط اور وفد آنے لگے۔ امیر المؤمنین زین العابدینؑ حضرت  
ابن عباس کو خط بھیجا (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۴)

احسبہ قد جاءك رجال من  
اهل المشرق فنووا الخلافة  
وعندك خبر وتجتبى يتفان  
كان قد فعل فقد قطع  
راسه القلبيت وانت كبير  
اهل بيتك والمنظور اليه  
فالقفه عن السعي في الفرقة  
مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس یعنی  
حضرت حسین کے کچھ لوگ مشرق رکنے  
سے آئے اور انھیں خلافت کی امید  
دلائیں۔ آپ کو حالات کا علم ہے اور  
آپ تجربہ کار شخص ہیں۔ اگر انھوں نے  
ایسا کیا تو قرابت کا مضبوط رشتہ توڑ دیا  
آپ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں اور ان کے  
محترم۔ آپ انھیں لفرقة ڈالنے سے

روکنے

حضرت ابن عباس نے جواب میں لکھا۔

ان لا امر جوان لا يكون خروج  
الحسين لاهر تکره ولست  
اوعه النصيحة في كل ما يجتمع  
الالفة وتطفي به النار  
میں امید رکھتا ہوں کہ حسین کچھ ایسا  
خروج نہیں کریں گے جو آپ کو ناکور ہو  
اور میں انھیں ایسی نصیحت کرنے سے کبھی  
باز نہیں رہوں گا۔ جس سے باہمی الفت  
قائم ہو اور فساد کی آگ بجھے

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے انھیں تو انہیں شرعیہ یا دلا کر روکا تھا  
یا تدبیر کے ناقص ہونے کے کاظم سے؟ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفر کا موقف جو  
مرتبا اور علم اور عمر میں حضرت حسینؑ سے کہیں زیادہ تھے پھر وہ ان کے سکے تباہ کیے بیٹے  
اور سکے پہنچائی ہیں۔ انھوں نے انھیں روکنے کی انتہائی کوشش کی حتیٰ کہ امیر مکہ سے  
ہر شہ فرما کر لیا اور امیر نے مزید اطمینان کیلئے اپنے دو بھائیوں کو بھی ساتھ کر دیا  
کہ حضرت حسینؑ واپس آجائیں ان سے سرکاری قافلے کے مال پر قبضہ کر لینے کے  
بارے میں کوئی نعرہ نہیں کیا جائیگا۔ لیکن جب وہ نہ ملنے تو حضرت ابن جعفرؑ  
اپنی زوجہ محترمہ سیدہ زینب کو روکنا چاہا اور جب وہ نہ مانیں اور بھائی کے  
ساتھ جاتے پر مصر رہیں تو انھیں طلاق دیدی۔ اپنے فرزند علی زین العابدینؑ کو  
بھی اپنے روک لیا۔

سیاہیوں نے یہ ہوا باندھی ہے کہ سیدہ زینب اپنے ساتھ اپنے دو اصغر السن بچوں  
عزرا و حمزہ کو لے گئی انھیں جھوٹے لہجے میں اپنی جان میں اپنے ماموں پر نشانہ کر دیں۔ حالانکہ  
یہ عزرا اور محمد انصاف حضرت عبداللہ بن جعفر کے بیٹے نہیں تھے بلکہ بھائی تھے اور بچے  
نہیں تھے بلکہ جوہن اور شادی شدہ تھے معمولی عقل کی بات ہے کہ جب حضرت عبداللہ  
نے اپنے فرزند علی زینب کو جو سیدہ زینب ہی کے لہجے سے تھے روک لیا تو دوسرے  
فرزندوں کو کیسے جمانے دیتے وہ اس خرنج سے اتنے ناواقف تھے کہ سیدہ زینب

جیسی رفیقہ و حیات کو اکھنوں نے طلاق دیدی۔

اس طلاق کے بابے میں اور پھر اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے نکاح کرنے کے متعلق امام ابن خزمہ حضرت ابن جعفرؓ کی بابت کہتے ہیں (حجرۃ الانساب ص ۲۳) ام کلثومؓ بنت علی بن ابی طالب اور بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں تھیں جن سے زید پیدا ہوئے جو اولاد سے اور پھر رقیہ دنا اولاد میں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد وہ عون بن جعفر کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفر نے ان سے نکاح کیا یعنی محمد الاکبر نے جو کہ بلا نہیں گئے تھے۔ انکی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں آئیں یعنی چونکہ وہ ان کی بڑی بہن سیدہ زینب کو طلاق دے چکے تھے

اب سوچنا چاہئے کہ صحابہ کرام اور ہاشمی گھرانے کے افراد حضرت حسینؓ کے خروج کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے بالآخر جب حضرت حسینؓ نے بھی کو فیوں کی غداری دیکھ لی اور معلوم کر لیا کہ عراق میں کوئی اختلال نہیں سب امیر المؤمنینؓ زیدؓ کی بیعت پر قائم ہیں تو خروج کا اعلان کر کے ان سے بیعت کیے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت حسینؓ کے اس اعلان کے صاف اور قطعی معنی یہ ہیں کہ اکھنوں نے اپنا موقف غلط ہونا خود تسلیم کر لیا اور یہ بھی کہ امیر المؤمنینؓ زیدؓ امام برحق تھے اور انکی بیعت توڑنا کاکوئی چیز نہ تھا۔ صحابہ کرام اور ان کے خاندانی بزرگوں نے انھیں تو اہد ثمرہ کے تحت روکا تھا۔ ان میں سے کسی نے ان کے ابتدائی موقف سے زبانی مہم رزی بھی ظاہر نہیں کی چہ جائیکہ انھیں خروج کی تدبیریں بتائیں۔ جو لوگ خدا اور رسول کے احکام کے حوالے سے روکیں وہ ایسے نہ تھے کہ خود تو خدا اور رسول کے نام پر امیر المؤمنینؓ زیدؓ سے بیعت کریں اور دوسروں کو بیعت توڑنے کی ترغیبیں یا خروج کی ترکیبیں بتائیں اور کوئی بھی عملاً ساکت نہ دے۔

مودودی صاحب نے صحابہ کرام پر بہتان رکھتے وقت اس حقیقت ثابتہ کو بھول

نظر انداز کر دیکر صحابہ میں سے کسی ایک شخص نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ انکی گردنوں میں امیر المؤمنینؓ کی بیعت تھی اور وہ سب خنزیر کو ناہائز جانتے تھے۔

علی بن الحسین حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) اپنے مزاج اور خیالات میں اپنے عم زیدؓ کو اور حضرت حسنؓ کی طرح تھے یعنی جس طرح حضرت حسنؓ کو بیعت لیکر صغیر تک تمام اقدامات میں اپنے والد ماجد سے اختلاف تھا اور حضرت معاویہؓ کے موقف سے اتفاق اس لئے اکھنوں نے اپنی بیعت ہوتے ہی کسی جنگ میں مغلوب ہوئے بغیر حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی اور صحیح بخاری ج ۲ کتاب الصلح طبع مصر اور امت کو مزید افراق و تشقاق سے بچا لیا۔ اسی طرح حضرت علی زین العابدینؓ کو اپنے والد حضرت حسینؓ کے خروج سے اختلاف تھا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کی طرح وہ فرزندانہ ساکتہ تو ہے مگر عملاً اکھنوں نے مدافعت نہ تلوار اٹھانے سے بھی گریز کیا کیونکہ شہید اعظم امیر المؤمنین عثمان صدقات اللہ وسلم علیہ کی طرح وہ قاتل ہونا پسند نہیں کرتے تھے اسی لئے سیائی راویوں نے دو چوک اس باپ کو تو عمر لڑ کا اور بیمار بنا دیا۔

حضرت علی بن الحسینؓ نے دمشق جا کر امیر المؤمنینؓ زیدؓ سے بیعت کر لی اور پھر عمومی خلافت کی حمایت پر قائم رہے۔ اکھنوں نے کسی تحریبی تحریک میں حصہ نہ لیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اندرونی فتنوں سے نجات دلانے والے عظیم قائد اور امام حضرت عبدالملک کو کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی اور یوں امت پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اقامت عالم میں دعوت محمدیہ کی نشو و اشاعت کے قابل ہو گئی اور تین چوتھائی متمدن دنیا کو پیچیس تیس برس میں حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔

مقتولین کے بلال کے سر دمشق میں سردی کی نمائش کا تصنیف فرما رہے مودودی صاحب نے ساتویں آٹھویں اور نویں دسویں صدی کے مصنفوں کی راہبوں سے استنبہا کی ہے۔ اگر قریباً الحمد خدا یا معتبر و مقبول سند سے وہ یہ بات ثابت کر لیں کہ شمش کرتے تو ایک بات ہوتی۔ لیکن چونکہ ایسا کرنا ان کیلئے ممکن نہ تھا اسی لئے وہ فرقہ پرستوں کی گھڑائی کی باتوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے



کہا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ لیکن سب روایتوں کو چھوڑ کر یہی روایت صحیح مان کی جائے کہ وہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا "میں حسین کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ اللہ کی لعنت ہو این زیاد پر۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا اور یہ کہ سب کو قسم لے حسین میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا" تو لانا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھیرے گورنر کو کیا سزا دی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی نہ اسے معزول کیا نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔

**باب البغاة** | ہدایت اور فرج القیود کہانے سے پہلے مووردی صاحب قرآن حکیم کیوں نہیں دیکھتے جس کے آپ مفسر بھی ہیں اور خود ہی المائدہ ۳۳ کا وہ مفہوم بتاتے ہیں جو ادب نقل کیا جا چکا کہ ان باغیوں کو بری طرح قتل کیا جائے انھیں سولی دی جائے انکے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے یا قید کر کے جائیں جس درجے کا جرم ہو اسی کے مطابق سزا دی جائے۔

لیکن زیر نظر بیان میں انھوں نے جو کچھ کہلے اسے کہتے ہیں بناء الفاسد علی الفاسد انھوں نے جتنے خیالی الزام عائد کئے ہیں انکی قلعی پھیلے اور ان میں ہم کھول چکے۔ کاش جس قرآن کی وہ تفسیر کرتے ہیں اس میں اس آیت پر بھی ایک نگاہ ڈالی ہوتی (الاحزاب ۵۷) الذین یؤذون اور جو لوگ مومنین و مومنات کو بغیر المؤمنین و المؤمنات بغیر ما ان کے کچھ کئے ایزا بہنجاتے ہیں تو انھوں اکستبوا فقد احتملوا بہتانا تے بہتان باندھا اور پھلے ہوئے گناہ قاتلاً مینا

کا بوجھ پانے گدھوں پر لاد لیا۔ جو باتیں امیر المؤمنین زید کی طرف ان صاحب نے منسوب کی ہیں تو یہ طعن محض امیر المؤمنین اور ان کے کارکنوں ہی پر نہیں ہے بلکہ اس قطعاً حرام اور سخت ظلم میں

ان تمام اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک مانتا پڑے گا جو نفعیوں کو چکے بیٹھے دیکھتے رہے اور احتجاج تک نہ کیا۔ کیا مووردی صاحب کو یہ جرأت ہے کہ لپیٹ لپیٹ کر بائیں کرنے کی بجائے قطعاً حرام اور سخت ظلم میں ملوث ہونے کا فتویٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر لگا دیں جنہوں نے حادثہ کر بلا کے باوجود امیر المؤمنین زید کی معیت توڑنے کو خدا و رسول سے ایسی بڑی فداوری قرار دیا کہ انکی نگاہوں میں اس سے بڑی کوئی فداوری نہ تھی [صحیح بخاری: کتاب الفتن]

رہا مووردی صاحب کا یہ اعتراض کہ امیر عبد اللہ کو کوئی سزا نہیں دی گئی اور انھیں معزول نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ملامت کا کوئی خط بھی نہ لکھا گیا تو ناظرین کرام پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی جو امیر عبد اللہ کو مستوجب سزا یا ملامت بنائے۔ اگر صحابہ کرام پر کسی طرح یہ ثابت ہو جاتا کہ حادثہ کر بلا کا ذمہ داری حضرت عمر بن سعد یا امیر عبد اللہ پر ہے تو انھیں سزا دلوانا یا معزول کر دینا کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔ ویسے ہم پچھلے ادراک میں بیان کر کے نہیں کہ اگر ہنگامی حالات میں حکومت کے کسی کارکن سے کوئی شدید غلطی یا ظلم ہو جائے تب بھی سنت یہ ہے کہ اس سے باز پرس کرنے کی بجائے امام اپنی تیراری کا اعلان کر کے مظلوم یا اس کے داروں کو راضی کر لے۔

بغرض حال وہ سب کچھ ہوا تھا جو کہ باو تلبیثاً وافراراً مووردی صاحب نے بیان کی ہے اور ان کے فرسے کے لوگ بیان کرتے ہیں تو حضرت حسین کو وارث اور اولیاء الملام کی رضا امیر المؤمنین زید کو پوری طرح حاصل تھی۔ آل بیت کا ہر فرد سے اتلا رضائی امدان کا ایسا وفادار تھا کہ ان میں سے کسی نے ان ہنگاموں میں حصہ نہیں لیا جو سلسلہ کے آخر میں حضرت امین الزبیر اور ساتھیوں کے سبب برپا ہوئے جن پر تبصرہ آگے آ رہا ہے۔ اگر بنو ہاشم کسی درجے میں بھی امیر المؤمنین زید سے ناراض ہوتے تو سب کے سب حضرت ابن الزبیر کے ساتھ ہو جاتے اور ہمیں حضرت زین کے چچا حضرت امیر عباس کا ان کے متعلق یہ ارشاد نہ ملتا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر

ج ۳ ص ۱۲۶ طبع مصر  
مارا اے یورید خیراوان کان  
لاید لا ییریبی بنوعی حب  
الی من ان ییریبی غیرھم

مجھے تو نظر آتا ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی  
بھلائی نہیں۔ اور اگر لوگوں کو یہ ہو تا ہے  
تو دوسروں کے ہاتھوں پر درش پانے  
کی بجائے مجھے محبوب تر یہ ہے کہ میرے  
اپنے چچا کے بیٹے رہتی امیر پر درش پانے  
بنو ہاشم اور اکابر صحابہ کے اسی عمل سے اموی خلافت کے ہاتھ مضبوط ہو

اور حضرت ابن الزبیر کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

**ایک اور گستاخی** | مودودی صاحب نے نسی تعصب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی جناب میں بھی گستاخی سے درتلیج نہ کیا۔ فرماتے ہیں (ص ۱۸۱)

اسلام تو غیر بد رجہا بلند چیز ہے، مزید میں اگر انسانی شرافت کی بھی  
کوئی رتتا ہوتی تو وہ موجتا کفر فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
سلم نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا۔ اور اس کی  
حکومت ان کے ذرائع کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

آج صدیاں گزر چکے کے بعد مودودی صاحب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
کے، اور امیر المؤمنین زبیر کے خاندان الگ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں ہاشمی  
اور اموی تو کیا پورا قبیلہ قریش ہی ایک واحد تھا۔ ہا گھرانوں کی ایسی تمیز  
پیدا نہیں ہوئی تھی جیسے بعد کے لوگوں نے پیدا کر لی۔ یا امتداد زمانے سے ہو گئی  
کہ اب ان کی خدمت اور شہری انتظام میں تمام گھرانے یکساں نہ رہے تھے اور جس  
گھرانے کو جو خدمت سپرد تھی اس کی انجام دہی کے وقت وہی گھرانہ تمام قریش  
کی قیادت کرتا تھا۔ یہ تصور کہ نلال گھرانہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے اردوں سے  
جدایا افضل تھا بعد کی پیداوار ہے۔ اب ہم خاص بنو عبدمنان کو دیکھتے ہیں ہمیں  
عیاناً نظر آتا ہے جس کی ترویج نہ ممکن ہے کہ امیر المؤمنین زبیر کے زمانے ہی تک نہیں

بلکہ پورے اموی دور کے آخر تک امویوں اور ہاشمیوں کی تقسیم اس طرح نہیں ہوئی تھی  
کہ سب ہاشمی ایک گروہ ہوں اور سب اموی ایک علیہ گروہ۔ حضرت عثمان کی شہادت  
کے بعد جو واقعات رونما ہوئے اور ان کے دشمنوں نے ان واقعات کو ہاشمی اموی پر  
اور کرانا چاہا ہے۔ تو ان کی تکریب کیلئے یہ کافی ہے کہ حضرت علی کے سگے بیٹے بھائی  
حضرت عقیل نے حضرت معاویہ کے ساتھ اور جنگ جمل کے بعد حضرت مردان نے بھی  
امیر المؤمنین علی سے بیعت کر کے حضرت ام المؤمنین کے ساتھ چلے گئے اور مدینہ  
میں سکونت اختیار کر لی یعنی صفین میں وہ حضرت معاویہ کی طرف سے شریک  
نہیں ہوئے اسی طرح حضرت حسین کے مقابلے میں بنو ہاشم نے اموی حلیفہ کا ساتھ یا  
دہی بات احسان کی تو یہ احسان ایک ہاشمی نے اموی مفتوحوں پر نہیں کیا تھا

بلکہ خود ہاشمیوں پر بھی تھا۔ ویسے قریش کا کونسا گھرانہ ایسا تھا جس میں مومن نہ  
کافر نہ ہوں بلکہ امویوں میں جتنے قدیم قریب الا سلام مومن تھے اتنے ہاشمیوں میں کہاں  
تھے۔ اور جتنی عداوت ہاشمی کافروں نے دکھائی اتنی اموی کافروں کی طرف سے کبھی  
گو یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہاشمی ہونے کی حیثیت سے موافقوں کو انعام اور  
مخالفتوں کو سزا دینے کی سوچتے تب بھی موافق و مخالف قائدانوں میں تمیز کرنے کا امکان تھا  
لیکن فتح مکہ کے دن جو کچھ ہوا وہ ایک ہاشمی فاتح کی طرف سے نہیں بلکہ رسول  
اللہ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر

پڑا تھا۔ جیسے ہی فرما چکا تھا | الممتحنتم

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ  
بَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنِّي لَمَّا  
مُؤَدَّبَةٌ طَوَّالَهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ  
عَفْوٌ رَحِيمٌ  
قریب ہو گا اللہ تمہارے اور ان کے درمیان  
جس سے آج تمہیں عداوت ہے فحبت  
پیدا کرے۔ اللہ قدرت والہ ہے اور اللہ  
ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

بارگاہ رسالت میں یہ انتہائی گستاخی ہے کہ نام نہاد خاندانی نزاعات میں آپ کی  
ذات اقدس و اعلیٰ کو شامل کرنے کی جرأت کی جلتے اور نسلی پیمانے پر آپ کو بھی ناپا جائے

آپ تمام امت کے باپ ہیں اور آپ کی نودان تمام امت کی مائیں۔ آپ کا قانون اور آپ کی شریعت سب کیلئے یکساں ہے۔ کسی کی حیثیت نہیں کہ آپ کے رشتہ داری کی خصوصیت جتا کر دوسروں کو غیر سمجھے۔

علاوہ ازیں مودودی صاحب کو علماء الانساب کچھ بہرہ ہوتا تو ایسی بیخفیات ان کے تلم سے نہ نکلتی۔ حضرت حسین اور امیر المؤمنین زید بن کوناگوں رشتوں میں منسلک تھے حضرت حسین کی زوجہ ادنیٰ حضرت معاویہ کی سگی بھانجی تھیں اس رشتے سے وہ امیر المؤمنین زید کے بہنوئی تھے اور دوسرے رشتے سے امیر زید حضرت حسین کے بھتیجہ والا دوتھے حضرت حسین کے چچے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر ہیار کی دختر تھیں امیر المؤمنین کی زوجہ تھیں۔ وہاں نسل کا قطعاً کوئی سوال نہ تھا۔ امیر المؤمنین کے اپنے بیٹے یا بھائی بھی اگر خروج کرتے تو ان کا برتاؤ کچھ مختلف نہ ہوتا اور نہ قواعد شرعیہ کے تحت مختلف ہو سکتا تھا۔ اور یہاں تو وہ بات بھی نہ تھی جو لوگوں نے بنا کر ہی ہے۔ جیسا کہ ان صفحات میں ہم آشکارا کر چکے۔ صحیح النسب ہاشمیوں اور علویوں ان سیاسی امور کو نسلی اور خاندانی حیثیت سے کبھی نہ دیکھا، اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ کوئی اختلافی مسئلہ ایسا ہے جس کے تحت سب ہاشمی ایک طرف ہوں اور سب اموی دوسری طرف۔

**صلاح اور فاسد نظام** | مودودی صاحب کے ہاں صلاح اور فاسد کا بہت بڑا فرق ہے۔ قارئین کرام کو ہم اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ ایک سیاسی نظام تو وہ تھا جو اچھا المؤمنین کی تائید سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین معاویہ کی قیادت میں قائم کیا ہر مرحلے پر آپ کی تائید کی اور وہی نظام صدیوں تک امت میں قائم رہا۔ اس نظام کے تحت جماعت ایک واحد ہے اور تمام امور اہل الرائے کے مشورے اور امت کی تائید و حمایت سے طے ہوتے ہیں نہ علی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری ہے نہ روحانی سر بلندی کیلئے کسی خاندان یا شخص سے وابستگی لازم ہے۔ صرف اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر معیار کا رہے جو ہر صحابہ کرام کو

دین کا مقتدا سمجھا جاتا ہے اور ان کے اجماع کو حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک شخص کو جب التعظیم سمجھے جانے کی بنیاد اس کا علم اور تقویٰ ہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک یہ نظام باطل تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس باطل نظام کے مقابلے میں جو نظام ہمارے حیات راجح کرنے کی کوشش کی گئیں وہ کیا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حسین کی خلافت قائم ہو جاتی تو صورت حال کیا رہتی لیکن عملاً ہمارے سامنے ان کے ایک پوتے زید بن علی کا عمل ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد پر ان کے تابعین کا عمل ہے۔ اس نظام میں خلافت کا صحیح استحقاق صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا ہے۔ اگلے صفحے پر اس کی مزید تفصیل آتی ہے۔ ویسے یہ زید وہ ہیں جو اپنی طرف منسوب شدہ مسلک کے باوجود امیر المؤمنین ولید سے لیکر امیر المؤمنین ہشام تک تمام خلفاء کی بیعت میں تھے اور پھر ایک نہایت نامعقول و بھوکے بنیاد رکھنے والے یہ بیعت اور کوئی سیاسیوں کے بہکانے میں اگر خروج کر بیٹھے مگر وقت پر انھیں دوسو حمایتی خاص کوفے سے بھی نہ مل سکے چہ جائیکہ امت ان کی تحریک سے کوئی دلچسپی رکھتی۔

(۲) دوسرا سیاسی نظام وہ تھا جو خلافت عباسیہ کے کم زور دور میں جلنے کے بعد برپا ہوا خاندان نے قائم کیا۔ اور تقریباً ایک صدی تک یہ امت اس نظام کے تحت پستی رہی۔ اس کے نمایاں مظاہر یہ تھے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت ہو امت کے ہاتھ میں جو قرآن متداول ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک نیا قرآن راجح کیا جائے۔ حجر کے ماتم اور عبید بن جریجر کا راجح ہو۔ قبر پرستی کو ترویج ہو اور لوگوں کے ہوسے لوگوں سے امتداد کو توجید سمجھا جائے۔ سلف صحابین پر بہتان طرازی کو مروج تصنیف بنایا جائے اور جو لوگ یہ تیک کام انجام دیں جیسے سعیدی اصفہانی انہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اور فواحش کو دینی حیثیت دے جائے۔ اس نظام کے تحت بھی امامت کا حق صرف فاطمیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصور کے تحت کہ ان کا شاخ کے چند افراد کو خدا کی طرف سے ولایت کی گئی۔ اور ان کی اولاد کو نہیں۔

۳) تیسرا نظام وہ تھا جسے عبیدیوں نے مصر میں قائم کیا کہ جو شخص کتا بنے سنت کا نام لے تہ تیغ کر دیا جائے۔ قرآن کے ظاہر کو معطل کر کے باطن کے نام سے ہر قسم کے زندقہ و الحاد کو فروغ دیا جائے اور تحریک کا اصل اصول ہو اعدام المسلمین یعنی اول تو ہزاروں علماء و فقہاء کو خود قتل کریں اور پھر بعد میں فدا بیوں کو جنت کی سیر کر کے اعظم سلام کو شہید کر لیا جائے۔ جب مسلمانوں کی جنگ کفار سے ہو تو اس وقت یہ دو سادات کرام، "نصرانیوں کے جھنڈے اٹھائے ہوئے مسلمانوں سے" جہاد کریں ان کے ہاں بھی امامت کا حق صرف فاطمیوں کو ہے اور اللہ کی طرف سے شرعاً تفویض کیا جاتا ہے اس لئے فاطمی اور عرب نہ ہوتے کے باوجود انہوں نے آپ کو فاطمی کہا اور نبردِ شمشیر کھلویا اور اپنا نسب فاطمیوں کی اسی شاخ سے ملا لیا جو ان کے نزدیک خدا کی طرف سے مقرر کردہ لوگوں پر مشتمل تھی۔

۴) چوتھا صفویوں کی ایران میں حکومت کا تھا انہوں نے فاطمی تسکین و دعویٰ گیمائی علماء و فضلاء اور عام باشندوں کو تہ تیغ کر کے سب صحابہ کو راج کیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور تھے جنہیں بھی انہیں مثلاً عبداللہ بن الزبیر کی حکومت یا ان صحیح العقیدہ فاطمیوں کی حکومتیں جو کہیں کہیں مدت کے لئے قائم ہوئیں اور جن میں سے بعض اب بھی موجود ہیں۔

کیا مودودی صاحب یا ان کے ہم خیال لوگوں میں سے کوئی اور صاحب کسی طرح یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ حکومتیں اموی اور عباسی خلفوں سے قلاں اعتبار سے بہتر تھیں۔

ان میں سے کوئی حکومت ان قواعد و اصول کے تحت قائم نہیں ہوئی جو مودودی صاحب نے اپنے زعم میں وضع کئے ہیں۔ ان سب کی بنیاد اپنے اپنے عہد کے مقبول انام خلفاء کی بیعت توڑ دینے اور اپنے قائدانہ کی موروثی حکومت کے قیام پر تھی۔ پھر ان حکومتوں کے مقاصد و حواصل میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی اور نہ کوئی صاحب ایسی کوئی بات دکھا سکتے ہیں کہ انہیں اجتماعی سیاسی عمرانی اور فقیہی اصولوں کے تحت

کسی امتیاز کا حامل کہا جاسکے۔

مودودی صاحب نے اموی اور عباسی خلفوں پر تو مطاعن کے انبار لگائے کا ابن الزبیر کی یا ان صحیح النسب فاطمیوں کی حکومتوں پر بھی کچھ زندقہ و دشمنی ڈالی ہوتی جسے اندازہ ہوتا کہ وہ "اسلامی نظام" جس کے مودودی صاحب نے اعلیٰ ہیں۔ اس کا یہ تو ان حکومتوں میں بھی کسی اعتبار سے نظر آتا ہے۔

حضرت ابن الزبیر صحابہ صحابہ میں ہونے کے علاوہ اپنے ذاتی فضائل بھی رکھتے تھے۔ مگر ان کی اور امیر المومنین زبیر کی حکومت میں اگر کوئی فرق ہوتا تو ہم عصر امت سے جان لیتی اور حضرت ابن الزبیر کی حکومت روز بروز مضبوطی سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی لیکن ہوا یہ ہے کہ وہ ضعیف تر ہوتی چلی گئی اور آخر وقت تک بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے ان سے بیعت نہیں کی اور یہ سب امیر المومنین کی بیعت میں تھے اور ان کے خلاف خروج کو حرام جلتے تھے اور نظام حکومت کو صلح سمجھتے تھے۔

**امرت کا مرتبہ** | مودودی صاحب اموی خلافت میں آزادی رائے کے نکلنے کی ذیلی سرخی کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو بیعت ہمت اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لیکر بھی بات کہنے والے ان کے اندر کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور ضمیر فریبی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی، اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور باضمیر لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ انہیں ملک اور اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی حکومتیں آتی اور جاتی رہیں مگر لوگ ان کی آمد و رفت کے تماشائی بن کر رہ گئے۔ عام لوگوں میں اس پالیسی نے جس سیرت و کردار کو نشوونما دینا شروع کیا اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو حضرت

علی بن حسین زین العابدین کے ساتھ پیش آیا تھا وہ بیان فرماتے ہیں کہ ساتھ کر بلا کے بعد ایک شخص چھپا کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری خوب خاطر مدارات کی۔ اس کا حال یہ تھا کہ ہر وقت مجھے دیکھ دیکھ کر دوتا تھا۔ اور میں اپنی جگہ بیٹھتا تھا کہ میرے لئے اگر کسی شخص کے اندر ہے تو وہ یہ شخص ہے۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیاد کی یہ منادی سنی گئی کہ جو کوئی علی بن حسین کو ہمارے پاس پکڑ لائیگا اسے تین سو درہم انعام دیا جائیگا۔ یہ اعلان سنتے ہی وہ شخص میرے پاس آیا میرے ہاتھ میری گردن سے باندھنا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا اسی حالت میں وہ مجھے ابن زیاد کے پاس لے گیا اور اس سے انعام حاصل کر لیا۔

یہ تحریر کیا ذرا اور سوز خواں کی زبان سے تو ہو سکتی تھی جو شخص رولے رلائے کی غرض سے اہل قصبے بیان کرتے ہیں لیکن کسی مفکر و مفسر قرآن کے قلم سے جو درخش و نیش کا مدنی بھی ہو ایسی اہل بات کا ادا ہونا سیرت انگیز ہے کہ ساتھ کر بلا کے بعد حضرت علی بن حسین زین العابدین کو ایک شخص چھپا کر اپنے گھر لے گیا تھا جہاں ان کی خوب خاطر مدارات بھی کی لیکن ابن زیاد کی منادی سن کر کہ جو کوئی علی بن حسین کو پکڑ لائیگا تین سو درہم انعام دیا جائیگا اور اس سے انعام حاصل کر لیا۔ یہ خوبت وہی شخص کہ سکتا ہے جس کی عقل اور سمجھ پر موی قلن کی شہمی و عناد کا ایسا پیر پڑا ہو کہ وہ معمولی سمجھ سے بھی کام نہ لے سکے۔

حسینی خاندان کے اسباب اور حالات سے جس کو بھی قدرے واقفیت ہوگی اسے معلوم ہوگا کہ حضرت علی بن حسین زین العابدین ساتھ کر بلا کے زلزلے میں چوبیس بجے برس کے جوان مرد دو بچوں کے باپ تھے۔ اپنے دو بزرگ عزیزوں کی طرح جو کاندھار میں زکری کی تھی وہ بھی ہنگامہ میں صبح و سالم ہے تھے اور ساتھ

کے لہزدہ تو اپنے عزیزوں کی جن میں دو ایک بھروسہ بھی تھے دیکھ بھال میں مصروف تھے ان کے اعزہ میں تین تو ان کے سوتیلے بھائی تھے محمد و جعفر و عمر فرزندان حسین بن علیؑ اور چاران کے چچا حضرت حسنؑ کے بیٹے تھے یعنی حسن ثنی جوان کے بہنوئی بھی تھے اور زید و عمر و طلحہ ابنائے حسن بن علیؑ اور دوسرے عزیز فرزندان مسلم بن عقیل و عباس بن علیؑ و غیر ہم۔ پھر تھیں محذرات اہل بیت حسینؑ یعنی خود ان کی والدہ ماجدہ انکی پھوپھی اور بہنیں وغیرہ تو ہاشمی خاندان کے ان سب افراد کی موجودگی میں حضرت زین العابدین جیسے ۲۵ سالہ کرپیل جوان کو کوئی شخص ان سب چھپا کر اپنے گھر لے اور کیا مودودی صاحب کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں کر بلا جیسے صحرائی مقام اور چٹیل میدان میں کوئی آبادی تھی، کسی کا گھر تھا کر بلا میں نہیں تو کیا کوسوں دور کونے کو انہیں اغوا کر کے اس حالت میں لے گیا تھا کہ بقول ان کے چلہ ہزار سرکاری فوج چاروں طرف گھیرا ڈالے پڑی تھی وہ اگر چھوٹے بچے ہوتے کہ گود میں چھپا کر لے جا سکتے تھے۔ تب بھی ان کی ماں بہنوں اور حسینی خاندان کے اتنے افراد کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ اور اگر بیوی بچوں اور ماں بہنوں کو تہا چھو کر کسی شخص کے ساتھ ناموس سے بے پروا ہو کر نکل بھاگے تھے تو کیسے ممکن ہو گیا کہ وہ شخص ان کے ہاتھ گردن سے باندھتا رہا وہ چپکے سے بندھولتے رہتا اور ہمت کی کوئی تدبیر نہ کی، مودودی صاحب نے اس اہم روایت کو بطور حجت پیش کرتے وقت کم از کم حضرت علی بن حسینؑ کی ہاشمی غیرت و حمیت و جلالت کا تو پاس کیا ہوتا۔ کرتا چلتے ہیں ایک فرضی شخص کو بندہ بنا کر اس وقت کے مسلمانوں کے کردار کی سببی اور اس سے بدتر سببی اور بے غیرتی ثابت کر دیتے ہیں۔ اس عالی مرتبت ۲۵ سالہ ہاشمی کی جس کی رگوں میں شیر بنشہ شجاعت علی و حسین رضی اللہ عنہما کا خون دور رہا تھا۔

مودودی صاحب کے مخذ الطبری میں ساتھ کر بلا کی بیشتر روایتیں ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے کذاب سبائی راویوں کی ہیں ان ہی میں حضرت علی بن حسین زین العابدین



جیسے پچیس سالہ ہاشمی جو انمروکینا یا ناخ بچہ تبا یا گیبہ لکھا ہے کہ علی بن حسین نے بچے کو  
 گئے اس لئے قتل کئے جانے سے بچ گئے۔ واستصغریٰ بن حسین بن علی  
 قلم بقتل (طریقہ ص ۵ ص ۲۶۹) یہ کذب بیانی ان کے دوسرے عزیزوں جناب  
 حسن ثنی بن حسن علی اور ان کے بھائی عمر بن حسین بن علی کے بارے میں بھی کی گئی  
 ہے۔ پچیس تیس سالہ ہاشمیوں کو نا باخ بچہ تبا کر لکھا ہے کہ وہ بچہ سمجھ کر قتل نہیں  
 کئے گئے۔ مودودی صاحب نے سپاہیوں کی ان کذب بیانیوں کو باور کے لکھا ہے کہ  
 بن حسین زین العابدین کو ایک شخص چھپا کر اپنے گھر لے گیا اور انعام کے لالچ میں  
 ان کے ہاتھ گردن سے باندھ کر گورنر کے سامنے پیش کر کے انعام حاصل کر لیا  
 ایسی فتواریں لکھی جاتیں مودودی صاحب جیسے زیرک و نہیم مولف کے قلم سے اسی  
 حالت میں صفحہ قرطاس پر ٹپک سکتی ہے کہ معاویہ بن زینر بن زینر ہاشمی اظہار حق سے باز نہ  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الفتح) کہ صحابہ اور ان کی وابستہ جماعت ہمیشہ ہر لحاظ سے مستقیم  
 پر قائم رہے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع  
 نہ ہوگی۔ نیز فرمایا ہے کہ بہتر بن صدی میری ہے پھر ان کی جو ان کے بعد ہوں پھر  
 ان کی جو ان کے بعد ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صدی امیر المؤمنین زینر کے  
 ۳۶ سال بوقت ہو گئی مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ ص ۸  
 ص ۲۶۹ میں ہے "فبعث رسول اللہ فی قرن وکان اخرا موت یزید بن  
 بن معاویہ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن قرن میں مبعوث ہوئے وہ یزید بن  
 معاویہ کی موت پر ختم ہوا) یہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خیر القرون  
 تھا یعنی پہلی صدی ہجری جو ملت اسلامیہ کا سب سے بہتر دور تھا۔ جس نے  
 مسلمانوں کے درخشاں کارناموں سے تمام عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور تمام  
 عالم آج تک ان کی کامرانیوں پر عرش غش کرتی ہیں وہ مودودی صاحب کو ملت  
 اسلامیہ کے ذہنی انحطاط کا زمانہ نظر آتا ہے جس نے روح اسلامی کو مضمحل کر دیا  
 تھا۔ تو یہ نتیجہ انہوں نے شاید اس لئے مرتب کیا ہے کہ حضرت علیؑ کی اولاد میں جن

حضرات نے سیاسی اقتدار کے حصول کیلئے خلفاء و ائمہ اسلام کے خلاف شروع کئے تھے  
 اپنے حمایتی نہ مل سکے ان کی تفریق امت کی کوششوں میں امت نے توجہ نہ کی  
 اور سلطان خیر عالم کے جہاد میں مصروف ہے۔ اس کے سولے اور کیا بات ہو سکتی  
 ہے کہ مودودی صاحب کو اسلام کی پہلی صدی کی درخشانی میں ظلمت نظر آئے اور  
 ارتقلے ملی کو وہ پستی باور کرنے لگیں۔ کہ بلا میں تھلیفہ وقت کے حکم سے اگر خیال  
 حکومت نے وہ وحشیانہ و ہیمانہ افعال کئے ہوتے جو کذا بین نے منسوب کئے ہیں تو  
 حضرت علی بن حسین (زین العابدین) اس سانچے کے بعد امیر المؤمنین زینر کی متائش  
 نہ کہتے اور دعائیں نہ دیتے جیسا کہ ان ہی کے صاحب جزادے جناب محمد (یا قر) کا قول  
 مودودی صاحب کے ماخذ طبقات ابن سعد ص ۵ ص ۱۵۹ حتی کہ الامامة  
 والسیاسة (ص ۱۲۲) میں بھی جو علامہ بن قتیبہ کی جانب غلط منسوب ہے  
 ان الفاظ میں درج ہے کہ جب امیر مسلم بن عقبہ نے حضرت علی بن حسین سے بوقت  
 ملاقات یہ کہا کہ امیر المؤمنین زینر نے آپ کے ساتھ بھلائی اور انعام کا حکم دیا ہے  
 تو جناب محمد (یا قر) فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ان کو دعائیں دیں اور کہا  
 وصل اللہ لعلمہ المؤمنین و احسن جزائہم اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنی  
 رحمت سے ڈھانکے اور اچھی جزادے

**واقعہ حرہ** | مودودی صاحب کے خیال باطل میں دوسرا واقعہ جس نے پوری  
 دنیا کے اسلام کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا، جنگ حرہ کا تھا۔ اس واقعہ کی خود  
 روداد وہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں (ص ۱۸۱)

اس کے بعد یعنی حادثہ حرہ کے بعد (دوسرا المناک واقعہ جنگ  
 حرہ کا تھا۔ جو ۶۳ھ کے آخر اور زینر کی زندگی کے آخری ایام  
 میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے کہ اہل مدینہ نے زینر  
 کو فاس و فاجرا و ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کی وی اسکے  
 عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سربراہ بنا لیا۔

یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ المزنی کو جسے سلف صالحین مسرت بن عقبہ کہتے ہیں ۱۲ ہزار فوج دے کر مریخے پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پاو تو تین دن تک مدینہ کو فوج پر مسلح کر دینا یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے فوج کو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹا کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا۔ امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام ماسے گئے اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حاقظ ابن کثیر کہتے ہیں حتی قیل انما حبيت الفناہر اذ عا فی تلک الایام من غیر زوج

دکھا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں

یہ ہے وہ مختصر مکتوبہ روداد جوان صاحب نے جنہیں ”داعی حق“ ہونیکا دعویٰ ہے عقل و جفا کو خیر باد کہہ کر ایسے فیصلہ کن انداز میں پیش فرمائی ہے جیسے مدینے کے سر کے سرب باشندے ۱۳ھ کے آخر میں اس وقت جبکہ حادثہ کر بلا کی تین سال گذر گئے تھے خلیفہ وقت سے اس کو فاسق و ظالم قرار دیکر یکا یک باغی ہو گئے ہوں۔ سلاطینہ حادثہ کر بلا کا جن لوگوں کے دلوں سے خاص تعلق تھا یعنی حضرت حسینؑ کے اہل خاندان نبی عبدالمطلب و نبی ہاشم وہ سب ان باغیوں کے مخالف اور خلیفہ یزید کے طرفدار تھے اور ان کی بیعت پر مستقیم ہے تھے، اور جیسا پچھلے اور ان میں بیان ہوا شیخ الصحابہ حضرت عبدالمطلب بن عمر فاروقؓ اور ان کے گھرانے کے لوگ باغیوں کی جماعت سے بیزار اور کنارہ کش تھے۔ یہ سب واقعات تو مورخوں صاحب کی کتب ماخذ میں مراجع درج ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

واعترزل الناس علی بن الحسین  
 (زین العابدین) وکن لک  
 عبد اللہ بن عمر بن الخطاب  
 لم یختلفا یزید ولامن بیت  
 ابیہم وکن لک لم یخضع  
 یزید احد من بنی عبد  
 المطلب (البداایہ والنہایہ  
 ج ۸ ص ۲۱۵)

اور علی بن الحسین (زین العابدین) ان لوگوں (باغیوں) سے کنارہ کش ہے اسی طرح عبد اللہ بن عمر بن الخطاب نے (خلیفہ) یزید کی بیعت نہیں توڑی اور نہ ابن عمرؓ کے گھرانے میں کسی ایک شخص نے۔ اور اسی طرح نہ نبی عبدالمطلب (ہاشمی گھرانے) کے کسی ایک فرد نے بھی (خلیفہ) یزید کی بیعت سے انحراف کیا۔

موردی صاحب کے یہی معتبر مورخ ابن کثیر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وقد کان عبد اللہ بن عمر  
 بن الخطاب وجماعت اهل  
 بیت النبوة ممن لم ینقض  
 ولا یایع احد بعد بیعتہ  
 یزید (ص ۲۱۳)

پھر حضرت حسینؑ کے پوتے جناب ابو جعفر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

قال ابو جعفر الباق۔ لم یختر  
 احد من آل ابی طالب ولا من  
 بنی عبد المطلب ایام  
 الحرة (البداایہ والنہایہ  
 ج ۸ ص ۲۳۳)

ابو جعفر الباق نے فرمایا کہ جنگ حرہ کے دنوں میں نہ تو ابوطالب کے خاندان کا کوئی شخص (خلیفہ کے خلاف) نکلا اور نہ نبی عبدالمطلب (نبی ہاشم) میں سے کوئی شخص۔

نبی ہاشم و فاروقی خاندانوں کے اشخاص کے علاوہ عثمانی و صدیقی اور اموی یہ سب خاندان بغاوت کے مخالف تھے۔ نیز انصاریوں میں سے سب بڑا گھروانا

بنی خارجیہ اور مشاہیر کا تھا جنہوں نے سرکاری فوجی دستے کو اپنے حملہ میں سے گذار کر شہر پر قبضہ کر لیا تھا ان سب خاندانوں کے انفرادی تعداد کو ہزار نفوس کی گنتی۔ یہ سب اہل مدینہ ہی تھے۔ بلکہ اہل مدینہ کے متنازعہ سربراہ اور وہ انخاص تھے تو جب یہ لوگ باغیوں کے خلاف اور خلیفہ وقت کے طرفدار تھے اور انکی بیعت پر قائم رہے تھے۔ عرف حضرت ابن زبیر کے داعیوں عبداللہ بن مطیع وغیر ذہبی سے مقصد سے تین برس کے خفیہ پروپیگنڈے سے مفسدین اور شریکین علوم کی بڑی تعداد کو دام تیردیر میں پھانس کر بغاوت پر ابھار دیا تو ان حالات میں اہل مدینہ کے الفاظ سے گو یا کل باشندگان مدینہ کو باغی کہہ کر مدینہ کے ان سب من پسند ممتاز خاندانوں جماعت اہل بیت نبوت وغیر ہم کو بغاوت سے متہم کرنا سرکجا کذب بیانی ہے۔

جس وقت ابن مطیع وغیرہ داعیان حضرت ابن زبیر نے خلیفہ وقت کی ذات کے خلاف محاذ بنا کر شرب خمر اور ترک صلوة کے اتہامات عائد کئے تھے۔ اسی وقت ان کی تردید و تکذیب حضرت حسینؑ ہی کے بھائی اور حضرت علیؑ کے عالم و فضل فرزند حضرت محمد رابن الحنفیہ نے جو امیر المؤمنین زبیر کے پاس مقیم رہے تھے اپنے ذاتی معلومات اور چشم دید حالات کی بنا پر کی گئی۔ داعیان ابن زبیر نے حضرت محمد الحنفیہ کی مخالفت سے خائف ہو کر انہیں خود اپنے لئے بیعت خلافت لینے پر جبکہ مادہ کرنا چاہا تو جو مکالمہ ان میں اور ابن مطیع میں ہوا وہ ہم تفصیل سے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و زبیر" میں درج کر چکے ہیں۔ یہاں مودودی صاحب ہی کے معتبر ماخذ الیہ ایسا والتمہایہ، راج ۸ ص ۲۳۳ سے اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ابن مطیع کے جواب میں حضرت محمد رابن الحنفیہ نے فرمایا۔

فأرأيت منه ماتنا كرون و قد حضرته و اوقت عنده فوآيتنا موأطبا على الصلاة متحررا للخير يسأل عن الفقه

میں نے ان میں (یعنی امیر المؤمنین زبیرؑ) میں (وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم لوگ بیان کرتے ہو۔ میں تو ان کے یہاں گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔

ملاخر ما للسنة

میں نے انہیں نماز کا پابند اور نیک سوں کا جو یاں پایا وہ فقہی امور میں مذاکرات کرتے ہیں اور سنت کے پابند ہیں۔

اسی طرح حضرت حسینؑ کے چچا جبرائیل حضرت عبد اللہ بن عباسؑ کے امیر المؤمنین معاویہ کے انتقال کی خبر سنانے والی ذاتی معلومات سے امیر زبیر کے بلکے میں فرمایا تھا۔

وان ابنہ یزید لمن صالحی  
اهله قالوا اجمالسکوا عطا  
طاعتکم و بیعتکم کتاب  
الانساب بلاذری قسم ثانی

اور ان کے (حضرت معاویہؑ) کے فرزند امیر زبیرؑ اپنے خاندان کے نیکو کاروں میں ہیں۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، اطاعت کرنا اور بیعت کرنا مودودی صاحب کے پسندیدہ ماخذ الیہ ایسا والتمہایہ میں ابی کثیر لکھتے ہیں۔

وقد اوسر دا بن عساکوا احاد  
فی دم یزید بن معاویہ  
موضوعه لا یصم شیئ منھا  
رج ص ۲۳۱

اور ابن عسا کے زبیر بن معاویہ کی خدمت میں جو روایتیں درج کی ہیں وہ سب کی سب موقوفہ ہیں ان میں سے کوئی بات بھی سچ نہیں۔

پھر ان ہی حلقہ ابن کثیر نے امیر المؤمنین زبیرؑ کے طبعا علیم و کریم اور تنوع صفات ہونے کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ۔

وقد کان یزید فیہ خصال  
محمودة من الکره والحلم و  
الفصاحة والشعور والشجاعة  
حسن الراعی فی الملك وکان  
ذا جمال حسن المعاشرة ۸۶

اور زبیرؑ کی ذات میں قابل ستائش صفات علم و کرم فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں نیز معالفا حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔

ص ۲۳۰

انہی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینہ کی باغی جماعت جو تتراب نوشی اور ترک

صلوٰۃ کا اتھام ایمانوں میں پر غنا نہ کرے یہ تھی حضرت حسین کے بھائی محمد بن الحنفیہ  
جیسا ضمناً ادھر برتر نہ ہو ان لوگوں سے امیر زبیر کی طرفداری میں جھگڑتے اور  
مناظرہ کرتے تھے۔

وَنظَرُهُمْ وَجَادَ لَهُمْ فِي يَزِيدٍ  
رَحْمَدُ بْنُ الْحَنْفِيَّةِ بِأَعْيُنٍ كَسَانَهُمْ يَزِيدَ  
رَدَّ عَلَيْهِمْ وَأَاتَهُمْ وَأَيُّهُمْ بِمِثْلِ  
كَيْسٍ فِي مِثْلِ وَتَكَرَّرَ كَيْسٌ وَأَجَابَهُمْ  
يَزِيدٌ بِشَرْبِ تَمْرٍ أَوْ تَرَكَ صَلَوةً كَيْسٍ  
شَرِبَ الْخَمْرَ وَتَرَكَ بَعْضَ الصَّلَاةِ  
لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ وَهَذَا كَيْسٌ تَرَدَّدَ كَرْتَةً تَحْتَهُ -  
ج ۸ ص ۲۱۸

موردی صاحب ہی کے کتب ماخذ البدایہ النہایہ و طبقات ابن سعد والاماتہ  
والسیاستہ میں صراحتاً بیان ہے کہ ایام حرم میں حضرت حسین کے صاحبزادے جناب علی  
زین العابدینؑ امیر المؤمنین زبیرؓ کہہ کر انھیں دعائیں دیتے رہے، نہ انکی بیعت  
توڑی اور نہ ابن زبیر سے بیعت کی۔ ان واقعات اور تصریحات کے باوجود جو  
موردی صاحب کے کتب ماخذ ہی سے یہاں نقل ہوا نکایہ کہنا کہ "اہل مدینہ" نے  
زبیر کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کر دی، "اصل صورت  
واقعہ کو مسخ کر کے پیش کرنا اور اہل بیت نبوت کے ممتاز افراد پر جو "اہل مدینہ"  
شامل اور امیر زبیر کی نیکی پر سیرگاری اتباع سنت اور پابند صلوة ہونے کے باوجود  
میں باغیوں سے جھگڑاتے تھے۔ ان سب حضرات ساکنان مدینہ کو بھی امیر المؤمنین کی  
پرگونی سے جہنم کرنا کذب بیانی ہے۔

**اصل واقعہ** حضرت حسینؑ کو نبیوں کے مواعید پر یقین کر کے حصول خلافت  
کے لئے جب مکہ سے عراق جانے لگے متقدم صحابہ کرام کے علاوہ ان کے بزرگوں عزیزوں  
ہمدردوں سب ہی نے سمجھایا کہ کوئی غداروں پر بھروسہ نہ کریں۔ طبری کی روایت  
میں ہے کہ حضرت ابن زبیر نے ان سب حضرات کے برخلاف حضرت حسینؑ سے کہا  
تھا، اگر آپ کے شیعوں کی طرح میرے لوگ عراق میں ہوتے تو میں وہاں جانے سے  
انحراف نہ کرتا۔ بالآخر حضرت حسینؑ نے کوئے اپنے نمائندے مسلم بن عقیلؓ کے

خطے آنے پر عراق جانے کا ہتھیہ کر لیا تو حضرت ابن عباسؓ کا جھلہ در باتوں کے اس سے  
بات کہنا بھی موضوعین نے بیان کیلئے کہ تم نے تو ابن زبیر کی مراد پوری کر دی ملک حجاز  
کو ان کے لئے چھوڑ دیا اور خود نکل کر چلے چنانچہ حادثہ کر بلکہ بعد جب دوسرا حریف  
طلب خلافت کے مقابلے میں نہ رہا حضرت ابن زبیر نے خفیہ خفیہ اہل حجاز کو اپنے  
حق میں داعیوں کے ذریعہ ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا۔ امیر زبیرؓ کو عامل مکہ کے  
ذریعہ یہ اطلاعات پہنچیں انہوں نے انھیں خط میں لکھا کہ آپ قریش کے سنی سیدہ  
اشخاص میں سے ہیں دین کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں اب کوئی ایسی بات نہ  
کیجئے کہ سب کے لئے پریشانی پھر جائے آخری فقرہ بلاذری کی روایت کے مطابق یہ  
ولا تبطل ما قدمت من حسن  
جو اچھا کیا ان آپ کر چکے ہیں انہیں باطل  
وادخل فیہ الناس لا تردہم  
تو نہ کیجئے لوگ جس بیعت میں داخل  
فقتنہ ولا تحمل حرم اللہ  
ہو چکے ہیں آپ بھی داخل ہو جائیے  
اور لوگوں کو تفتیش نہ دیکھیلئے حرم اللہ  
(رج ۴ ص ۱۶)  
رکبہ کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔

مگر انہوں نے خلیفہ وقت کو جو تین برس کے کاروبار خلافت چلا رہے تھے پھر  
انتخاب خلافت کیلئے شوریٰ کرانے کو جو اب لکھا امیر المؤمنین نے عامل مدینہ کو حکم  
دیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کیا جائے۔ اس زمانے میں پولیس کے افسر خود ہی  
ابن زبیر کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے وہ جب پولیس کی جماعت کے ساتھ  
گئے مکہ اور اپنے بھائی کو خلیفہ کی بیعت کر لینے کی غرض سے پیغام بھیجا تو  
روایت بلاذری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا تھا۔

إِثْقَى عَلَى طَاعَةِ يَزِيدٍ وَقَدْ  
میں تو خلیفہ زبیرؓ کی اطاعت ہی  
بِأَيْبَعْتِ عَامِلٍ مَلَكَةٍ حِينَ خَلَّهَا  
میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے  
رَمَلًا الْيَقَامُ  
ہی ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں  
اس پر یہ پولیس افسر بھیجے میں آگے ابن زبیرؓ نے موقع پا کر انسا انہیں ہی

گوئے قاتل کے قید میں ڈال دیا بلاذری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابن زبیر نے اپنے ان سوتے بھائی کو گورڈوں سے بیڑا کر مراد الا (انساب الاشراف بلاذری ج ۲ ص ۱۸۱) پولیس ایکشن کی ناکامی کے بعد عامل مدینہ عمر بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عقبہ کا نفر کیا گیا انہوں نے اپنے عہدے کا چارج لیتے ہی ابن زبیر اور ان کے داعیوں کی تشبیہ و تالیفوں کی سختی سے نگرانی شروع کر دی حضرت ابن زبیر نے سب سے عاملوں سے گلو خلا کی غرض سے بقول طبری و بلاذری عمل بالملکر (مکر و حیلہ سے کام لیا) اور امیر المؤمنین زبیر کو مرسلہ بھیجا جس کا مضمون طبری و بلاذری کی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

ہ آپ نے کس بیوقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا کسی عاقل کے سمجھانے سے بھی باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجے تو اسی کی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جائیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملے میں غور کیجئے۔ اسی میں خدا نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ (السلام، طبری ج ۱ ص ۱۸۱)

امیر المؤمنین موصوف حضرت ابن زبیر کی اس چال کو اپنی طبعی نرمی و نیک دلی اور حربین شریفین کے باشندوں کے ساتھ اپنی محبت و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے ولید بن عقبہ جیسے کارآمد و مددگار کو برطرف کر کے ایک آزمودہ کار نو جوان عثمان بن محمد بن ابوسفیان کا نفر کر دیا۔ سابقہ عامل تو داعیان ابن زبیر کو ہٹا کر نگرانی رکھتے تھے اب جو نئے عامل کی غفلت سے انہیں ڈھیل ملی چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا رکھے طاقت میں حکومت کے وفادار عہدار منع اپنے پچاس ساتھیوں کے قلعہ بند ہو گئے تھے۔ ابن زبیر نے ان سب کو پکڑوا لیا اور ان کے عدم انقیاد کی سزا یہ دی کہ حرم میں لاکران کی گردیں مار دیں ضرب اعناقہم فی الحرم بلاذری ج ۲ ص ۱۸۱ حضرت ابن عباس نے اس واقعہ پر

ہی تو فرمایا تھا اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پایا جاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔ مکے کے ان واقعات کا اثر مدینے کے شورش پسندوں پر بھی پڑا۔ مگر ان حالات میں بھی نرم دل اور حلیم و کریم خلیفہ وقت نے تشدد کی کسی کارروائی کے بجائے انہماق و تقہیم کے لئے بعض صحابہ کو ام کاوند مدینے اور مکے ابن زبیر اور ان کے کارکنوں کو سمجھانے کو بھیجا اس وفد میں حضرت نعمان بن شمر انصاری تھے جو بلوایاں مدینہ کے ایک قائد عبداللہ بن حنظلہ کے قریبی عزیز بھی تھے۔ نیز حضرت مالک بن حمزہ الہمدانی و حضرت عبداللہ بن مسعود انصاری و حضرت الضحاک بن قیس و حضرت عبداللہ بن عمامہ الاشعری و حضرت حصین بن نمیر الکوفی ان سب صحابہ کے علاوہ بعض تابعین شامل تھے انساب الاشراف بلاذری ج ۲

وفد کے ہاتھ اہل مدینہ کے نام ایک مراسلہ تھا لیونان دمن عبداللہ یزید امیر المؤمنین الی اہل المدینۃ راشرکے تدرے نریہ امیر المؤمنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) اس میں لکھا تھا کہ تم لوگ جو ار رسول کے ہوتے والے ہو میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت اتنی کی کہ تمہارے سانسے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی تمہیں اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھراپی کر پڑ میرے علم و نرم دلی کو تم نے مجھ کو ضعیف سمجھ لیا ہے پھر یہ شعر بھی کہے۔

أظنُّ الحلم دلت علی قوہی  
وقد یستضعفنا الجبل الحلیم  
میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے  
اور حلیم و نرم خوش شخص کو تو کمزور  
میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا  
ہی بچھا جاتا ہے۔  
ومارست الرجال و کارسونی  
فجوج علی و مستقیم  
میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش  
تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور  
کسی کو راہ راست پر۔  
کی اور لوگوں نے میری۔

حضرت ابن زبیر کے داعیوں کی ہٹ دھرمی اور ریشہ دوانیوں و فساد کی

مساعی کامیاب ہوئیں جلیل الطبع خلیفہ نے اسپر بھی کوشش کی کہ لوگ شروشاہ سے باز آجائیں۔ نہایت باغیانہ مدینہ کو نجات دہانہ کر کے یہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا۔

### قطعہ اشعار باغیانہ مدینہ کی فہمائش میں

یا اھالہ الذکاب لغادی لطیبتہ  
اے سوار بڑے طیبہ (مدینہ) کی طرف  
ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے  
ابلعقریشنا علی شحوظ المنار کھیا  
میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ  
ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے  
وموقیف بقناع البیت انشد  
اور صحر حرم میں گھرے ہو کر گئی آہنی  
بات ہے۔

علی غدا فرقة فی سیرھا قح  
جس کی چال میں بانگپن، کہہ کا روٹ  
کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے۔  
بلدنی و بین حسین اللہ والرحم  
کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ  
کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے۔  
عہد لالہ وقاتری بیما الزم  
میں اہمیں اللہ کا عہد اور اس چیز  
کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ لایوں کے عہد برآ  
ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔  
اھم حصان العری یرة کرم  
ہاں وہ ایسی ہی نہیں پاکد من اور میری  
جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت الی  
بذت النبوی وخیر الناس قد علوا  
نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب  
لوگوں سے اچھی۔

عنقتم قومکم فخرأیا مکم  
تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے  
سامنے ناک چڑھاتے ہو۔

ھی اللقی لایوانی فصدھا احد  
وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی  
نہیں پہنچ سکتا

وفضلھا لکم فضل وغیرکم  
ان کی فضیلت میں تمہاری (حسین کی)  
فضیلت ضرور ہے۔

من قومکم لکم من فضلھا قسم  
مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے  
لوگ ہیں جو ان کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلمہ اوختنا کعالمہما  
میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی  
طرح گمان کرتا ہوں۔

ان سو فینزلکم ما تطلبون کھا  
کہ رسلے یاغیانہ مدینہ عنقریب تم پر  
وہی چیز نازل ہوگی جو اس بغاوت  
تم حاصل کرنا چاہتے ہو

یا قومنا لا تشبوا الحرب الذخیر  
اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی  
اسے مت بھڑکاؤ۔

لا ترکبوا البغی ان البغی مصرعة  
بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت  
بچھاڑ دینے والی ہے۔

قد جدیہ الحرب من قد کان قبلکم  
لڑائی کا تجربہ انہیں ہو چکا جو تم سے پہلے  
گذر گئے

فانصفوا قومکم لا تھلکوا ید خا  
اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار  
کر دو اور بے جا حرکتوں سے آپ کو  
ہلاکت میں مت ڈالو۔

ہلاکت میں مت ڈالو۔

والظن یرصدق احياناً فیتنظم  
کیونکہ بسا اوقات گمان سچا نکلتا ہے  
اور پوری بات ہو کر سامنے آجاتی ہے  
قتلی کھادکم العقبان الرحیم  
یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری  
طرف سے عقابوں اور کرگسوں کیلئے  
سامان ضیافت ہوں گی۔

وامسکوا بحبال السلم واعتصموا  
اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور  
اسی پر قائم رہو۔

وان شارب كأس البغی یتخمر  
اور جام بغاوت پینے والا لے سہم  
نہیں کر سکتا۔

من القرون وقديات ہمالا  
قوموں کے لئے یہ بھولی لبریا ہیں  
ہو چکیں۔

قوت ذی بذخ ذلت بہ القدام  
کیونکہ اکثر بے جا حرکتوں سے ہی آدمی  
ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین کا یہ قطعہ اشعار روری صاحب کی کتب ماخذ طبری والبدایہ  
والنہایہ میں بھی درج ہے اور تاریخ التواریخ میں بھی جو شیخہ بادشاہ ناچار ایران کی  
سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی اس قطعہ اشعار سے طالبان خلافت اور

اور ان کے داعیوں کے اذانات اور بدگئی کے پردہ گھیلے کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ غرضیکہ اس فحاشی کے ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی گئی کہ مدینہ کے نمائندہ لوگوں کا وفد دمشق بھیجو تاکہ امیر المؤمنین اس کی باتیں خود سنیں اور استمالت قلب بھی ان کی کی جاسکے۔

فکلب یزید بن علی عثمان بن محمد  
ابن سفیان عاملہ ان یوحہ الیہ  
وقد ایستمع مقاتلہ و سہیل  
قلوبہم را نساب الاشراف بکلا  
(ج ۲ ص ۱۲)

خلیفہ یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو لکھا کہ ہمارے پاس وہاں کے لوگوں کا وفد بھیجو کہ ہم انکی باتیں خود سنیں اور استمالت قلب کی کریں۔

عامل مدینہ عثمان بن محمد نے جنہیں ابن کثیر کہتے ہیں کہ تا سبھر ذنا تجرہ کار نو جوان تھے (ج ۲ ص ۱۲) نا بھیجی سے انہی لوگوں کو دمشق بھیج دیا جو حضرت ابن زبیر کی خلافت کے داعی تھے اور لوگوں کو بغاوت پر اکسا رہے تھے دمشق میں ان کی خوب خاطر و تواضع کی گئی۔ اگر ان قدر عظمت سے بھی نوازے گئے جو ان سب نے بخوشی لئے مگر جو جذبات لیکر لکھے تھے وہی لیکر واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے شیخ الصحر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے بزرگان مدینہ نے ہر چند سمجھا یا مگر ابن مطیع وغیرہ نے فساد کی آگ فتنہ سے بھر کا دی۔ اور یکایک عامل مدینہ اور نبی امیہ ان کے موالی اور ان سے میل رکھنے والے قریشیوں پر یہ لوگ چھوڑ بیٹھے حسب روایت بلاذریؒ و ثنابھل المدینة علی عثمان بن محمد ومن بالمدينة من بنی امیہ و موالیہم ومن عرب بالمیل من قریش۔ انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۲) یہ سب سادات نبی امیہ کے اپنے دیگر قریشی دوستوں اور موالی کے جنکی تعداد کوئی ہزار نفوس کی تھی اپنے گھروں سے نکل کر امیر عثمان کے ساتھ حضرت مروان کے یہاں چلے گئے۔ جہاں باغیوں نے انہیں محصور کر لیا حتیٰ نہ لو ابھیما

دار مروان فحاصمہم الناس فی دار مروان (ایضاً) یہ اموی سادات اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنا چاہتے جس سے حرم شریف و جوار رسوں میں کلمہ گیروں کا خون ہے۔ مودودی صاحب نے ان سب حالات و واقعات کا اختصار کر دیا اس کتب بیانی کے لئے ضروری سمجھا کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کر دی اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا۔ اہل مدینہ کو فساد پر ابھارنے کی ساری کارروائی حضرت ابن زبیر مدعی خلافت و انصار کے سے کی گئی تھی جیسا کہ مودودی صاحب کے کتب ماخذ میں بالصراحت مذکور ہے اور بلاذری کی روایت میں بھی بیان ہے کہ جب عبداللہ نے اپنے سوتیلے بھائی سرکاری پولیس افسر کو قتل کر دیا اور سخت گیر عامل کو بیکر و حیلہ جیسا بیان ہوتا ہے تبدیل کر دیا تو اہل مدینہ کو انہوں نے ہی بغاوت پر برا بیگختہ کیا (ص ۱۲ ایضاً) حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے ان تمام واقعات کی تحریری اطلاع ایک تیز رو قاصد حبیب بن کرہ کے ذریعہ امیر المؤمنین کو بھیجی۔ جس وقت قاصد حبیب نے دمشق پہنچ کر حضرت مروان کا خط پیش کیا امیر یزید عارضہ نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی طشت میں پاشو یہ کر رہے تھے۔ یا عیان مدینہ کے اس ظلم کو شکر کہ مدینہ کے جو امن پسند شہری مدعی خلافت کی طرف داری میں آمادہ فساد نہ ہوئے ان کو محصور کر لیا گیا ہے اور شہر چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ یا عیان مدینہ کی تادیب کا غم کر لیا اور فرمایا

لقد بدوا الحلم الذی فی سبحتی فیدلت قومی غلظة ہت بیان  
میری طبیعت میں جو حلم نرعی تھی میں نے بھی اب اپنی قوم کیلئے نرعی  
اسے لوگوں نے بدل دیا کے بدلے سختی کو اختیار کیا۔

اس سختی سے مراد باغیوں کی سرکوبی اور ان کے عزائم کو پولیس ایکشن کے یعنی فوج قوت کے استعمال سے ناکام بنا نا تھا۔ مگر معاملہ صحیح اور رسول کے باشندوں کا جن میں سے بڑی تعداد امن پسند شہریوں اور طرفداران اموی خلافت

کی تھی چنانچہ فوجی دستے کو متعدد صحابہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا اور بجز بد اعتقاد ایک  
کیلیں صحابی کو جن کی عمر اس وقت ۹۳ برس کی تھی امیر عسکر مقرر کیا گیا تاکہ پولیس  
ایکشن میں کوئی دوسرا افسر جوانی کے جوش میں بیجا سختی کا ارتکاب نہ کر سکے حضرت  
مسلم بن عقبہ المزنی معر صحابی امیر عسکر مقرر کئے گئے فوجی دستے کی تعداد کے بارے  
میں سیائی راویوں نے بہت کچھ مبالغہ کیلئے ہے۔

لیکن ایک قدیم شیوخ المسعودی نے کتاب التنبیہ والاشرف میں جو  
انہوں نے مسئلہ میں تالیف کی تھی اس فوجی دستے کی تعداد صرف چار ہزار بتائی  
ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فبعث الیہم ینبیل مسلم بن عقبہ پس را امیر ینبیل نے مسلم بن عقبہ  
المزنی فی اربعة الاف رجلًا المزنی کو چار ہزار (فوج کے ساتھ  
مطلوبہ لیون ۹۳ء باغیوں کی سرکوبی) کو بھیجا۔

جو دوسرے افسران ایک ایک ہزار کی گمان ان کے زیر قیادت کر رہے تھے وہ بھی  
چاروں صحابی ہی تھے یعنی را حضرت عبداللہ بن سعد الفزازی (الاصابع ۱ صفحہ ۱۳۶)  
مجاہد بن دمشق کے کماندار تھے (البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۵) حضرت حمید بن مسلم  
(الاصابع ج ۱ صفحہ ۲۳۹) مجاہد بن حمص کے کماندار تھے (البدایہ ج ۱ صفحہ ۲۱۵)

(۳) حضرت روح بن زبید الجذامی (الاصابع ج ۱ صفحہ ۱۸۱) اہل فلسطین کے کماندار تھے  
والبدایہ ج ۱ صفحہ ۲۱۵) حضرت عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابع ج ۱ صفحہ ۲۱۵)  
وحیش بن ولجہ القبی (اہل اردن کے کماندار تھے۔ (البدایہ ج ۱ صفحہ ۲۱۵)  
ایضاً ان صحابی افسران فوج کے ساتھ تابعین مجاہدین بھی تھے اور ان میں اکثر  
ان کی تھی جو اسلام کی سر بلندی کے لئے کفار سے برد آزار رہے تھے ان کے  
کردار ایسے مثالی تھے کہ ایک واقعہ بھی ان کی بے راہ روی کا اور اہل تاریخ  
میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔

فوجی دستے کی روانگی کے وقت امیر المؤمنین زید باوجود علالت کے گھوڑے

پر سوار کئے اور سواران فوج کو رخصت کرتے ہوئے فی البدیہہ فرمایا:۔

ابلع ابا بکر اذا الجیش انبری ابشر القوم علی وادی القری  
ابوبکر را این زبیر کی کنیت ہے) کو میرا  
پیغام اس وقت پہنچا دینا)

آجمع سکوان من الخمر تلی ام جمع یقظان فی عند الکری  
کہ یہ شرابِ مست و سرشار لوگوں کی  
جاننت تم کو لڑے باغیوں معلوم ہوتی ہے)

و العجباً من طحید و العجباً اتحاد فی الدین یقفو بالعی  
کیا ہی تعجب ہے محمد دین میں نبی بات  
پاک لوگوں کو برا کہتا ہے۔

یہ شعر امیر المؤمنین کے موروثی صاحب کے ماتخذ ظہری میں بھی ہیں (البدایہ  
اور دیگر کتب میں بھی، دیکھیے کس مبلغ پیرایہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی کنیت  
ابوبکر کا اظہار کرتے ہوئے ان کے دوران کے داعیوں کے پروپیگنڈے کی تفصیل کردی  
ہے جو سیاسی مقصد سے شربِ خمر کی الزام تراشی کر کے لوگوں کو بغاوت پر ابھار رہے  
تھے۔ پھر امیر شکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔

واعلم انک تقدم علی قوم ذوی حمتہ و اعلم انک تقدم علی قوم ذوی حمتہ  
واستطالہ قد افسدہم حلم امیر  
المؤمنین معاویۃ و ظنوا ان  
الایدی لاتنالہم فلا ترون  
اهل الشام عارادوہ بھم  
رانساب لاشرف ج ۱ صفحہ ۱۸۱)

یہ سمجھ لو تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو  
جو نا سمجھ اور اکھڑے ہیں جنہیں امیر المؤمنین  
معاویہ کے حلم و نرمی نے بگاڑ رکھا ہے  
ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک  
ہنہیں پہنچ سکتا۔ مگر تم اہل شام کو سوت  
تک ان سے نہ فکرانا جب تک وہ خود  
نہ چاہیں۔

اسی کے ساتھ یہ ہدایت کردی گئی کہ باغیوں کو تین دن مہلت دینا کہ اطاعت کر لیں



نہ تائیں اور لڑنے پر تیل جائیں اور تم غلبہ پا جاؤ تو ہاتھ روک لینا اور امن پسند شہر لو  
سے بتواضع پیش آنا۔ مدینہ پہنچ کر امیر عسکری نے باغیوں کو تین دن کی مہلت دی اور  
سمجھایا کہ بغاوت سے باز آ جاؤ تین دن گزر جانے کے بعد بھی امیر مسلم نے پھر غلبہ  
کو نجا طلب کیا اور کہا۔

وما انقضت الايام الثلاثة التي  
فارقها مسلم بن عقبة لهرا جلا  
قال لهم يا قوم! ان امير المؤمنين  
يكبره اراقة دما ثكم ولقد استه  
امكم منذ زمان لانكم اصله  
قال نقول الله في انفسكم فتمتوا  
وشتموا يزيدي فجروا و  
قالوا ابل تخارب ثم تخارب راض  
مہتار خون بہانا امیر المؤمنین پسند نہیں  
کرتے وہ شروع زمانہ سے تمہارے ساتھ  
رفق و مدارات سے پیش آتے رہے ہیں  
کیونکہ تم ان کی اصل ہو پس تم خدا کا  
خون کرنا اور اپنی جانوں کی خیر مناد۔  
اسپر باغیوں نے گالیاں دیں اور  
امیر زیندیر بھی سب شتم کیا اور کہا ہم  
لڑیں گے اور لڑیں گے۔

(ج ۲ ص ۱۳۵)

ان کی لڑنے صحابی امیر مسلم نے گالیاں سننے پر بھی متنبہ کیا اور اطاعت قبول کرتے  
کہا مگر باغیوں نے گالیوں کی بوجھاڑ کے ساتھ پتھروں اور تیروں کی بوجھاڑ بھی جب  
فوجی دستے پر شروع کر دی جب جو اجوائی حملہ کا حکم دیدیا گیا۔ حقوڑی دیر لڑائی ہوئی  
رہی باغیوں کا سرغنہ عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ مارے گئے۔ انصاریوں کے مقتدر  
بنو حارثہ ربیع عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ مارے گئے۔ انصاریوں کے مقتدر  
والسبب نے بھی لکھنے اپنے محلے سے سرکاری فوج کو شہر میں داخل ہو جانے کیلئے  
راستہ دیدیا (ص ۲۲۲ ج ۱) یہ حال دیکھ کر بغاوت کے بڑے سرغنہ ابن مطیع۔ عین  
سے ایسے سرپٹ بھاگے کہ ابن زبیر کے پاس گئے جا کر دم لیا۔ مودودی صاحب کے  
دوسرے معتبر ماخذ طبری میں بھی صراحتاً بیان ہے کہ ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ نا  
شہر سے تکبیر کی آوازیں آئے لگیں ہو یا یہ کہ بنی حارثہ نے باغیوں کے مقابلے میں شام

کو راستہ دیدیا۔ مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ سے ان کی اس قلعہ بیانی کی تکذیب  
ہو گئی۔ کہا اہل مدینہ نے زیندیر کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر بغاوت کر دی تھی۔  
کیونکہ یہ شرفیاد تو صرف داعیان ابن زبیر کا بیٹا کیا ہوا تھا۔ اہل مدینہ کی بڑی  
تعداد باغیوں کے خلاف تھی۔ تین چار گھنٹہ میں بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ پانچ چھ گھنٹہ  
قتل ہوئے۔ رہیں وضعی مکذوبہ تفصیلات جو ابوحنفہ و ابن کلبی مشہور کذاب راویوں  
وضع کیں اور ابن جریر طبری شیعہ نے منتر کیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے تین دن تک  
مدینہ بیدریغ ٹوٹا گیا۔ بعد میں عورتوں کی عصمت دری کے یا زاری قحط مشہور کئے گئے یہ  
سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جنہیں مودودی صاحب نے اختیار کا درجہ دینے کی  
کوشش کی ہے۔ انھوں نے اسی کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ان صحابہ کرام کے ناموں کا تحفا  
بھی کیا ہے جو فوجی دستے کی گمان کہ ہے تھے حالانکہ انہی کی کثرت یا خذ الیادیاہ و النہایہ وغیرہ  
میں جیسا بیان ہو چکا مرآۃ ذکر ہے اور الاستیعاب الاصابہ میں ان صحابہ فائدین جیوش  
حضرت عبداللہ بن مسعود الفزازی حضرت روح بن زبیر الخداجی حضرت عبداللہ  
بن عاصم الاشعری کا راویان حدیث میں شمار ہے۔ سہ سال اور فوج حضرت مسلم بن  
عقیلہ مرقی کا جن اہانت آمیز لہجے میں انہوں نے ذکر کیا ہے اور دمشق و فلسطین محض  
والادرن کے عربی النسل فوجیوں کی جو ان ہی صحابہ خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود اور  
حضرت حصین بن زبیر کی سرکردگی میں رومی عیسائیوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام  
کی حیثیت سے بارہا نبرد آزما ہو چکے تھے ان کو ”حشی فوجی“ اور ”بطلی و قبطی سپاہی“  
بتانے کی جو کذب بیانی کی گئی ہے وہ اس اعتبار سے بھی افسوسناک ہے کہ لڑائی کا  
مختصر حال لکھ کر موجودہ زمانہ کا مشہور مورخ حتی لکھتا ہے کہ ”مدینہ کی تباہی اور  
تاراجی وغیرہ کے جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ سب بعد میں وضع کئے گئے میلانوں کو  
شرم آنی چاہئے کہ وہ خود زیندیر دشمنی میں اپنے اسلاف کو جو تمام تر صحابہ و تابعین  
کی جماعت سے تھے رسوا و بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور ایک غیر مسلم  
مورخ ان کو واقعہ کی نوعیت مورخانہ انداز سے معلوم کر کے ان کے اسلاف کو

اس طرح بری ثابت کرتا ہے۔۔

موردی صاحب نے باشندگان شہر کے قتل عام کے ثبوت میں البدایہ کے حوالے سے  
 ”امام زہری کی روایت“ کا جو ذکر کیا ہے اس کی اصلیت کا اندازہ تو اسی بات سے  
 بخوبی ہو جاتا ہے کہ امام زہری سے روایت کرنے والا ہی جمہول الماسم ہے یعنی عن  
 شیخ من اهل مدینة البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۱ اور خود زہری صاحب متوفی  
 ۲۴۰ھ کا کوئی چشم دید بیان تو ہے نہیں گویا باعتبار سند یہ روایت بیچ شخص ہے۔  
 پھر ان راویوں کے صدق و کذب کا اور ان سے نقل کرنے والوں کے عقل و فہم کا اندازہ لگا  
 کر یہ بات ہی کافی ہے کہ موردی صاحب اور ان کے معتبر مؤرخین کے مطابق بارہ ہزار اور  
 اسعدی کے بیان سے چار ہزار سپاہیوں کو دس ہزار عوام اور ساسو معززین کو اور الامامہ  
 والسیاستہ کے بیان کے سے دو ہزار سات سو معززین اور دس ہزار عوام کو (رح ۲۲۴)  
 تو قتل کر دیا مگر خود فوجیوں میں کسی ایک کے خراش تک نہ آئی۔ گویا موردی صاحب کے  
 نزدیک یہ سب گیارہ بارہ ہزار باشندگان مدینہ ایسے نامرد و جیرت خیز جو کجا جرموں کی طرح  
 کٹے چلے گئے انہی کے معتبر مؤلف الامامہ والسیاستہ نے جو رپورٹ امیر عسکری کی بیچ  
 کی ہے اس میں صراحتاً لکھا ہے کہ فوجی دستے کے کسی سپاہی کو باغیوں کے مقابلے  
 میں کوئی ضرب آئی نہ قلم یصیب منہم احد بمکر وہ (رح ۲۲۹) موردی صاحب نے  
 من گھڑت بازاری قصوں کے سہارے پہلی صدی ہجری کے عیو اور جمیع انصاری و  
 قریشی باشندگان مدینہ کی بزدلی اور بے غیرتی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ حد درجہ قابل  
 مذمت ہے۔ وہ بھی تو غازیان و مجاہدین اسلام اور انہی کے بھائی بندھے جنہوں نے  
 اعلاہ کلمۃ اللہ کی غرض سے یورپ، ایشیا و افریقہ تینوں براعظموں کو کھونڈ ڈالا تھا  
 مگر بلاذری نے اشرف مدینہ کے بارے میں خاص باب باندھ لہے۔ اور  
 قال ابو مخنف کہہ کر اس رافضی کذاب راوی کی روایت تو وہی درج کی ہو مگر نہایت  
 مقبولین میں نام صرف چھ اشخاص کے بتائے ہیں۔ جناب سیوطی نے ایک جگہ تو یہ لکھا ہے کہ  
 واقعہ قرہ میں صحابہ اور دوسرے لوگ بغداد کو تیر قتل ہوئے (تاریخ الخلفاء ۲۱۰)

گرد و سرے ہی صفحے پر یہ بھی لکھتے ہیں۔ وعدۃ المقتولین بالجزء من قریش۔  
 الانصار ثلاثاً وستاً رجالاً یعنی قرہ میں قریش و انصار کے مقتولین کی  
 تعداد میں سو تیر (سٹی) تعداد مقتولین کے بارے میں متضاد بیان ہی اس کا ثبوت ہے کہ  
 راویوں نے اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق تعداد قرار دے لی ہے خواتین کی بے حرمتی نہ  
 عصمت درمی کے بارے میں قدیم مورخین میں کسی نے اشارتاً و کنا بتایا ہی کوئی ذکر نہیں کیا  
 موردی صاحب کے محدث مورخ جبری نے واقعہ قرہ کے متعلق ابو مخنف و ابن  
 کلبی کی سب روایتیں درج کر دی ہیں مگر خواتین کی بے حرمتی کا مطلق کوئی ذکر نہیں  
 ہے۔ اسی طرح الامامہ والسیاستہ کے غالی مؤلف نے اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا بلاذری  
 نے انساب الاشراف کی طبری تقطیع کے ۱۶ صفحات پر واقعہ قرہ کی روایتیں درج کیں  
 لیکن خواتین مدینہ کے متعلق کسی مکررہ واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ موردی صاحب کو  
 جب قدیم مورخین کے یہاں کوئی روایت نہ ملی تو انھوں نے آٹھویں صدی کے مورخ ابن  
 کلابی کے سند داشتہ کے سہارے صحابہ و تابعین کی محترم خواتین مدینہ کی پاک و پاکیزگی  
 عزت و حرمت، غیرت و حدیث کو بجر و جبر کرنے کی دیکھے کسی سیقہانہ حرکت کی ہر فریاد  
 ہیں۔ کہ مدینہ کی ایک ہزار خواتین زلزلے سے ہلاک ہوئیں۔ ان کو جہانہ آئی کن خواتین کے  
 بارے میں یہ یہ گواہی کی جا رہی ہے۔ یہ خواتین تو ان ماؤں کی بیٹیاں، ان دادیوں، نانیوں  
 کی پوتیوں اور نواسیوں تھیں جنہوں نے عہد رسالت اور اس کے بعد کے غزوات میں موجود  
 کر بعض کفار کو اپنے ہاتھوں واصل جہنم کر دیا تھا انہی خواتین کے چچا تایا، شوہر اور برادر  
 تھے۔ جن کے سرفروشانہ حملوں کے خوف سے ایران اور روم کی سلطنتیں ترساں و لرزاں  
 رہتی تھیں، جہد رنج کہتے تھے و ظفران کے قدم چومتی تھیں۔ ان کے گھروں میں مسیحا ہی تم  
 کے اسلحہ تلوار، تلیم نیرے۔ خنجر پیش قبض، چھڑے تیر کمان ہر وقت موجود رہتے کسی کی مجال  
 تھی کہ ان کے پاک جسموں کو چھونا تو درکنار بری نظر سے بھی دیکھ سکے، پھر گھروں میں وہ  
 اکیلی تونہ تھیں۔ چھوٹے بڑے اہل بیت حالی مولیٰ اور پردی موجود ہوں اور موردی  
 صاحب ان عذرات عصمت تاب کو عصمت درمی سے متہم کریں۔ تقویٰ برائے جرح لڑاں تقویٰ۔

البدایہ والنہایہ کی جس بے سند روایت اور بازاری فقہ کی آڑ لیکر مودودی صاحب نے بغض معاویہ و زبیرؓ دشمنی میں یہ ایک حرکت کی ہے اسے خود ان کثیر ہی نے ایک پھر قول سمجھتے ہوئے واللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) الفاظ کے ساتھ بلا کسی سند کے بدل لکھ دیا ہے۔

«روقعہ علی النساء حتی قیل انہا حبلت الف احرامہ فی تلک الایام  
عن غیر زوج واللہ اعلم»  
ایک ہزار عورتیں غیر شوہر سے حاملہ ہوئیں واللہ اعلم واللہ اعلم  
صفحہ ۲۳ سطر ۲

ابن کثیرؒ کی مندرجہ بالا عبارت بھی جیب مودودی صاحب کی مقصد برآری کیلئے پوری نہ اتنی توان "داعی حق" صاحب کے کتاب اور صفحے کا حوالہ دیکر بھی اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے اول اور آخر کے خط کشیدہ فقروں کو بھی ترک و ہندت کر دیا۔ اور عبارت کے شروع فقرے کا مفہوم مسخ کر کے لکھ دیا کہ "وحتی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی" اس کذب بیانی کے ساتھ ہی آخر کار فقرہ "واللہ اعلم" پورا ہضم کر گئے اور کس دشمنی سے حافظ ابن کثیرؒ پر الزام لگا دیا کہ جتنے ہیں حالانکہ حافظ بیچارے نے تو "واللہ اعلم" لکھ کر صاف انہما کر دیا تھا کہ یہ قول ان کے نزدیک لائق اعتبار و قابل یقین نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے تو بعض روایتوں کو درج کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ روایتیں اگرچہ لائق اعتبار نہیں لیکن ضرور ہے چونکہ لکھ دی ہیں ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں ایسی روایتوں کے بعد وہ "واللہ اعلم" لکھ دیا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا وہابی روایت کے ساتھ ہی ایک چھوٹی روایت ابن فرہ کا جو ہے قول ابن کثیرؒ لکھ لے کہ واقعہ حرہ کے بعد اہل مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے زنا کے ایک ہزار بچے جنمے وہ مودودی صاحب نے ..... شاید اس خوف سے نقل کیا کہ ادنیٰ تامل سے ان دونوں بازاری قصوں کی حقیقت پر شخص پر آشکارا ہو جائے گی۔ یعنی مودودی صاحب کے معتبر راوی نے پوری ایک ہزار حاملہ عورتیں شمار

کر ڈالی تھیں نہ ایک کم نہ زیادہ اور نو ماہ کے بعد جو بچے جنمے وہ بھی شمار میں پورے ایک ہزار ہی ہوئے نہ ایک کم نہ زیادہ۔ نہ کوئی استقاط ہوا اور نہ حمل ضائع کیا۔ گویا یہ ولد ازنا سب صحیح سلامت رہ کر پوراں چڑھے۔ مودودی صاحب کو شاید اس کا علم ہو کہ حرہ کے دلائل سے مدینہ جیسے پاک شہر کے نجیب و شریف خاندانوں کی کونسی نسلیں چلیں۔ وہ بتائیں کتب انساب میں جو سب اس زمانہ کے بعد زالیف ہوئیں ان کا ذکر کیوں نہیں لغو دیا لکن من ذلک من ہفوات الکتب ایمن المنقرین۔

مودودی صاحب کے نزدیک "دور بزیر" کے اس دوسرے واقعہ حرہ نے عالم اسلام کو "لرزہ بر اندام کر دیا" اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابن الزبیرؓ کی ہر طرح حمایت ہو اور خلافت نبی امیہ کو کسی صورت میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہوا اس کے بالکل قیادت۔ نبی امیہ کی خلافت اور سیاسی قوت روز بروز پائیدار ہوتی رہی اور ابن الزبیرؓ کی تحریک کا پوری قوت سے خاتمہ کر دیا گیا۔ خود ان کے اپنے عزیز بھائی اوزیبؓ تک ان کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔ اکابر صحابہ اور بزرگان نبی ہاشم ابن الزبیرؓ سے محتر ز رہے۔ امیر المؤمنین زبیرؓ کی وفات ہو جانے پر جب حضرت حصین بن زبیرؓ صحابی کی سرکردگی میں فوجی دستہ سکے سے واپس دمشق جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا تو مودودی صاحب ہی کے مدوح شیعہ مورخ ابن جریرؒ جبری کے بیان کے مطابق اکابر مدینہ نے ان کی آؤ بھگت کی اور حضرت حسینؓ کے صاحبزادے جناب علیؓ (زین العابدین) نے فوجی دستے کے قائد حضرت حصینؓ کا استقبال کیا اور یہ معلوم ہو کر کہ ان کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ دانہ چارہ فراہم کر دیا (جریری ج، مصلح) مظالم کو بلا اور مظالم حرہ کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں ان کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ لاکر پیش کرتے۔ قاعدہ د!

احادیث مودودی صاحب اسی واقعہ حرہ کے قصوں میں مزید لکھتے ہیں (ص ۱۸۶) یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں خاص مدینہ الرسول کا تھا جس کے متعلق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بخاری، مسلم، تائی اور ترمذی میں متعدد صحیحہ سے منقول ہوئے ہیں۔ لایرید احد المدینة بسوء الا اذ اب اللہ فی النار ذوب السصاص۔  
مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ کے جہنم کی آگ میں جیسے کی طرح پگھلا دیکے اور من خات اهل المدینة ظلما  
اخافه اللہ وعلیہ لعنة اللہ والملائكة والناس جمعین  
لا یقبل اللہ منہ یوم القیامہ صرقا ولا عدلا ولا جرح شخص  
اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کرے گا اور اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز

اللہ اس سے کوئی چیز اس گناہ کے قدر میں قبول نہ فرمائے گا۔  
صحیح بخاری و بیہ کی یہ دو روایتیں جو موردی صاحب نے نقل کی ہیں با

صحیح ہیں لیکن ان کا مورد امیر المؤمنین زید یا امیر المؤمنین مسلم بن عقبہ اور دیگر صحابی  
قائدین فوج کو قرار دیکر انہوں نے اپنے علم اور سمجھ کی قلعی کھول دی۔ حدیث کے  
الفاظ ہیں۔ عن اخاف اهل المدینة ظلما من انہوں نے اہل مدینہ کو ظلم سے خوف  
زدہ کیا یہاں وہ بات کب ہوئی۔ ظلم تو انہوں نے کیا تھا۔ جنہوں نے متفق علیہا  
وخلیفہ کے خلاف بغاوت و خروج کیا، جماعت کے موقف سے روگردانی کی اور  
حرم نبوی کو اپنے غلط اقدام سے شہر کی اکثریت کی رائے کے خلاف مورچہ بنایا  
اور یوں اس حرمت کو پارہ پارہ کر دیا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی  
تھی اسی لئے تو حضرت ابن عمرؓ نے اس بغاوت کو تہرا اور رسول سے ایسی بڑی  
عداری قرار دیا تھا کہ اس بڑی عداری ان کی نگاہ میں کچھ اور نہ تھی۔ چنانچہ اس  
حدیث شریفہ کے مطابق نتیجہ ان ہی اشخاص کے حق میں جنہوں نے وقتاً فوقتاً  
خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کر کے مدینہ کو مورچہ بنایا تھا برا نکلا موردی  
صاحب اگر دل نشی عصیبت سے صاف رکھتے ہوں تو ان لوگوں کا انجام اپنی

ہی کتب ماخذ کے اوراق پر دیکھیں جنہوں نے خروج و بغاوت میں اہل مدینہ کو اپنے  
ظلم و عدوان کا نشانہ بنایا تھا۔ ان کو لوٹا کھسوتا، لوگ بھوکوں مرنے لگے، مسجد نبوی  
میں کتنے دنوں تک نماز بھی نہ پڑھ سکے اور بہت سی شرماک بدتعلیماں کہیں چند  
مثالیں اس کی ذیل میں درج کرنا مناسب ہو گا۔

۱۱) محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب جنہیں سبائیوں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر بدال نفس الزکیہ کا لقب دیا  
ہے اور موردی صاحب نے بھی ان کے اصل نام و کنیت کے بجائے سبائیہ  
کے دئے ہوئے اسی لقب کو دوہرایا ہے اور امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور  
عباسی کے خلاف ان کے خروج کو جہاد بتایا ہے ان کا حشر اور ان کے بھائی  
ابراہیم کا جو ہوا اوراق تاریخ پر ثبت ہے اہل مدینہ کو محمد الارقط کے ایام  
بغاوت میں خوف و ہراس کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۲) محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ۱۹ھ میں عباسی  
خلیفہ کے خلاف مدینے میں بغاوت ہنگامہ و فساد کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ  
۱۳) اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن  
ابی طالب ۲۵ھ میں انہوں نے خروج کر کے کعبہ شریف کا خزانہ لوٹ لیا  
حاجیوں کو قتل کیا پھر مدینہ پر چڑھائی کی اور ایسا سخت فحاشہ کیا کہ لوگ  
بھوکے مرنے لگے اور مسجد نبوی میں نماز تک نہ پڑھ سکے۔

۱۴) محمد اکبر بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ۲۵ھ  
میں بغاوت کر کے کبیر کردار کو پہنچے۔

۱۵) محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن علی بن ابی طالب ۲۵ھ میں امیر  
المؤمنین المعتمد علی اللہ عباسی کے زمانے میں بغاوت کی ان کے اعمال عجیب  
ایسے تھے کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب نوشی اور بدتعلیوں سے بھی باک  
نہ تھا امام ابن حزم فرماتے ہیں:-

کان من افسق الناس شرب  
الخمر علانية في مسجد النبي  
صلى الله عليه وسلم وقتي  
فيه بغيته لبعص اهل المدينة  
وقتل اهل المدينة بالسيف  
والجوع - (۲۵۰ جہرۃ الانساب)

۶۔ محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب سلمہ میں امیر المؤمنین معتمد علی اللہ کے خلاف خروج کیا۔ اسی کے ساتھ علی بن حسین بن جعفر بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بھی تھا۔ ان دونوں کے متعلق امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

وهما اللذان قاما في سلمه  
بالمدينة فقتلا اهلهما و  
اخذوا اموالهم واخربا  
المدينة حتى يقبث لايصلي  
في مسجد رسول الله صلى الله عليه  
سلم شهرا كالملا لا جمعة ولا اجمة  
اصلا - و قتل محمد بن الحسين  
قيامه ثلاثا عشر  
رجلا من ولد جعفر بن ابی  
طالب رضي الله عنه صبغا  
بصبا

یہ دونوں سلمہ میں مدینہ میں کھڑے ہوئے وہاں کے لوگوں کو قتل کیا ان کا مال لوٹا اور سب شہر کو تباہ کر دیا۔ حتیٰ کہ پورے ایک مہینے مسجد شریف میں نہ جمعہ کی نماز ہو سکی اور نہ کسی دوسرے وقت کی جماعت۔ اس محمد بن حسین جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے تیرہ حضرات کو بصران کی شمشیر کشی کے قتل کر دیا۔

(ص ۲۵۰ جہرۃ الانساب)

ہیں جن کا محقر ذکر اوپر کیا گیا اب وہ بتائیں کیا ان لوگوں کا یہ سمجھ لینا درست تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دختری اولاد ہونے کے سبب انھیں لائسنس مل گئی ہے کہ اُن کے ساتھ جو چاہیں کریں سب معاف ہے اور بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ سی کا نسب دیکھا جاتا ہے اور نہ شخصیت اس کا قانون سب کیلئے یکساں ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت امیر المؤمنین عثمان سے لیکر امیر المؤمنین محمد امین تک جتنے لوگوں نے امام جماعت کے خلاف خروج کیا ان سب کا حشر ایک سا ہوا۔

جن لوگوں نے حریم شریفین کو اپنی سیاست کا مرکز اور فوجی موجد بنایا ان سب کیلئے ناکامی اور نامرادی تقدیر ہو گئی۔ لیکن ان باغیوں اور رکشتوں کی کمر کوبی کے لئے جب امام وقت نے ذہین سمجھیں تو مجاہدینہ کامیاب و کامران ہوئیں اور فساد کی یخ کچی کر دی گئی۔

یہ ہے سنت اللہ میں کا مشاہدہ تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے۔ اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں مودودی صاحب اور متوجہ نہ کرنا چاہتے ہیں مسلمانوں کو کہ تیرہ سو برس کے اس مشاہدے کی روشنی میں مودودی صاحب کی نقل کردہ حدیثوں کا مؤرد امیر المؤمنین بزرگ اور ان کے امیر عسکر حضرت مسلم بن عقبہؓ کو سمجھا جائے یا انھیں جعفروں نے مدینے میں یہ فساد بپا کیا تھا۔

رہا وہ انفرادی خواجہ حسن بھری بیک، کیا ہے کہ وہ اموی خلافت سے ناراض تھے تو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ خود یہ روایت بتا رہی ہے کہ خواجہ بھروسہ امویوں کے خلاف کسی تقریب میں شرکت نہ کی۔ ان کے اس متفق علیہ عمل کے مقابلہ میں کسی مفری کی بات کا کیا اعتقاد اور نہ ان جیسے فقیہ یہ لغویات کہہ سکتے تھے جو مودودی صاحب نے ان کے متعلق بیان کی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں تو ان اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف دیکھنا چاہئے جن سے ہمیں دین پہنچا ہے۔ ان کے موقف کے خلاف بعد کا کوئی شخص اگر اپنا کوئی خیال ظاہر کرے تو اس کی کچھ قیمت نہیں۔

تیسرا واقعہ جس سے مودودی صاحب کے نزدیک عالم اسلام لرزہ بر اندام ہو گیا وہ ہے حضرت ابن الزبیر کے خلاف مکہ پر فوج کشی چنانچہ فرماتے ہیں (ستمبر ص ۲۷) "تیسرا واقعہ وہی ہے جس کا حضرت حسن بصری نے آخر میں ذکر کیا ہے مدینہ سے فاسخ ہونے کے بعد ہی فوج جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں یہ ادھم مچایا تھا۔ حضرت زبیر بن ابی العاص سے لڑنے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اس نے مخفی طور پر خانہ کعبہ پر سنگباری کی جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکست ہو گئی اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انھوں نے کعبہ پر آگ بھی برساتی تھی لیکن آگ لگنے کے کچھ دوسرے وجوہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ البتہ سنگباری کا واقعہ متفق علیہ ہے۔"

سنگباری کا واقعہ مودودی صاحب کے نزدیک متفق علیہ ہو لیکن اہل تحقیق اس خلاف کہتے ہیں چنانچہ مصر کے علیل القدر محقق ڈاکٹر حفیظ الدین الزبیر اپنی تاریخ کتاب عبد الملک بن مروان " میں کہتے ہیں (ص ۲۲ طبع مصر وزارة الثقافة) "ولكن الحقيقة ان الضاق بها حصل في الحصار الثاني وهو الذي سيحدث بعد سنين لادخ الحصار الاول"

حقیقت یہ ہے کہ کعبہ پر سنگباری دوسری دفعہ کے محاصرے میں ہوئی تھی جو کئی سال کے بعد کی بات ہے نہ کہ پہلی مرتبہ کے محاصرہ کی۔

امیر المؤمنین زبیر کے زلمے میں حضرت ابن الزبیر کی حیثیت ایک حریف حکمران کو نہ تھی جس کے خلاف باقاعدہ اور ساز و سامان کے ساتھ فوج کشی کی ضرورت ہو۔ وہ ایک شورش پسند اور فتنہ انگیز شخص کی حیثیت رکھتے تھے جن کے خلاف معمولی فوجی کارروائی کافی تھی اور یہی حال اہل مدینہ کی شورش کا تھا۔ پھر امیر المؤمنین کو معلوم تھا کہ حرمین شریفین میں ان کے اپنے حمایتی بہت ہیں اور ایسے ذی وجاہت اور محترم کہ کسی طرفی فوجی کارروائی کی حاجت نہیں۔ چنانچہ معمولی ساز و سامان

کے ساتھ یہ فوج روانہ کر دی۔ اس فوج کے ساتھ منجیقین نہیں تھیں، اگر ہوتیں تو قرعہ کے سلسلے میں بھی انکا کچھ ذکر ہوتا جو قطعاً نہیں، چونکہ امیر المؤمنین عبد الملک نے حضرت ابن الزبیر کو قید صمد کن شکست دینے کے لئے فوج بھیجی تھیں اس لئے اس کے ساتھ منجیقوں کی بھی ضرورت تھی کیونکہ اس وقت حضرت ابن الزبیر طاقت حاصل کر چکے تھے، اور ایک وسیع علاقے کے حکمراں بنے ہوئے تھے۔ چونکہ اس موقع پر منجیقین استعمال ہوئیں اس لئے راویوں نے سہواً یا عمدتاً پہلے حصار میں بھی منجیقوں کا تصور پیدا کر دیا۔

حضرت حصین بن نمیر نے مکہ کا محض حصار کیا تھا۔ انھیں توقع تھی کہ اہل شہر کو مغلوب کر لینے اتنی ہی کارروائی کافی ہوگی۔ اسی عرصے میں امیر المؤمنین کی رحلت کی اطلاع آ گئی اس لئے انھوں نے حصار اٹھایا۔ مودودی صاحب نے یہاں منجیقوں کے ذریعہ سنگباری کعبہ شریف کے جل جانے کا ذکر اپنی اسی عداوت اور بغض کی وجہ سے کیا ہے جو انھیں اموی خلفاء اور امیر المؤمنین زبیر سے ہے اگر وہ کھلے دل اور ادنیٰ تامل سے کام لیتے تو ان پر کھل جاتا کہ یہ واقعہ حصار ثانی کا ہے نہ کہ حصار اول کا۔

حرمین شریفین حرمین شریفین کو اللہ تعالیٰ نے امت کا روحانی مرکز اور جائے امن بنا دیا ہے۔ کسی کو حق نہیں کسان دونوں شہروں کو وہ اپنی ملکیت بنا سکتے یا وہاں اپنا سیاسی اکھاڑہ جلا سکتے۔ ان شہروں کی تولیت تمام امت کے سپرد کی گئی ہے اور یوں اسکا متولی امیر المؤمنین ہوتا ہے۔ اس امام جماعت سے بغاوت کرنے والا اگر مکہ یا مدینہ میں اپنا مرکز بنا لے گا تو اسکی سرکوبی کی جائے گی کا نڈامن کان ابتدا ایسی صورت میں مدینہ یا مکہ پر فوج کشی کو ان شہروں پر حملہ نہیں کہا جا سکتا یہ حملہ ان باغیوں پر ہوگا جو حرم کی تقدیس پر حرج لائے گئے وہاں امت میں افتراق و انشقاق کا بیج پونا چاہئیں۔

مودودی صاحب نے جس عامیانا انداز میں جہلاء کے جذبات بھڑکانے کے لئے مذکورہ بالا بیان دیا ہے۔ اس سے نہ اہل علم متاثر ہو سکتے نہ انھیں یہ خیال

آسکتا ہے کہ اس قسم کی فوج کشی کو حرمین شریفین پر حملہ تصور کیا جائے، امیر المؤمنین  
یزید یا امیر المؤمنین عبدالملک یا امیر المؤمنین المنصور یا کسی دوسرے خلیفہ نے جب  
باغیوں کی سرکوبی کے لئے حرمین پر فوج کشی کی تو یہ حملہ ان پاک شہروں پر  
نہ تھا بلکہ ان باغیوں پر تھا جنہوں نے حرمین کی بے حرمتی کر کے شعار اللہ  
کی تقدیس پر حرت لانا چاہا۔

حضرت ابن الزبیر نے کعبہ شریف میں پناہ لینے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس  
دعویٰ کی سچائی تو اس وقت ثابت ہوئی جب وہ چپکے بیٹھے رہتے اس صورت میں  
ان سے ذلتاً کوئی تعرض نہ ہوتا جیسا کہ حضرت مسور بن جہزمہ سے نہیں ہوا۔  
وہ بھی امیر المؤمنین یزید کی بیعت سے انکار کر کے مکہ میں خاموش بیٹھ گئے  
اور اسی بنا پر امیر عمرو بن سعید نے حضرت حسینؑ کو امان نامہ بھیجا تھا کہ اگر آپ مکہ  
والیں آجائیں تو پورے احترام کے ساتھ رہتے رہیں گے اور یہ کاری قافلے کے معاملہ  
میں بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ امیر المؤمنین کی بیعت سے اگر کچھ لوگ محترم ہوں  
مگر چپکے بیٹھے رہیں تو تمام خلفاء کی یہ سنت رہی ہے کہ ان سے کبھی تعرض نہ کیا گیا  
تعرض اس وقت ہوتا ہے جب وہ جتھا بنائیں اور حکومت کا تختہ الٹنے  
کی کوششوں میں مشغول ہوں لہذا مدینہ اور مکہ پر جو چڑھائی کی گئی وہ شرعاً  
کسی درجے میں بھی قابل اعتراض نہیں بلکہ یہ چڑھائی اگر نہ کی جاتی تو اس پر یہ  
خلفاء قابل مواخذہ ہوتے انھیں جو اب وہی کرنی پڑتی کہ حرمین شریفین  
کو اکھنوں نے امت میں افراق کا سبب کیوں بننے دیا۔ اور امت نے  
امامت کا منصب دیکر حرمین کی تولیت کا جو فرض ناسد کیا تھا اسے بجالانے  
میں کیوں کوتاہی کی۔

اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کے متعلق فرماتا ہے (سورہ الحج ۲۵)

ومن یرد فیہ بالحادیظلم  
نذق من عذاب الیم  
اور جو کوئی ارادہ کرے ظلم کے ساتھ  
مگر اہی پھیلنے کا تو ہم سے دردناک

عذاب چکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حتی و عدہ آج تک ہمیشہ سچا ثابت ہوا۔ فتح و کامرانی انھیں  
نصیب ہوئی جنہوں نے ان لوگوں کو شکست دی جو کعبہ شریف کو فتنہ و فساد کا  
مرکز بنانے کے درپے ہوئے۔ تیرہ سو برس کا یہ مشاہدہ کیا اس کا ثبوت نہیں کہ  
حق پر وہ خلفاء کرام تھے جنہوں نے حرمین شریفین میں برپا ہونے والی شورشوں کا  
خاتمہ کیا۔ اور یہ وعید ان کے حق میں ثابت ہوئی جنہوں نے امام جماعت سے  
روگردانی کے حرمین کی آڑ میں اپنے سیاسی مقاصد پورے کرنے چاہے۔

اب ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱ طبع مصر کہ آج کے لوگوں کی طرح  
حرمین کی تقدیس برقرار رکھنے کے بارے میں یہی شبہ ایک جلیل الشرحابی  
کو ہوا۔ لیکن پھر مسئلہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔ حضرت ابو شریح فرماتے ہیں۔

عن ابی شریح انہ قال ابن  
سعید وهو بیعت البعوت الی  
مکہ اذ نزل الیہا الامیر  
احدثک قولاً قام بہ النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم العدا  
من یوم القتم سمعتہ اذ نای  
ووعاہ قلبی ولبصرہ عینای  
حین تکلم بہ  
حمد اللہ واثنی علیہ ثم  
قال ان مکة حرمها اللہ  
ولم یحرمها الناس فلا  
یحل لامری یؤمن باللہ  
والیوم الآخر ان یسئفک بہا

اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں  
آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کا وہ ارشاد بیان کر دوں جو فتح کے  
دوسرے دن آپ نے فرمایا تھا میر  
ان دونوں کاؤں نے اُسے سنبھلے  
اور میرے دل نے اُسے حفظ کیا ہے  
اور میری ان دونوں آنکھوں نے آپ  
کو اس وقت دیکھا تھا۔ جب آپ  
فرما رہے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد  
تثابیان کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ  
تعالیٰ نے حرمت کا شہر قرار دیا ہے  
اللہ یہ حرمت آدمیوں نے قائم  
نہیں کی۔ اب کسی ایسے شخص کے لئے

دَاوُلَا يَعْتَصِدُ بِهَا شَجَرَةَ قَاتِ  
 اِحْدًا تَرْخُصُ لِقَتْلِ رَسُولِ  
 اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 فِيهَا فَقُولُوا ان اللّٰهُ قَدْ اٰذَنَ  
 لِرَسُولِهِ وَلِحُرِّيَّةِ اللّٰهِ  
 وَاِنَّمَا اٰذَنَ لِي فِيهَا سَاعَةٌ  
 مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا  
 الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَ  
 لِيَبْلُغَ الشّٰهَدُ الْعَاثِبِ  
 قَتِيلٍ لَا يَبِي شَرِيْعًا  
 قَالَ عَمْرُو قَالَ اَنَا اعْلَمُ  
 مَتَاكُ يَا اَيُّهَا شَرِيْعُ لَا يَبِيْدُنَا  
 عَاصِيًا وَلَا فَا رَا يَدُمُ وَ  
 لَا قَاتًا مَخْرِبَةً

جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ جائز نہیں کہ وہ یہاں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت اکھاڑے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کے رسول کے قتال کو نظیر بنا کر اس نعل کو اپنے لئے جائز کر لینا چاہے تو تم اس سے کہدینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تمہیں اس نے یہ اجازت نہیں دی اور انہیں بھی دن کی بس ایک طرف کیلئے اجازت تھی پھر اس کی حرمت آج اسی طرح قائم ہو گئی جیسے کل تھی جو حاضر ہیں انہیں چاہئے کہ یہ بات ان تک پہنچادیں جو اس وقت حاضر نہیں۔ اب شریعت نے یہ چھایا گیا کہ پھر امیر عمرؓ نے کیا کہا تو فرمایا انہوں نے کہا اے ابوشریح میں آپ سے زیادہ اے جانتا ہوں۔ مگر کسی مکرش کو پناہ نہیں دیتا کسی قاتل کو اور نہ کسی ایسے شخص کو جو تخریب کے درپے ہو۔

مگر کے دونوں حصاروں کے وقت اجلہ صحابہ زندہ تھے، انہوں نے امیر المؤمنینؓ سے پناہ مانگی اور ان کو بھی

اقتادات کو ہرگز کعبہ شریف کے خلاف جارحانہ کارروائی نہیں مجھا۔ اور نہ قواعد شرعیہ جانتے والوں کوئی مجھ سکتا ہے۔ اگر مدینہ اور مکہ پر چڑھائی کو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے برا جانا ہوتا یا ان شہوتوں میں قواعد شرعیہ کے خلاف کچھ حرکتیں ہوتی ہوتیں یا ان باتوں کا شائبہ بھی ہوتا جو موردی صاحب مجھے متعصب لوگوں نے بیان کی ہیں تو اموی خلافت امت میں کبھی ایسی مقبول ہوتی جیسے کہ ہوئی، تاریخ شاہد ہے۔ کہ چار انگ عالم میں اسلام کی تبلیغ ہوئی اور اس کا سیاسی اقتدار اموی دمر وانی خلفاء کی بدولت قائم ہوا۔ چنانچہ اس خطہ پاک میں اسلام کا جھنڈا اسی خلافت میں بعد امیر المؤمنین الولید بن امیر المؤمنین عبدالملک ابن امیر المؤمنین حضرت مروانؓ نصب ہوا تھا۔

ابن الزبیرؓ حضرت ابن الزبیرؓ صفار صحابہ اور کبار تابعین میں ہیں نبی شرف اور شخصی فضائل میں ممتاز تھے۔ فقہائے امت میں ان کا شمار ہے۔ اعلیٰ درجے کے شہسوار تھے۔ شمشیر زن تھے اور خطیب تھے۔ مگر طبیعت میں سخی کا مادہ تھا انہوں نے حصوں خلافت کے لئے جو طریقے اختیار کئے اور اعلان خلافت کے بعد طرز عمل رکھا اس نے ہم عصر امت میں انہیں نام مقبول بنا دیا۔ انہوں نے ایسی ذبردست سیاسی غلطیاں کیں کہ ان کے اقتادات میں تعمیر کی بجائے تخریب کے پہلو زیادہ نمایاں رہے یعنی۔

۱۔ متفق علیہ امام کی بیعت سے مگر بیز کیا۔ اور اس طرح اجماع صحابہ کی بے وقعتی کی۔

۲۔ پھر اعلان کیا کہ وہ حرم میں پناہ گزین ہیں۔ لیکن عملاً سیاسی جوڑ توڑ میں مشغول رہے۔

۳۔ حضرت حسینؓ کو مکہ سے چلے جانے کی ترغیب دی۔ حالانکہ پوری کو مشن سے انہیں روکنا چاہئے تھا نظام خلافت میں اگر واقعی کسی تبدیلی کی ضرورت تھی تو ان دونوں کا تعاون نہایت مؤثر ہوتا۔ مگر یہ دونوں



تو ایک دوسرے کو حریفانہ دیکھتے تھے۔

۴۔ انھوں نے اول مدینہ طیبہ میں بغاوت کروائی اور پھر مکہ کو اپنا سیاسی مرکز بنایا اس طرح حرمین شریفین کی تقدیس اور حرمت قائم نہ رہ سکی۔

۵۔ انھوں نے مدینہ میں مقیم بنو امیہ کو حکماً نکلوا دیا حالانکہ انکی استمالت کی ضرورت تھی تاکہ حکمران خاندان میں اختلاف پیدا ہو جاتا۔

۶۔ انھوں نے بنو ہاشم سے معاندانہ برتاؤ کیا تاکہ انھیں مکہ سے نکلوا دیا حالانکہ اپنی مقبولیت کیلئے انھیں بنو ہاشم کو اپنے ساتھ بلانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے تھی۔

۷۔ ان کے اپنے بھائی اور بیٹے جو امیر المؤمنین زین العابدین کی بیعت توڑنے پر تیار نہیں ہوئے ان کے ساتھ انھوں نے سختی کی حتیٰ کہ ایک بھائی کو عین حرم میں مار مار کر شہید کر دیا۔

۸۔ امیر المؤمنین زین العابدین کی وفات کے بعد امیر حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ ہر طرح مستحق خلافت ہیں اور ہم آپ سے بیعت کرنے پر بھی تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ شام تشریف لے جائیں جو مستقر خلافت ہے۔ میرے ساتھ فتنے لشکر ہیں وہ منتر حیثیت کو لوگ ہیں یہ آپ سے بیعت کر میں گے تو دو آدمی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکیں گے لیکن اس صاحب ترین مشورے کو انھوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور اس طرح اپنے متفق علیہ خلیفہ بن جانے کا بہتر بہترین موقع اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

۹۔ ربیع بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوت کے بل پر خلافت کا اعلان کیا اور اس کی پروانہ کی کہ اول ان حضرات کو ہموار کریں۔ جو اہل الرای تھے اور امت جن کی پیروی کی تو کر تھی۔

یہ خلافت اس کے اموی خلافت کی بنیادیں آئینی اعتبار سے نہایت مضبوط

تھیں اور قواعد شرعیہ پر ہر طرح پوری اترتی تھیں۔ اس پر مستزاد تھی وہ عام مقبولیت جو اموی خاندان کے کو ہمیشہ حاصل رہی۔

۱۔ امیر المؤمنین زین العابدین کی ولایت عہد کا مسئلہ جمہوریہ صحابہ کرام کے اجماع سے طے ہوا تھا اور عالم اسلام اس پر متفق و متحد تھا۔ اس بیعت کا توڑنا کسی کے لئے جائز نہ تھا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ یہ بیعت توڑ کر کوئی شخص امت میں اپنا سیاسی مقام پیدا کر سکے۔ امیر زین العابدین کی زندگی میں تو جیسا کچھ اوراق میں ذکر ہوا وہ یہی کہتے رہے کہ میں ان کی بیعت پر ہوں اور خلیفہ خلیفہ پر بیعت نہ کرنا بھی کرتے رہے۔

۲۔ اس متفق علیہ نام نے اپنی وفات کے وقت اپنے ذرندار جند معاد ثانی کی نواہر کیا جو دستور سابق کے تحت بالکل جائز امر تھا۔ شرعاً و عرفاً جائزے والا امام جس کو بھی نامزد کر جائے اس کی وصیت پر حال نافذ ہوتی تھی۔

۳۔ امیر معاویہ ثانی نے بیعت لے کر جو آئینی حیثیت سے ایک امر لازم تھا تاکہ امام سابق کی وصیت پوری ہو۔ خود امامت پر قائم ہونے کے بعد اپنی خرابی کی وجہ سے کہ قصور سے دنوں بعد وفات بھی ہو گئی تھی۔ امت کے سامنے اتنا عطا پیش کر دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں کسی شخص کو نامزد نہیں کرتا۔ آپ حضرات مختار ہیں کہ جسے چاہیں منتخب کریں۔

۴۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ارباب عقل و عقد میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں نگہ دو شروع ہو جائے۔ اس خرصے میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی زبردست سیاسی عظمت کے نتیجے میں حضرت مروان مع اپنے اہل و عیال کے دمشق پہنچ گئے اور یوں لوگوں کے سامنے وہ آگئی جو اپنی اعلیٰ اصلاحیوں و عظمت و جلالت و اہمیت کے اعتبار سے امامت کی ہر طرح اہل تھی۔ شام و فلسطین کے قبائل کے عام اجتماع میں حضرت مروان کی خلافت پر سیدے اتفاق کر لیا۔ اس طرح دستوری اور آئینی حیثیت سے ہی اموی و مروانی خلافت

میں تسلیم کی گئی کیونکہ اسکی پشت پر مستقر خلافت کے علائقے کی رائے عامتہ تھی۔  
۴- حضرت مروان نے معرکہ بھی معمولی فوج کشی سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عالی مقام حضرت عبدالملک کو خلافت کیلئے نامزد کر گئے۔  
۵- حضرت امیر معاویہ کی یہ غلطی بنائی جاتی ہے کہ انھوں نے خلافت کیلئے ولید کی بیعت اپنی زندگی میں لی انھیں چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کو جمہور پر چھوڑ دیتے وہ جسکو چاہے عقیقہ منتخب کر لے معاویہ ثانی کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت امیر معاویہ سے محض چار سال بعد ہی وہ طریقہ اختیار کیا جو آج کل کے لوگ چاہتے ہیں یعنی وہ نے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ جمہوریت کو سونپ گئے، تاریخ کے واقعات شاہد ہیں کہ اسکا نتیجہ اندر منہا نکلا چند قسمت آزماؤں نے جنگ و جدل کا بازار گرم کر کے اسلامی مملکت کو مسلمانوں کے خون سے رنگ دیا۔ اور آخر میں پھر بھی اموی خاندان ہی کا ایک نرد کا میاب ہوا۔ اور یوں آخری ایسا یہ مسئلہ طے ہوا۔ حضرت امیر معاویہ نے کمال دوراندیشی ان باتوں کو سمجھ لیا اور امت کو خونریزی سے بچانے کیلئے نہایت دیانتداری سے یہ عمل حضرت مغیرہؓ کے توجہ دلانے سے نکالا تھا مگر اس پر بھی وہ منہم میں حالانکہ ان کے پیش رو حضرت علیؓ نے بھی اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے فرزند کی جانشینی سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔

آخر میں ہمیں پھر محمد علی کی یاد آتی ہے۔ شام و مصر پوری طرح امیر المومنین عبد کا مطیع و منقاد تھا۔ کہیں کوئی اختلاف رائے نہ تھا جو حضرت علیؓ کے زیر تین علاقے میں ہمیشہ رہا۔ اور اسی طرح حضرت ابن الزبیر کے علاقے میں صحابہ کرام اور ہاشمی اکابر کا ایک جم غفیر تھا جس نے حضرت ابن الزبیر سے بیعت نہیں کی تھی اور سب کی ہمدردیاں خلافت شام کے ساتھ تھیں۔

غلاوہ ازین امیر المومنین عبد الملک سولے شرف صحابرت کے باقی ہر میلان میں حضرت ابن الزبیر کے مقابلے میں فضیلت و مقبولیت و احترام کے اعتبار سے بدرجہا نائق تھے۔ اسی لئے ان کے مستر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت ابن الزبیر کا

موقف کمزور سے کمزور تر ہو تا چلا گیا۔ رہا ان کی لاش کو سولی پر چڑھانا اسے کسی قوی روایت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

## امام ابو حنیفہ اور سیاسی شخصیات وضعی روایات و بہتانات

خروج زید بن علی | امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی پر مودودی صاحب نے زیر عنوان "در خروج کے معاملہ میں امام کا اپنا طرز عمل" بہتانا باندھے ہیں اور ایسی باتیں کہی ہیں جو امام محمد رح کے مدون مذہب و مسلک کے بھی خلاف ہیں اور تاریخی حثیت سے بھی بے پایہ پھر ان فضولیات کے لئے سہارا لیا ہے بیشتر مناقب کی ان کتابوں کا جو صدیوں بعد اس زمانے میں لکھی گئیں جب مغلالاتی امتیاز کی وضعی روایات کا جال خوب پھیل چکا تھا اور نطق یہ کہ ان کتابوں کی مستفاد روایتوں میں سے بھی ان صاحب نے ایسی حکایتیں چھانٹ لیں جن سے امام اعظمؒ مدحت ذمہ نمایاں نہ ہو سکتی تھی اور ساتھ ہی خلفاء اسلام پر صرف یہی بھی ممکن ہو چنانچہ زید بن علی بن الحسینؓ کے نام کام خروج و بغاوت کے سلسلے میں لکھتے ہیں بحوالہ الطبری (ص ۲۶۶-۲۶۷)

"پہلا واقعہ زید بن علی کا ہے جن کی طرف شیعوں کا فرقہ زید یہ اپنے کو منسوب کرتا ہے۔ یہ امام حسینؓ کے پوتے اور امام محمد الباقر کے بھائی تھے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، فقیہ اور متقی و صلح بزرگ تھے اور خود امام ابو حنیفہؒ نے بھی ان سے استفادہ کیا تھا۔ ۱۳۰ھ ۶۴۲ء میں ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کیے کے اس کے خلاف تحقیقات کرائی تو اس سلسلے میں گواہی کے لئے حضرت زید کو بھی مدینے سے کوہن بلا یا گیا۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خالد ان علیؓ کا ایک ممتاز فرزند کو فدا کیا۔ یہ شہر سیدہ ان علیؓ کا گروہ تھا اس لئے ان کے آٹھ سے یک نخت علیؓ تحریک

میں جان پڑ گئی اور لوگ کثرت سے ان کے گرد جمع ہونے لگے ویسے ہی عراق کے باشندے ساہا سال سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آچکے تھے اور اٹھنے کے لئے سہارا چاہتے تھے۔ علوی فاندان کی ایک صالح عالم فقیہ شخصیت کا میسر آجانا انھیں نعمت محسوس ہو۔ ان لوگوں نے زید کو یقین دلایا کہ کوثر میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں اور ۱۵ ہزار نے بیعت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی ان کے رجسٹر میں درج کر دئیے ہیں۔ اس اثناء میں کہ خروج کی تیاریاں اندھری اندھری ہو رہی تھیں اموی گورنر کو ان کی اطلاع پہنچ گئی زید نے یہ دیکھ کر حکومت خیردار ہو گئی صفر ۲۷ ۴۰ ۴۱ میں قبائل از وقت خروج کو دیا۔ جب قسارم کا موقع آیا کہ نہ کے شیطان معنی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جنگ کے وقت ۲۱۸ آدمی ان کے ساتھ تھے دوران جنگ میں ایک تیر سے وہ گھائل ہو گئے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ (طبری)

اس منظر کشی کی داد ہمیں دی جاسکتی۔ طبری کا حوالہ دے کر بھی غلط بیانی سے اجتناب نہ کیا۔ تاریخ طبری (عربی ادیشن) کے ۱۶ صفحات پر زید بن علی کے ناکام خروج کی روایتیں درج ہیں جو بیشتر ہم عصر راوی کی بیان کردہ ہیں ان میں نہ کہیں عراق کے باشندوں سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آچکے کا ذکر ہے نہ زید کے مدینے سے براہ راست کوثر جانے اور کوثر میں ان کے موجود ہونے سے کسی نام نہاد علوی تحریک، "میں یک لخت جان پڑ جانے کا تذکرہ ہے، بحالات اس کے ہم عصر راوی کا پہلے تو یہ بیان کہ گورنر عراق عبداللہ التمری کے پاس ہاتھی گھرانے کے یہ تین حضرات کو فہ آئے تھے یعنی (۱) جذاب داؤد بن علی بن عبداللہ بن العباس (۲) محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (۳) زید بن علی بن حسین۔ اموی گورنر نے ان تینوں ہاتھیوں کو گورنر قسارم کے عطیات دئیے پھر یہ سب حضرات

اپنے وطن مالوف مدینہ کو واپس چلے گئے۔ رجعوا الی المدینة (طبری) گورنر خالد کی معزولی پر نئے گورنر یوسف بن عمر نے خلیفہ وقت امیر المومنین ہشام کو جوڑے منظم اور مانی معاملات میں نہایت کفایت شعار و جرس تھے ان تینوں ہاتھی حضرات کے نام اور عطیات کی تعداد رقوم کے ساتھ یہ اطلاع بھی دی تھی کہ خالد کو زید بن علی سے مدینہ کی کچھ اراضی دس ہزار دینار میں خریدی تھی جو پھر انھیں ہی واپس بھی کر دی تھی اور رقم بھی الہی کے پاس رہی امیر المومنین نے عامل مدینہ کے ذریعہ ان تینوں حضرات کو تحقیق حال کے لئے اپنے پاس و سنی بلایا۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ایک ایک لاکھ درہم کے عطیات ہمیں دیئے تھے۔ مدینے اراضی مدینہ کی بیع و شرا سے انکار کیا اور حلف اٹھایا امیر المومنین نے ان کے بیان کو تو با در کر لیا مگر ہدایت کی کہ مدعی کا سامنا کرنے کے لئے انھیں گورنر عراق کے پاس جانا ہوگا۔ زید کو فہ جانے سے فائدہ تھے امیر المومنین سے عرض کرنے لگے انشدات اللہ والرحم ان تبصت بی الی یوسف (طبری) یعنی میں آپ کو اللہ کا اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں مجھے یوسف (گورنر عراق) کے پاس نہ بھیجئے امیر المومنین نے اطمینان دلایا گورنر کو واسطہ تحریر کیا اور یہ عہد احتیاط اپنا اردلی بھی ساتھ کیا اس طرح یہ کوثر گئے تھے۔ کوثر جاتے ہوئے امیر المومنین نے ان تینوں ہاتھیوں کو اپنے سابق گورنر کی رقوم عطیات پر اضافہ کرتے ہوئے خود بھی عطیات دئے و مسلم ہشام (طبری) معاملہ تصفیہ طلب زید کے اراضی کے ذرخت کرنے اور پیش گزار رقم وصول کرنے کا فہم الہی سے وہ فائدہ بھی تھے۔

طبری کی دوسری روایتوں میں بیان ہے کہ زید کے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب سے جو اوقات علی کے مثنوی تھے مقدمہ بازی چل رہی تھی۔ حاکم مدینہ کی عدالت میں کئی پیشاں ہو چکی تھیں دوران سماعت فریقین ایک دوسرے کی بدکلامی میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ عبداللہ نے زید سے کہا کہ تم دفع لینا چاہتے ہو حالانکہ سندھی لوٹوسی کے بچے ہو۔ لہ زید کی داد سندھی کینز تھیں۔

فقال عبد الله لزید اطمع ان تنها لها وانت لامه سده هية  
 (طبری) زید نے بھی ترکی بترکی جواب دیا و تبا لعا یومئذ کل غابة فلما کان  
 ان بعد احضرهما الوالی واحضر قریبشا والانصار فقتل زعرا (طبری  
 عرض کر اس روز ایک دن دوسرے کو بڑا کینے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی دوسرے دن  
 والی نے پھر انہیں بلایا اور تمام قریش انصار (مدینہ) کو بھی بلایا۔ فاغلاظ  
 عبد الله لزید وقال یا ابن الکھند یکتہ (طبری) عبد اللہ نے زید کو  
 سخت برا کہا اور تمہند کیہ کے بیٹے "کہہ کر خطاب کیا زید نے جواب میں کہا کہ میری ماں  
 نے تو اپنے شوہر کے بعد کسی اور سے نکاح کیا نہیں صبر سے بیٹھی میں بخلاف دوسروں  
 کی ماں کہ ان سے صبر نہ ہو سکا۔ یہ چوٹ زید نے اپنی پھوپھی والدہ عبد اللہ یعنی سیدہ  
 فاطمہ بنت الحسین پر کی تھی جنہوں نے یہ سن کر زید سے کہلا بھیجا تھا تمہاری ماں کو  
 عبد اللہ نے برا کہا ہے تو تم بھی اس کی ماں کو بڑا کہوان سب عبد اللہ اکہ فاسدہ  
 امہ (طبری) زید اپنی پھوپھی سے اسی بنا پر تڑپا نہ لگے۔ اور ایک عرصہ تک ان کے رہنے نہ گئے  
 واستحق زید من عمتہ فلم یحل علیہا زما (طبری) ایک دوسرے کی  
 ماں کی بدگوئی کے اس شرمناک واقعہ کو موہوددی صاحب کے معتبراخذ تاریخ طبری  
 میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے راوی نے بدگوئی اور طعن کے اپنی پھوپھی پر یہ الفاظ  
 ان بزرگوار سے منسوب کیے ہیں جنہیں موہوددی صاحب نے "جلس القدر عالم فقیہ اور متقی  
 و صالح بزرگ" کا سرٹیفکٹ دے کر انہیں امام اعظم ابو حنیفہ کا استاد بھی بتایا ہے

لقد سیدہ فاطمہ بنت الحسین نے اپنے پہلے شوہر حسن متقی بن حسن بن علی کی وفات  
 کے بعد اموی خاندان میں عبد اللہ بن عمرو بن حضرت عثمان بن عفان سے عقد ثانی کر لیا  
 تھا پہلے شوہر سے ان کے تین بیٹے تھے عبد اللہ و ابراہیم و حسن اور دو بیٹیاں زینب  
 و ام کلثوم تھیں دوسرے اموی شوہر سے بھی دو بیٹے محمد اللیاح اور قاسم اور  
 ایک بیٹی رقیہ تھیں جو حضرت حسین کے اموی نواسے نواسی تھے۔

مگر جمعہ صراوہ و اخباری ابو عیاض نے جو جناب زید کے دوران قیام کوفہ کے  
 حالات و واقعات کا چشم دید شاہد ہے نہ کہیں امام ابو حنیفہ کا نام کبھی واقعہ کے  
 سلسلے میں لیا ہے اور نہ زید کی جلالت قدر و فضائل علیہ کا ذکر کیا ہے نہ زید کی  
 موجودگی سے نام نہاد طلوی تحریک میں جان پڑنے کا اشارہ کیا ہے۔

طبری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ زید اپنا دعویٰ عبد اللہ بن حسن نشانی  
 خلافت امیر المومنین ہشام کے حضور میں پیش کرنے دمشق گئے و قیل ان زید انما  
 قدم علی ہشام صحابہ ابن عمہ عبد اللہ بن حسن بن علی (طبری)  
 عرصہ تک باریابی کا موقع نہ ملا عرض داشتوں پر عرضداشتیں پیش کرتے رہے۔  
 جن پر ہم کو ہشام نے اسراجع الی امیرک (طبری) جو تمہارا سے حاکم ہیں ان کے پاس  
 جاؤ۔ زید چونکہ حاکم مدینہ کی عدالت میں ناکام رہے تھے، اور فریق ثانی سے کالم  
 مملو ج لی جگہ بنائی بھی ہو چکی تھی اس لئے حاکم مدینہ کی عدالت میں پھر جانے کو آمادہ  
 نہ تھے امیر المومنین سے عرض کرتے واللہ لا اسرجع الی خالد ابدا بخدا ایسے خالد  
 (حاکم مدینہ) کے سامنے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ یہ بھی کہا کہ میں کچھ مانگے تو نہیں آیا اپنا  
 مقدمہ پیش کرنے آیا ہوں آخر کار بہت عرصہ کے انتظار کے بعد امیر المومنین نے  
 انہیں باریابی کا موقع دیا۔ پھر ایک موقع پر زید عمر بن الولید سے اپنا تنازعہ  
 کرانے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ طبری میں خود زید سے  
 روایت ہے کہ ہشام نے مجھ سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کے متمنی ہو۔ تم  
 ایک لوٹدی کے بطن سے ہو کر ایسی توقع کیو تکر کر سکتے ہو میں نے کہا امیر المومنین  
 آپ کی بات کا جو اب بھی ہے چنانچہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی والدہ کا ذکر  
 امیر المومنین نے انہیں نقل جانے کا حکم دیا انہوں نے کہا میں جاتا ہوں مگر یہ  
 اب ایسی ہی صورت میں تم دیکھو گے جو تمہیں ناگوار ہوئی اور حرج و مشر  
 لا تنزانی الا حدیث نکسرا (طبری) دمشق سے سیدہ کوفے پہنچے اور وہاں  
 تو جو جرم میں مشغول ہو گئے۔

مدینہ میں کئی اولادیں اور بیٹیاں چھوڑ آئے تھے کہنے میں ازدی و سلی قبیلوں کی  
 لڑائیوں سے نکاح کے لیے معصراوی ابوحنیفہ نے ایک خوبصورت دوشیزہ کے  
 دائم محبت میں ان کے پھنسنے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک شیخ عورت  
 بنت الصلت جو بڑی طرفدار حسین و حمیل گداز بن تھی جناب زید کے پاس آئی حب  
 و نسب اس کا پلو چکر زید اس سے کہنے لگے۔ مجھ سے نکاح کر لو عورت نے کہا میری  
 عمر زیادہ آگئی ہے البتہ میری ایک بیٹی ہے جو مجھ سے زیادہ گوری، زیادہ خوبصورت،  
 زیادہ گناز جسم اور نہایت عمدہ شکل و صورت اور ناز و انداز کی ہے امیض وادم  
 و احسن معنی دلاؤ و تمکلا (طبری آپ جاہن تو اسے آپ کی زوجیت میں  
 دیدوں زید اس دوشیزہ کے حسن و جمال کی کیفیت سننے ہی سمجھ گئے تھے فوراً شادی کر لی  
 اور بقول ابوحنیفہ اس پر عاشق بھی ہو گئے وکان برما عجبا (طبری) اپنی شادی کے  
 بعد سے زید کبھی اپنی ازدی بیوی کے یہاں رہتے کبھی دوسرے سسرال والوں  
 کے یہاں۔ گورنر یوسف کو جب معلوم ہوتا کہ زید ابھی کو ذمہ میں مقیم ہیں مدینہ نہیں گئے  
 ان سے کہلاؤ، بقا واپس چلے جاؤ یہ اس وقت تو اقرار کر لیتے پھر درو کا بہانہ کر کے  
 جب تک چاہتے اپنی روانگی کو مالتے رہتے۔ فیقول نعم و یستل لہ مالو جہ  
 فمکت ما شاء اللہ (طبری) دوبارہ جب چلے جانے کو کہلاو یا اس مرتبہ یہ حیلہ  
 کیا کہ مجھے کچھ اشیاء خریدنی ہیں۔ خرید لوں تو جاؤں غرضیکہ مو دودی صاحب کے یہ  
 "جلس القدر عالم فقیہ اور متقی و صانع بزرگ" جو بقول مکنز و امام اعظم کے استاد

۱۱ مدینہ کی ہمسویں سے زید بن علی کے چار بیٹے تھے وعلی و حسین و محمد تھے کئی ایسے  
 والد کے پاس کو ذمہ میں موجود تھے ان کے اولاد ذکر نہ تھی علی کی نسل خوب چلی ان میں  
 بڑے صاحب عزم و حوصلہ لوگ تھے حسین بن زید کے کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں ایک  
 بیٹی فاطمہ عباسی خازن میں محمد بن ابراہیم امام بن محمد بن ابراہیم امام بن علی بن  
 عبداللہ بن عباس کی زوجہ تھیں محمد بن زید کی نسل باقی نہ رہی۔

بھی تھے طرح طرح کے حیلے بہانے قیام کو ذمہ کے لئے تراشتے رہے مگر گورنر نے ان کا  
 پیچھا نہ چھوڑا مجبوراً کو ذمہ سے نکل کر قادیسیہ پہنچے اور ہر روایت دیگر گورنر نے اپنے  
 آدمی کے ساتھ ان کو مقام العذیب تک پہنچا دیا تھا مگر بد بخت کوئی سالی چرب  
 زبانی سے آخر کار انہیں کو ذمہ واپس لے آئے۔ ان کے دونوں عزیز یعنی جناب  
 داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس جو رشتہ میں ان کے چچا تھے اور محمد بن عمر بن  
 علی بن ابی طالب ان کے چچا زاد بھائی پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے تھے اور جاتے  
 وقت انہیں ان کے دادا حضرت حسینؑ کے واقعہ سے عبرت دلاتے ہوئے  
 صاف کہہ گئے تھے کہ کوئیوں کے مواجد پر بھروسہ نہ کیجئے تو ان سے زیادہ  
 تمہارے حق میں کوئی سخت دل اور ظالم نہ ہوگا۔

امیر المومنین ہشامؑ کو زید کے بارے میں جب اطلاع میں پہنچا گورنر عراق کو بحر  
 فران بھیجا تھا اس کے ابتدا میں لکھا تھا کہ "زید بن علی میرے پاس عمر بن الولید  
 کے خلاف مدعی کی حیثیت سے آئے تھے میں نے ان دونوں کے درمیان  
 فیصلہ کر دیا میں نے دیکھا زید ایک جھگڑا چرب زبان تقریر میں رنگ آمیزی  
 کرنے والے اور اپنے مطلب کے مطابق کلام کو ڈھالنے والے شخص ہیں" فران میں  
 گورنر کو ہدایت کی گئی تھی کہ زید کو کو ذمہ نہ ٹہرنے دیا جائے کیونکہ یہ جھگڑا شخص اپنی  
 چرب زبانی سے لوگوں کو گمراہ کر سکیں گے ان کا وہاں سے اخراج اس طرح کر دو  
 کہ جس میں سب کی سلامتی ہو، کسی کا خون نہ بہے، تفرقہ سے امن کو میں زیادہ اچھا  
 سمجھتا ہوں یہ نسبت اس کے کہ ان کا خورج ہے، ان کا نام باقی نہ رہے اور ان  
 کی نسل منقطع ہو جائے جماعت اللہ کی منہو طہرتی ہے والجماعت حبس اللہ  
 المتین و دین اللہ القویم و عروہ و کوا و تقی (طبری) فران بہت طور پر ہے  
 اور اس کے لفظ لفظ سے امیر المومنین کی رحمت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔  
 اسی فران میں یہ ہدایت بھی گورنر کو تھی کہ اگر منہو دل سے تمہاری تدبیر ہو جائے  
 تو تم اس وقت اللہ کی مدد کے مستحق ہو گے جب ان پر اپنی محبت پوری کر دو

ان کی آل اولاد سے تعرض نہ کر دو اور اپنے فوج کو منع کر دو کہ ان کے گھروں اور ان کے زمان خانوں میں نہ گھسے، یہ بھی لکھا تھا کہ امیر المؤمنین کا طرز عمل اپنی قوم کو بہانہ سے بچانے، راہ راست پر لانے خطرہ سے ہٹانے اور سیدھے راستوں پر بچانے میں نشیب و فراز ہے جو اپنی اولاد کو بہ خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے یا تجربہ کار و ہوشیار چرواہے کا جو اپنے گلہ کی نگہبانی کرتا ہے فعل الوالد المستفیق علی ولده والرعی الحدیب علی رعیتہ (طبری) ایسے مثالی حکمران کے عہد کو ظلم و ستم کا زمانہ بلکانا بدترین کذب بیانی ہے۔ مودودی صاحب کے معتبر ماخذ از بدایہ والنہایہ (ج ۲ ص ۲۵۲) میں امیر المؤمنین ہشام کی جدلی کے ذکر میں بتایا ہے کہ تمام انسانوں میں وہ سب سے زیادہ خونریزی کو بردہ جاننے والے شخص تھے وکان ہشام من اکرک الناس لسفک الدماء۔ چنانچہ ان کا یہ نہایت رحم و کرم تھا کہ زید کے خروج و بغاوت کی اطلاع پا کر عسکر خلافت کو خاص طور سے ہدایت کی گئی کہ اول تو یہ پیش کریں اور جب تک سورتش پسندوں کی جانب سے ابتداء نہ ہو ان کے خلافت قدم نہ اٹھایا جائے اور اگر جنگ ناگزیر ہو جائے تو کوئی حرکت ایسی نہ ہو جس سے باغی مسلمانوں کے اہل و عیال پر آفت آئے یا بے وجہ اتلاف جان ہو۔ جو باغی میدان میں آئیں ان ہی کو مزارا دینے پر اکتفا کیا جائے غرضیکہ زید کا یہ ایک محدود مقامی فتنہ تھا جسے فرو کر دیا گیا نہ کوئی علوی تحریک تھی جس میں زید کی موجودگی سے جان پڑ گئی نہ اس بغاوت کا کوئی شرعی یا سیاسی یا اخلاقی سبب تھا نہ کوفے کے باشندے بڑا امت کے ظلم سے تنگ آچکے تھے نہ انھیں حکومت کے خلافت اٹھنے کے لئے کسی کا سہارا درکار تھا اگر ایسا ہوتا تو زید کے جھنڈے کے تلے واقعی ایک لاکھ آدمی جمع ہو جاتے لیکن تین ہزار غمگینوں میں پھیلی ہوئی امت میں سے صرف ۲۱۸ کوئی زید کو مل سکے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امت زید بن علی اور ان کے اقدام کو کیا حیثیت دیتی تھی اور یہ امت وہ تھی جو امیر المؤمنین کے ایک ابشار سے ہزاروں ہزاروں کی تعداد میں گھڑی ہو جاتی کیونکہ وہ دور

جہاد فی سبیل اللہ کا تھا جہر مسلمان اموی قائد کے زیر کمان رخ کرتے فتح و نظمان کے قدم چومتی تھی۔

مودودی صاحب جسے "علوی" یا آل علی کی تحریک کہتے ہیں۔ علم سیاست کی کسی شق کے تحت عمرانی تحریک نہیں کہی جاسکتی البتہ خفیہ تحریکی تحریک اسے ضرور کہا جاسکتا ہے جس کے سبب قدم قدم پر مسلمانوں کو کئی صدیوں تک مصائب کا سامنا ہوا اور دعوت محمدیہ کے اثر و نفوذ کی راہ میں مشکلات پیدا ہوئیں اسی تحریکی تحریک کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر زندگی و الحاد کی تخم ریزی ہوئی۔ مودودی صاحب کو صحیح النسب آل علی کی حرمت کا کچھ بھی پاس دلچاظ ہوتا تو اس تحریک کو ان کی طرف کبھی منسوب نہ کرتے۔ یہ تو ملت اسلامیہ کے اندرونی دشمنوں کی ریشہ دوانیاں تھیں جن کے سبب بعض طابع آزما علوی شریک ہو کر خود بھی تباہ ہوئے اور ملت میں بھی انتشار کا سبب بنے لہ

اب ملاحظہ ہو وہ بہتان و اتہام جو مودودی صاحب امام اعظم پر بہتان نے امام ابو حنیفہ پر رکھا ہے۔ ذیل آتے ہیں (ص ۲۶۷)

"اس خروج میں امام ابو حنیفہ کی لوری ہمدردی ان کے (زید بن علی) کے ساتھ تھی۔ انھوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی۔ انھوں نے ان کے خزیں کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جس طرح اُس وقت آنحضرت کا جہاد جہادِ نبویہ مشتبہ تھا اسی طرح اس خروج میں زید بن علی کا بھی حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا جب زید کا پیغام ان کے نام آیا کہ آپ میرا ساتھ

لہ ملاحظہ ہو تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید جس میں ۶۶ علویوں کے خروج کی تفصیلات درج ہیں جو چوتھی صدی ہجری تک ہوتے رہے۔

دیں تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ اگر میں یہ جانتا کہ لوگ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور پتے دل سے ان کی حمایت میں کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کے ساتھ ہوتا اور جہاد کرتا کیونکہ وہ امام حق ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسی طرح ان سے بے وفائی کریں گے جس طرح ان کے دادا (حضرت حسینؑ) سے کر چکے تھے۔ البتہ میں روپے سے ان کی مدد کروں گا۔

لطف تو یہ ہے کہ موروری صاحب کو خود اعتراف ہے کہ زید کے خروج کے وقت امام ابو حنیفہؒ کو فقیہ اہل مشرق ہونے کا مرتبہ اور اثر و رسوخ حاصل نہ ہوا تھا اور شہادہ میں یعنی زید کے خروج کی تیاریاں شروع کرنے کے زمانہ میں ابو حنیفہؒ اس وقت تک محض ان کے (حماد کے - م) ایک شاگرد کی حیثیت رکھتے تھے (ص ۲۶۸) تو ایسی حالت میں جب امام صاحب کو نہ فقیہ اہل مشرق کا مرتبہ حاصل ہوا تھا اور نہ ان کا کوئی اثر و رسوخ تھا تو ایسے شخص سے زید کو مدد لینے کا خیال ہی کیوں آتا۔ اور امام صاحب اگر از خود اس حالت میں کہ اثر و رسوخ ان کو حاصل نہ ہوا تھا کسی رائے کا اعلان کرتے تو اس کی قیمت ہی کیا ہوتی۔ امام صاحب جلیفہ وقت و امام جہاد کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔ سلطان ابو المنظر یحییٰ بن ایوب الملک المعظم امام متینہؒ کا مذہب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں (المسیر المصیب فی الرد علی الخطیب ص ۲۷) ظہیر بن بندر (الخری الخرج علی ائمتنا و اولادہ امورنا ان جاروا علینا یعنی ہم اپنے اماموں اور حاکموں کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگر وہ ہم پر ظلم کریں) اس کے بعد سلطان ابو المنظر فرماتے ہیں من یكون هذا اسامیه كيف يولى الخرج على الائمة (تو جس شخص کا نظریہ یہ ہوگا وہ خلفاء کے خلاف خروج کو کب جائز سمجھے گا)

امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب موافق صحابہ پر یعنی صحابہ کی تعلیم حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ اور امت کو دی (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶ طبع مصر)

عن زیاد بن علاق قال سمعت  
عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله  
عليه وسلم يقول ستكون هذات  
وهذات فمن اراد ان يفرق امر  
هذ لا الامة وهي جميع فاضر بوا  
بالسيف كما نأمن كان

زیاد بن علاق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں عمر بن خطابؓ نے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ تم فرقتیں پر فتنہ ہو گے تو جو شخص بھی ایسے وقت امت کے سیاسی نظام میں انتشار پیدا کرنا چاہے اور امت مجتمع ہو تو اسے شخص کو قتل کر دو اگر وہ کوئی ہو۔

پھر ملاحظہ ہو صحیح بخاری (ج ۳ کتاب الفتن ص ۲۲۲ طبع مصر)

عن جنادة بن امية قال دخلنا  
على عباد بن الصامت وهو  
مريض قلنا اهلحك الله  
حد ثنا محمد بن يثرب ينفك الله  
به سمعته من النبي صلى الله  
عليه وسلم قال دعانا النبي  
صلى الله عليه وسلم فبايعنا  
فقال فيما اخذ علينا ان  
بايعنا على السمع والطاعة في  
مستطنا ومكرهنا وعسرنا  
ويسونا ويسرنا واترة علينا  
وان لا ننازع الامرا اهله  
الا ان تردا كفراً بوحاً  
عندك من الله فيه برهان

جنادہ بن امیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم حضرت عباد بن صامت کی خدمت میں گئے وہ اس وقت علیل تھے ہم نے عرض کیا خدا آپ کو شفا بختے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس کی برکت سے آپ متعین ہوں اور وہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور بیعت لی اور جن امور پر بیعت لی وہ یہ تھے کہ ہم حکام کا حکم سنیں اور اطاعت کریں ہمیں پسند ہو یا ناپسند اس سے تنگی ہوتی ہو یا خوشی یا ہمیں اپنا سے سلام لینا پڑے اور یہ کہ ہم حاکموں سے نزاع نہ کریں سوائے اس کے کہ ہم ایسا کر دیکھیں جس سے خیر طلال

ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف سے تبارے پاس اس بارے میں حجت ہو۔

نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ۱ کتاب الاحکام طبع مصر :-

عن ابن عباس یرویہ قال قال  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من  
راعی امیراً شتاً فکسرہ فلیصبر  
فانہ لیس احدٌ ینساق الجماعۃ  
شبراً فیموت میتة جاہلیة  
حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ  
فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر کی کوئی بات  
دیکھے اور اسے ناگوار گزرے تو چاہئے کہ  
صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے باشت  
بھری باہر ہوا اور مر گیا تو اس کی موت  
جاہلیت کی موت ہوگی۔

ان صریح احکام کی موجودگی میں امام ابو حنیفہؒ اس وقت کہ ان کو فقیہ اہل  
مشرق کا منصب اور اثر و رسوخ بھی حاصل ہوتا، زید یا ایسے کسی دوسرے  
شخص کی بغاوت کی حمایت کس طرح کر سکتے تھے مودودی صاحب نے جس وہی  
روایت کو حجت بنا کر زید کے خروج کی بابت امام صاحب کی جانب یہ قول منسوب کیا  
ہے وہ کفر محض ہے امام اعظمؒ کی زبان مبارک سے یہ لحدانہ الفاظ کبھی نہیں نکل  
سکتے۔ ایک بتدریح امتی کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ بتانا اور کوئی  
غلاموں و منافقوں کو مجاہدین و انصار کا درجہ دے کر امیر المؤمنین منشاء جیسے یگانہ  
روزگار کا رخلیفہ اور امت کے متفق علیہ امام کو اپوزیٹل جیسا سمجھنا اور تمام علماء و فقہاء  
اور بڑھی سادات کو جو حکومت کے ساتھ اور زید کے خلاف رہے کفار قریش کی  
طرح سمجھ لینا ایسی بات ہے کہ کہنے والے کا ایمان سلب ہو جائے چہ جائیکہ ان الفاظ  
کا ادا کرنے والا جماعت سے اسلامی کا امیر کہلائے۔

مودودی صاحب کے اس دعویٰ کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ  
تے زید سے استفادہ کیا تھا زید تو ان کے بھروسے تھے امام صاحب نے تو زید

کے خاندان کے اکابر سے بھی استفادہ نہیں کیا۔ چنانچہ لوگوں نے جو یہ مستہزوا کر رکھا  
ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے زید کے بڑے بھائی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؑ سے یا  
بیتبع جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؑ سے باقاعدہ تحصیل علم کیا تھا وہ من گھڑے  
اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۲۳)

ان ہذ من الکذاب الذی یعرفہ  
من لہ ادنی علم فان اباحنیفۃ  
من اقران جعفر الصادق۔ تو فی  
الصادق سنہ ثمان و اربعین  
و تو فی ابو حنیفہ سنہ خمس  
ومائۃ۔ وکان ابو حنیفہ یفتی  
فی حیوۃ ابی جعفر فالہ الصادق  
وما یعرف ان اباحنیفۃ اخذ  
عن جعفر الصادق ولا عن ابیہ  
مسئلۃ واحداً بل اخذ عن  
کان اسن منہما کعطاء بن  
ابن ریحاح و شیعخہ الاصلی حماد  
بن ابی سلمان۔

یہ وہ دروغ بیانی ہے جسے ہر وہ شخص  
جانتا ہے جسے ادنیٰ علم ہو۔ کیونکہ ابو حنیفہ  
تو جعفر الصادق کے ہم حشیم ہیں۔ صادق  
کا انتقال ۲۰ سنہ میں ہوا اور ابو حنیفہ  
نے ۱۸۰ سنہ میں وفات پائی۔ ابو حنیفہ  
صادق کے والد ابو جعفر کے زمانے میں  
فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور ایسی کوئی بات  
معروف نہیں کہ ابو حنیفہ نے جعفر صادق  
یا ان کے والد سے کوئی ایک مسئلہ بھی لیا ہو۔  
بلکہ انہوں نے علم ان سے حاصل کیا جو  
عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے۔ مثلاً  
عطاء بن ابی ریحاح سے (جو حضرت ابن  
عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں م)

اور اپنے اصلی شیخ حماد بن ابی سلمان سے۔

ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر محمد بن علی اور جعفر الصادق وغیرہم سے کبھی ان کے  
مذکرات ہوئے ہوں لیکن استفادہ کرنے کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ وہ شخص جو  
اجماع صحابہ کو حجت سمجھتا ہے اور جس کے نزدیک جماعت سے وابستگی جزو ایمان ہو  
وہ بغرض استفادہ ایسی صحبتوں میں شریک ہو سکتا تھا جہاں سے نکلے ہوئے بعض  
جابر الخجندی جیسے ہوتے تھے جس کے متعلق امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مسائل بیت احد



اکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء ابی رباح (میں نے جابر الجعفی  
 سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ فضیلت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا)  
 (جامع ترمذی کتاب العلق)

امام ابو حنیفہ نے چونکہ زید کے خروج میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور نہ کتابت سنت  
 کی روشنی میں وہ ایسا کر سکتے تھے۔ اس لئے اموی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں  
 نے اس قسم کی لغو ویچر داتیں وضع کر لیں اور پانچویں چھٹی صدی ہجری سے مصنفوں  
 نے درایت سے بے پروا ہو کر اپنی کتابوں میں انھیں لکھ مارا اور پھر ایک دوسرے  
 سے انھیں نقل کرتے رہے۔

اگر نعوذ باللہ من ذالک امام صاحب نے زید کے خروج کو غزوہ بدر کا  
 مماثل سمجھا تھا اور انھیں وہ امام حق سمجھتے تھے تو دو باتوں میں سے ایک بات  
 انھیں کرنی تھی یا تو ان کا ساتھ دے کر بزعم خویش ابوبکر و عمر کی سی فضیلت حاصل  
 کر لیتے یا انھیں سمجھاتے کہ اول وسائل بیتا کریں رائے عامہ کی حمایت حاصل  
 کریں اور ایسے وقت مناسب کھڑے ہوں جب کامیابی یقینی نظر آئے۔ ان دونوں  
 باتوں میں سے انھوں نے جب کچھ نہیں کیا تو کیسے باہر کیا جاسکتا ہے کہ وہ  
 لوگوں کو زید کا ساتھ دینے کی تلقین کرتے تھے اور روپیہ سے ان کی اولاد کی تھی۔

مودودی صاحب نے امام ابو حنیفہ کو ایک انقلابی ہیرو بنانے کی کوشش  
 فرمائی لیکن اس پر غور نہ کیا کہ سمجھدار لوگوں کے نزدیک انھوں نے انھیں  
 بیچ محض بنا دیا۔ اور ان کا کردار ایسا پست کر دیا کہ امت کی پیشوائی کے وہ  
 اہل نہ رہے جس شخص کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ خدا تعالیٰ  
 نے ایسے لوگوں کا تذکرہ حقارت سے کیا ہے جو دوسروں کو ایک فعل کی تلقین کریں  
 اور خود اس سے احتراز برتیں۔ اَنَا صُرِدُّنَ النَّاسِ بِالْبُرِّ وَتَسْوُونَ الْفَسْخَ  
 وَانْتُمْ تَسْتَلُونَ اِلَيْكَ اب طرغتم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو مگر اپنے آپ کو  
 بھول جاتے ہو حالانکہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ مگر امام صاحب کا جو کردار

صحیح طور سے معلوم ہے اس کے مطابق یہ امر صحیح ہے کہ انہوں نے زید کے اقدام  
 بغاوت سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ لی تھی اور زید کے ان حالات و واقعات کے اعتبار سے  
 جو مودودی صاحب کے معتبر ماخذ تاریخ طبری میں جمع کرادیئے ہیں بیان کئے ہیں  
 امام صاحب کے تعلقات زید سے نہ عقیدہ تندانہ تھے نہ انھوں نے زید کی بغاوت  
 میں مالی مدد کی۔ علامہ شبلی نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کہ امام صاحب نے زید کی  
 بغاوت میں کسی قسم کی مدد کی تھی لکھا ہے۔

”جس قدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں  
 اس کا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید  
 بن علی نے سلسلہ میں بغاوت کی تھی اس وقت ہشام بن عبدالملک  
 تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور  
 میں نہایت جزیس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی  
 سلطنت تھی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا  
 عموماً راضا مند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل  
 ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابو حنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ  
 نہ تھی (سیرۃ النعمان ص ۷۷ طبع دیوبند)

علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ نے امیر المومنین ہشام کے متروک زمانہ خلافت  
 میں بلکہ چند سال پہلے ہی سے مشہور زناہی بزرگ ابو محمد عطاء بن ابی رباح سے جو حضرت  
 ابن عباس کے شاگرد تھے عرصہ تک علمی استفادہ کیا تھا پھر بعد میں مکہ و مدینہ میں  
 مہینوں قیام کیا کرتے تھے انھیں معلوم تھا کہ ہاشمی خاندان خصوصاً آل علی سے  
 اموی خلفاء کے قرابت و محبت و یگانگت کے کیسے سنگینہ تعلقات قائم تھے و مخالف  
 و عطا یا کی پیش بہار قوم برابر ملتی تھیں اور ان کی عزت و حرمت کا کس قدر اس  
 لحاظ کیا جاتا تھا ابن جریر طبری ہی نے حضرت حسین کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے  
 اس واقعہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے کہ جب اپنے دوسرے مشہور عبداللہ بن عمر بن

حضرت عثمانؓ کی وفات سے وہ پھر سیوہ ہو گئیں۔ عامل مدینہ عبدالرحمن بن الضحاک بن قیس الفہری نے اپنے نکاح کا پیام دیا اور اصرار کیا مگر انھوں نے قطعی انکار کیا اس پر اس نے دہمکی دی سیدہ فاطمہ نے اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کے پاس خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ بھیجا جس میں اپنی قرابت اور رشتہ داری کا ذکر کر کے لکھا تھا "عامل مدینہ ابن الضحاک مجھ سے اس قسم کی خواہش رکھتا ہے اور اس بنا پر مجھے دہمکی بھی دی ہے خلیفہ یزید نے جس وقت سیدہ فاطمہ بنت العیین کا یہ خط پڑھا عامل مدینہ پر اس درجہ غیظ و غضب میں آیا کہ مسند خلافت کا اتر کر بید سے زمین پیٹتے جاتے اور کہتے جاتے اللہ اکبر! ابن الضحاک کی یہ جرات اکوئی ہے اسے ایسی سزا دے کہ اس کی جینیں یہاں بیٹھے سوزیں۔ ابن الضحاک کو اسی وقت معزول کر کے اور بھاری جرمانہ اس پر عائد کر کے دوسرے شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ امام ابو حنیفہؒ آل علی کے ساتھ اموی خلفاء کے ایسے تعلقات محبت اور عمدہ سلوک سے واقف ہو کر طابع آزما علویوں کی بغاوتوں کو کیونکر جائز قرار دے سکتے تھے۔

امیر ابن ہبیرہ | مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۲۵۸)  
۱۳۰ھ کا زمانہ تھا جبکہ عراق میں اموی سلطنت کے خلاف فتنوں کے وہ طوفان اٹھ رہے تھے جنھوں نے دوسال کے اندر امویوں کا تختہ الٹ دیا اس موقع پر ابن ہبیرہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے فقہاء کو ساتھ ملا کر ان کے اثر سے فائدہ اٹھائے چنانچہ اس نے ابن ابی لیلیٰ، داؤد بن ابوالہند، ابن شہر مہ وغیرہ کو بل کر انہیں مناصب دیے۔ پھر ابو حنیفہ کو بلا کر کہا کہ میں آپ کے ہاتھ میں اپنی مہر دیتا ہوں۔ کوئی حکم نافذ نہ ہو گا جب تک آپ اس پر جہنم نہ لگائیں اور کوئی مال خزانے سے نہ نکلے گا۔ جب تک آپ اس کی توثیق نہ کریں۔ امام نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا تو اس نے انھیں قید کر دیا اور کوڑے لگوانے کی دہمکی

دی۔ دوسرے فقہاء نے امام کو سمجھایا کہ اپنے اوپر رحم کرو ہم سب اس خدمت سے نافرمان ہیں مگر مجبوراً قبول کیا ہے تم بھی مان لو۔ امام نے جواب دیا۔ اگر وہ مجھ سے چاہے کہ اس کے لئے واسطہ کی مسجد کے دروازے گنوں تب بھی میں قبول نہ کروں گا بچا کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی آدمی کے قتل کا حکم دے اور میں اس فرمان پر جہر لگاؤں۔ خدا کی قسم میں اس ذمہ داری میں شریک نہ ہوں گا۔

اس سلسلے میں ابن ہبیرہ نے ان کے سامنے اور ضمانت پیش کیں اور وہ انکار کرتے رہے پھر اس نے ان کو قاضی کو ذبحانے کا فیصلہ کیا اور اسی پر قسم کھائی کہ ابو حنیفہ انکار کریں گے تو میں انھیں کوڑے لگواؤں گا۔ ابو حنیفہ نے بھی قسم کھائی اور کہا "دنیا میں اس کے کوڑے کھا لینا میرے لئے آخرت کی سزا بھگتنے سے زیادہ سہل ہے۔ خدا کی قسم میں ہرگز قبول نہ کروں گا خواہ وہ مجھے قتل ہی کر دے۔" آخر کار اس نے ان کے سر پر بیسیا تیں کوڑے لگوائے۔ بعض روایات یہ ہیں کہ دس گیارہ روز تک وہ روزانہ ۲۰، ۳۰ کوڑے لگوا مارا۔ مگر ابو حنیفہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ آخر کار اسے اطلاع دی کہ یہ شخص مر جائے گا اس نے کہا کیا کوئی ناصح نہیں ہے؟ اس شخص کو سمجھائے تجھ سے بہت مانگے۔ امام ابو حنیفہ کو ابن ہبیرہ کی یہ بات پہنچائی گئی تو انھوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے دوستوں سے اس معاملے میں مشورہ کر لوں۔ ابن ہبیرہ نے یہ پیغام ملتے ہی انھیں چھوڑ دیا اور وہ کوڑھیڑ کر مکہ چلے گئے جہاں سے بنی امیہ کی سلطنت ختم ہونے تک وہ پھر نہ پلٹے۔

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین روایتیں کا یہ مروط افسانہ مرتب کرتے وقت مودودی صاحب نے یہ سوچا کہ ان کے بقول یہ زمانہ فتنوں کا تھا اور امیر ابن ہبیرہ اگر

یہ چاہتے تھے کہ اکابر کو ہوا کر کے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار رکھیں تو کیا وہ امام صاحب کے ساتھ یہ رویہ اختیار کر سکتے تھے کہ اول تو ان کی مقبولیت کا خیال کر کے اپنی جہان کے ہاتھ میں دیدیں اور اطمینان دلائیں کہ جو وہ کہتے ہیں وہی ہوگا اور پھر ان کو قید کر کے کوڑے برسائیں۔ انھوں نے ہر قبیلہ کی تو قاضی بنانے کی پیشکش کریں اسے بھی نہ مانیں تو قید و بند کی سختیاں تیز تر کر دیں پھر ان کے مرنے کا بھی خوف ہو اور آزاد کر دینے کے خیالے تلاش کریں۔ اگر امام صاحب کی حیثیت عوام میں سوقتا ایسی ہی بلند تھی تو امیر کا یہ رویہ فساد انگیز ہوتا یا موجب امن و علاوہ ازیں امام صاحب نے بہانہ تو کیا دوستوں سے مشورے کا اور بھاگ گئے مگر کبھی تو اموی خلیفہ و امیر المؤمنین ہی کی قلمرو میں تھا۔ امیر ہبیرہ انھیں وہاں سے باآسانی پکڑا کے بلا سکتے تھے۔ مگر یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ قاضی ابن شبرمہ اور امام ابن ابی لیلیٰ تو ابن ہبیرہ کے گورنر عراق مقرر ہونے سے ساہا سال پہلے سے اموی خلافت کے اہم مناصب پر فائز تھے۔ قاضی ابن شبرمہ جن کا نام عبداللہ شبرمہ تھا زید بن علی کے ناکام خروج و بغاوت کے زمانے میں کوڈ کے قاضی تھے۔ مودودی صاحب کے ماخذ تاریخ طبری میں ۱۲۸ھ و ۱۲۹ھ کے فہرست عمال حکومت بنی امیہ میں صراحتاً تحریر ۱۲۸ھ دہلی القضاء الکوفۃ ابن شبرمہ نیز ۱۲۹ھ علی القضاء الکوفۃ ابن شبرمہ ۱۲۹ھ امام ابن ابی لیلیٰ کوڈ کے قاضی یہ ۱۳۰ھ کے عمال کے سلسلے میں تحریر ہے "قاضی الکوفۃ فی ہذا السنۃ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ" امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۱۳۸ھ نے المعارف میں امام محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ خلافت بنی امیہ و بنی عباس میں عہد قضاء پر مامور رہے تھے۔

وکان محمد بن عبد الرحمن اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بنی امیہ  
بن ابی لیلیٰ ولی القضاء لینی کی خلافت میں عہدہ قضاء پر مامور رہے  
امیہ شمر و لیبہ لینی لعیباس پھر بنی عباس کے عہد خلافت میں بھی

وکان فقیہا مفتیاً بالراجح۔ وہ فقیہ و مفتی بالراجح تھے  
رالمعارف ص ۱۷۱

رہے تیسرے صاحب داؤد بن ابی ہند وہ کوئی امتیازی حیثیت کے نہ تھے۔ نبی تیسرے موالی میں سے تھے کوئی بھی نہ تھے اہل سرخس میں سے تھے (المعارف) جس شخص نے مودودی صاحب کی پیش کردہ روایتیں صدیوں بعد وضع کیں اس کے پیش نظر جہاں "اموی خلافت" کی عدم مقبولیت بیان کرنی تھی وہاں دراصل امام ابن ابی لیلیٰ جیسی علمی شخصیتوں پر طعن بھی مقصود تھا لیکن اس نے امام ابو حنیفہ کی حریت اور حکومت وقت سے مفروضہ نفرت کا منظر وضع کرنے کی خاطر ان کا کردار بھی داغدار کر دیا۔ اموی خلافت کی عام پالیسی جس کا خمیازہ بالآخر اسے بھگتنا پڑا یہ تھی کہ غیر عرب لوگوں کو حکومت کا کوئی عہدہ نہ دیا جائے اس لئے اس کا امکان نہ تھا کہ امیر ہبیرہ کی طرف سے امام صاحب کو عہدہ پیش کیا جائے۔ مودودی صاحب نے چھٹی صدی ہجری کے الملکی کی نقضاد روایات کو افسانوی رنگ میں مریط کر کے نہ امام ابو حنیفہ کی خدمت انجام دی ہے اور نہ الملکی نے جنھوں نے ملائی ذہنیت کے تحت اپنی کتاب میں رطب و یابس روایتوں کے ساتھ ایسی و اسی باتیں بھی درج کر دی ہیں مثلاً امام ابو حنیفہ کی منقبت میں لکھ دیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں ایک شخص ہوگا نعمان بن ثابت جسے ابو حنیفہ کہا جائیگا وہ میری امت کا چراغ ہے" اس ذہنیت کے مولف کو تاریخ میں کیا مقام دیا جاسکتا ہے۔ الملکی کی کتاب اور اسی طرح مناقب ابو حنیفہ کی دوسری کتابوں کی بے سند و من گھڑت مبالغہ آمیز روایتوں کو تحقیقی تاریخ کا درجہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔

## امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور عباسی

(۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ)

امام ابو حنیفہؒ کو مودودی صاحب نے خلافت عباسیہ با تشبیہ کا مخالف ثابت کرنا چاہا ہے اور اس ذیل میں امیر المؤمنین المنصورؒ جیسے بلند پایہ محدث داعلم واعظم خلیفہ عباسی کے خلاف بھی جو دراصل امام صاحب کے قدردان سرپرست تھے کسی ہرزہ سرائی سے گریز نہیں کیا۔ قسم قسم کی غلط باتیں ان دونوں بزرگوں کے متعلق لکھی کہ افترا پر دازی کا حق ادا کر دیا ہے۔ امام صاحب کے عہدہ تضا قبول نہ کرنے پر ان کے کوڑے لگوانے کی وضعی روایت چبٹی صمدی پجری کے مؤلف الملکی کے حوالے سے نقل کی ہے اس مؤلف نے مدح و منقبت میں عجب واہی ردائیں درج کرنے سے بھی احتیاب نہیں کیا مثلاً الملکی نے کتاب "مناقب النعمان" میں جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے یہ روایت درج کر ڈالی ہے۔ (رج ۲۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) :-

"روایت ہے کہ ایک موقع پر فرشتہ جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا لقمان حکمت کے اس بلند درجہ تک پہنچا کہ اگر وہ کہنا چاہتا تو غلے کے انبار کے دانوں کے برابر حکمت کی باتیں کہہ سکتا تھا۔ یہ سکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق رشک پیدا ہوا کہ لقمان جیسا شخص ان کی امت میں پیدا ہوا اس پر جبریل دوبارہ دایس آئے اور کہا داؤد (علیہ السلام) کی امت میں اگر لقمان جیسا شخص پیدا ہوا تو آپ کی امت میں بھی اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ لقمان جیسا شخص پیدا فرمائے گا جو غلے کے بڑے ڈھیر کے دانوں کے برابر مسائل اور

ان کے جوابات پیش کرے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) انس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اس کی وصیت کی

کہ وہ اسی طرح ابو حنیفہ کے منہ میں اپنا تھوک ڈالے، لہ

اس ذہنیت کے مولف نے ایک جگہ تو (ص ۱۶۲) یہ لکھا ہے کہ خلیفہ المنصور نے سفیان ثوریؒ، مشرک، مسخر اور امام ابو حنیفہؒ کو بغداد طلب کیا کہ انھیں قاضی بنایا جائے سفیان تو راستے ہی سے فرار ہو گئے، مسخر نے جنون ظاہر کیا امام صاحب نے عرض کیا میرے صاحب ماننا ہی تھے کہ لوگ یہ پسند نہ کریں گے کہ ایک لٹائیا کا لڑکا ان کا قاضی ہو، دوسری روایت کے مطابق امام صاحب نے یہ غدر کیا کہ کوئے کے باشندوں میں قریش، انصار اور عرب کے دوسرے لوگ ہیں اور میں موالی ہوں اگر آپ نے مجھے قاضی بنا دیا تو وہ لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے اس پر امیر المؤمنین نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر الملکی نے عبداللہ بن عصام کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ جب امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے امام ابو حنیفہؒ کو قضا کا عہدہ پیش کیا اور وہ انکار پر مصر رہے تو انھیں ہر ہند کر کے تیس کوڑے لگوائے کہ ان کا جسم لہو لہاں ہو گیا اتنے میں امیر المؤمنین کے چچا عبدالصمد آگے اٹھوں نے کہا "تم نے یہ کیا غضب کیا۔ یہ اہل عراق کے فقیہ ہیں بلکہ تمام اہل شرق کے تم نے ایک لاکھ تلواریں اپنے خلاف بے نیام کر لیں۔ امیر المؤمنین شرمندہ ہوئے اور ہر کوڑے کے بدلے ایک ہزار درہم امام صاحب کو دینے چاہے مگر انھوں نے قبول نہ کئے لوگوں نے کہا چرات کر دیجئے انھوں نے کہا کہ ان کے (خلیفہ کے) پاس کوئی مال حلال کا ہے بھی؟ مودودی صاحب نے بھی یہی منکذ وہ روایت لکھ دی ہے (ص ۲۵۴) لیکن

لہ روایت لکھنے والے کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انسؓ کوئے میں نہیں بصرے میں مسکن گزریں تھے اور وہیں مشرک میں اس وقت کہ امام ابو حنیفہؒ گیارہ برس کے تھے ان کا انتقال ہوا تو ضرور ہے کہ یہ کذب راوی حضرت انسؓ کے بچے کسی اور صحابی کا نام لیتا۔

یہ نہ سوچا کہ امام صاحب کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہ تھی کہ امیر المؤمنین ان کی حیثیت سے واقف نہ ہوں اور ان کے چچا عبدالصمد کو ان کا تقارن کرنا پڑے پھر ایک لاکھ تلواروں کا بیہ نیام ہونا۔ ایسی ہی ایک لاکھ خیالی تلواریں تو حسنی باغیوں - محمد الارقط و ابراہیم - کے لئے بھی بیہ نیام ہو رہی تھیں اور زید اور ان کے دادا حضرت حسین کے لئے بھی لیکن ایک لاکھ تو کجا ہزار یا سو تلواریں بھی بے نیام نہ ہوئیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سبائی غداروں نے بڑھ بڑھ کے مائیں تو بہت بنائیں مگر عین وقت پر ہلوں کو ان کے خردوں میں دغا دے گئے ایسے - بار کو فیوں کا رعب امیر المؤمنین پر کیا پڑ سکتا تھا۔ دو تیرا عظموں میں پھیلی ہوئی امت کا جو امام و امیر المؤمنین یہ طاقت رکھتا ہو کہ محمد الارقط اور ابراہیم کی بغاوتوں کا چند دن میں قلعہ قمع کر دے۔ جنھوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر "مہدی ہونے کا دعویٰ کیا جو اور سیاسی پردے پگھلنے میں "ابن رسول اللہ" کے نعرے بھی لگوائے ہوں وہ امیر المؤمنین ایک عجیبی الاصل شخص کو قتل کر ڈالنے سے کیوں خائف ہوتا اور تمہیں کوڑے لگوانے سے کیوں ندامت ہوتی لیکن یہ سب روایتیں بے حقیقت وضعی دمن کھرت ہیں قدما کی روایتوں میں ان کا مطلق ذکر نہیں۔ کتب تاریخ کی سلیے وار تصریحات کو پیش نظر رکھنے سے حقیقت واضح ہو جائیگی

الکتی متونی ۳۹۵ اور لکر درى متونی ۳۹۵ جن کے مقدمہ حوالے مودودی صاحب نے دئے ہیں بہت بعد کے لوگ ہیں اول الذکر امام ابوحنیفہ سے سے چار سو اٹھارہ برس اور ثانی الذکر چھ سو ستتر برس بعد کے ہیں خطیب بغدادی متونی ۳۹۵ نے جو امام صاحب کے تقریباً تین سو برس بعد کے ہیں۔ اپنی تاریخ بغداد میں ایسی ہی متضاد روایتیں لکھ دیں اہل علم نے ان کی اس حرکت کو ناپسند کیا چنانچہ ابن ملک ان نے و نیاات الاعیان میں خطیب پر گرفت کی ہے مگر یہی سبب اتفاق ہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ اور امیر المؤمنین المنصور کے عہد کے تین سو برس بعد اپنی کتاب تالیف کی اور سلطان ابوالمظفر عبلی ابن ایوب

الملك العادل نے بھی خطیب کے رد میں ان سے تین سو برس بعد اپنی کتاب السهم المصیب فی الرد علی الخطیب تالیف کی یہ تالیفات بہر حال بعد کے زمانے کی ہیں تاریخ کے طالب علم کے لئے تو قریب العهد مولف و مورخ کی تصریحات ہی سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ خطیب بغدادی سے ڈیڑھ صدی پہلے کے مصنف و مؤرخ محمد بن جریر الطبری نے جو اپنے شیعی جذبات و رجحانات کے تحت امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور اور امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی طرف سے کئی غرت و حرمت نہ رکھتے تھے اس قسم کی کوئی بات نہیں لکھی اگر باہمی جنگ و حرمت اور قید و بند کی کوئی وضعی روایت انھیں پہنچی ہوتی تو ضرور لکھتے انھوں نے اس ذیل میں صرف یہ تین روایتیں لکھی ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ طبری بذیل مادہ امیر المؤمنین المنصور و تابع ۳۹۵) اور تعمیر بغداد

(۱) ان المنصور و وجہ فی حشار الضاح و الفعلة من السام و الموصل و الجبل و الكوفة و واسط و البصرة و ا حاضرا و امر باختيار قوم من ذوی الفضل و العدالة و الفقة و الامانة و المعرفة بالحدیة فكان من حضر ذلك الحجاج بن ارقط و ابوحنيفة النعمان بن ثابت و امر بخط المدة و حضر الاساسات و ضرب الدين و طبع الحجر فبدى بذلك و اول ما ابتدئ به في عملها سنة ۱۵۰

(امیر المؤمنین) المنصور نے حکم دیا کہ کاربگروں اور مزدوروں کو شام موصل جبل کوزہ واسط اور بصرے سے جمع کیا جائے اور ایسے لوگ نگرانی کے لئے مقرر کئے جائیں جو اپنی نفسیت، عدالت، فقه، امانت اور فن تعمیر سے واقفیت میں ممتاز ہوں چنانچہ جو حضرات اس غرض سے حاضر ہوئے ان میں (قاضی) حجاج بن ارقط اور ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بھی تھے۔ پھر امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ شہر بغداد کی داغ بیل ڈالی جائے بنیادیں کھودی جائیں، انیس بنائی جائیں جو نہ بیکار یا جائے اس طرح یہ کام شروع کر دیا گیا اور اس کی ابتداء ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

اس صحیح اور مناسب حال روایت کے علاوہ طبری نے یہ دو روایتیں اور بھی نقل کی ہیں یعنی :-

(۲) (امیر المؤمنین) المنصور نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو قاضی بنا کر چاہا انہوں نے انکار کر دیا المنصور نے قسم کھائی کہ میں ضرور اس کو سرکاری عہدہ دوں گا ابو حنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ میں کبھی بقیول نہ کروں گا چنانچہ حلیفہ نے اپنی قسم کو پوری کرنے کے لئے ابو حنیفہ کو اینٹیں بنوانے، ان کا شمار کرنے اور مزدوروں سے کام لینے کی نگرانی پر متعین کر دیا چنانچہ شہر کی خندق سے متعس دیوار کی تکمیل تک ابو حنیفہ نے اس خدمت کو انجام دیا اس دیوار کی تکمیل ۳۹ سالہ میں ہوئی۔

(۳) تیسری روایت طبری کی یہ ہے کہ خلیفہ المنصور نے امام ابو حنیفہ کو دیوانی دفتر خداری کے محکموں کا قاضی بنا کر چاہا انہوں نے انکار کر دیا اس پر امیر المؤمنین نے بقسم کہا کہ کفو خلاصی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک حکومت کی کوئی خدمت انجام نہ دیں امام صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے ایک چھری اٹھائی اور تعمیر بغداد کے لئے اینٹیں بنانے والوں کی اینٹیں شمار کرنی شروع کر دیں اس طریقے سے اینٹیں شمار کرنا سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا اور اس طرح امام صاحب نے امیر المؤمنین کی قسم پوری کر دی فعند اللہ بن لیبرید لکھیمین ابی جعفر (طبری) ابن کثیر نے الہدایہ والنتیجۃ میں اور ابن قلدون نے اپنی تاریخ میں یہی روایتیں درج کی ہیں ابن جریر طبری قطیب بغدادی سے ڈیڑھ سو برس پہلے گزرے ہیں انہوں نے اپنے فیعی شیعہ رجحانات سے یوں تو اپنی کتاب میں ایسی روایتیں درج کی ہیں جن کے ذریعہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور علیہ السلام و خلفائے اسلام پر طعن کی کوئی سبیل نہ مل سکے بائیںہ انہوں نے بس یہی تین روایتیں لکھی ہیں جن میں سے صرف پہلی صحیح ہے کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تعمیر شہر بغداد کے لئے معماروں کا ریکرو کے علاوہ بقول طبری قوم من ددی الفضل والعدالت

والفقر والامانة والمعرفۃ بالهندسة یعنی ایسے حضرات بھی جمع کئے گئے جو اپنی فضیلت و عدالت و فنیہ اور امانت اور فن تعمیر کی معرفت میں ممتاز ہوں چنانچہ ان میں ایک محدث و فقیہ قاضی حجاج بن ارطاة تھے۔ انہوں نے ہی بغداد کی جامع مسجد کا نقشہ بھی مرتب کیا تھا اور اس کی سمت قبلہ بھی قرار دی تھی۔ دوسرے صاحب فضیلت و امانت و عدالت امام ابو حنیفہ تھے اور یہ دونوں صاحب فضیلت و امانت بزرگوار نگران اعلیٰ متعین ہوئے تھے۔ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب کی آخری جلد "ذیل المذیل" کے پورے ایک صفحہ پر امام ابو حنیفہ کی وفات کے ذکر میں ان کے حالات لکھے ہیں لیکن اشارتاً بھی ایسی کوئی بات نہیں لکھی جو صدیوں بعد کے لوگوں نے ہنگام حرمت و قید و بند کے سلسلہ میں متضاد وضعی روایتیں بیان کی ہیں مگر طبری کی مندرجہ بالا تینوں روایتوں میں نہ قید و بند کا ذکر ہے نہ کوئی لگوانے کا نہ زہر خورانی کا۔ ابن جریر طبری سے بھی قدیم مورخ ابن قتیبہ متوفی ۳۳۵ھ نے المعارف میں بذیل "اصحاب الراے" امام صاحب کا تذکرہ "ابو حنیفہ صاحب الراے رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے عنوان سے کرتے ہوئے آپ کی وفات کے بارے میں لکھتا ہے ومات ببغداد فی رجب سنة خمسین ومائة وهو یومئذ ابن سبعین سنة ودفن فی مقابر الخیران (المعارف ص ۲۱۶) یعنی رجب ۳۵ھ میں ابو حنیفہ کی وفات ہوئی اس وقت وہ ستر برس کے تھے تدفین ان کی مقابر الخیران میں ہوئی۔ اور مقابر الخیران کے بارے میں خطیب بغدادی کا بیان ہے - (حج ص ۱۲۵) کہ یہ مقابر مشہور ہیں امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور کے فرزند خلیفہ مہدی عباسی کی زوجہ خیران والدہ خلیفہ ہارون الرشید و موسیٰ سے اور اسی قبرستان میں امام ابو حنیفہ و محمد بن اسحق صاحب المغازی کی قبور بھی ہیں پھر لکھتے ہیں :-

واول دفن فیہا الباقونہ سب سے اول اس قبرستان میں (خلیفہ) بنت المہدی ثم الخیران و مہدی کی صاحبزادی باقونہ کی تدفین

دفن فیہا محمد بن اسحاق صاحب ہوتی پھر (خلیفہ موصوفہ کی زوجہ) الخیران  
المغازی والحسن بن زید و نعمان دفن ہوئیں اور اسی قبرستان میں محمد بن  
بن ثابت وقیل ہشام بن عروہ اسحق صاحب المغازی اور حسن بن زید  
اور ابو حنیفہ نعمان بن ثابت دفن ہوئے  
کہا جاتا ہے کہ ہشام بن عروہ بھی۔

الملکی نے بھی امام ابو حنیفہ کے مقابر الخیران میں دفن ہونے کا ذکر کیا ہے۔  
عباسی خلفاء کے قبرستان میں ان چار حضرات کا دفن ہونا امیر المومنین المنصور نے  
ان کے خصوصی اعتماد اور شگفتہ تعلقات کا پتہ ثبوت ہے یعنی الامیر ابو محمد بن اسحق  
صاحب المغازی کا جنہوں نے امیر المومنین ابو جعفر المنصور کی وفات سے کتاب  
سیرۃ لکھی جو سیرۃ الامین ہشام کہلاتی ہے (۲) حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب  
کا جو امیر المومنین کے محترم علیہ فضلاء میں سے تھے اور اپنے چچے بھائی اور بیٹوں  
محمد لارقط و ابراہیم ابنائے عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کی باغیاء مکررمیوں  
کے سخت مخالف تھے امیر المومنین کے مصاحب رہے اور مدینہ کے عامل بھی۔  
(۳) ہشام بن عروہ بن الزبیر کا جو بڑے فاضل محدث و فقیہ تھے اور خلیفہ المنصور  
سے تقرب خاص رکھتے تھے اور (۴) امام ابو حنیفہ کا کتاب المعارف ابن قتیبہ کے  
جدید ادویث کے مقدمہ میں جو غایت تحقیق سے لکھا گیا ہے صراحتاً بیان  
ہے کہ امیر المومنین المنصور سے جو احسن رواۃ الحدیث میں سے تھے علماء الفقہ  
و حدیث کو تقرب حاصل تھا جن میں ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بھی تھے۔ صاحب فخر  
الاسلام کا یہ کہنا بھی اظہار حقیقت ہے و عایش (ابو حنیفہ) نحو ۱۸۰ سنہ فی  
ظل الدولۃ العباسیۃ (۲۴۹) یعنی امام ابو حنیفہ نے ۱۸ برس  
دولت عباسیہ کے ظل عاطفت میں زندگی بسر کی۔ الملکی نے بھی مناقب نعمان  
(ج ۱ ص ۱۱) میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ خلیفہ ابو جعفر المنصور نے امام ابو حنیفہ کو  
کوئٹہ سے بغداد میں بلا لیا تھا اپنے پاس ہی مقیم رکھا قاضی بننے سے تو انہوں نے

متعد بار عذر کیا بالآخر خلیفہ نے انہیں اس سے معاف رکھا عفا عنہ لیکن دیگر  
شہروں سے جو مسائل اور قضایا آتے تھے ان کے مطالعہ اور مناسبت جو اب کے  
لئے امام صاحب بغداد میں خلیفہ کے پاس مقیم رہے حتیٰ کہ وہیں ان کی وفات ہو گئی  
فلم یزل مقیمًا عندہ بعد اذ ولا یا ذن لہ فی الالاضراف الی الکوفۃ  
حتی مات بہا (مناقب نعمان) خود الملکی کی اس روایت سے قید و بند و زہر  
خورانی کے اتہامات کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ قدام کے بعد پھر متاخرین میں یا قوت حموی  
ہیں جنہوں نے سجم البلدان میں تعمیر بغداد کی تفصیلات دی ہیں [جز ۳ ص ۴۶ طبع  
بیروت] انہوں نے بھی وہی روایت لکھی ہے جو طبری نے بلکہ بیان کی ہے یا قوت کا قتل  
ہے کہ شہروں کی بابت لکھتے وقت کوئی اہم واقعہ ان کی نگاہوں میں ہوتا ہے تو اسے  
بھی لکھ دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے ساتھ اگر اس زمانے میں ایسی باتیں ہوئی ہوتیں  
جو لوگوں نے مشہور کر رکھی ہیں تو یا قوت حموی ان کا ذکر ضرور کرتے یہ تو ہر  
اتنا لکھتے ہیں:-

دو جہ المنصور فی حشر الصناع  
والفعلۃ من الشام والموصل  
والجبل والکوفۃ وواسط فنا  
حضروا امر باختيار قوم من اهل  
الفضل والعدالة والفقہ  
والامانة والمعرفة بالهندسة  
فجمعهم وتقدم اليهم ان يشر فوا  
على النبأ وكان من حضر الحجاج  
بن اسطاة و ابو حنیفۃ الامام  
وكان اول العمل فی سنة ۱۴۵ھ

امیر المومنین المنصور نے اہل صنعت  
و حرفت کو جمع کرنے کے لئے شام و موصل  
و جبل و کوئٹہ و واسط کو اپنے کارندے  
بھیجے چنانچہ انہیں حاضر کر دیا گیا پھر آپ  
نے حکم دیا کہ (نگرانی کے لئے) ایسے لوگ  
منتخب کئے جائیں جو اہل فضل و عدالت  
ہوں، فقیہ ہوں اور تعمیر کرانا جانتے  
ہوں اس طرح یہ حضرات جمع ہوئے اور  
آپ نے انہیں حکم دیا کہ تعمیر شروع کر دیں۔  
جو حضرات حاضر ہوئے تھے ان میں حجاج  
بن اسطاة امام ابو حنیفہ بھی تھے  
اس کام کی ابتداء ۱۴۵ھ میں ہوئی۔

ظاہر ہے امیر المومنین نے امام صاحب کو ان صفات کا مال سمجھا اور امام صاحب نے امیر المومنین کے فرمان کی تعمیل کی تو اس کی گنجائش کہاں رہی کہ باہمی ہتک حرمت اور بغض و عناد کی داستانوں پر توجہ کی جائے اور سودوری صاحب جیسے لوگ ان بے احتیاط اور غیر ذمہ دار لوگوں کی مغزبات کو حجت بنا کر مسلمانوں کو بے وقوف بنا نا چاہیں۔

پھر دیکھنا چاہیے کہ المسعودی (م ۳۳۵) جو طبری کے بعد قریب ترین عہد کا مصنف اور مسلمان شیعہ ہے۔ اس نے مروج الذهب میں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اسلام پر طعن کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ جن محاسن و مناقب و فضائل کا انکار ممکن نہ تھا وہ تو اس نے اپنے طریقے پر بیان کر دئے لیکن ساتھ ساتھ وہی اور خود ساختہ روایات کے ذریعہ چٹکیاں بھی لی ہیں۔ اسے امام ابوحنیفہ سے کوئی روحانی یا علمی تعلق تھا اور نہ اپنے اعتقاد میں وہ امیر المومنین المنصور کو اپنا امام سمجھ سکتا تھا۔ اسے اگر ان دونوں بزرگوں کے مابین کسی علمی کا علم بہ تائید و بنا اور زہر خوانی وغیرہ کی بابت کوئی داستان پہنچی تو خوب اچھا اتا آتا لیکن وہ تو امیر المومنین کے عہد مبارک کے اہم واقعات کے تحت امام ابوحنیفہ کی وفات کے بارے میں صرف اتنا لکھتا ہے۔

وفي سنة خمسین ومائتات  
 ابوحنیفہ الغمان بن ثابت  
 مولی تیم اللات بن بکر بن ائیل  
 فی ایام المنصور سیف الدوتوی  
 وهو ساجد فی صلواته وهو  
 ابن سبعین سنة۔  
 نے عہد (امیر المومنین) المنصور بغداد  
 میں وفات پائی وہ تیم اللات میں بکر  
 بن دائل کے موالی میں تھے۔ نماز پڑھتے  
 وقت سجدے کی حالت میں ان کا انتقال  
 ہوا تھا اور وہ اس وقت تترہیر کے تھے۔

ان مورخوں اور تذکرہ نویسوں اور سودوری صاحب جیسے "عقوتوں"

کی تمام خرافات اور زہری روایات کی تردید کے لئے یہ واقعہ بھی یہاں نقل کرنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ نے قیام بغداد کے زمانے میں اپنے سب سے چھوٹے شاگرد امام محمد کو سپر کی دونوں کتابیں املا کرائیں۔ سلطان الملک العظمیٰ فرماتے ہیں (المصنف المصیب فی الرد علی الخطیب ص ۶۶) طبع دیوبند

ان اباحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 اصالی محمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) کتابی السیر و ذکر فیہا من  
 امور الجہاد و وصایا الصراع  
 وما ینبغی ان یفعلہ اهل  
 التور و حقیمة الغنائم  
 ما لم یسبقہ الی جمعہ احد  
 ولم یجمع مثله بعد الا احد  
 امام ابوحنیفہ نے (امام) محمد کو سپر کی دونوں کتابیں املا کرائیں۔ ان میں آپ نے جہاد کے مسائل اور امراء کو نصیحتیں لکھی ہیں نیز یہ کہ سرحدی علاقوں کے لوگ کیا انتظام رکھیں اور مال غنیمت کیسے تقسیم ہو۔ یہ وہ کام ہے جو اس طرح ان سے پہلے کسی نے جمع نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی نے اس طرح مدون کیا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ امام محمد امام ابوحنیفہ کے سب سے چھوٹے شاگرد ہیں اور آپ کے بعد یقیناً علوم کی تکمیل امام ابو یوسف اور امام مالک سے کی۔ امام محمد کی پیدائش ۳۲ھ کی ہے۔ گویا بعد اوشرفیت کی تعمیر کے وقت یعنی ۵۲ھ میں تیرہ برس کے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی وفات ۵۰ھ کی ہے اور اس وقت بغداد کی اندرونی تفصیل تیار ہو گئی تھی۔ گویا یہی پانچ برس ہیں جب امام اعظم کا قیام بغداد میں رہا ساگر چودہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں امام محمد نے یہ دونوں کتابیں اپنے استاد کے املا سے لکھیں تو یقیناً ۴۲ھ سے ۵۰ھ کے درمیان کی بات ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ اچھوتا علمی کام نہایت اطمینان ہی کی حالت میں انجام



دیا جاسکتا تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ بغداد شریف کے قیام کے دوران امام صاحبِ احرام واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرے فرانس کی انجام دہی کے باوجود ان کے پاس اتنا وقت تھا کہ یہ علمی کارنامہ بھی انجام دیں۔ پھر یہ بھی مسلم کرنا ہو گا کہ یہ کام امیرالمومنین کے فرمان ہی کے تحت پورا کیا گیا کیونکہ اس کا موضوع وہ ہے جس کی ضرورت حکومت کو ہوتی ہے۔

ابتنہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سیرک کی دونوں کتابیں محض ایک تفصیلی خاکے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انھیں باقاعدہ اور مبسوط تصنیف کی صورت تو امام محمد نے اپنے آخر زمانے میں دی جیسا کہ ہم بعد میں لکھیں گے۔

موردی صاحب لکھتے ہیں (ص ۲۶۹)

### حسینیوں کی بغاوت

ذکیہ (اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کا تھا جو امام حسن بن علیؑ کی اولاد سے تھے۔ یہ ۱۴۵ھ - ۷۲ - ۶۳ء کا واقعہ ہے جب امام ابوحنیفہؒ بھی اپنے پورے اثر و رسوخ کو بیچ چکے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی حنفیہ تحریک یعنی ائمہ کے زمانے سے چل رہی تھی حتیٰ کہ ایک وقت تھا جب خود المنصور نے دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ جو اموی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے نفسِ ذکیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ عباسی سلطنت قائم ہو جانے کے بعد یہ لوگ ردپوش ہو گئے اور اندر ہی اندر اپنی دعوت پھیلاتے رہے۔ خراسان، جزیرہ رے، طبرستان، یمن اور شمالی افریقہ میں ان کے داعی پھیلے ہوئے تھے۔ نفسِ ذکیہ نے خود اپنا مرکز حجاز میں رکھا تھا۔ ان کے بھائی ابراہیم نے عراق میں بصرے کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ کوفہ میں بقول ابن اثیر ایک لاکھ تواریخ ان کی حمایت میں نکلے کہ تیار تھیں المنصور ان کی

حنفیہ تحریک سے پہلے ہی واقف تھا اور ان سے نہایت خوف زدہ تھا کیونکہ ان کی دعوت اسی عباسی دعوت کے متوازی چل رہی تھی جس کے نتیجے میں دولتِ عباسیہ قائم ہوئی تھی اور اس کی تنظیم عباسی دعوت کی تنظیم سے کم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کئی سال سے اس کے توڑنے کے درپے تھا اور اسے کچلنے کے لئے انتہائی کوششیں کر رہا تھا۔

جب رجب ۴۵ھ میں نفسِ ذکیہ نے مدینے سے عملاً خروج کیا تو منصور سخت گھبراہٹ کی حالت میں بغداد کی تعمیر چھوڑ کر کوفہ چل گیا اور اس تحریک کے خاتمے تک اسے یقین نہ تھا کہ اس کی سلطنت باقی رہے گی یا نہیں۔

اس خروج کے موقع پر امام ابوحنیفہؒ کا طرز عمل پہلے خروج سے بالکل مختلف تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انہوں نے اس زمانے میں جبکہ منصور کو نے ہی میں موجود تھا اور شہر میں ہر رات کرفیو لگا رہتا تھا بڑے زور شور سے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کی یہاں تک کہ ان کے شاگردوں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم سب باندھ لئے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور ان سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے وہ ان کے ساتھ خروج کو نفعی چ سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے۔

موردی صاحب نے جو خیالی فصاحت قائم کی ہے اس کی کچھ بھی اصل نہیں۔ اگر واقعی حسینیوں کی تحریک دعوتِ عباسیہ کے متوازی چل رہی تھی تو اس کا ٹھکانہ کوفہ میں ہی ہونا اور یہیں یہ کیوں ملتا ہے کہ محمد الارقطن بن عبداللہ حنفی نے جو ۵۷ھ میں خروج کیا تو خود مدینے کے لوگ بھی ان کے ساتھ نہ تھے اور انھیں اتنے آدمی میسر نہ آسکے کہ دوچار گھنٹہ ہی عسکرِ خلافت کا مقابلہ کر سکتے۔ یہی حشر

محمد الارقط کے بھائی ابراہیم کا ہوا کہ باسانی انھیں ختم کر دیا گیا۔ اور عالم اسلام میں ایک پتہ بھی نہ کھڑا۔

اس بغاوت کا حال سن کر امیر المومنین منصورؓ کا کوفہ تشریف لے جایا کہ کوئی ثبوت نہیں اور نہ انھیں اس کی کسی درجے میں ضرورت تھی۔ لوگوں نے محمد الارقط کے خروج کو اہمیت دینے کے لئے یہ افسانے تراشے ہیں جن کا عملی ظہور کچھ نظر نہیں آتا۔

رہی وہ افترا پردازی جو امام صاحبؓ پر کی گئی ہے تو ناظرین کرام کو سطور بالا سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ قریب ترین ماخذ کے مطابق امام ابو صفیہ کا مقام محمد الارقط کی بغاوت کے وقت خاص بغداد میں تھا۔ اور وہ دار الخلاۃ کی تعمیر میں مشغول تھے انھیں اس کی فرصت کہاں تھی کہ دار الخلاۃ کی تعمیر کا کام چھوڑ کر بھاگ جائیں اور ابراہیم کی بغاوت میں شرکت کے لئے لوگوں کو ابھاریں اور نہ قواعد شریعہ اور اپنے کھلے ہوئے مذہب کے مطابق وہ ایسا کر سکتے تھے۔

خلافت عباسیہ ۱۳۱ھ میں قائم ہو چکی تھی اور امیر المومنین المنصورؓ کو بھی امامت امت پر فائز ہوئے آٹھ برس ہو چکے تھے سندھ سے لے کر کشمیر تک تمام امت ان کی معیت میں تھی اور چینی ترکستان وغیرہ بھی انہی کا پرچم لہراتا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف جو بھی کھڑا ہوا وہ قواعد شریعہ کے تحت باغی تھا اور واجب القتل۔ یعنی ارشاد نبوی کے مطابق اس نے جماعت سے باہر ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت کیلئے بین کر دیا تھا۔ امام صاحبؓ اور دوسرے ائمہ کسی طرح اسی قسم کی شوخیوں میں باغیوں کے ہمنوا نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ افترا پرداز راوی جنہیں مودودی صاحب نے حجت بنا کر پیش کیا ہے اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ اگر ابراہیم کی بغاوت میں شرکت کرنا پچھانس یا ستر نفلی حج کرنے کے برابر تھا تو امام صاحبؓ نے خود یہ فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ دوسروں کو ایک نعل پر ابھارتا اور

خود اس سے محترز رہنا ایسی بات ہے جسے کوئی سلیم العقل شخص امام ابو صفیہ جیسے عالم و فقیہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ مودودی صاحب جیسے لوگ جن کا کام ہی اکابر امت پر نجات تراشی ہے ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

ان دونوں حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم کی بغاوتوں کو نہ علم ابست کے مطابق انقلاب کی کوشش کا نام دیا جاسکتا ہے اور نہ شرعی احکام کی ہنسیا پر و اقدام جبار کا۔ اسے تو فساد فی الارض ہی کہا جاسکتا ہے اور ایسے مفسدین کے ساتھ کوئی رعایت بھی نہیں برتی جاسکتی۔ مودودی صاحب نے علویوں کی خاندانی دعوت تو ساری دنیا میں پھیلے ہوئی بتا دی مگر اس بات کو چھپا گئے کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے امیر المومنین المنصورؓ نے جو فوجی دستہ ایک ہاشمی قائد یعنی اپنے بہتیجے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی السجاد بن عبداللہ بن العباس کی قیادت میں بھیجا تھا اس میں ہاشمیوں کے سب ہی گھرانوں کے نمائندے شامل تھے اور اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ حسنی باغی کے مقابلے کے لئے اسی کے اہل خاندان جیسی حسین و جعفری و عقیلی ثری تقداد میں جائیں تاکہ اس بغاوت کی حقیقت اور اہمیت جو محض نسبی و خاندانی تعلیوں کی بنا پر گائی سب پر واضح ہو جائے۔ طبری و دیگر مورخین نے یہ چند نام ان ہاشمیوں کے لکھے بھی ہیں یعنی محمد الارقط کے چچا زاد بھائی (۱) قائم بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب (۲) عبداللہ بن حسین الاصفہانی علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (محمد الارقط نے انھیں مار ڈالنے کی دہک دی تھی یہ بھاگ آئے تھے) (۳) عمر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (۴) عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (۵) عبداللہ بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (۶) محمد ابی انکرام بن عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (یہ حضرات حسنین کی بہن سیدہ زینب کے حقیقی پوتے تھے) (۷) قائم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب (۸) ابو عقیل محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب سرکاری دستہ فوج کے قائد نے جب اہل مدینہ کو

یہ پیغام بھیجے کہ جو لوگ اس شخص سے الگ ہیں ان کو امان ہے تو آخر الذکر یعنی بزرگ مع اپنے چند اعزہ کے سرکاری لشکر میں چلے آئے تھے۔

امیر المؤمنین المصنوع نے فوجی دستہ بھیجے وقت عیسیٰ بن موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:-

یا عیسیٰ! انی البعثک الی جنبی  
 یا عیسیٰ میں تم کو اس کی طرف بھیج رہا ہوں  
 ہلاکین فان ظفرت بالرجل  
 جو میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان  
 فتم سیفک وناذقی الناس بالامان  
 ہے یعنی میرا عزیز قریب ہے۔ اگر تم (محمد  
 الارقط کو زندہ) پکڑ سکو تو اپنی تلوار نیام  
 میں کر لینا یعنی قتل نہ کرنا اور لوگوں کو امان  
 دینے کا اعلان کر دینا۔

ہاشمی خاندان کے ایک فرد ہونے کے علاوہ محمد الارقط کے امیر المؤمنین سے اور بھی کئی رشتے تھے۔ محمد کے والد عبداللہ بن حسن مشنی کی چھوٹی ام کلثوم بنت حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب امیر المؤمنین المصنوع کی دادی یعنی جناب علی التجادین عبداللہ بن العباس کی زوجہ تھیں (نسب قریش صفحہ ۵۵) نیز محمد کے حقیقی چچا محمد بن حسن مشنی کی صاحبزادی کہ ان کا نام بھی ام کلثوم تھا امیر المؤمنین کی چچی تھیں یعنی عیسیٰ بن علی التجادین عبداللہ بن العباس کے نکاح میں تھیں (ایضاً صفحہ ۵۵) اور خود محمد الارقط کی اپنی بیٹی زینب امیر المؤمنین المصنوع کی بہوتھیں یعنی ان کے بھتیجے محمد بن امیر المؤمنین عبداللہ بن ابی العباس السفاہ کی زوجہ تھیں۔

وكانت زینب بنت محمد عند محمد اور محمد الارقط کی بیٹی زینب امیر المؤمنین بن ابی العباس امیر المؤمنین۔ ابو العباس (السفاہ) کے فرزند (نسب قریش صفحہ ۵۵) محمد کی زوجیت میں تھی۔

محمد الارقط کے یہ داماد محمد بن ابو العباس السفاہ بھی اپنے ہاشمی عزیزوں کے ساتھ اسی فوجی دستے میں شامل تھے جو ان کے خسر کی بغاوت فر کرنے میں بھیجا گیا تھا۔

طبری کی روایتوں میں بیان ہے کہ مدینہ پنچر فوجی دستے کے سردار نے تین دن متواتر محمد اور ان کے ساتھی باغیوں کو بغاوت سے باز رکھنے کی طرح طرح کو سنسن کی حتیٰ کہ اپنے ساتھی حسن و حسین و جعفری و عقبلی نسب دس انتحاس کو بھیجا کہ محمد کو سمجھائیں محمد نے انہیں ان ہی سے شکوہ کیا کہ میرے قریب دار ہو کر مجھ سے کیوں لڑنے آئے ہو۔ ابی اکرام جعفری نے جواباً کہا کہ تم باز نہ آئے تو ہمیں بھی تم سے اسی طرح لڑنا پڑے گا جس طرح تمہارے دادا علیؑ و زہراؑ سے اسی لئے تو لڑے تھے کہ ان دونوں نے ان کی بیعت توڑ دی تھی اسی بات کا اظہار امیر المؤمنین نے اپنی مشہور تقریر میں کیا تھا جو بغاوتوں کے فروغ دینے کے بعد کی تھی یہ پوری تقریر طبری میں نقل ہے امیر المؤمنین نے فرمایا تھا کہ محمد کے اپنے گھر کا کوئی شخص بوڑھا ہو یا جوان اچھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہ بچا جس نے میرے بھیجے ہوئے لوگوں سے رئیس نہ لے لی ہوں اور ان کے ہاتھ پر میری ایسی بیعت نہ کی ہو جس کے توڑ دینے پر میرے لئے ان کی سزا وہی حلال نہ ہوگی ہو (طبری) مورخ طبری کی ان روایتوں سے اس اتہام کی قلعی کھل جاتی ہے جو مردودی صاحب نے یہ کہہ کر دگایا ہے کہ "خود المصنوع نے دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ جو اموی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے نفس زکیہ (محمد الارقط) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی" ان کا یہ کہنا بھی محض بے اصل ہے کہ "ان دونوں بھائیوں (محمد و ابراہیم) کی خفیہ تحریک ہی امیر کے زمانے سے چل رہی تھی" یہ تو فاضل وضعی اور خیالی بات ہے ان دونوں بھائیوں کے عالم وجود میں آنے سے بھی پہلے سے وہ تحریک چل رہی تھی جسے مورخین نے "دعوت عباسیہ" کے نام سے بیان کیا ہے چنانچہ طبری (ج ۱ صفحہ ۱۳۵) نے ہی العباس کی "اول الدعوة" کے حلی عنوان کے تحت سنہ ۱۰۰ کے واقعات کے ضمن میں بتایا ہے کہ:

وفي هذه السنة اعنى سنة ۱۰۰ اور اس سنہ یعنی سنہ ۱۰۰ میں محمد بن وجہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے مقام بن عباس من ارض السراة مشرۃ سے (جہاں اموی حکومت نے

میسرہ الی العراق ووجہ  
 محمد بن حنیس و ابا عکرمہ  
 السراج و هو ابو محمد الصادق  
 و حیاں العطار الی خراسان  
 ..... و امرهم بال دعاء  
 الیہ والی اهل بیتہ  
 عباسی امام اور ان کے گھروالوں کو  
 نظر بند کر دیا تھا) میسرہ کو عراق اور  
 محمد بن حنیس ابو عکرمہ السراج کو حنین  
 محمد الصادق بھی کہتے تھے اور حیاں  
 العطار کو خراسان بھیجا اور انھیں حکم  
 دیا کہ میرے اور میرے خاندان والوں  
 کے لئے لوگوں کو دعوت (بعیت خلافت) کا  
 دیں۔

طبری کے علاوہ دیگر کتب تاریخ نیز اہمادیہ وال نہایت (ج ۹ صفحہ ۱۸۹) میں  
 بعنوان جلی دعوت عباسیہ کی سند میں ابتداء ہونے کا ذکر تفصیلاً کرتے ہوئے لکھا ہے  
 "وفیہ عاکان بدو دعوت بنی العباس" امیر المؤمنین ابو جعفر المصنوع کے  
 والد ماجد امام محمد بن علی السجاد بن سیدنا عبد اللہ بن العباس نے دعوت  
 عباسیہ کے حامی مالک یعنی عراق و خراسان وغیرہ میں تبلیغ و اشاعت کے لئے باہر  
 نقیب مقرر کئے تھے جن کی تعداد بعد میں ستر ہو گئی تھی ان عباسی نقباء کے حالات اور ان  
 کی جاننا رانہ کار گزار باہر صفحات تاریخ پر ثبت ہیں بر خلاف علویوں کے جن کے فریج  
 اور بغداد میں تانتر نسبی تعلیوں اور مخفی و ذاتی مفادات کے پست ترین اغراض سے  
 وابستہ رہیں۔ دعوت عباسیہ کا عظیم و درجید مطہ نظریات اسلامیہ کے عمومی مفاد کے  
 خاطر عرب و غیر عرب کے غیر اسلامی امتیازات کو ختم کر کے اسلامی معاشرے میں اصول  
 مساوات کو بروئے کار لاکر سیاسی انقلاب پیدا کرنا تھا اس پر آشوب زمانے میں  
 جبکہ بعض اموی خلفا کی غلطیوں سے فرمودہ دی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ ایک طرف تو  
 معری یعنی عرب قبائل میں تعصبات جاہلیہ کے جذبات سے خوفناک خون ریزیوں ہوتی  
 رہی تھیں اور دوسری جانب حکومت کے تمام شعبوں منصبوں اور عهدوں کے  
 دروازے غیر عرب مسلمانوں پر کلیناً بند تھے غیر عرب باشندے جنہوں نے اسلام

کی ابتدائی ایک صدی کی مدت میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر اپنی ذمہ داری اخلاقی و علمی  
 صلاحیتوں سے اسلامی معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر لیا تھا اپنا واجبی حصہ حاصل کرنے  
 کے لئے مضطرب و بے چین تھے۔ دعوت عباسیہ کی بڑی خوش دلی سے لبیک کہا گیا اموی  
 حکومت نے بعض عباسی نقیبوں کو باغیانہ سرگرمیوں کے جرم میں موت کی سزا بھی دی مگر  
 عباسی امام سے دیگر نقباء کا رابطہ برابر قائم رہا عباسی امام اور ان کے قریبی عزیزوں  
 کو بھی اموی حکومت نے ان کے وطن مدینہ منورہ سے خارج البلد کر کے پھیلے اور مقامات پر  
 اور بالآخر قصبہ حمیمہ (نزد شام) میں نظر بند کر دیا عدت موسم حج میں حرمین شریفین  
 جانے کی اجازت تھی اس تمام مدت میں جو ربیع صدی کا زمانہ ہوتا ہے ان دونوں حسنی  
 باخچوں محمد الارقط و ابراہیم کے اہل خاندان خصوصاً ان کے والد عبد اللہ بن حسن بن حنی  
 کے اموی خلفا سے ٹہرے روابط قائم تھے انھیں نے اپنی حقیقی بہن زینب کو جو حضرت  
 حسن بن علیؑ کی حقیقی پوتی اور حضرت حسینؑ کی حقیقی لڑائی تھیں اموی خلیفہ الولید بن  
 عبد الملک کے جلالہ عقید میں دیدیا تھا۔

و کانت زینب بن حسن بن حسن اور زینب دختر حسن (مثنیٰ) بن حسن بن علیؑ  
 بن علی عن الولید بن عبد الملک (بن ابی طالب) خلیفہ الولید بن عبد الملک  
 بن مروان و هو خلیفہ بن مروان کے جلالہ عقید میں اس وقت آئیں  
 (نسب قریش صفحہ ۷۷) جب دو خلیفہ تھے۔

محمد الارقط کے والدیہ عبد اللہ حسنی اموی خلفا کے حاشیہ نشین بھی رہے دعوت  
 عباسیہ جب وسیع پیمانہ پر پھیل گئی تھی شیعہ مولف عمدۃ الطالب کے حسب روایت  
 ایک عباسی داعی نے جب ابراہیم امام عباسی کو یہ اطلاع دی کہ قتل اخذت للک  
 البعۃ بخراسان اجتمعت کاب الجیوش (یعنی خراسان میں آپ کی بعیت  
 لے لی گئی ہے اور آپ کے واسطے کربلا بھی جمع ہو گئے ہیں) ان عبد اللہ کو بھی اس کا پتہ  
 لگ گیا انھوں نے اموی خلیفہ سے تحریراً بخبری کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اتنی بڑی  
 سن ابراہیم و صاحبان یعنی میں ابراہیم امام عباسی کی اس کارروائی سے بری (نہم

ہوں ایک اور شیعہ مورخ نے اپنی مشہور تالیف مقاتل العباسیین (ص ۲۵۷، ۲۵۸) میں مرآۃ البیان کیا ہے کہ اموی خلیفہ نے عبداللہ حسنی کو اس بخری و جاسوسی کے صدمہ میں گرفتار کر کے رقم بھی عطا کی تھی دعوت عباسیہ کے قائد اس وقت ابراہیم امام بن امام محمد بن امام علی السجادی بن سید عبداللہ بن العباس تھے اموی حکومت نے عبدالارقط کے باپ کی اس جاسوسی کے نتیجہ میں ان کی ایک ایک گرفتار کر کے مقام حران میں قید کر دیا۔ بحالی تہذیب کی غیر طبعی موت واقع ہو گئی جس کا لوگوں کے قلوب پر بڑا اثر پڑا تھا جو ابن سلمہ قرظی کے مرثیہ کے ان چند اشعار سے بھی ظاہر ہوتا ہے ابن سلمہ نے کہا تھا :-

قد كنت اسمنی جلد فصنع عقی قبر حجان فیہ عصمہ الدین  
 میں تو اپنے کو بہت چست و چالاک خیال کرتا تھا مگر جھکوست کر دیا اس قبر نے جو حران میں ہے  
 لید امام وغیر الناس کلہم بین الصفا تم والاحقاد والمطین  
 اس قبر میں دو امام ہیں جن کے رہنے کی مصیبت عام لکن عفا اللہ عن مروان بمنظومہ  
 پس خدا معاف نہ کرے مروان کے اس ظلم کو لیکن خدا معاف کرے جس نے میری اس عاپر میں ہے  
 عباسی المم کے وہ سب کے سب بھائی بھتیجے جنہیں اموی حکومت نے قہر  
 حیر میں نظر بند کر رکھا تھا محمد الارقط کے والد عبداللہ حسینی کی اس جاسوسی کی  
 بھٹک پاتے ہی بسرعت تمام دھنیں تدبیر اپنے طرفداروں عباسی نعیمیوں کے پاس  
 عراق جا پہنچے جہاں عباسی امام ابراہیم شہید کے حب و صیت ابو العباس عبداللہ  
 السفاح کی بیعت ہو کر اموی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ یہ ہے سیاسی انقلاب  
 کی وہ صحیح صورت حال جس کے بارے میں زمانہ حال کے شیعہ مورخ مسٹر جسٹس  
 امیر علی گوہی تسلیم کر لینا پڑا کہ دعوت عباسیہ کے ذریعے جو سیاسی انقلاب رونما  
 ہوا اس کا آئینہ کی اور سطح نظر ایسا ارفع و اعلیٰ تھا کہ زمانہ ماضی و حال میں  
 جس کی مثال نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ :-

ایسا زبردست سیاسی انقلاب نہ زمانہ ماضی میں رونما ہو سکا

اور نہ زمانہ حال میں اس انقلاب کی بدولت اجوت و مساوات  
 انسانی کے جمہوریت پر ور اصولی طور سے نافذ ہوئے ہیں اصلی  
 باعث اور سبب تھا عباسی خلافت کے غیر معمولی استحکام و قوت کا  
 اور اس کی مذہبی عظمت کی پائیداری کا کہ دنیوی اقتدار کے انحطاط  
 و زوال کے بعد بھی اس کی مذہبی عظمت باقی رہی اور اسی خاندان کے  
 ابتدائی حکمرانوں نے اپنی تمام رعایا میں نسلی و طبقاتی مساوات کے  
 بنیادی اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی سلطنت کے ڈھانچے کو کچھ  
 اس طرح استوار کیا کہ پانچ صدیوں تک بلا کسی مد مقابل کے قائم  
 رہی اور خاتمہ میں ہوا تو باہر کے دشمنوں کے یلغار سے (ص ۲۳۳-۲۳۲)  
 ہٹ کر آفت میر بسینز

الغرض دعوت عباسیہ کی مقبولیت عوام الناس میں اسی بنا پر تھی  
 جسے شیعہ مورخ نے مندرجہ بالا فقرے میں بیان کیا ہے مودودی صاحب کا  
 قول محض بے اصل اور باطل ہے کہ محمد دبراہیم کی کوئی تحریک عباسی دعوت کے  
 متوازی چل رہی تھی اور اس کی تنظیم بھی عباسی دعوت سے کم نہ تھی۔ ان خیالی  
 باتوں کی قلعی تو محمد دبراہیم کے پدر بزرگوار کے اس واقعہ ہی سے پوری طور پر  
 کھل جاتی ہے کہ جہاں ہی امیر المؤمنین ابو العباس عبداللہ السفاح بغیر غیر الملت  
 حضرت عبداللہ بن العباس کی بیعت ہو کر خلافت عباسی قائم ہو گئی اموی خلیفہ کے  
 یہ مجرور جاسوس عبداللہ حسنی مدینہ سے چل کر امیر المؤمنین کی خدمت میں تہنیت کے لئے  
 الاہبار (کوٹھ) پہنچ گئے عالی ظرف عباسی خلیفہ ان کے پست کردار سے صرف نظر  
 کرتے ہوئے اپنی دریا دلی سے کہ طبعاً بڑے سخی تھے کان السفاح السخی الناس ایتا  
 تاریخ مختلفاء اور اسی سخاوت و دریا دلی سے السفاح کہلاتے ان کو بھی گرا نہیں  
 عطیات سے نوازا مورخ طبری نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے اور کہا ہے :-  
 قدم عبد اللہ بن حسن علی عبداللہ بن حسن (امیر المؤمنین) السفاح

ابن العباس بالانبار فاکرما وحبیب  
وشریہ وادنانا ووضعی شیشا  
لعمریہ صعبہ باجہ  
ج ۱۳ ص ۱۱۱

پھر مورخ طبری نے بتایا ہے کہ جو اہرات کے ضد دینے سے نصف ان کو عطا  
فرمائے، خدا اللہ اسے مسرور ہوئے کہ بے ساختہ چند شعوبان سے ادا ہو گئے جن سے  
شک و خدشہ کا اظہار ہوتا تھا پھر اپنی حرکت پر متنبہ ہو کر کہنے لگے :-

یا امیر المؤمنین ہفتونہ کا منت لے امیر المؤمنین یہیری بگو اس ہوئی قسم  
و اللہ ما ارددت بہا سوا (ایضاً) بخدا میرا ارادہ اس سے ہر ان کا نہ تھا۔  
امیر المؤمنین نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے اپنے برتاؤ میں کوئی فرق نہ  
آنے دیا۔ بلکہ خدا اللہ کی اس درخواست کو بھی شرف قبولیت بخشا کہ ان کی پوتی زینب  
دختر محمد الارقطامیر المؤمنین کے نو عمر فرزند محمد کے جہ عقد میں آئے اس رشتہ کا ذکر  
چینے اور اراق میں آچکا ہے۔ امیر المؤمنین عبد اللہ السفاح کے چند سالہ عہد خلافت  
میں عبد اللہ حسنی کئی مرتبہ حاضر ہوئے ایک مرتبہ قرآن شریف بغل میں دبا کر حاضر دربار  
ہوئے اور کہنے لگے "اے امیر المؤمنین ہمارا حق ہمیں دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب  
میں ہمیں دیا ہے" امیر المؤمنین عبد اللہ السفاح بڑے حاضر جواب تھے برجستہ فرمایا :-  
"تمہارا دادا علی بن ابی طالب جو مجھ سے بہتر اور زیادہ عدل کرنے والے تھے انھوں  
نے اپنے ایام خلافت میں تمہارے دو بیٹوں بزرگوں جن حسین کو جو تم سے زیادہ بہتر اور  
برتر تھے کیا اس سے کچھ زیادہ دیا جو اب تم کو دینا چاہتا ہے (مصلح خالبد ایسے  
والہزیادہ) عبد اللہ یہ معقول جواب سن کر ٹپٹا کر رہ گئے اپنے غلط طالبہ کی  
نامنظوری سے شتعل ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت کی ریشہ دو انیاں شروع  
کردیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی پر یہ صریح اتہام ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی پرپا  
کی ہوئی شورشوں کی تائید اور باغیوں سے ہمدردی کا برتاؤ کر سکتے تھے جن کے کردار

کی پستی کی یہ کیفیت ہو کہ ایک طرف تو سربراہ حکومت و خلیفہ وقت کے یہاں برابر حاضر  
ہوں یا امیر المؤمنین "لہکر فحاطب کریں اور بیعت اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار  
کریں عطیات و وظائف کی پیش بہار تو م بار بار حاصل کر کے شاد کام بھی ہوں،  
مزید مطالبات کے لئے بھرے دربار میں قرآن شریف ہاتھوں پر دکھ کر بیت المال  
میں خمس دینی پر اپنا حق جتا ہیں اور امیر المؤمنین سے رشتہ دوا و دو محبت استوار  
کرنے کی خاطر ان کے فرزند دلبند کے جلال عقد میں اپنی فقرتیک اختر بھی دیں  
اور دوسری طرف اسی حکومت و خلافت کی جڑیں اکھاڑنے اور اپنی خاندانی حیثیت  
قائم کرنے کے لئے بغاوت کی خفیہ خفیہ تیاریاں بھی کریں۔ عبد اللہ حسنی اور ان کے  
بیٹوں کے غلط اقدام بغاوت کو صحیح جانے کے لئے امام اعظمؒ کا نام کذاب راویوں  
نے استعمال کرنے کی حماقت کی تھی مودودی صاحب نے اس کے مضمرات پر غور کر کے بغیر  
وہی روایت نقل کر دی ہے جو محض بے اصل ہے۔

**انقلاب حکومت** امیر المؤمنین عبد اللہ السفاح کی بیعت خلافت کے موقع پر  
مودودی صاحب نے طبری وغیرہ کے

حوالے سے امیر المؤمنین کے عم بزرگوار جناب داؤد بن علیؒ کی جو تقریر نقل کی ہے  
(ص ۱۹۲) اس کا ایک ایک لفظ کذب محض ہے۔ مودودی صاحب غلط سے  
دل سے اگر غور کر لیتے تو اس کا لغو ہونا عیاں ہو جاتا کیونکہ وہ موافق بنی ہاشم  
کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت داؤد عباؒ جیسے محدث و فقیہ یہ خلاف واقعہ  
بات کہے کہہ سکتے تھے۔

ہمیں جس چیز نے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا حق چھین لیا  
گیا تھا اور ہمارے بنی عم آل ابی طالب پر ظلم کیا جا رہا تھا اور  
تمہارے بیت المال میں بے جا تصرف کر رہے تھے۔ اب ہم پر تمہارا  
لئے اللہ اور اس کے رسول اور حضرت عباسؑ کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے  
درمیان اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سیرت کے مطابق حکومت

کریں گے،

(۱) یہ تصور باطل ہے کہ آل عباس خلافت پر اپنا شرعی حق سمجھتے تھے اور دوسروں میں خلافت کا جانا ان کے نزدیک غاصبانہ عمل تھا۔ امیر المومنین ہارون الرشید نے قسطنطین شاہ روم کو جو تبلیغی مراسلہ بھیجا تھا، اس میں صراحت سے مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی درجے میں اپنے اقارب کی خلافت کی وصیت نہیں کی تھی۔ یہ کذب بیانی تو سبائیہ کی ہے۔ عباسی سادات میں شرک نہ تھا کہ خدا و رسول کے ذمہ کے ساتھ حضرت عباس کے ذمہ کا بھی ذکر کریں یہ حرکت تو دہی لوگ کر سکتے ہیں جو سبھی صلی اللہ وسلم کی نبوت کو کامل نہیں جانتے اور دوسروں کو آپ کے بعد امر و نایا کہنے کی جرات رکھتے ہیں۔

امیر المومنین ہارون الرشید نے عباسی امام اور اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے نصرانیت کے نمائندے کو یہ تبلیغی مراسلہ سرکاری حیثیت سے بھیجا تھا جو جمہور اہل بیت کے مذہب کے عین مطابق ہے۔ دلائل نبوت کے تحت فرماتے ہیں۔ (عصر الامون طبع ۱۹۷۷ء دار الکتب المصریہ طبع ثانی۔ رسالہ ابی الربیع محمد بن ثابت)

لعمراً لله لو اسر دالملاک لا قاریہ  
و نراد طلب السلطان لدوی  
مرحمہ لو کذلک لهم عقداً لا یحل  
ولا یرم لهم امر الا ینقض ولا  
نقل لهم فی عنفوان امر لا ملکالا  
یخرج من ایدیہم ولا یرح  
النداً بنہم

بخدا اگر وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رشتہ داروں کی حکومت چاہتے اور عزیزوں کے حاکمانہ اقتدار کے خواہشمند ہوتے تو تاکید کے ساتھ عہد کی ایسی گرہ لگا جاتے جو کھولی نہ جاسکتی اور بات ایسی پختہ کر دیتے جو توڑنا نہ جاسکتی اور ابتداءً تحریک ہی میں ان کی حکومت کی جڑیں ایسی مضبوط کر جاتے کہ وہ ان

کے ہاتھ سے نہ نکلیں اور ہمیشہ اپنی ہی ہوتی

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی عباسی اور وہ بھی حضرت داؤد بن علی جیسا محدث و فقیہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جھوٹ بولتا کہ آپ بنو ہاشم کی حکومت کا کوئی تصور ہمیں کر گئے تھے، ہاں نہیں نہ ملی اور دوسروں نے غصب کر لی۔

(۲) اموی خلافت میں آل ابی طالب پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ دو واقعے بیشک گزرے ایک حادثہ گر بلا اور دوسرا زید بن علی کا خروج۔ لیکن ان دونوں حادثوں میں جمہور بنی ہاشم کی تائید و حمایت حکومت وقت کو حاصل تھی اور سب کے سب ان خرد جوں کے خلاف تھے حضرت داؤد عباسی کے جہر بزرگوار حضرت عبدالعزیز بن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کی تھیں اور حضرت حسینؑ کو سمجھایا تھا کہ خروج کی غلطی نہ کریں۔ پھر وقت پر حضرت حسینؑ نے خود اس غلطی کو تسلیم کر لیا اور اپنے موقف سے رجوع کر کے امیر المومنین یزید سے بیعت کے لئے دمشق روانہ ہو گئے وہ ساتھ کوئی سپاہی جو آپ کو کوہ لائے کے لئے عرض داشتوں کے پلندے لیکر گئے تھے اور آپ کے ساتھ آ رہے تھے آپ کے دمشق جانے کے اس بنا پر سخت مخالفت تھی اگر وہ بھی ساتھ چلے جاتے ہیں تو خروج پر آمادہ کرنے کے جرم میں سزا سے نازع ہو سکتے ہیں جلتے تو گورنر عراق اسی جرم میں ان کے مرتقلہ کر دے گا ان خداسر باہوں نے اچانک حملہ کر کے صلح آشتی کی فضا کو ہر گامی صورت دے دی۔

لیکن اس حادثے کے باوجود بنو ہاشم اور خصوصاً بنو علی کے تعلقات امیر المومنین یزید سے بغایت شکستہ رہے اور ان سب حضرات نے ان کے مخالفوں کو اپنا مخالف جانا نہ انھوں نے حرہ کے سہ گلسے میں شرکت کی نہ ابن الزبیر سے بیعت کی نہ تو ابوں سے کوئی تعلق رکھا اور نہ مختار شقی کی تحریک میں کوئی دلچسپی لی۔ بلکہ سب کے سب پوری استقامت کے ساتھ اموی خلافت کے ساتھ رہے اور اموی خلفاء سے اپنے برادرانہ تعلقات میں کوئی کمی نہ آئے دی۔ ایسی صورت میں

یہ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ حادثہ کربلا کو انھوں نے اموی خلافت کی طرف سے سمجھا۔ انھوں نے اس کی ذمہ داری امیر عبید اللہ پر بھی نہیں ڈالی۔

بنو ہاشم کا یہ موقف اس کی مسکت دلیل ہے کہ انھوں نے کربلا کے واقعہ

کو محض ایک حادثہ جانا۔ اگر کسی درجے میں بھی انھوں نے اسے امیر المومنین یزید کی طرف سے ظلم سمجھا ہوتا تو سب کے سب ابن الزبیر کے جھڑکے نیچے جمع ہو کر اموی خاندان کا استیصال مکی کر دیتے۔ لیکن وہ تو سب ابن الزبیر کے اس لئے مخالفت تھے کہ انھوں نے امیر المومنین یزید کی بیعت سے گریز کیا تھا ان کے نزدیک وہ باغی کی حیثیت رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کے نزدیک آپس کی خلافت شام کی تھی اسی لئے حضرت ابن عباس نے اپنے اہل و عیال کو وصیت کی تھی کہ وہ سب شام چل جائیں۔ حضرت محمد بن علی بن ابی طالب بھی اسی لئے شام چلے گئے تھے۔

ربا زید بن علی کا خروج مدورودی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ خود حضرت داؤد بن علی عباسی نے انھیں خروج سے منع کیا تھا (ص ۲۶۸) ایسی صورت میں وہ ان کے انجام کو امیر المومنین ہشام جیسے علیم و نیک سیرت اموی خلیفہ کے ظلم سے کیسے تعبیر کر سکتے تھے۔ اس پر تفصیلی گفتگو پچھلے اوراق میں آچکی ہے۔

ان دو واقعات کے علاوہ جن میں حضرت داؤد بن علی عباسی اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابن عباس کا موقف عیاں ہے اور کون سے مظالم تھے جو آل ابی طالب پر کئے گئے جس کا بدلہ لینا ضروری تھا؟ عباسیوں اور امویوں کا اختلاف کسی درجے میں خاندانی نہ تھا اور نہ وہ اس کے سبب تھے کہ علویوں کی سیاسی غلطیوں کو اپنے سر لیں اور مفروضہ مظالم کا بدلہ لینے کھڑے ہوں پچھلے اوراق میں دعوتِ عباسیہ کے بلند ترین مقامات کے بارے میں تاریخی حقائق کے اعتبار سے گفتگو آچکی ہے۔

بیت المال پر ناواجب ذمہ فساد کا مسئلہ ہم پہلے بدلائل قطعاً مبادت کر چکے ہیں۔ حضرت امام شافعی کا دستاویزی ثبوت اس کے لئے کافی ہے کہ نہ خلفائے اسلام نے کبھی بیت المال پر ناواجب ذمہ صرف کیا اور نہ وہ کر سکتے تھے۔ اگر کوئی

تو حکومت کے ساتھ امت کی شیفتگی اور وابستگی قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ عیسیٰ عیسیٰ نہ دیکھتے کہ جو بھی امام وقت کے خلاف کھڑا ہوا ناکام رہا اور امت نے اس کے اقدام سے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

حضرت داؤد بن علی عباسی کے اس وضعی بیان پر مدورودی صاحب نے یہ فقرہ چھت کیا ہے (ص ۹۲)

”لیکن حکومت حاصل ہونے کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری کہ انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ فریب تھا۔“

گویا ان کے نزدیک خلافت عباسیہ میں کتاب و سنت پر عمل نہ تھا اور خلفاء و کرام اپنی من مانی کیا کرتے تھے۔ یعنی تقریباً چھ سو برس تک جو خلافت قائم رہی وہ دینی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور امت اتنی بے وقوف بزدل اور بے دین تھی کہ ایسی خلافت کو اس نے برپا رہنے دیا اور جب سبائیوں کی غداری سے یہ خلافت ہلاک کے ہاتھوں تباہ ہوئی تو پھر بھی یہی ضروری سمجھا کہ نئی خلافت عباسیوں کی ہو۔ چنانچہ قاہرہ (مصر) میں دو صدی تک امینی خلافت بنوا لہاس کی رہی سکتی انھیں کا چلتا اور خطبہ میں نام عباسی خلیفہ ہی کالیا جاتا رہا۔

پھر فرماتے ہیں: (ص ۱۹۴)

”منذ رکنے زمانے میں عباسیوں کے اس دعوے کی قلعی بھی کھل گئی کہ وہ آل ابی طالب پر دینی امیہ کے مظالم کا بدلہ لینے آئے تھے۔ جس زمانے میں محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی رپویش تھے اور منصور ان کی کتابت میں سرگرم تھا اس نے ان کے پورے خاندان اور ان کے رشتہ داروں کو صرف اس قصور میں گرفتار کر لیا کہ وہ ان کا بیتہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی ساری جائیداد ضبط کر کے نیلام کی گئی۔ ان کو بیڑیوں اور طوق وزنجیر میں معیار کر کے مدینے سے عراق لے جایا گیا۔ جلی میں ان پر سخت مظالم کئے گئے محمد بن ابراہیم



بن الحسن کو دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا۔ امیر ابراہیم عبد اللہ کے خسر کو منگا کر کے ڈیڑھ سو کوڑے لگائے گئے پھر قتل کر کے آن کا سر خراسان میں گشت کرایا گیا اور چند آدمی اس کے ساتھ عوام کے سامنے یہ شہادت دیتے پھرے کہ یہ نفس زکیہ (۹) کا سر ہے۔ کچھ مدت بعد جب نفس زکیہ مدینہ میں شہید ہوئے تو ان کا سر کاٹ کر شہر شہر پھرایا گیا اور ان کی اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں تین دن تک مدینہ میں برسر عام لٹکانی گئیں پھر کوہ سلج کے قریب انھیں مقابر میں پھینک دیا گیا۔

اس بازاری قلعہ کی قلعی کہ عباسی "ال ابی طالب پر ہی امیہ کے مظالم کا بدلہ لینے کو لٹھے تھے پچھلے اوراق میں کھولی جا چکی ہے رہی پورے خاندان کی گرفتاری" سوطبری سے قدیم مورخ ابن قتیبہ (المعارف ص ۳۹) محمد الارقط کے صرف باپ اور تین چچوں حسن، داؤد اور ابراہیم کے گرفتار کئے جانے کا ذکر کرتے ہیں جو بغاوت کی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے نہ کہ مودودی صاحب کی اس غلط بات کا کہ "پورے خاندان اور ان کے رشتہ داروں کو صرف اس قصور میں گرفتار کر لیا کہ وہ ان کا (محمد و ابراہیم باغیوں کا) پتہ نہیں دے رہے تھے" طبری نے ان حسنین کی بغاوت کے سلسلے میں بے شمار وضعی و مقصدی دروایتیں درج کی ہیں جو کتاب کے اردو ڈیشن (مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کے تقریباً پونے تین سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان ہی کے سرسری مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ بغاوت کی ساری باگ ڈور باغیوں کے پیر بزرگوار عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے ہاتھ میں تھی جو ایک طرف تو حیب اور پریمان ہوا علیہ المصنوعہ کی اطاعت و وفاداری کا بیجہ ہمد منافقانہ کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف عباسی خلافت کی جڑیں اکھڑ کر اپنی خاندانی حکومت قائم کر سکی غرض سے بغاوت کے سارے جتن بھی کرائے تھے۔ امیر المؤمنین المتصوّر نے ان کے ملازم معلوم کرنے کے لئے جیسا طبری کی روایتوں میں صراحتاً بیان ہے

ایک عینا شخص عقبہ بن سلم از دی کو اس کام پر مقرر کیا کہ باغیوں کے طرفداروں کی جانب سے وہ ایک مصنوعی خط اور زرے جا کر عبداللہ کو پیش کرے ابتداء میں اسے دھتکاریں خط دروپیہ لینے سے انکار کریں تو بار بار جائے عاجزی و انکار سے پیش آئے حتیٰ کہ وہ اس سے مانوس ہو جائیں تو اس طرح ان کے سارے راز معلوم کرنے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امیر المؤمنین نے اس کے بعد عبداللہ سے جب بو ذت ملاقات پوچھا کہ تم اپنے عہد وفاداری پر قائم ہو کہنے لگے بیٹک میں اپنے مضبوط عہد پر قائم ہوں امیر المؤمنین نے عقبہ جاسوس کو جو ایک جانب کھڑا تھا اشارہ کیا جو ان کے سامنے آ گیا اب عبداللہ کے ہاتھ کے طیرے اڑ گئے دو زانو ہو کر عاجزی سے معافی مانگنے اور یہ عرض کرنے لگے اصلنی یا امیر المؤمنین اما لک اللہ لے امیر المؤمنین میری خطا بیخشے اللہ آپ کی خطا پوشتی کرے) امیر المؤمنین نے ایسے مجرم کو قید کرنے کا حکم دے دیا اور ان کے ساتھ ان کے شریک ان کے بھائیوں کو بھی قید کر دیا محمد الارقط اپنے باپ چچوں کے قید و بند کی خبر پا کر اپنی ماں حسد سے خفیہ طے اور کہا بغاوت سے اب میں نے دستکش ہونے کا ارادہ کر لیا ہے تم قید خانے جا کر آبا کا خیال معلوم کر آؤ انھوں نے جا کر شوہر سے محمد کے امادے کا جب ذکر کیا۔ عبداللہ نے سختی سے منع کیا۔ بنوی سے کہا تم جا کر محبت کہہ دو کہ "وہ اپنی حکومت کی دعوت دے اور اس کے لئے پوری کوشش کرے ہمارا کچھ خیال نہ کرے" طبری اردو ص ۱۵۱۔ (۳) ایسے مجرموں کو جو بغاوت کراتے ہوں۔ قید و بند کی سزا دینا کیا ظلم میں شمار ہو سکتا ہے۔ طبری کی ایک اور روایت میں جناب جعفر الصادق کی کہتی ام الحسین بنت عبداللہ بن محمد لیا قرئاً بیان ہے کہ میں نے اپنے چچا سے پوچھا آپ محمد (الارقط) کے معاملے کے متعلق کیا کہتے ہیں جناب جعفر نے فرمایا یہ ایک فتنہ ہے جس میں محمد یہاں قتل ہو جائے گا اور اس کا بھائی عراق میں (ص ۲۳۹) طبری اردو) علوی گھرانے کے اکابر حیب اس غلط اقدام کو فتنہ جانتے ہیں تو اس فتنے میں شرکت کیوں کرنے چنانچہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ مدینہ میں ایک علوی بھی

وہ حسنی ہو یا حسینی حسنی محمد کا شریک نہ ہوا ان کے چند ساتھیوں کے طرز عمل کے بارے میں الہدایۃ والنبایۃ (ج ۱ ص ۱۱۷) میں صراحتاً بیان ہے کہ اس پڑ پونگ میں گنتی کے چند ہی آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا تھا باقی سب بھاگ گئے اور آخر میں تو وہ بالکل ہی تنہا رہ گئے۔

وحر لہو اوبقی محمد فی شاذمہ محمد کے ساتھی سب بھاگ کھڑے  
قلیلۃ جہاد اشرقی واحد کا ہوئے صرف چند ہی لوگ باقی رہ گئے  
ولیس معہ احد اور آخر میں تو وہ تنہا رہ گئے کوئی  
(ایضاً ص ۱۱۷) ایک شخص بھی ان کے ساتھ نہ تھا۔

اب مودودی صاحب ہی بتائیں کہ کیا ایسی بے گئی اور کس پیرسی کی حالت اس شخص کی ہو سکتی ہے جس کی دعوت و دعوت دہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اس وضع و کردار کے باغیوں اور مخبروں کا ساتھ دینے کی لوگوں کو ترغیب دی تھی۔ محمد اور دوسرے مقتولین کی لاشوں کے تین دن تک لٹکے رہنے کے بعد یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دئے جانے کی تردید تو مودودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری کی اس روایت سے ہو جاتی ہے کہ محمد کے قتل ہو جانے کے بعد ان کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے فوجی دستے کے افسر اور اپنے قرا بدار عبید بن موسیٰ کو یہ پیغام بھیجا کہ :-

”محمد کو قتل کر کے تمہاری عرض پوری ہو گئی تم اجازت دو ہم

اسے دفن کر دیں عیسیٰ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ اے میری چچا زاد بہنو!

تم نے اپنے اس پیغام میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اس کا (محمد کا)

قتل کرنا میل مقصود تھا تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ نہ میں نے اس کے قتل

کا حکم دیا اور نہ مجھے علم ہوا تم بڑی خوشی سے اسے دفن کر دو چنانچہ

انہوں نے آدمی بھیجا کہ اس کے لاشہ کو اٹھا منگایا۔ . . . .

اور قلع میں دفن کر دیا۔ اس کی قبر علی بن ابی طالب کی گلی کے سامنے

جہاں وہ گلی بڑی مشترک سے آکر مل جاتی ہے یا اس کے کہیں قریب ہے۔

(ص ۲۳ طبری اردو ایڈیشن)

محمد الارقطہ کے اس واقعہ سے ایک سو چالیس سال پہلے ہی یعنی عبدالرسالت میں مدینہ سے یہودیوں کا نام و نشان مٹ چکا تھا ان کے قبرستان کو مدت مدید کے بعد بھی مدینہ البقی میں موجود بتانے اور مقتولین کی لاشیں وہاں پھولنے کی روایت محض نعو ہے جائدادوں کے نیلام کی حقیقت بھی اس واقعہ سے معلوم ہو جاتی ہے جو طبری کی روایت میں ہے کہ محمد الارقطہ کے بھائی عیسیٰ و سلیمان وادریس نے اپنے مقتول بھائی کی وراثت کے بارے میں محمد کے بیٹوں سے تنازع کیا اور کہا تمہارے باپ چونکہ اپنے والد عبداللہ کی زندگی ہی میں قتل ہو گئے تم محبوب الارث ہو، حقدار نہیں یہ مقدمہ والی مدینہ حسن بن زید بن حسن مثنیٰ کی عدالت میں پیش ہوا وہ محمد کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے انہوں نے امیر المؤمنین سے رجوع کیا امیر المؤمنین موصوف نے جواب دیا کہ جب تم کو میرا یہ خط ملے تم محمد کے بیٹوں کو ان کے دادا کا ورثہ دلا دو۔ (ص ۲۴ طبری اردو ایڈیشن)

جائداد اگر نیلام ہو چکی ہوتی تو ورثہ دلانے کا سوال ہی نہ تھا۔ مودودی صاحب غیر متعصب ہو کر ان تاریخی واقعات کو بیان کر سکتے تو وصنی روایتوں کی خرافات کو قبول نہ کرتے اور نہ محمد مقتول کے نام کے بجائے سہائیہ کے محترم لقب ”نفس زکیہ کی بار بار موقع بموقع یوں تکرار کرتے اب چند لفظ اس سلسلے میں بھی لکھنے ضرور ہیں :-

محمد الارقطہ محمد نام الارقطہ لقب یلقب الارقطہ (جہرۃ الانساب

ابن حزم) چہرے پر چچیک کے داغ بکثرت ہونے سے الارقطہ کہلائے لحن شمیم

لہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی عمر اپنے بیٹے محمد الارقطہ کے مقتول ہونے کے وقت ۷۰ سال تھی

بیٹے کے مارے جانے اور حصول خلافت کی اس بغاوت کی ناکامی کے صدمے سے

جانبر نہ ہو سکے ان کو زہر سے ہلاک کرنے کی روایت محض بے اصل ہے۔

سیاہ فام تھے ان کا بیٹا حسن ان سے بھی زیادہ سیاہ رنگت ہونے سے "بوزنت" کہلاتا تھا۔ کان یلقب بالزنت لشد لا سمر ته وخذ الخمر بالمدینة (صنک جہرۃ الانساب) یعنی یحییٰ بن محمد الارقط زیادہ سیاہ فام ہونے سے ابو الزنت کہلاتا تھا اور مدینہ میں شراب نوشی کی سزا پائی تھی۔ دوسرے بیٹے محمد الارقط کے محمد الاشتر تھے جو اپنے والد اور چچا ابراہیم کے بغاوتوں میں مقتول ہونے کے بعد بھاگ کر سندھ چلے آئے تھے پھر گرفتاری کے خوف سے کابل کے علاقے کی جانب چلے گئے وہاں بلخ پہاڑ پر گورنر سندھ کے فوجی دستے کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ محمد الارقط نے سیاہی اقتدار حاصل کرنے کے پرہیزگاروں میں اپنے کو "ہمدی" کہا اور مراسلات میں بھی "ہمدی" لکھا وکان محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ..... ہمتی بالمہدی (ص ۳۳۱) النبیه والاشتراف سعودی اخلقتا چکے تھے ان کے مقتول ہوجانے کے عرصہ بعد ان کی بغاوت کے جواز میں جو جعلی حدیثیں وضع ہوتی رہیں ان میں ان کے چکے پن کی خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولی کہ یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ میری اولاد میں ایک "ہمدی" ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور

لہ کابل کے علاقے میں پہنچ کر ایک عورت کو جبالہ عقد میں لائے تھے اس کے بطن سے ایک بچہ ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا فوجی دستے نے ان کی بیوی اور خور در سال بیٹے کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا امیر المومنین نے پرورش کے لئے بظاہر وظیفہ مدینہ میں اہل خاندان کے پاس بھیج دیا اسی محمد کابل سے ان کی نسل چلی جن میں علامہ فضل اللہ دہلوی کے گھر نے ہوئے۔ محمد اشتر الاشتر کا نواسہ کابل کے پہاڑ بلخ پر قتل ہونا تاریخی حقیقت ہے ان کے فرزند کو اس وجہ سے محمد الکابل بھی کہا گیا مگر چند سال سے کلفن (کراچی) پر ایک غیر معروف شخص کی قبر کو ان سے منسوب کرنے کی جسارت کی گئی ہے جو ایک بہت تاریخی حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور اس کی آواز میں فرخراہٹ ہوگی فی ساندہ رنة (مقالہ الطالبین ص ۲۲۲) بھی کہا گیا ان کے دونوں کندھوں کے درمیان بیضہ دروغ کے برابر ایک سیاہ خال ہر نبوت کی طرح تھا (معاد اللہ من ذلک) چنانچہ "نفس زکیہ" لقب کے لئے سبائیہ نے یہ جعلی حدیث گھڑی :-  
 روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت  
 وآلہ وسلم انه قال تقتل ہے آپ نے فرمایا اجمار ازیت (مقام نزد  
 باجمار لزیات من ولدی نفس مدینہ) پر میری اولاد میں سے نفس زکیہ  
 الزکیہ (عمدة الطالب ص ۳۳) قتل ہوگا۔

محمد الارقط کے بعد ان کے چچا زاذبھائی اور بیٹوں نے مدینہ کے قریب مقام فنج پر بغاوت کی تھی اور مقتول ہوئے تھے ان کے بارے میں بھی یہ جعلی حدیث گھڑی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مع جماعت صحابہ مقام فنج پر اس بغاوت سے ۳۵ برس پہلے ہوا آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جازہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ میرے اہلبیت سے ایک شخص مع جماعت مومنین قتل ہوگا ان کے لئے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روجوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے تسبیح اور احرام اجساد ہم الی الجنة (مقالہ الطالبین ص ۳۳۱)

محمد الارقط نے اپنی بغاوتوں کے دنوں میں حسب روایت طبری مسجد نبوی کے آرائشی سامان کو کھسوٹ لیا۔ مسجد کے پردوں سے باخیوں کے لئے زر میں بڑا بے مسجد نبوی کے شامیانوں کو کاٹ کر اپنے ساتھیوں کے لئے لبادے بنوائے (ص ۲۲۲ طبری اردو) پھر مسجد نبوی کے منبر سے لوگوں کو بغاوت پر ابھارنے کے لئے جو تقریریں بکھاتے بکھاتے کی اس میں امیر المومنین ابو جعفر المنصور کی ذات گرامی پر کیسا واہی اور لغوا تہام لگا یا طبری نے محمد الارقط کے جو الفاظ نقل کئے ہیں اس میں کا یہ فقرہ سنئے :- محمد الارقط نے کہا تھا۔

"لے لوگو! تمکو معلوم ہے کہ دشمن خدا ابو جعفر نے اپنے

عہد میں بیت اللہ کے مقابلے میں اس کی تحقیر کے لئے ایک قبۃ حضر بنایا۔  
(الآ آخرہ)

بعد از شریف میں قصر الامارۃ کے ساتھ ہی جو عظیم الشان مسجد جامع تعمیر کرائی گئی تھی جس کی تعمیر کی نگرانی دو ہزر گویا۔ قاضی حجاج بن ارطاة اور امام ابوحنیفہؒ کر رہے تھے کس سو قیامتہ لہجے میں اس کی جانب اشارہ ہے۔ طبری ہی کے حوالے سے جن صاحب کے کردار کی پستی کی یہ مختصر سی کیفیت بیان کی گئی ہے ان کو سبالیہ کے محترم لقب سے مودودی صاحب "نفس زکیہ" بتاتے ہیں۔

سیاسیات اسلامیہ کے گذشتہ حالات کو مودودی صاحب اور اموی و عباسی خلافتیں ان جیسے لوگ چونکہ خاندانی مسئلہ سمجھتے ہیں اس لئے بنی امیہ کے علو میں پر اور عباسیوں کے بنی امیہ پر مفروضہ مظالم کی جہل رواہتوں کو انھوں نے اچھا لاسے۔ عباسیوں کا امویوں سے اختلاف سیاسی اور آئینی تھا۔ اموی خلافت خالص عربی حکومت تھی اور ابتداءً اسے نہ ہونا چاہئے تھا لیکن جب غیر عرب نسلوں میں کئی پشتیں اسلام کی جوگر ہو گئیں تو ان میں قدرتی طور پر جذبہ ابھرا کہ حکومت میں ان کی بھی نمائندگی ہو۔ عباسیوں کو جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، غیر عرب مسلمانوں کا یہ موقف واجبی معلوم ہوا اور انھوں نے غیر عرب نسلوں کے اس جذبے سے فائدہ اٹھا کر اپنی خلافت کی دعوت دی امویوں کی جگہ کسی دوسرے خاندان کی حکومت ہوتی اور ان کی حکمت عملی یہی ہوتی جو امویوں کی تھی تو اس وقت بھی عباسیوں کی روش یہی ہوتی کہ امت میں عرب و غیر عرب چپقلش دور کرنے کے لئے انقلاب لایا جائے۔ لہذا یہ تصور کسی درجے میں درست نہیں کہ عباسیوں اور امویوں کا اختلاف خاندانی چپقلش کے پست جذبے پر مبنی تھا اور انھوں نے اپنے بنوعلم علویوں پر امویوں کی مفروضہ مظالم اور کر بلا میں اموی فوج کی مفروضہ ہر بریت کا بدل لایا تھا۔ امویوں کے آخر عہد میں ان حالات کی بنا پر جن کا ذکر آچکا ہے انقلاب ناگزیر ہو گیا تھا دعوت عباسیہ کی

بنیا چونکہ نہایت اسیں تھی اس لئے امت میں وہ مقبول ہوئی اور جو لوگ سیاست کو گھریلو تنازع اور خاندانی چپقلش بنا کے ہوئے تھے اور اسی بنا پر انھوں نے خروج کئے تھے وہ ناکام رہے۔

انقلاب حکومت کے دوران قتل و غارت گری کے واقعات کم و بیش ہر انقلاب میں پیش آتے ہیں وہ اس انقلاب میں بھی پیش آئے مگر عباسی خلافت قسام ہو جانے کے بعد اموی سادات کو عباسی خلافت میں نہ صرف بڑے بڑے مناصب لئے گئے بلکہ ان کے خاندانی روابط و تعلقات مناکحت و مصاہرت برابر قائم رہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں آخر اموی خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں عبدالعزیز بن امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم والی مدینہ تھے ان ہی عبدالعزیز کو امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے اپنے ندیم خاص کا منصب عطا کیا و کان فی صحابۃ ابی جعفر المنصور (جمہور الانساب ابن خزم ص ۶۹) اموی خلیفہ مروان بن محمد کی صاحبزادیاں اور لوہا حقیقہ جو ان کے ساتھ مصر میں تھے ان کے مقبول ہوجانے پر انھیں عزت کے ساتھ ان کے وطن حران (شام) بھیجا گیا جہاں یہ خاندان آسائش و آرام سے رہتا رہا خصوصاً خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں حکومت نے ایسا ہمیشہ قرار و طیقہ ان کے لئے مقرر کیا تھا جو ان کے درجے کے لائق تھا (ہسٹری آف سیرین ص ۳۱۱) اموی سادات کے جو خاندان کو فہ و بصرے میں آباد تھے امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے ان سے رشتہ مناکحت قائم کئے ان میں سے ایک خاندان جو خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کے اخلاف سے بصرے میں سکونت پذیر تھا امیر المؤمنین ان کی ایک خاتون سے خود اپنا نکاح کیا اس اموی خاتون کے بطن سے ان عباسی خلیفہ کے دو فرزند علی و عباس اول ایک دختر عالیہ ہوئیں جو عباسیوں کے اموی نواسے نواسی تھے۔ دوسری اموی دو شیرہ سے اپنے فرزند جعفر کا نکاح کیا (جمہور الانساب ابن خزم ص ۳۱۱) امیر المؤمنین کے دوسرے فرزند مہدی کی زوجیت میں اموی خاتون سیدہ رقیہ بنت عمر بن خالد بن عبداللہ بن عمرو بن

حضرت عثمان غنی سے ان کے دو بیٹے ہوئے۔ اسی طرح اور متعدد رشتے ہوتے رہے۔ یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص اموی جو بلند پایہ محدث کو ذہ کے ساکن تھے ان کو امیر المؤمنین المنصور نے بغداد بلا لیا تھا قدم بغداد خانزہا (کتاب المعارف) وہیں ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ دیگر عباسی خلفاء امیر المؤمنین المعظم باللہ اور ان کے فرزند امیر المؤمنین الواثق باللہ کے عہد میں ابو مردان محمد بن عثمان اموی مکہ معظمہ کے قاضی تھے (جمہر الانساب ص ۱۰۱) اسی عہد میں محمد بن عبد اللہ بن سعید اموی مکہ کے والی تھے۔ امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ عباسی کے عہد سے تقریباً ڈھائی سو برس بعد تک بغداد کے قاضی القضاۃ کا عہدہ اموی گھرانے بنو ابی الشوارب میں رہا۔ ابن حزم فرماتے ہیں۔

والقضاء فی بغداد مقرر دینی اور بغداد میں عہدہ قضا (خلیفہ) ابی عثمان بن عبد اللہ بن خالد بن المتوکل علی اللہ کے عہد سے ہمارے زمانے اسید ابی ابی العیض بن امیہ سے تک اخلاف ابی عثمان بن عبد اللہ بن خالد عہد المتوکل الی زماننا لهذا وہم بن رسید بن الی العیض بن امیہ میں جو بنو بنو ابی الشوارب (ص ۱۰۱) ابی الشوارب ہیں قائم رہا۔

ابن علی بن محمد بن عبد الملک بن محمد ابی الشوارب اور ان کے دادا ابو یحییٰ محمد بن عبد اللہ اموی بغداد کے قاضی القضاۃ رہے اور العاص بن محمد اموی بصرے کے قاضی تھے۔ علاوہ ابن کثیر نے ۱۹۸ھ کے واقعات کے سلسلے میں ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن عباس بن محمد بن عبد الملک بن محمد ابی الشوارب کو بغداد کا قاضی القضاۃ بتایا ہے۔ اس اموی خاندان کے ۲۴ حضرات بعد میں یکے بعد دیگرے قاضی رہے۔ بصرے میں دوسرا اموی خاندان حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند عتبہ کی نسل کا آباد تھا جو میں مشہور ادیب مصنف محمد بن عبد اللہ بن عمرو ابو عبد الرحمن الاموی البقی متوفی ۱۹۸ھ تھے (قاموس التراجم ص ۱۰۱) عباسی عہد کے اموی علماء و فضلاء عراق و شام اور دیگر مقامات میں آبا رہے مثلاً عبد اللہ بن سعید بن

عبد الملک بن مروان جن کی کینت ابو صفوان تھی اور امیر المؤمنین عبد الملک کے پوتے کتاب نو اور دیگرہ کے مصنف تھے دمشق کے ساکن تھے وہیں ۱۹۸ھ میں بہادر امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور انتقال ہوا۔

دمشق ہی کے ایک اور اموی ادیب و مصنف برہان الدین مسعود بن شجاع بن محمد بن محمد بن الحسن الفقیہ متوفی ۵۹۹ھ تھے۔ اغانی کے مولف علی بن الحسین بن محمد احمد بن ابی یوسف بن عبد الرحمن بن مروان ابو الفرخ الاموی تو بغداد ہی میں رہتے تھے وہیں ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا۔ ابن حزم نے اسی طرح اندلس میں اموی امرا کے پاس متعدد عباسی سادات کو معزز مہمان کی حیثیت سے مقیم بتایا ہے۔

مودودی صاحب نے انقلاب حکومت کے بعد اموی سادات پر وحشیانہ مظالم اور ان کے مزارات کی بھرتی کی جو وضعی و استثنائی صدیوں بعد کے مؤرخین کے حوالے سے بڑے اہتمام سے درج کی ہیں اور کہتے ہیں کہ مولیوں کا بچہ بچہ قتل کر ڈالا گیا تو سطور بالاک تفصیلات کی روشنی میں ان کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ قدیم مورخین طبری نے ان وحشیانہ مظالم اور قبروں کی بھرتی کا اشارہ تک نہیں کیا اسی لئے مودودی صاحب کو اپنے معتبر ماخذ کو چھوڑ کر صدیوں بعد کی کتابوں سے بدخوات یعنی پڑیں۔

علاوہ ازیں امیر عبد الرحمن الداخل جو اس انقلاب کے یعنی شاہد تھے اور انہوں نے ہسپانیہ میں اپنا سیاسی اقتدار قائم کر لیا ان کی اولاد میں ہسپانیہ کی مشہور حکومت نزعہ تک قائم رہی انہوں نے وہاں جا کر ان مفروضہ مظالم کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اگر کرتے تو اندلس کے مصنف اپنی تصنیفات میں ضرور بیان کرتے اس کے برخلاف تاریخ میں ہیں یہ ملتا ہے کہ ہسپانیہ پہنچنے کے بعد امیر المؤمنین نے اپنے اہل و عیال کو شام سے بلوایا تھا پھر یہیں پہنچے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ خلافت کی بیعت لینا چاہتے ہیں یا امارت کی تو فرمایا خلافت کی بیعت مشرق (عراق) میں ہو چکی میں صرف امیروں کا حال تھا ان کا یہ حق تھا کہ عباسی

خلافت کے مقابلے میں سوزی خلافت قائم کہتے مگر وہ سیاست اسلامیہ کو  
خاندانی مسئلہ نہیں سمجھتے تھے اور نہ اموی سادات کی یہ ذہنیت تھی کہ امت  
کے اجماع کو ٹھنکا کر دو چار سوسالیوں کو ساتھ لیکر اور "ابن رسول اللہ" نے  
کے نعرے لگا کر خلافت کا دعویٰ کر ڈالیں اور حیب نام کام ہو کر مقتول ہوں تو  
ان کا نام "شہیدوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی  
نے علویوں کے ادملکے سلسلے میں ایک شعبہ کا جواب دیتے ہوئے اپنی مشہور  
تالیف ازالۃ الخلفاء میں صحیح بات لکھی ہے کہ

"در عنایت ازلی مقرر ہو کہ ہر گاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد

اوتوا دامن قیامت منصور نشوند و ہر گاہ خلافت ایشان

علی و جھجا صورت گیرد دہر کہ از میان ایشان دعوت بخورد

کنند و سر بقتال بر آرد مخدول بلکہ مقتول شود"

ان ناکامیوں کی جو داستان سبائی کذابین نے تراشی مودودی  
صاحب نے اسی سے اخذ کر کے لکھ ڈالا ہے کہ حضرت حسینؑ کے مقتول ہو جانے  
کے بعد ان کے جسم سے کپڑے اتار لئے گئے اور پھر ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا  
کر اسے روندنا گیا اس کے بعد قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے  
چادریں تک اتار لی گئیں۔ یہ سب باتیں اگرچہ کذب محض ہیں لیکن بفرض محال  
ایک بات بھی صحیح ہو تو اس کے فاعل پر اللہ کی لعنت ہو ورنہ کہنے اور لکھنے  
والے پر ہوائی طرح دمشق کے باستانوں کے قتل عام اور امویوں کے بچے  
بچے کے ذبح کرنے اور اموی خلفائے کی قبروں کی پھرتی کرنے والے پر اللہ کی  
لعنت ہو ورنہ کہنے اور لکھنے والے پر ہو۔ مودودی صاحب نے عباسی اور  
اموی سادات کی تنقیص کے لئے صدیوں بعد کے مولفین کی روایتیں جو  
منتخب کی ہیں اور قدما کی کتابوں اور معاصر مولفین کے بیانات سے صرف نظر  
کیا ہے اسی سے ان کی بدینی کاپتہ چل جاتا ہے۔ علویوں کی بغاوتوں کے سلسلے

میں ان سے یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ باغیوں کو پناہ دینے والا یا ان کے بارے  
حکومت کو خبر دینے سے گریز کرنے والا خود باغی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں تو یہ  
جو کچھ انہوں نے عمداً لارقط کے والد عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کے بارے میں لکھا ہے  
کہ صرف اتنے قصور ہیں کہ وہ ان (باغیوں) کا پتہ نہیں دے رہے تھے اس  
سے ان کی کیا مراد ہے۔ جاننے کے بعد پتہ نہ دینا "صرف اتنا قصور ہے" یا نہایت  
سنگین جرم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَلْمِزُوا السَّامِعِينَ وَمَنْ  
يَكْتُمُهَا فَوَانَهُ آتَتْهُ قَلْبِهِ (گو ابھی کو مت چھپاؤ اگر کوئی اسے چھپایگا تو اس  
کا دل گنہگار ہے) گنہگار علویوں کی واجبی سزا پر تو مودودی صاحب کا یہ اوپلا  
اور عباسی و اموی سادات پر بغاوتوں کے فرو کرانے پر سو قیامت لہجے میں یہ سب  
وشتم!

**انفقا و بیعت** مودودی صاحب نے امام ابو حنیفہؒ اور امیر المؤمنین المنصورؒ

پر ایک اور افترا کیا ہے اور ایک ایسے مؤلف کے حوالے سے  
جو ان بزرگوں کے زمانے سے تقریباً سات سو برس بعد کا ہے لکھا ہے کہ صفحہ ۱۳

مخلافیت کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے بڑا اقتدار پر

قبضہ کرنا اور بعد میں دباؤ کے تحت بیعت لینا اس کے انفقا کی جائز

صورت نہیں ہے۔ صحیح خلافت وہ ہے جو اہل الرائے لوگوں کے

اجتماع اور مشورے سے قائم ہو۔ اس سلسلے کو انہوں نے ایک ایسے

نازک موقع پر بیان کیا جبکہ اسے زبان پر لانے والے کا سراپا کی

گردن پر باقی رہنے کا احتمال نہ تھا۔

المنصور کے صاحب ربيع بن یونس کا بیان ہے کہ منصور نے

امام مالک ابن ابی ذئب اور امام ابو حنیفہؒ کو بلایا اور ان سے کہا

"یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں مجھ عطا کی ہے اس کے

متعلق آپ لوگوں کا خیال کیا ہے کیا میں اس کا اہل ہوں؟"

امام مالک نے کہا "اگر آپ اس کے اہل نہ ہوتے تو اللہ سے آپ کے سپرد نہ کرتا"

ابن ابی ذئب نے کہا "دنیا کی بادشاہی اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، مگر آخرت کی بادشاہی اسی کو دیتا ہے جو اس کا طالب ہو اور جسے اللہ اس کی توفیق دے۔ اللہ کی توفیق آپ سے قریب ہوگی اگر آپ اس کی اطاعت کریں ورنہ اس کی نافرمانی کی صورت میں وہ آپ سے دور رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت اہل تقویٰ کے اجتماع سے قائم ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کر لے اس کے لئے کوئی تقویٰ نہیں ہے۔ آپ اور آپ کے مددگار توفیق سے خارج اور حق سے محروم ہیں۔ اب اگر آپ اللہ سے سلامتی مانگیں اور پابیزہ اعمال سے اس کا تقرب حاصل کریں تو یہ چیز آپ کو نصیب ہوگی ورنہ آپ خود ہی اپنے مطلوب ہیں"

امام ابوحنیفہ "کہتے ہیں کہ جس وقت ابن ابی ذئب یہ باتیں کہہ رہے تھے میں نے اور مالک نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ شیلہ ابھی ان کی گردن اڑادی جائے گی اور ان کا خون ہمارے کپڑوں پر پڑے۔ اس کے بعد منصور امام ابوحنیفہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا آپ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا "اپنے دین کی خاطر راہ راست تلاش کرنے والا غصے سے دور رہتا ہے۔ اگر آپ اپنے ضمیر کو مٹالیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے ہم لوگوں کو اللہ کی خاطر نہیں بلایا ہے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ڈر سے آپ کے منشاء کے مطابق بات کہیں اور وہ عوام کے علم میں آجائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اس طرح خلیفہ بنے ہیں کہ آپ کی خلافت پر اہل فتویٰ لوگوں میں سے دو آدمیوں کا اجتماع بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ

خلافت مسلمانوں کے اجتماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔ دیکھئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک فیصلہ کرنے سے رُکے رہے جب تک اہل یمن کی بیعت نہ آگئی"

اس روایت کو نقل کر کے ابوہریری صاحب نے صحاح پر تعلیق دیا ہے کہ:-  
"انکر ڈری کی اس روایت میں صرف ایک بات ایسی ہے جس کو میں اب تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیق اہل یمن کی بیعت کرنے تک چھ مہینے فیصلہ کرنے سے رُکے رہے"

گویا اس وضعی روایت کی اور سب باتوں کے ساتھ راوی کی یہ صریح غلط بیانی بھی ان کی سمجھ میں آگئی کہ امام مالک "جو اپنی تمام عمر مدینہ ہی میں رہے کبھی حج بیت اللہ کے علاوہ سفر نہیں کیا (حیات مالک ابو زہرہ) وہ بھی مدینہ میں جب خلیفہ المنصور کی بیعت خلافت سابق خلیفہ کی نامزدگی کا بنا پر سوچتی تھی مدینہ سے عراق میں مقام ہاشمیہ پر اس غرض سے تشریف لے آئے تھے کہ خلیفہ موسوف کے اس سوال کا جواب دے کیا میں اس حکومت کا اہل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں مجھے دی ہے اثبات میں دے سکیں حالانکہ امام مالک امام ابوحنیفہ اس زمانہ میں نہ عراق میں بکھا ہوئے اور نہ تین سال بعد جب خلیفہ المنصور نے اس میں ادائے ذریعہ حج کے لئے گئے تھے مجاز میں بکھا ہوئے اور اگر بغرض حال یہ اہم کیا ہوئے بھی ہوں تو اب ہم اس وضعی روایت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۱) ابوہریری صاحب یا اس مردود روایت کے راوی نے یہ نہیں بتایا یہ تینوں بزرگوار امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور سے بیعت کرنے کے بعد ہی کے پاس جمع ہوئے تھے یا اس سے پہلے۔ اگر بیعت سے پہلے جمع ہوئے تھے تو بعد میں بیعت کی یا نہیں اور اگر بیعت کے بعد آئے تھے تو خدا اور رسول کے نام پر جو بیعت کر چکے تھے اس کے باوجود یہ کہتا کہ آپ کی خلافت پر دو اہل فتویٰ بھی جمع نہیں ہوئے، کس حد تک

درست ہے۔ کیا یہ تمیز بزرگ اہل فتویٰ نہ تھے؟ اور کیا امام ربیعہ جو ربیعہ صاحب  
الرای سے معروف اور امام ابو حنیفہ سے مقدم تھے اور مقام انبارہی میں قاضی تھے  
نیز امام ابن ابی لیلیٰ کو وہ بھی اموی عہد سے لیکر ابتدائے عہد عباسی تک کو ختم  
قاضی تھے کیا ان میں کوئی اہل فتویٰ نہ تھا اور اگر ان بزرگوں نے بیعت خلافت نہیں  
کی تھی تو وہ عہدہ قضا پر کیسے مامور رہتے۔

(۲) دعوت عباسیہ چالیس برس پہلے سے جاری تھی اور اس کا مقصد عیسائیت  
تفصیلاً بیان کر چکے ہیں سوائے اس کے اور کیا تھا کہ بعض اموی خلفاء کی غلطیوں  
سے امت میں جو انتشار عرب و غیر عرب کی چیلنج سے پیدا ہو گیا اسے دور کر کے  
اصول مساوات و اخوت کو عملاً نافذ کرنے کے لئے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار  
کریں اور قدم اس وقت اٹھائیں جب کامیابی یقینی ہو جائے کیا وہ ہزاروں لاکھوں  
آدی جو اس دعوت میں شریک ہوئے مسلمان نہ تھے اور کیا ان علماء و فضلاء میں جو  
اموی عہد سے لیکر شروع عہد عباسی تک عراق اور دوسرے مقامات پر عہدہ  
قضا پر مامور رہے کوئی اہل فتویٰ نہ تھا؟

(۳) بزر در خلیفہ ہونے کے معنی تو یہ ہیں کہ محض ایک صوبہ خراسان کی  
سپاہ اتنی طاقتور تھی کہ سندھ سے لیکر مراکش تک اور عرب سے چینی ترکستان  
تک تمام عالم اسلام کو فتح کر کے عباسیوں کی "جابرانہ و ظالمانہ" حکومت  
قائم کر دے۔ کیا دوسری صدی ہجری کے عرب قبیلوں اور دوسرے مسلمانوں  
کو زیر کرنا ایسا آسان تھا کہ چند ماہ کے اندر سب لوگ نئی خلافت کے سامنے  
سپر ڈال دیں۔ کوئی سلیم العقل شخص یہ باور نہیں کر سکتا کہ اموی خلافت کیا انقلاب  
کے ذریعہ اس طرح ختم کیا جاسکتا کہ رائے عامہ اس انقلاب کی پشت پر نہ ہوتی۔  
امام ابو حنیفہ جیسے شخص جو نسلاً بھی غیر عرب تھے اور دعوت عباسیہ کے  
ارفع و اعلیٰ مقاصد سے واقف اور صورت حال کے عینی شاہد تھے وہ ایسی  
لغو و لچر بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۴) زید بن علی اور محمد لار قظ و ابراہیم نے جب خروج کیا تو کیا انھوں  
نے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار کر لیا تھا یا ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ طاقت  
کے ذریعہ حکومت وقت کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کریں۔ مودودی  
صاحب کا یا امام ابو حنیفہ کا جن پر ان خروجوں کی حمایت کا بہتان رکھا گیا ہے  
وہ اصول کہاں کیا جو اس اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا  
کہ جو قاطعہ اگر فوج کشی کے ذریعہ خلافت حاصل کر لیں تو وہ جائز خلافت ہوگی  
اور اس سے منشا رہنوی پورا ہو جائے گا۔ چاہے انھیں امت کی حمایت حاصل ہو  
یا نہ ہو۔ لیکن اموی سادات اور عباسی ائمہ جب انقلاب کے ذریعہ رائے عامہ  
کی تائید سے کامیاب اور پابدار حکومت قائم کر لیں تو وہ حکومت ناجائز ہوگی۔  
تو یہی سیدھی بات مودودی صاحب کیوں نہیں کہہ دیتے کہ خلافت کا حق  
جو قاطعہ کا تھا اور ان کا یہ منصب تھا کہ جس طرح چاہیں امت پر اپنا تسلط قائم  
کر لیں چاہے امت ان کی حمایت پر ہو یا نہ ہو۔ گویا دین ان کے گھر کا معاملہ  
ہے جس طرح چاہیں اس کے ساتھ کھلیں اور امت کو جن فتوؤں میں چاہیں  
بتلا کریں۔ مودودی صاحب کی بیان کردہ یہ روایت بے اصل اور لغو  
محض ہے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۳۵۶)۔

### بیت المال

"جس زمانے میں ان کے (یعنی ابو حنیفہؒ) اور خلیفہ  
منصور کے درمیان سخت کشمکش چل رہی تھی۔ منصور نے ان سے کہا  
تم میرے ہدیے کیوں نہیں قبول کرتے؟ انھوں نے جواب دیا "ایرالموتین  
نے اپنے مال میں سے مجھے کب دیا تھا کہ میں نے اسے رد کیا ہو۔ اگر  
آپ اس میں سے دیتے تو میں ضرور قبول کر لیتا آپ نے تو مسلمانوں  
کے بیت المال سے مجھے دیا حالانکہ ان کے مال میں میرا کوئی حق نہیں  
ہے۔ میں نہ ان کے دفاع کے لئے لڑنے والا ہوں کہ ایک سیاسی کا



حصہ پاؤں نہ ان کے بچوں میں سے ہوں کہ بچوں کا حصہ مجھے ملے  
اور نہ فقراء میں سے ہوں کہ جو کچھ فقیر کو ملنا چاہیے وہ مجھے ملے“  
یہ لغو روایت جس کسی نے وضع کی ہے اسے نہ علم فقہ سے کچھ سمجھنا تھا نہ تاریخ  
سے اور نہ تقاضا صحابہ سے۔ بیت المال کے متعلق ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو ان غنیمت اور فتنی میں ملا اس میں رسول خدا کا  
حصہ امیر المؤمنین کی طرف منتقل کر دیا گیا جیسا کہ سنن ابی داؤد (کتاب الخراج  
ص ۱۵۱ طبع کا پندرہ) اور امام ابن قدامہ کی شہرہ آفاق کتاب المغنی میں ہے۔ (ابن  
قدامہ المغنی ج ۶ ص ۴۰۸)۔ غنیمت اور فتنی کا یہ پچیسواں حصہ منقولہ جائداد کی  
حد تک امیر المؤمنین کے ذاتی تصرف میں اس وقت تک ہوتا تھا جب تک وہ  
اپنے منصب پر فائز رہیں۔ انھیں اس پر وہی اختیار تھا جو ہر شخص کو اپنے ذاتی  
مال پر ہوتا ہے، خلفاء اسلام جس کسی کو یوں عطا فرماتے تھے وہ ان کے اپنے  
اسی مال میں سے ہوتا تھا تو اس بات کو جانتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کیسے فرما سکتے  
تھے کہ ”آپ اپنے مال میں سے دیتے تو لے لیتا۔ یہ مال تو مسلمانوں کا ہے۔“  
علامہ ازہری انھوں نے دیوان فاروقی کا خیال نہیں کیا جس کے مطابق  
ہر عرب مسلمان کو وظیفہ ملتا تھا اور ان موالی کو بھی جو کسی عرب قبیلے سے رشتہ و لاہ  
قائم کر لیں۔ مالیات کا یہ انتظام برابر قائم رہا۔ امیر المؤمنین محمد المہدی عباسیؑ  
کے زمانہ میں اس کے قائم رہنے کا دستاویزی ثبوت موجود ہے (ملاحظہ ہو امام  
شافعی کی کتاب الآم (ج ۴) ص ۵۸ طبع مصر مکتبۃ الکلینیۃ (الذہریہ مصر)  
کو یا مسلمانوں کے بیت المال میں ہر مسلمان کا حصہ تھا امام صاحب بھی اس کے  
حقدار تھے تو وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا حصہ نہیں۔ پھر  
دیکھنا چاہئے بزرگان سلف کا معمول کہ خلفاء کے ہدایا قبول کرتے تھے۔ چنانچہ  
مودودی صاحب کے ماہد البدایۃ والنهاية (ج ۸ ص ۱۵۰) میں  
صراحتاً بیان ہے کہ:—

ظلم استقرت الخلافة المعاویة  
کان الحسین یتردد الیہ مع  
اخیه الحسن فیکرمہما معاویة  
اکراماً نرا مداً ویقول لہما  
مرحباً یعطیہما عطاءً جزیلاً  
وقد اطلق لہما فی یوم واحد  
ما شیء الف

جب امیر المؤمنین معاویہؓ کی خلافت قائم  
ہوئی تو حضرت حسینؑ اپنے بھائی حضرت  
حسنؑ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے  
اور حضرت معاویہؓ ان کی عزت اوروں  
سے زیادہ کرتے اور فرماتے کہ جب وہ  
اہلاً۔ اور انھیں بہت زیادہ مال دیتے  
چنانچہ ایک مرتبہ دو لاکھ درہم دے کر  
لاسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفرؑ نے  
امیر المؤمنینؑ پر نیک سے بیش بہا عطیات  
لئے (البلاذری التسابیخ الاشراف بزرگی  
مادہ امیر المؤمنینؑ بزرگی)

یعنی امیر المؤمنینؑ منظور اپنے خاص بیت المال سے عطا فرماتے یا عام  
بیت المال سے دونوں صورتوں میں وہ روپیہ لینا ہر طرح جائز اور طیب تھا۔  
اور حضرت امام صاحبؒ اسے قبول کرنے سے اصولاً انکار نہیں کر سکتے تھے یہ اور  
بات ہے کہ مستغنی ہونے کی بنا پر غدر میں نہ کریں۔

علامہ ازہریؒ نے اس میں سے ایک حصہ اللہ کا ہے جسے بعض فقہاء دیکھتے تھے  
کہ اللہ نے اپنا نام اپنے لئے لیا ہے کہ ہر چیز اس کی ہے اور بعض حضرات کا موقف  
ہے کہ اللہ کا حصہ تبلیغ دین اور تعمیر مساجد وغیرہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ یعنی یہ  
تصور باطل ہوا کہ غنیمت اور فتنی صرف مجاہدوں اور انھارک اولاد کے لئے یا فقراء  
کے لئے ہے۔ تبلیغ دین کی اس سے بہتر صورت کیا ہو سکتی ہے جو حصہ اللہ کا ہے  
وہ علماء اور طلبہ پر خرچ کیا جائے تاکہ یہ علماء و فقہاء کس معاش کی طرف سے  
سے بے فکر ہو جائیں۔ غرض یہ ہے چھٹی صدی ہجری کے لکھنؤ کی جو مرد و دوہل روایت  
مودودی صاحب نے بطور حجت پیش کی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ امام صاحب

امیر المؤمنین کے مابین یہ مکالمہ بے اصل و من گھڑت ہے۔

پھر سوال ہے کہ جب تعمیر بغداد کے سلسلے میں امام صاحب کا قیام دارالسلام میں تھا تو یہ پانچ برس انہوں نے کس طرح گزارے اور دوسرے بزرگوار جو دارالخلافت کی تعمیر بغداد کے سلسلے میں ماہاں موجود تھے ان کے اخراجات کے تفصیل امیر المؤمنین تھے یا یہ اصحاب اپنے گھروں سے خرچ منگوا کر رضا کارانہ خدمت انجام دے رہے تھے؟ دونوں صورتوں میں یہ امر واضح ہے کہ نہ امام صاحب اور امیر المؤمنین کے درمیان کوئی کشمکش تھی اور نہ کسی قسم کا اختلاف تھا۔ بلکہ قواعد دینیہ کے تحت اپنی بیعت کی پاسداری میں امام صاحب میم قلب سے بغایت وفاداری اپنے فرائض مفوضہ انجام دے رہے تھے اس کے خلاف مودودی صاحب نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ افتراء محض ہے۔

**خلافت سے تعاون** | مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۲۷۹)

اور حکومت کے ساتھ ان کے ترک تقاعد کی وجہ سے سلطنت عباسیہ اور زنی مد رشہ فکر کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو چکے تھے اور یہ اثر بعد میں بھی اچھی خاصی مدت تک باقی رہا۔ ایک طرف اس مدرسے کے اکابر اپنے ترک تعلق پر جے رہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد ان کے نامور شاگرد زفر بن الہذیل (م ۱۵۸ھ ۶۷۷ء) کو جیب منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا اور جان بچانے کے لئے روپوش ہو گئے۔ دوسری طرف المنصور سے لے کر ہارون الرشید کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس مدرسے فکر کے اثر کی مزاحمت کی جائے۔

کذب بیانی اور افتراء پر داز کی بھی ایک حد ہوتی ہے مگر مودودی صاحب یہ تمام حدود پھلانگ گئے اور اس کی پروا نہ کی کہ ان کی یہ تحریراہل علم کے

سامنے آئیگی۔ امام ابو حنیفہؒ جس طرح امیر المؤمنین جعفر المنصورؒ کے مطہ از فرماں بردار تھے اس کا ذکر تو اوپر گذر چکا۔ لیکن یہاں ہم اس بہتان کی پردہ درمی کرنا چاہتے ہیں جو مودودی صاحب نے امام زفرؒ پر لگایا ہے۔ امام زفرؒ آپسے شیخ امام ابو حنیفہؒ کی زندگی ہی میں بصرے کے قاضی رہے۔ اس زمانے کی ایک دلچسپ روداد ابن عبد البر نے الانتقاء میں بیان کی ہے۔ (ابو زہرہ ابو حنیفہ ص ۲۱ بحوالہ ابن عبد البر: الانتقاء)۔

”جب حکومت نے انہیں امام زفرؒ کو بصرے کا قاضی مقرر کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ”ہمارے اور اہل بصرہ کے مابین جو اختلافات ہیں اور وہ لوگ ہم سے حسد کرتے ہیں ان کے پیش نظر مجھے امیر نہیں کہ تم اپنے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دے سکو گے“ لیکن وہ توکل بر خدا وہاں گئے اور اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ بصری علماء ان کے پاس آنے لگے اور مناظرے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ روزانہ ایسی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

امام زفرؒ جب اپنے مخاطب کو قائل کر دیتے تو فرماتے ”یہ ابو حنیفہ کا قول ہے“ لوگ یہ جھپٹتے کہ ابو حنیفہؒ کے علم میں آتی گہرائی ہے؟ تو فرماتے اس سے بھی زیادہ“

اس طرح رفتہ رفتہ علماء بصرہ کا تعصب جاتا رہا۔ اور محبت و احترام کے جذبات امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پیدا ہو گئے۔ یوں کوثر و بصرہ میں جو منافقت چلی آ رہی تھی وہ اتحاد و فکر میں تبدیلی ہو گئی۔ حکومت کے ساتھ تعاون اور امیر المؤمنینؒ کے فرمان کی اطاعت کی اس سے زیادہ اور مثال کیا ہو سکتی ہے کہ امام زفرؒ نے اس علاقے کا قاضی بننا منظور کر لیا جہاں کا ماحول ان کے لئے سازگار نہ تھا۔ ایک قاضی کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ مخالفوں کے درمیان رہ کر مقدمات کا فیصلہ کرے اور فتویٰ دے۔ مگر امام المسلمین حضرت ابو جعفر المنصورؒ کا حکم

انہوں نے مانا اور اسی کی تعمیل اپنے اوپر واجب جانی۔  
 رہی یہ بات کہ بالآخر وہ تصفی ہو گئے تو ان کا یہ استعفاء اس سبب سے تھا کہ امام  
 ابو حنیفہ کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے فرائض انہیں یاد کرنے تھے اور یہ اتنی  
 اہم بات تھی کہ حکومت انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ مودودی صاحب نے  
 انتہائی تکلیف سے کام لے کر یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد وہ  
 قاضی بننے کے خوف سے روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن انہوں نے اس انفرادی راز  
 کے وقت یہ خیال کیوں نہ کیا کہ امام زفر نے آٹھ برس تک اپنے شیخ کی جانشینی کی  
 ذمہ داریاں پوری کیں اور ان کے شاگردوں کی تربیت فرمائی۔ کیا یہ تربیت کسی صحرا  
 میں روپوش ہو کر یا کسی پہاڑ کے غار میں ٹیپٹھ کر کر رہے تھے جو حکومت کو خبر  
 نہ ہوئی کہ جسے ہم قاضی بنانا چاہتے ہیں وہ عدم تعاون کر کے روپوش ہو گیا ہے۔  
 اور کیا امیر المومنین المنصور کی حکومت ایسی تھی کہ ایک مجرم آٹھ برس تک لوگوں  
 کو دین کی تعلیم دیتا رہے اور اسے گرفتار نہ کرایا جائے۔

مودودی صاحب نے اول تو عرض ہیجھوٹ بولا کہ "المصنوع" <sup>رج</sup>  
**امام ابو یوسف** لے کر ہارون الرشید کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان  
 یہ رہا کہ اس حقیقی مدرسہ فکر کے اثرات کی مزاحمت کی جائے اور پھر خود ہی لکھتے ہیں  
 (ص ۲۸۲)

"شاہد ابو یوسف بھی اپنے استاد کی طرح اپنی ساری زندگی حکومت سے  
 عدم تعاون ہی کی روش پر گزار دیتے اگر ان کی معاشی حالت کچھ بھی درست  
 ہوتی۔۔۔۔۔ یہی سبب تھا جس نے انہیں سرکاری ملازمت کرنے پر  
 مجبور کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ۶۶۶ ۶۷۱ ۶۷۶ ۶۸۲ ۶۸۷ ۶۹۰ ۶۹۵ ۷۰۰ ۷۰۵ ۷۱۰ ۷۱۵  
 المہری سے لے کر اس نے انہیں شرفی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا۔  
 الہادی کے زمانے میں بھی وہ اس پوزیشن پر رہے۔ پھر جب ہارون الرشید  
 کا زمانہ آیا تو رفتہ رفتہ خلیفہ پزان کا اثر اس قدر بڑھتا چلا گیا کہ

آخر کار اس نے انہیں تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاة (چیف  
 جسٹس) مقرر کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم ریاست میں یہ منصب قائم  
 ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافت راشدہ یا اموی اور عباسی  
 سلطنتوں میں چیف جسٹس نہیں بنایا گیا تھا اور یہ منصب جس پر امام  
 ابو یوسف نامور کئے گئے موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق قاضی عدالت  
 العالیہ کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی  
 اس میں شامل تھے یعنی وہ مقدمات کے فیصلے کرنے اور رعایت عدالتوں کے  
 قاضی مقرر کرنے کے اختیار ہی نہ رکھے تھے بلکہ سلطنت کے تمام اعلیٰ  
 و خارجی معاملات میں تالواڑی رہنمائی کرنا بھی انہی کا کام تھا۔

ایک طرف مودودی صاحب کا یہ صحیح بیان ہے اور دوسری طرف تین چوتھائی  
 امت کے عظیم المرتبت امام کے بارے میں یہ انتہائی گستاخی بھی وہ کر گئے کہ اپنے ضمیر کے  
 خلاف انہوں نے محض محتاجی کے سبب حکومت کے عہدے کے لئے درخواست دی  
 چونکہ اصل صورت حال کا اظہار مودودی صاحب کے مقصد کے خلاف جاتا ہے  
 اس لئے اس نحو بیانی کی انہیں ضرورت ہوئی۔ امام ابو یوسف کو اس کا قطعاً ضرورت  
 نہ تھی کہ سرکاری خدمت کے حصول کے لئے وہ درخواست دیں۔ امام المسلمین کو  
 ان کی قدر معلوم تھی اور یہ قدرتی بات تھی کہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے بعد  
 امام ابو یوسف کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے اس لئے انہیں قاضی مقرر کیا گیا  
 اور پھر امیر المومنین ہارون الرشید کے عہد مبارک و مسعود میں وہ قاضی القضاة  
 بنائے گئے اور یوں فقہ حنفی کا مشرقی دنیا میں ڈنکا بج گیا۔

حکومت وقت سے تعاون اور امام المسلمین کے دامن سے وابستگی تو انہیں  
 شرعیہ کے مطابق خاص و عام کے فرائض ہیں سے تھی۔ خلافت اسلامیہ کا نظام عمل  
 ہی اس طرح سکتا تھا کہ علماء و فضلاء و فقہاء و راہل فکر اپنے امام کی قیادت میں  
 تقسیم کار کے اصول پر اپنی اپنی جگہ ملت کی خدمت کریں۔ یہ محض حنفی مکتبہ فکر کی خصوصیت

نہ تھی بلکہ تمام علماء و فقہاء کا شعار تھا۔ ہمارے اکابر خدا و رسول کے نام پر اوپر کی  
دل سے تعلقیت بیعت نہیں کرتے تھے۔ اور صیغہ بیعت پر غور کرنے والا کوئی یومین نہ  
ان الفاظ کو رسمی سمجھ سکتا ہے کہ ”میں خدا و رسول کی سنت کے مطابق  
امیر المؤمنین کا حکم سننے اور مقدمہ در بھراس کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں“  
[صحیح بخاری ج ۴، ص ۲۴۵، طبع مصر کتاب الاحکام]

اپنی نجی حیثیت میں امام یا امیر محض ایک مسلم فرد ہے اور اس کے ساتھ انفرادی کے  
تعلقات ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے دنیا کا دستور ہے۔ لیکن منصبی حیثیت میں ان کا احترام  
اور ان سے تعاون تمام ان امور میں لازم ہے جو احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہوں۔  
اسی پر ہمارے ائمہ کا عمل تھا اور یہی سنت صحابہ کرام کی تھی۔ چنانچہ شیخ الصحابہ  
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب امیر المؤمنین عبدالملک کو بیعت نامہ بھیجا تو یہ روایت  
موطا امام محمدؒ اس طرح تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لِهٰدِی الْمَلِکِ اِمِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ  
عَمْرِ [اللہ کے بندے عبدالملک امیر المؤمنین کی خدمت میں منجانب عبداللہ بن عمرؓ  
اسی طرح حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صوالت اللہ علیہا نے امیر زبیر بن ابی سفیانؓ  
کو خط اس طرح لکھا تھا (البلاذری، فتوح الاسلام ج ۲، ص ۲۲) ترجمہ جناب  
ابو الخیر (موردی) ابی زبیر یا دین ابی سفیان من عائشہ ام المؤمنین۔  
حالانکہ یہ دونوں بزرگوار ابھی میں اور صحابہ کرام کے تربیت دادہ۔ مگر منصبی حیثیت  
سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ امام اور امیر کے ساتھ احترام و تعظیم کا برتاؤ کرے۔  
اور ان کے احکام کی تعمیل واجب جانے۔ اگرچہ مرتبہ میں ہزار گنا زیادہ ہو۔ اس  
طرح وہ تمام روایتیں صحیح ہیں جس طرح شرعی آداب اور تعامل صحابہ کے خلاف ہمارے  
بعض بزرگوں کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

خلفاء اسلام کا احترام ہمارے ائمہ کے ہاں جیسا نہایت کا تھا اس کا ایک  
اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعیؒ جب تفصیل علم کے لئے امام مالکؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو جس مسند پر امام مالکؒ تشریف فرما ہوتے تھے اس  
کی پشت پر ریشم سے لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد بن رسول اللہ ہارون  
امیر المؤمنین (مرحلتہ الام الشافعی مطبوعہ مطبعہ قلیلی بلدہ آرہ  
بھارت) طبع ۱۳۳۶ھ یہ تھی عظمت امیر المؤمنین کی امام مالک کی نگاہوں میں  
اور وہ اپنے اس شاگرد کو اس کی منصبی حیثیت میں خدا تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت  
سمجھتے تھے۔

اس طرح امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔  
ان امیر المؤمنین اید اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین نے اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے  
سالتی ان اضع کتاباً جامعاً۔۔۔۔۔ مجھ سے فرمائیں گی ہے کہ میں ایک جامع کتاب لکھوں  
ایک طرف خلفاء اسلام کے ساتھ صمیمیہ کیام اور ائمہ فقہ و حدیث کا بیظریہ عمل  
ہے اور دوسری طرف موردی صاحب اور ان جیسے لوگ ان کے بارے میں گستاخانہ  
لہجہ میں اختیار کرتے ہیں اور یہوں جاتے ہیں اس سلطان ظل اللہ فی الارض من  
اکرمہ اکرمہ اللہ ومن اهانہ اهانہ اللہ اور کمال یہ ہے کہ موردی  
صاحب اسے صحیح حدیث بھی جانتے ہیں۔

غرض یہ کہ امام ابو یوسفؒ نے امام زفر اور امام ابو حنیفہؒ یا حنفی مکتبہ  
فکر کے بارے میں موردی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعات کے سراسر خلاف بیخ  
محض ہے ہمارے یہ ائمہ ہر طرح خفاقت قار کے ساتھ تھے اور بغاوت کرنے  
والوں کے خلاف رہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے ان شاگردوں کے بارے میں جو ان  
کے دامن سے زیادہ وابستہ تھے ایک مرتبہ فرمایا (حیات ابو حنیفہ البوزیرہ)۔  
”یہ تیس آدمی ہیں ان میں ۲۸ قاضی بننے کے لائق ہیں چھ مفتی بننے کے اور ابو یوسفؒ  
وزفر قاضیوں اور مفتیوں کی تادیب و اصلاح کی قابلیت رکھتے ہیں“ چنانچہ ان میں  
مقتدر دانشخاص عباسی خلافت میں منصب تھا۔ پر امور سے یعنی امام زفرؒ  
و امام زفر و امام محمد شیبانی کے علاوہ حفص بن غیاث، قاسم بن معن، علی بن

المسعودی بن زکریا، ما فیہ بن یزید محمد سائدا لشمسی مولف ادب القاضی غیریم اور خود امام صاحب کے حقیقی پوتے اسمعیل بن حماد بن ابو حنیفہ بصرے کے قاضی رہے۔  
 ودی اسمعیل بن حماد قضاء البصرۃ کتاب المعارف ص ۲۱۱

امام ابو حنیفہ پر ایک اور لغو اتہام  
 کتاب "مناقب النعمان" کے مولف الکروری متوفی ۸۰۰ھ امام ابو حنیفہ کے زمانے سے تقریباً سات سو برس بعد کے مولف ہیں ان کی بعض بے سرو پا روایتوں پر پہلے بھی اظہار خیال ہو چکا ہے موردی صاحب نے ایک ایسی لغو لچر روایت ان کے حوالے سے درج کرنے میں ذرا تاثر نہیں کیا جو تاریخی واقعات کے اعتبار سے بھی بیچ محض ہے اور امام صاحب کو بھی اس میں مہتمم کیا گیا ہے کہ وہ حکومت قائمہ کے فوجی افسروں کو ان کے فرائض سرفضہ کی انجام دہی سے روکتے اور باغیوں کی گوشمالی و سزا دہی کے معاملہ میں خلیفہ وقت کی حکم عدولی پر بھی آمادہ کیا کرتے تھے۔ یہ لغو لچر روایت موردی صاحب نے نوک پلک درست کر کے اس میں امام صاحب اور ان کے محض طب کی گفتگو اس طور سے لکھی ہے۔ گویا ٹیپ کارڈنگ سے بارہ سو برس کی مندرجہ گفتگو سن رہے ہوں لکھتے ہیں کہ:-

"کہ سب سے زیادہ اہم اور خطرناک اقدام ان کا امام ابو حنیفہ کا یہ تھا کہ انہوں نے المنصور کے نہایت معتد جزلی اور اس کے سپہ سالار اعظم حن بن محمد کو نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پر جانے سے روک دیا۔ اس کا باپ خطبہ وہ محض تھا جس کی تلوار نے ابوسلم کی تدبیر و سیاست کے ساتھ مل کر سلطنت عباسیہ کی بنیاد رکھی تھی اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی جگہ سپہ سالار اعظم بنایا گیا اور منصور کو اپنے جرنیلوں میں سب سے زیادہ اسی پر اعتماد تھا لیکن وہ کوفہ میں رہ کر امام ابو حنیفہ کا گرویدہ ہو چکا تھا اس لئے ایک مرتبہ امام سے کہا کہ میں آج تک جتنے گناہ کر چکا ہوں (یعنی منصور کی نوکری سے

جیسے کچھ ظلم و ستم میرے ہاتھوں ہوئے ہیں) وہ آپ کے علم میں ہیں اب کیا میرے لئے ان گناہوں کی معافی کی بھی کوئی صورت ہے۔ امام نے کہا "اگر اللہ کو معاف ہو کہ تم اپنے افعال پر نادم ہو اور اگر آئندہ کسی مسلمان کے بے گناہ قتل کے لئے تم سے کہا جائے اور تم خدا سے عہد کرو کہ آئندہ اپنے پچھلے افعال کا اعادہ نہ کرو گے تو یہ تمہارے لئے توبہ ہوگی" حسن نے یہ بات سن کر ان کے سامنے عہد کر لیا اس پر کچھ مدت گئی گذری تھی کہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ کے خروغ کا معاملہ پیش آ گیا۔ منصور نے حسن کو ان کے خلاف جنگ پر جانے کا حکم دیا۔ اس نے آ کر امام سے اس کا ذکر کیا۔ امام نے فرمایا "اب تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو گے تو تمہاری توبہ بھی رہے گی ورنہ پہلے جو کچھ کر چکے ہو اس پر بھی خدا کے ہاں پکڑے جاؤ گے اور اب جو کچھ کر دے گے اس کی سزا بھی پاؤ گے" حسن نے دوبارہ اپنی توبہ کی تجدید کی اور امام سے کہا "اگر مجھے مار بھی ڈالا جائے تو میں اس جنگ پر نہ جاؤں گا" چنانچہ اس نے منصور کے پاس جا کر صاف کہہ دیا "امیر المؤمنین! میں اس جہم پر نہ جاؤں گا۔ آج تک جو کچھ میں نے آپ کی اطاعت میں کیا ہے اگر وہ اللہ کی اطاعت میں تھا تو میرے لئے نسیب کتابی کافی ہے اور اگر وہ اللہ کی مہریت بن تھا تو اس آگے اب میں مزید گناہ نہیں کرنا چاہتا، منصور نے اس پر سخت ناراض ہو کر حسن کی گرفتاری کا حکم دیدیا

موردی صاحب اگر اپنے قصص اور نسلی حد کے جذبہ میں قدرے تخفیف و توازن پیدا کر کے طبری والبدایہ والنہایہ وغیرہ کتب تاریخ ہی کے صفحات میں حیران کا ماخذ بھی ہیں حسن بن خطبہ کے اس زمانے کی مشرور روایات اور خدشات کی تفسیر کا تہ ملاحظہ کر لیتے تو خود بخود جو دان پر واضح ہو جاتا کہ یہ بے پرکی لغو لچر کہانی کسی ایسے احمق نامہ نگار کی من گھڑت ہے جسے نہ امام صاحب سے ایسی موافقت

سے کوئی واقفیت تھی اور نہ تاریخی واقعات کا صحیح علم تھا۔ مودودی صاحب کا یہ فرمان کہ حسن بن قحطبہ امیر المؤمنین المنصور کا سپہ سالار اعظم تھا جسے حسنی باغیوں محمد الارقطہ و ابراہیم کی سزا دہی کے لئے بھیجا جا رہا تھا کذب محض ہے۔ وہ نہ سپہ سالار اعظم تھا نہ حسنی باغیوں کے مقابلے میں بھیجا جا رہا تھا اور نہ کوفہ میں اس وقت سے با بعد میں تھیم تھا۔ بلکہ جہاں اور بیسیوں فوجی سردار عباسی خلافت کے مختلف علاقوں میں انتظامی امور کی نگرانی، سرحدات کی حفاظت، دستوں اور سرکش باغیوں کی سرکوبی کے لئے متعین کر کے خدمات لائقہ بغایت وفاداری انجام دے رہے تھے حسن بن قحطبہ اور اس کا بھائی حمید بھی ان میں شامل تھے یہ دونوں بھائی بدوشعور سے خالی و ادہ عباسی کے معتقد اور اطاعت کیش تھے۔ ان کے والد قحطبہ بن شیبہ بن خالد بن سعدان التیمی بقول طبری خراسان کے ”بڑے مقتدر اور بارشعور شرفا“ میں سے تھے اور ان بارہ عباسی نقیبوں میں شامل تھے جو ۳۱۷ھ میں دعوت عباسیہ کے لئے خراسان میں مقرر ہوئے تھے ۳۱۷ھ میں یہ قحطبہ مع دو دیگر عباسی نقیبوں کے امام ابراہیم عباسی کی خدمت میں یہ اطلاع دینے حاضر ہوئے کہ خراسان میں آپ کی بیعت لے لی گئی ہے اور فوجی قوت بھی جمع ہو گئی نیز حسب روایت طبری اپنے امام کو یہ بھی بتایا کہ ہم آپ کے لئے بیس ہزار دینار، دو لاکھ درہم اور بہت سا سامان لیکر آئے ہیں۔۔۔۔۔ اس سال یہ لوگ ابو مسلم کو بھی ساتھ لائے تھے۔ ابن کثیر (عباسی نقیب) نے (ابو مسلم کے بارے میں) امام ابراہیم سے کہا یہ آپ کا مولیٰ ہے“ (طبری ج ۶ صفحہ ۴۷۲ اردو) حسنی باغیوں محمد الارقطہ و ابراہیم کے والد عبداللہ بن حسن منشی کو جیسا پکھیلے اور اراق میں تفصیلاً بیان ہوا اس واقعہ کا علم ہو کر ابراہیم امام عباسی پر کچھ ایسا رشک و حسد ہوا کہ اموی خلیفہ سے مجبزی کر کے انھیں گرفتار کر دیا لیکن ان کی گرفتاری اور غیر طبعی موت سے پہلے ہی یہ قحطبہ عباسی امام کا عطا کردہ جھنڈا لیکر خراسان پہنچ چکے اور اس کو لہرا چکے تھے چنانچہ اسی وقت

سے عباسی داعیوں اور ان کے ساتھیوں کا اموی فوجی قوت سے تصادم شروع ہو گیا تھا قحطبہ نے انتہائی وفاداری اور عقیدتمندانہ جوش و دلولے سے اپنی عمر کا بہترین حصہ یعنی پورے ۲۸ سال دعوت عباسیہ کے لئے صرف کئے تھے ۳۱۷ھ سے امیر المؤمنین عبداللہ السفاح کی بیعت خلافت ۳۲۰ھ سے چند دن پہلے دریائے فرات عبور کرتے وقت قحطبہ اپنی جان سے ہاتھ دھو کر غرق ہو گئے ان کے دونوں بیٹوں حسن و حمید کو ان کی اور ان کے باپ کی خدمات کے اعتراف اور صلہ میں اہم مناصب پر سرفراز کیا گیا۔

مودودی صاحب کی بیان کردہ اس مردودہ روایت کی قطعی تکذیب کے لئے حسن بن قحطبہ کی کوفہ سے ہزار آٹھ سو میل کے فاصلے اور بعد مقامات پر تعیناتی اس کی خدمات اور کارگزاریوں کا ذکر جو وہ آخر دم تک بغایت وفاداری و اطاعت شعار کرتا رہا اس موقع پر کیا جانا ضروری ہوا۔

حسن بن قحطبہ ۳۱۷ھ میں یعنی اس زمانے میں جب بقول مؤکفسین ”حیات الوحیفہ“ البرزہ وغیرہم امام ابو حنیفہ نے کوفہ میں مقیم ہو کر سلسلہ درس و تدریس شروع کیا تھا حسن بن قحطبہ علاقہ شام کے سرحدی مقام آرمینا میں تعینات تھا امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور کے حقیقی چچا عبداللہ بن علی السجاد نے دعویٰ خلافت سے مقام نصیبین پر جب پڑا وڈالا ان کے مقابلے کے لئے ابو مسلم کو حکم دیا گیا اور حسب روایت طبری اردو (ج ۶ صفحہ ۴۷۲)

”ابو جعفر (امیر المؤمنین) نے اس سے پہلے حسن بن قحطبہ کو جوان کی طرف سے آرمینا پر ان کا نائب تھا لکھ بھیجا تھا کہ وہ ابو مسلم سے آئے چنانچہ حسن بن قحطبہ ابو مسلم کے پاس آ گیا جو اس وقت موصل میں تھا۔۔۔۔۔ ابو مسلم کے مہینہ پر حسن بن قحطبہ تھا“

یہ واقعہ ۳۱۷ھ کا ہے۔ اسی سے مودودی صاحب کی اس غلط بیانی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ حسن بن قحطبہ سپہ سالار اعظم تھا اور کوفہ میں رہ کر امام ابو حنیفہ

کا رویدہ ہو چکا تھا۔ عبداللہ بن علی شکست پا کر عراق میں اپنے ایک بھائی کے پاس چلے آئے حسن بن قحطبہ اپنے مستقر کو لوٹ گیا لیکن ابو مسلم کے غدارانہ عزائم کا سہ جب علم ہوا۔ امیر المومنین کی وفاداری کے جذبے سے فاضل پیغامبر کے ذریعہ حسب ذیل پیغام امیر المومنین کے مصدق علیہ کو بھیجا گیا:-

”جب سے میں ابو مسلم کے پاس آیا ہوں مجھے اس کی وفاداری میں شبہ پیدا ہو گیا ہے جب کبھی امیر المومنین کا خط اس کے پاس آتا ہے وہ اسے پڑھ کر اپنا منہ بنا لیتا ہے اور پھر اسے دیکھنے کے لئے ابو نصر کو دیدیتا ہے اور وہ دونوں استزاء اس خط کو پڑھ کر بہنتے ہیں (ایضاً ص ۱۷۷)

امیر المومنین کو یہ سب کچھ پہلے ہی معلوم تھا اس اطلاع کے بعد انھوں نے ابو مسلم کا خاتمہ کر دیا۔ حسن بن قحطبہ بدستور علاقہ شام کی سرحدات کے تحفظ کے لئے اور تیس برس سے زیادہ عرصہ تک رومی عیسائیوں کے حملوں کی مدافعت میں جان اڑاتا اور عباسی مجاہدین کی جہاد میں خدمات لائقہ انجام دیتا رہا۔ ۱۱۳ھ میں عیسائی بادشاہ نے اس علاقے پر یکایک حملہ کر کے بعض مقامات مسمار کر دیئے تھے امیر المومنین کے چچا صالح بن علی عباسی نے رومیوں کے علاقے میں جہاد کی زبردست ہم بھیجی وہ اور ان کے بہتیجے عباس بن محمد بذات خود شریک جہاد تھے اس جہاد کی لاثانی خصوصیت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپنی خاندان کی دونو تین سپیدہ ام عیسیٰ و سیدہ لہوہ دختران حضرت علی السجادین حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی دشمنان دین کے خلاف اس جہاد میں اپنے بھائی اہلبیتوں کے ساتھ موجود تھیں اگلے سال ۱۱۳ھ میں اور بعض کے نزدیک ۱۱۳ھ میں ابراہیم امام کے فرزند عبد الوہاب عباسی نے حسن بن قحطبہ کی معیت میں رومی عیسائی علاقے میں جہاد کیا ابن جریر طبری کے علاوہ دیگر مورخین ابن کثیر نے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے: (سلا البدایہ ط ۱۷۷ ص ۱۷۷)

و ذکر بعضہم ان الحسن بن قحطبہ غزا الصائفة مع عبد الوہاب بن ابراہیم الامام سنة اربعین۔ موسم گرما میں بلاد روم کی جہادی مہم کو الصائفة کہتے تھے بادشاہ روم سے چونکہ فدیہ کا معاہدہ ہو گیا تھا جس کی رو سے امیر المومنین نے ان تمام مسلمانوں کو جو رومیوں کی قید میں تھے فدیہ دیکر رہا کر لیا تھا چند سال تک رومیوں کے خلاف صائفة کی مہم نہیں بھیجی گئی البتہ ۱۱۳ھ میں عباس بن محمد الامام عباسی نے بردایت ابن جریر طبری رومیوں کے علاقے میں موسم گرما کی مہم کے ساتھ جہاد کیا۔ ان کے ہمراہ حسن بن قحطبہ تھا (ص ۱۷۷) آج اردو کے مختلف سینیں میں عباسی مجاہدین کی معیت میں حسن بن قحطبہ بلاد روم میں جہادی مہمات کی خدمات انجام دیتا رہا۔ امیر المومنین محمد المہدی عباسی کے عہد میں جب رومیوں نے حدت پر دھاوا کر کے اس کی فیصل توڑ ڈالی بروایت ابن جریر طبری (ص ۱۷۷) آج اردو حسن بن قحطبہ نے تیس ہزار باقاعدہ سپاہ کے ساتھ موسم گرما میں جہاد کیا رضا کاروں کی جماعت اس تیس ہزار کے علاوہ تھی ابن خلدون نے کل فوج کی تعداد اسی ہزار لکھی ہے۔ ۱۱۳ھ میں امیر المومنین محمد المہدی عباسی بنفس نفیس مع فرزند لعیہد ہارون الرشید بلاد روم کی جہادی مہم پر روانہ ہوئے، ولیعہد ہارون الرشید نے حسن بن قحطبہ اور دوسرے

لہ ابن جریر طبری و دیگر مورخین ابن خلدون وغیر ہم نے لکھا ہے کہ اتنا سفر جب خلیفہ المہدی عباسی کا گذر اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے جاہر فرزند مسلمہ کے قصر کے مقابل ہوا ان کے چچا عباس بن علی السجاد نے جو ہمسفر تھے یہ واقعہ عباسی خلیفہ کو یاد دلایا کہ جب ان کے دادا محمد الامام عباسی اس نواح میں آئے تھے مسلمہ بن عبد الملک اموی نے ان کی ضیافت کی تھی اور چار ہزار دینار نذر رکھے تھے یہ سبھی عباسی خلیفہ نے مسلمہ کے بیٹوں کو اپنے سامنے بلا کر بیس ہزار دینار ان کو اور ان کے لواحقین کو مرحمت کئے اور ان کے لئے وظائف بھی مقرر (نوٹ بقیہ ص ۱۷۷ پر)

انفرد کی معیت میں رومی علاقے میں چند قلعے فتح کئے اور ایک بستی اپنے والد کے نام پر "المہدیہ" بسائی وکان فی ہذا الجیش المحسن بن قحطبه (البدایہ) دوسرے سال ۱۶۳ھ میں اور لاجن کے نزدیک ۱۶۵ھ میں ولیعہد یارون الرشید نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ بلاد روم میں جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ سعودی نے التنبیہ والاستراف (ص ۱۲) میں خلیج قسطنطنیہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ :-

وقد حاصر القسطنطنیہ فی اور اس خلیج کی جانب سے عہد اسلام  
الاسلام من ہذا الحدوۃ  
ثلاثۃ اہراء آباء و ہم ملوک و  
خلقاء او لہم ینرید بن معاویہ  
بن اینی سفیان والثانی مسلمۃ  
بن عبد الملک بن مروان والثالث  
ہارون الرشید بن المہدی۔ بن المہدی تھے۔

یہی مقصد کے علاوہ قسطنطنیہ کے محاصرے اور جہاد کی محرک رسول اللہ

(بقیہ نوٹ ص ۱۵) کردئے (طبری اردو ج ۲ ص ۴۹) ابن خلدون ج ۳ ص ۳۳) اسی طرح ۱۶۸ھ میں حبشیوں نے مدینہ میں فساد و لوٹ مار جب مچا رکھی تھی مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لئے ایک اموی نوجوان نے با آواز بلند کہا تھا میں الاضحیٰ بن سفیان بن عاصم بن عبدالعزیز بن مروان ہوں اور ابو جعفر (امیر المؤمنین) کی اطاعت کے ساتھ تم سب کو نماز پڑھانا ہوں (طبری ج ۲ ص ۲۵۳) مودودی صاحب دیکھیں کہ ان کا یہ بیان کس قدر خلافت واقعہ ہے کہ عباسیوں نے بنی امیہ کے ایک ایک بچے کو قتل کر ڈالا تھا سترہ انتہائی امویوں کے انقلاب کے مہنگا مد میں قتل ہو جانے سے ابو مخنف جیسے کذاب کی اس دروغ گوئی کو کیوں باور کر لیا گیا کہ امویوں کا بچہ بچہ قتل کر دیا گیا۔ لعنة اللہ علی الکا ذبین۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بشارت مغفرت کی ہے کہ آپ کی امت کا پہلا بیش جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے اس کے لئے مغفرت ہے صحیح بخاری کی اس حدیث بشارت مغفرت کی وجہ سے بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ سب سے اول جہاد امیر یریزید علیہ الرحمہ نے بمعیت جماعت صحابہ کرام کیا تھا جن میں حضرت ابو الیوب انصاری جیسے بزرگ صحابی و میزبان رسول اکرم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر کے علاوہ حسین بن علی بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ سیبیت زدہ ملائی ذہنیت کے چند اشخاص کی طرح کیا مودودی صاحب بھی اس حدیث بشارت مغفرت کے انطباق سے امیر یریزید علیہ الرحمہ کو خارج کرنے کی جسارت کر سکیں گے کیونکہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے امت مسلمہ کے جس لشکر نے جہاد کیا اس کے سردار اور سپہ سالار امیر یریزید بھی تھے اور اس امر کا اعتراف سعودی معتزلی شیعہ کو بھی ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے۔

ایام ولیعہدی کے علاوہ خود اپنی خلافت کے زمانے میں امیر المؤمنین ہارون الرشید نے آٹھ سال دشمن اسلام قوتوں سے جہاد کر کے اسلامی تمدن کے اعتباراً بڑھائے اور آٹھ ہی مرتبہ صلحا و دفعقا و علماء کی جماعتوں کی معیت میں وریضہ حج ادا کئے اور حجاج قافلوں کے آرام و آسائش کے لئے راستوں میں کثیر زقوم صرف کر کے ہر قسم کے انتظامات کئے، مدینہ میں روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے اور امام مالک سے موطا اور شریف کی سماعت کی۔ ان کے پوتے امیر المؤمنین المعتمد باللہ عباسی نے اپنے ایام خلافت میں رومی عیسائی قوت سے جہاد کئے، انقرہ و عموریہ شہر فتح کئے۔ انقرہ جس کو آج کل انگور کہا جاتا ہے۔ ان کے زمانے سے آج تک اسلامی مملکت میں شامل ہے اور ترکی سلطنت کا اہم مقام ہے۔

بہر حال یہ تو جملہ مضمرات تھیں، ذکر یہ تھا کہ اموی و عباسی عہد میں



خلیفہ وقت بذات خود یا ان کے عزیز فریب اور معتد سردار و منصبداران حکومت دشمنان دین کے خلاف جہادی جہات میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے اور ان زبردست تحریکوں کو نیست و نابود کرنے میں اپنی جانیں کھپاتے جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں

۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے بنو عبد مناف میں صرف اموی عباسی غازیوں اور مجاہدوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اور اس سے قبل کبھی دشمنان اسلام سے معرکہ اراکیوں اور جہادوں جو امتیازی شان حاصل کی وہ طالبیوں و علویوں وغیرہ کسی گھرانے کے اشخاص کو حاصل نہ ہوئی۔ غزوات نبوی میں بڑا سخت معرکہ حنین کا تھا کفار کی تیر بازی سے لوگ متفرق ہوتے گئے تھے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے علاوہ آپ کے اہلبیت میں سے آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ تھے جو آپ کی سواری کی ناکام پکڑے تھے ان ہی کی آواز پر لوگ پلٹ آئے تھے ان کے ساتھ ان کے بڑے بیٹے فضلؓ اور ان کے تین بھتیجے علیؓ بن ابی طالب و ابنا کے حارث بن عبد المطلب بھی تھے اسی غزوہ میں حضرت ابوسفیانؓ بھی رسول اللہ کے ساتھ تھے کفار کے تیرے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی حضرت معاویہؓ بھی کفار سے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ یہ رموک کے جہاد میں رسول اللہ صلعم کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابی العاصؓ نے مع اپنے والد ماجد کے شریک ہو کر جہاد شہادت نوش کیا تھا اسی جہاد میں حضرت ابوسفیانؓ نے دوسری آنکھ بھی نذر کی ان کے ساتھ دونوں بیٹوں حضرت یزیدؓ و حضرت معاویہؓ کے علاوہ سیدہ ہندہ و والدہ ماجدہ حضرت معاویہؓ اور ان کی بہن حضرت جویریہ بنت ابوسفیان مع اپنے ستوہر حضرت اسائب بن جلیق کے نہ صرف موجودہ تھیں بلکہ کفار سے نہر دار ما بھی ہوئیں۔ ان النساء قاتلن یوم یرموث (طبری) اسی طرح عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کے ان سب چچے بیٹوں نے جو آنکھوں کی چچی اور سالی سیدہ ام الفضلؓ کے بطن مطہر سے تھے دشمنان اسلام کے خلاف جہادوں میں اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۸ پر)

کے سیاسی اقتدار کو ختم کرنے کی غرض سے داخلی اور خارجی طور سے اٹھتی رہی تھیں خصوصاً رومی عیسائیوں کے جارحانہ اقدامات کے مقابلے میں۔ ان جہادوں میں باقاعدہ سپاہ کے ساتھ جسے المرتزقہ کہتے تھے رضا کاروں کی جماعتیں بھی شامل ہو کر تھیں المنتزقہ کہلاتی تھیں ۱۳۵ھ میں رومیوں سے جہاد کرنے کی جہم بن قحطبہ کے زیر کمان بھیجی گئی تھی اس میں باقاعدہ سپاہ کے علاوہ رضا کاروں کی جماعت بھی شامل تھی ابن کثیر لکھتے ہیں۔

(البیایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۵)

فیہا عن الصفاۃ الحسن بن قحطبہ اس سہ (۱۳۵ھ) میں حسن بن قحطبہ نے فی ثمانین الفامن المرتزقہ سوی اسٹی ہزار باقاعدہ سپاہ کے ساتھ موسم گرما المنتزقہ فذ صر السروم۔ میں جہاد کیا رضا کاروں کی جماعت اس سے علاوہ تھی ملک روم میں جا کر تباہی پجادی تھی

الغرض مندرجہ بالا تاریخی واقعات کی تفصیلات سے جو بغرض تو صحیح مطالب قدرے طرالت سے درج ہوئیں انہیں شمس ہے کہ امیر المومنین ابو جعفر المنصورؓ کے شروع زمانہ خلافت بالفاظ دیگر ۱۳۵ھ سے جب بقول مؤلفین مناقب النعمان امام ابوحنیفہؒ نے بغرض درس و تدریس کو ذہن قیام کیا تھا حسن بن قحطبہ خلافت عباسیہ کے ذمہ دار منصبدار کی حیثیت سے آرمینا جیسے دور دراز مقام پر متعین رہ کر امام صاحب

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۸) افریقہ و فلسطین و یمن و ترکستان وغیرہ اجید دور دراز ملکوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد سے جلادت و شجاعت کے کارنامے انجام دے کر اپنی جانیں نثار کیں ان چھ حقیقی بھائیوں میں کسی بھی دو بھائیوں کے مدفن ایک بلکہ میں نہیں ہیں کسی کا مزار ترقی میں ہے تو کسی کی قبر افریقہ میں کوئی طائف میں مشرق وسطیٰ میں کوئی طائف میں کوئی طائف میں کوئی قبر یمن میں ہے تو کسی کا مرقہ مصر میں۔ ایسی کوئی مثال کسی علوی و قریشی فائدہ میں حقیقی بھائیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی ان ہی بھائیوں کے اخلاف نے اپنے زمانہ سیاسی اقتدار میں اسی جذبہ ایثار کو اسلام کی سر بلندی اور کفار و دشمنان اسلام کے حملوں اور ریشہ دوانیوں کے ناکام کرنے کو قائم رکھا تھا جسے موذی و صابغ کی سیاست زدہ ذہنیت ملک گیری کی حرص و آرزو سے متہم کرتی ہے۔

کئی وفات کے ساہا سال بعد تک دشمن اسلام قوتوں سے نبرد آزما رہا تھا اور رومی و  
 بزنطینی بادشاہوں کی ان کوششوں کو ناکام بنانے میں سرکاری فوج اور رضا کار  
 غازیوں کی محبت میں اپنی جان کھپا رہا تھا چونکہ یہی وہ زبردست دشمن اسلام قوتیں  
 تھیں جو ناکام و پسپا ہونے کے باوجود بھی چند صدیوں بعد اسلام دشمنی میں صلیبی  
 جنگوں کی صورت میں نمودار ہوئیں جنہیں بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے  
 باقتال امر خلیفہ عباسی ناکام کیا تو ان حالات اور واقعات کی موجودگی میں یہ غازی  
 و غازیہ منصبدار خلافت عباسیہ حسن بن قحطیہ جیسے مودودی صاحب عامیانہ لہجے  
 میں ”منصور کا نوکر“ کہتے ہیں اپنے بغایت اہم فرائض غزوات جہاد کو دیکھتے ترک  
 کر کے کس غرض سے اس زمانے میں کوئے آجاتا جب نہ امام صاحب کو کوئی امتیازی درجہ  
 حاصل تھا اور نہ ان کی پیری مریدی کا کوئی سلسلہ تھا اور بغرض محال وہ کو ذہ آ گیا تھا  
 تو ”وہ کو ذہ نے میں رہ کر امام ابوحنیفہ گرویدہ“ ایسا کیسے ہو گیا کہ اپنی خدمات کی انجام  
 دہی میں امام صاحب سے فتویٰ لینے پر مجبور ہو بھلا وہ کیا گناہ تھے جن کی اس نے امام  
 صاحب کے ہاتھوں پر توبہ کی تھی۔ کیا مودودی صاحب یہ کہنے کی جسارت کر سکیں گے کہ  
 بلاد روم میں موسم گرما جن جہادی مہمات میں حسن بن قحطیہ کی شرکت ہوئی تھی وہ گناہ ظلم ہستم  
 تھے صفحات کتب تاریخ سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بتایا جا سکتا ہے جس میں قحطیہ کو جسے  
 مودودی صاحب امیر المؤمنین کا بڑا معتمد علیہ اور سپہ سالار اعظم کہتے ہیں کسی بے گناہ کے قتل  
 کرنے پر مامور کیا گیا ہو مودودی صاحب نے اس لغو و پھر کذب بیانی کو دہراتے وقت کہ حسی  
 باغیوں محمد الارقط و ابراہیم کی تادیبی مہم پر جانے سے جن کی کوئی بڑی حربی اہمیت نہ تھی  
 انکار کرنے پر حسن بن قحطیہ کو قید و بند کی سزا ملی تھی اپنی کتب ماخذ کے صفحات پر کیوں نہ نظر  
 ڈال لی جن میں حسن بن قحطیہ کی ان خدمات جلید کی تفصیلات موجود ہیں جو اس نے ان  
 بغاوتوں کے ایام میں اپنے سنسقر برقعناں رہ کر اور اس کے بعد بھی اسی وفاداری سے  
 انجام دی تھیں جس وفاداری سے امیر المؤمنین کے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کو جو اس کے  
 علاقے کے لڑاچ میں کی گئی تھی ناکام بنانے میں مدد دی تھی اور اسی وفاداری کے جذبے میں اس  
 نے ابوسلمہ کے عدلاراد عراک سے خاص اہلی کے ذریعہ امیر المؤمنین کو مطلع کیا تھا اور چند ہی  
 دن میں ابوسلمہ اپنے کھوکھرو دار کو پہنچ گیا تھا امام ابوحنیفہ کی آڑ لیکر اور ان پر باغیوں کی  
 حمایت میں عمال حکومت کو حکم عدویٰ پرامادہ کرنے کا اہتمام مقویہ کے لئے مودودی  
 صاحب کا اس نغور و این کو آب و تاب سے بیان کرنا ظاہر ہے کہ نسلی تعصب کے گھٹا جذبے کے  
 علاوہ کسی سیاسی مقصد کے خاطر تھی لہذا وہ کے پانچہ ذہن میں غلط نظریات کی تحم ریزی کا اقدام  
 کرنا ہو سکتا ہے۔

**مذہب کی اشاعت** ایک خیالی مرتفع مودودی صاحب نے تیار کیا ہے جس سے ظاہر  
 کرنا چاہا ہے کہ علماء و فقہاء اسلام اور خلافت قائمہ کے مابین  
 عدم تعاون تھا، اور اس سلسلے میں انھوں نے رکیک ترین باتیں بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا  
 حتیٰ کہ خلفاء اسلام کے بارے میں سیٹیوں اور قرعہ بازوں کی افترا و پروازوں کو حجت سمجھا اور نیناد  
 القاسمہ بنی القاسم کے تحت کجی قلب کے مظاہر سے کتاب بھردی۔ وہ احکام خداوندی اور ارشاد  
 نبویہ پر اگر نگاہ رکھتے اور انھیں حجت سمجھتے تو نہ خلفاء کرام پر بہتان باندھتے اور نہ ان کے دین کے  
 بارے میں تلبیس و افترا کی جرأت کرتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے ارشادات  
 ہیں جن کے تحت ہر مومن پر قرآن کیا گیا ہے کہ وہ حکومت قائمہ کے ساتھ پورا پورا اتفاقا و ان کرے اور  
 ہر حال میں اپنے آپ کو جماعت سے وابستہ رکھے جیسا کہ کچھ اور اق میں متعدد احادیث ہم  
 کہتے ہیں۔

یہاں ہم ایک اور ارشاد نبوی پر توجہ کرتے ہیں اور یہ ارشاد اس زمانہ کیسے ہے جب  
 مسلمانوں میں افتراق ہو اور قسم قسم کے فرقہ باز لوگ اپنی نظری بدعات اور عملی فتنوں سے امت  
 میں انتشار پیدا کر رہے ہوں، اس وقت نجات کی راہ صرف ایک متعین کردی گئی ہے یعنی تلذذ  
 جماعت المسلمین و اما مہمہ ر مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ  
 رہنا، (صحیح بخاری کتاب الفتن باب کیف الاہم اذا الہ تکن جماعت) اسی صورت  
 میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ علماء و فقہاء امت خلیفہ وقت کے ساتھ پورا پورا تعاون نہ کریں اور  
 مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی کی تنظیم میں حکومت قائمہ کا ساتھ نہ دیں۔ صفحات کثرت  
 سے یہ اچھی طرح ثابت کیا جا چکا۔

اب ہم مودودی صاحب کے اس خیالی بیان کی تفسیح کرنے ہیں جو مذہب کی ترویج  
 کے سلسلے میں انھوں نے دیا ہے تفصیل اس کی منصب رسالت نمبر میں ہے (ص ۲۸۲) اور  
 خلافت و ملکیت میں اسکی طرف بھی اشارے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

انھوں نے یعنی امام ابوحنیفہ نے کسی سیاسی طاقت اور کسی آئینی حیثیت کے  
 بغیر اپنے ترمیم کردہ شاگردوں کی ایک غیر سرکاری مجلس قانون ساز بنائی

PRIVATE LEGIS LATIURE بتا ہے۔ اس میں قرآن کے احکام کی تعبیر و مستویں کی تحقیق، سلف کے اجماعی فیصلوں کی تلاش و جستجو صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے فتاویٰ کی جانچ پڑتال اور معاملات و مسائل پر اصول شریعت کی تطبیق کا کام بڑے وسیع پیمانے پر کیا، اور چھبیس تیس سال کی مدت میں اسلام کا پورا قانون مدون کر کے رکھ دیا۔ یہ قانون کبھی بادشاہ کی رضا سے مدون نہیں کیا گیا تھا۔ کوئی طاقت اس کی پشت پر نہ تھی جس کے زور سے یہ نافذ ہوتا لیکن چپاس برس بھی نہ گزرے تھے کہ یہ سلطنت عباسیہ کا قانون بن گیا۔

یہ بیان از سر تا پای غلط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کو عباسی دور میں صرف اٹھارہ برس ملے تھے اس پہلے کا زمانہ انھوں نے قدامت اور ہم عصر المذہب کے مہتمم پر صرف تعلیم و تعلیم میں گزارا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا کہ تدریس قانون یا تالیف کتاب کا اس وقت رواج نہ تھا جس طرح دوسرے علماء کے حلقوں میں مسائل کی تفتیح کی جاتی تھی اور مذاہب منقح ہوئے تھے ایسا ہی کام ان کے ہاں بھی تھا۔ اگر دوسرے المذہب کی تفہیمات کو تدریس نہیں کہا جاسکتا تو امام حنیفہ کے درس کو بھی یہ معنی نہیں دئے جاسکتے، چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ فقہ پر امام صاحب کی اتنی کوئی تصنیف نہیں، ان کی آرا کا علم ان کے تلمیذ اہل بیت شاگردوں کی تصنیفات میں ملتا ہے ان اٹھارہ برسوں میں آخری پانچ سال تعمیر دارالسلام کے سلسلے میں انھوں نے بغداد میں گزارے اور خود مودودی صاحب نے بھی صراحتاً یہ لکھا ہے (ص ۲۲۴) جب ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں رخصت ہوئے انصاری نے بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا تو ابو حنیفہؒ ہی کو اس کی نگرانی پر مقرر کیا اور چار ساتھی تک وہ اس کام کے نگران اعلیٰ رہے۔ ان میں آخری تین سالوں میں ہمیں ملتا ہے کہ انھوں نے اپنے سب سے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ کو مدینہ کی کتابوں کا املا کر دیا لیکن اس منصب و مدون شکل میں نہیں جیسے امام صاحب کی تالیف کہہ سکیں۔ بالفاظ دیگر یہ ان کے شاگرد ہیں جنھوں نے مناصب حکومت پر فائز ہو کر ان کی آرا پر اپنی کتابیں مدون کیں اور دوسرے فقہی مذاہب کے استفادہ کے اس طرح ان کو مرتب کیا کہ وہ خود ان کی

مستقل کتابیں ہیں نہ کہ امام صاحب کی۔

مودودی صاحب کے نزدیک امیر المؤمنین المنصورؒ جیسے عالم و فاضل خلیفہ کی پر حیثیت نہ تھی کہ اپنی نگرانی میں وہ اگر قانون اسلام مدون کرتے تو ان کی "بادشاہی" کے زمانے کے بعد قائم نہ ہوتا۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ مؤطاہ اسلام کی پہلی تصنیف ہے۔ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ

"تاریخ کے علماء بیان کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مؤطاہ جمع کرنا ابو جعفر المنصورؒ

کے کہنے پر یعنی تھا ہذا لوگ کہتے ہیں ابو جعفر منصورؒ نے کہا لوگوں کے لئے کتاب

بنائیے کہ میں انھیں اس مسلک پر چلاؤں ایک روایت ہے کہ ابو جعفر نے

کہا اے عبداللہ اس علم کو ملائے اور کتاب بنائیے اس میں عبداللہ بن

عمر کے شہداء سے احتیاط کیجئے اور ابن عباس کی سستی باتوں سے بچئے

اور ابن مسعود کے شواہد کا خیال رکھئے۔ اس میں اوسط امور درج کیجئے اور

وہ باتیں جن پر صحابہ کا اجماع ہے درج کیجئے (حیات امام مالک ابو زہرہ ص ۲۳۴)

ابن خلدون نے امیر المؤمنین کے مشورے کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے

کہا تھا فواللہ لقد علمنی التصنیف یومئذ یعنی قسم بخدا ابو جعفر المنصورؒ نے

مجھے اسی وقت تصنیف کتاب کا طریقہ سچھا دیا

جب تک مؤطاہ شریف دنیا میں موجود ہے۔ اس وقت تک چار دانگ عالم میں علما

ہوتارہے گا کہ اسلامی نظام قانون میں نہ کبھی خلا پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ نیز یہ کہ اموی

خلفاء اپنے پیش رو خلفاء کے صحیح جانشین تھے۔ امت ان کی قیادت پر اسی طرح اعتماد کرتی تھی

جیسے ان سے پہلے خلفاء کی قیادت پر پھر عباسی خلافت نے فکر و نظر کا وہ ارتقار قائم رکھا

اور امت کی صحیح رہنمائی کی۔ ان کے بعد یہ فرض ترک خلافت نے با حسن الوجہ انجام دیا۔

اور اسی حقیقی فقہ پر مدار رکھا۔ جس کی تدریس عباسی خلفاء کے ایما سے اور ان کی سرپرستی میں

ہوئی تھی و فی ظل الخلافۃ البعد ادبنا اولیٰ ضبط الفقہ و دوندت

احکامہ مقدمہ کتاب المعارف ابن قیمیہ (یعنی شروع عہد خلافت بغداد میں اور اس کی

سرپرستی میں فقہ اسلامی منضبط ہوئی اور اس کے احکام مدون ہوئے۔) رہیں غلطیاں اور

فرز گزاشتہیں تو وہ کب نہیں ہوتیں اور کس سے نہیں ہوتیں۔ واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ امیر المؤمنین المنصور نے فقہ اسلامی کی تدریس کی جو طرح ڈالی تھی اسی پر ایک تقریب تعمیر کر لیا گیا اور ان کے جانشینوں نے اس تقریب کی آرائش و زیبائش اور بقا کا تمام سامان ہیا کر دیا۔ کوئی سلیم العقل شخص تسلیم نہیں کر سکتا کہ جس فقہی نظام کی پشت پر منظم سیاسی طاقت ہو وہ دنیا میں باقی رہ سکتا ہے۔

## قیادت کی تقسیم

فرماتے ہیں (خلافت و ملوکیت ص ۲۰۲) اس طرح پہلی صدی ہجری کے وسط سے ہی دینی قیادت کا راستہ سیاسی قیادت کے رستے سے الگ ہو چکا تھا۔ علماء امت نے تفسیر حدیث فقہ اور دوسرے علوم دینیہ کی تدریس اور درس و افتاء کا جتنی کام کیا، حکومت سے آزاد رہ کر اس کی مدد کے بغیر بلکہ بارہا اس کی مزاحمت کے باوجود اور کئی بے جا مداخلتوں کا سخت مقابلہ کرتے ہوئے کیا... سلاطین نے زیادہ تر یہ مدت انجام دی کہ ممالک فتح کر کے گردوں السانوں کو اسلام کے دائرہ اثر میں لے آئے ہیں۔ اس کے بعد ان گردوں کا دائرہ ایمان میں داخل ہو جانا یاد ہونا کی سیاست کا نہیں بلکہ صاحبین امت کے پائیزہ کردار کا شکر تھا۔

ان صاحب کو اگر تاریخ کا صحیح علم ہوتا یا مصنوع خاص سے واقعات کو سمجھ کر کے پیش کرنا مد نظر نہ ہوتا تو ایسی لغویات نہ کہتے۔ خلفاء اسلام اور ان کے دامن سے وابستہ امراء و سلاطین کرام جو اسلام کی نمایندگی کرتے تھے انھوں نے کبھی کسی ملک پر جارحانہ حملہ نہیں کیا اور نہ فتح ممالک کسی شہنشاہی، استبداد کے تحت ہوئی، ہمیشہ سیاب پیدا ہوئے اور کفار کی تخریبی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو تواراٹھانی پڑی۔ تیمور جیسے لوگ جنھیں کبھی اسلام کا نمایندہ نہیں سمجھا گیا خارج از بحث ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے جب کبھی کسی ملک کے خلاف ابتدائی چند صدیوں کے مسلمانوں نے تواراٹھانی اور اسے زیر کیا تو فاتح فوج کے ساتھ ہمیشہ علماء اور مبلغوں کی ایک جماعت ہوتی تھی امراء کی معیت میں جو اکثر و بیشتر عالم و فاضل ہوتے تھے مبلغ جماعت نے مل جل کر حکومتوں و علاقوں

کو دارالاسلام بنایا اور تبلیغ و اشاعت علوم کے فرض کی انجام دہی میں لگ گئے، ان میں کوئی اور معاشرت نہ تھی بلکہ سب کے سب اللہ کی رضا کیلئے تقسیم کار کے اصول کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان میں باہمی پورا تعاون تھا اور قواعد شرعیہ کے تحت یہ ممکن تھا کہ یہ ایک دوسرے کے حریف ہوں۔

کیا موردی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین الولید اموی جیسے یگانہ روزگار امام نے کفار کے علاقوں پر بے سبب چڑھائی کر دی اور محض فتح ممالک کیلئے اپنی فوجیں روانہ کیں اور کیا ان کے امراء دین اسلام سے ایسے بے بہرہ تھے کہ وہ جارحانہ اقدام کو جاننے سمجھیں۔ امیر موہبی بن نصیر فاتح ہسپانیہ، امیر قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان اور امیر محمد بن قاسم فاتح سندھ یوں ہی ان علاقوں پر چڑھ دوڑے تھے؟ اور کیا موردی صاحب کو یہ ہمت ہے کہ اسلام کے ان عظیم المرتبت خادموں اور غازیوں کو جو کیا رتا بعین میں ہیں تو اعدا دین اور نکات شریعت سے جاہل قرار دیں؟ اپنے تعصب میں وہ اگر تھوڑا سا بھی اعتدال پیدا کر لیں تو ان بزرگوں کی علمی اور روحانی برتری ظاہر ہو جائے۔ پھر یہ کہنا کیسے جائز ہو گا کہ انھوں نے صرف ممالک فتح کر کے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام تو کر دیا لیکن دلوں میں ایمان کا نور پیدا کرنے کے یہاں نہ تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان غازی محمود غزنوی مبلغ علماء میں نہیں یا سلطان غازی نور الدین زنگی یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبی رحمہم اللہ محض فاتح تھے اور نور محمدی کے حامل نہ تھے۔ ہمارے تملقار و امراء و سلاطین کرام میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص معیار سے گرا ہوا ملے گا۔ ورنہ عام طور پر وہ اصحاب اصحاب علم و فضل اور اہل تقویٰ و طہارت ہی نظر آئیں گے

الجوہر المصنوع فی طبقات الحنفیہ میں یہ تصریح ہے کہ سلطان محمود غزنوی اتنے بڑے نقیہ تھے کہ بے شمار مسائل کی انھوں نے تفریح کی ہے اور یہی حال دوسرے بزرگوں کا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ پاکستان میں سلطنت کر بھی آدمی دیکھ سکتا ہے کہ امیر محمد بن قاسم کو یہاں کے ہندوؤں نے دیوتا سمجھ لیا تھا۔

ایک اور عجیب بات انھوں نے ہی (ص ۲۳۸) کہ امیر المؤمنین المنصور کے فیصلے ابو بکر

دوسرے کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ اور کس کے فیصلے ابو بکر و عمر کے فیصلے بن سکے؟ حضرت علیؑ کے فیصلے جیسا ابو بکر و عمر کے فیصلے نہ بن سکے تو کسی اور کے کیسا بنے۔ وہ خود ان کا ابداع کرتے تھے اور اس میں اپنی سعادت جانتے تھے۔ یہاں تصفویٰ یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے سب صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ محبت ہیں لیکن جب باقاعدہ دروین کی تدوین کی جائے اور انھیں کتابی صورت میں لایا جائے تو پھر منہاج دہی ہو گا جو حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ کا تھا کہ کتاب سنت کے بعد فتاویٰ مہدی و فتاویٰ دینار و قتی پر نظر ڈالی جائے۔ پھر اختلاف صحابہ کی صورت میں اپنے اجتہاد سے کسی کو کسی پر ترجیح دی جائے نیز کہ اجماع صحابہ کو دائمی حجت سمجھا جائے۔ اس میں کسی خلیفہ کا استنثار نہیں ہوئے اس کے اجتہادات کو نظر شرعی کی حیثیت میں کتابوں میں درج کیا جائے جیسا کہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے کیا۔

موردی صاحب نے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کے سلسلے میں یہ چوٹی کی پوری (۲۸۷) بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انھوں نے نظر ثانی ہے تو وہ انصوری یا المہدی نہیں بلکہ نبی امیر کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ سلطنت عباسیہ کا یہ آئین سلطنت مرتب کرتے وقت انھوں نے (عمر بن عبدالعزیز کے ڈھائی سال مستثنیٰ کر کے) حضرت علیؑ کی وفات سے لے کر ہارون الرشید کے زمانے تک تقریباً ۱۲۲ سال کی حکومت کے پورے رواج و تعامل کو نظر انداز کر دیا۔ یہ کام اگر کسی حق گو فقہ نے محض وعظ و نصیحت کے طور پر بالکل غیر سرکاری حیثیت میں کیا ہوتا۔ تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بہت بڑی اہمیت ہو جاتی ہے کہ اسے ایک حقیقی حیثیت اور ذریعہ قانون نے اپنی پوری سرکاری حیثیت میں خلیفہ وقت کی سرپرکھ ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا۔

یہ بات آدمی اسی وقت کہہ سکتا ہے جب اس کے سامنے ائمہ دین کی تحریریں نہ ہوں امام ابو یوسف کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے بعد کا تمام زمانہ نظر انداز کر دیا صرف اس

مقصد کے تحت ہو سکتا ہے جو وہ یہ ثابت کرنے پر تھے ہوئے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امت کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی گئی۔ لیکن جس شخص کو اکابر امت کی تحریریں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے اور امت کی تلاح پر وہ نظر رکھتا ہے اس کے قلم سے یہ لغوبات نہیں نکل سکتی۔ بالفرض اگر امام ابو یوسفؒ کی نیت یہی تھی کہ خلفائے پیشین کے تعامل کو بطور حجت پیش نہ کریں تو اس سے نفس مستد پر کیا اثر پڑتا ہے یہ ایک مفکر کا عمل ہو گا۔ انھوں نے اگر یہ ذکر نہیں کیا تو ہمارے دوسرے ائمہ نے یہ کمی پوری کر دی۔

موردی صاحب یا ان جیسے لوگ امام مالکؒ کے متعلق کیا کہیں گے، جنھوں نے حضرت معاویہؓ حضرت مروانؓ اور حضرت عبدالملکؒ کا تعامل سوطار شریف میں درج کیلئے اور امام بخاریؒ کو کیا کہیں گے، نیز امام مسلمؒ کو جن کے درج کردہ امور کی طرف ہم پچھلے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔ پھر میں امام شافعیؒ جنھوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الاحم میں دیوان ردائی کے سلسلے میں امیر المؤمنین معاویہؓ اور امیر المؤمنین المہدی عباسیؒ کا تعامل بطور نظیر شرعی درج فرمایا ہے (ج ۳ ص ۱۵۸ طبع مہر مکتبہ الازہریہ) اور سب سے بڑھ کر امام احمد بن حنبل کے متعلق یہاں رکھیں گے جنھوں نے کتاب الزہد میں امیر المؤمنین زید بن معاویہ کے طریقہ کار کو زہاد امت کیلئے ایک نمونہ بتایا ہے (قاضی ابوبکر بن العربی العواہم من القوام ص ۱۸۸) صحیح بات یہ ہے کہ جو موضوع زیر بحث ہو اس کے متعلق حسب ضرورت دلائل لائے جلتے ہیں اور جب تعامل میں اختلاف ہو تب یہ تفصیل ضروری ہوتی ہے کہ فلاں کا موقف یہ تھا اور فلاں کا یہ۔ لیکن جب اختلاف نہ ہو تو اس تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے یہ سمجھنا کہ جن کا ذکر ہے ان کے علاوہ باقی سب کو نظر انداز کر دیا گیا، ایک لایعنی بات ہوگی۔

اور اگر اسی طرح موردی صاحب کی منطق چلائی جاے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صحابہ میں جو سینکڑوں صحابہ کے موافق بیان نہیں کئے گئے اور صرف کچھ صحابہ کے انکار و اقوال و اعمال سے استناد کیا گیا ہے تو گویا ان سینکڑوں صحابہ کی ہستیوں پر خط نوح پھیر دیا گیا۔ کیا کوئی عالم و فقیہ ایسی لچر بات کہہ سکتا ہے؟

سیدھی بات ہے کہ عزت عام میں جسے حنفی مذہب کہا جاتا ہے اس کی تدریس خلفاء اسلام کے اقصاء سے خلافت عباسیہ کی سرپرستی میں کی گئی اور اس کی اشاعت و مقبولیت کا راز بھی یہی ہے کہ تمام مملکت عباسیہ کا عدلیہ اسی مذہب کے مطابق منظم کیا گیا۔ محمد بن ہشام نے "حیات ابوحنیفہ" میں تحت عنوان "حنفی مذہب کا شروع اور اشاعت عام" لکھے ہیں۔

"جہاں جہاں عباسی خلافت کا تسلط غالب رہا وہاں حنفی فقہ کو بھی فروغ حاصل ہوا، اور جہاں عباسی اثر و نفوذ میں کمی آتی گئی حنفی فقہ بھی ماند پڑ گئی، عراق کے گرد و نواح میں عباسی تسلط بڑے زور و زور پر تھا مشرقی ممالک میں بھی عباسیوں کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا جب سیاسی اثر و نفوذ میں کمی واقع ہوئی اس کی جگہ ذہنی عزت و وقار نے لے لی ان دونوں قسم کے حالات میں عباسیوں کا ایسا رعب و داب تھا جس سے حنفی مذہب مستفید ہوا۔ چنانچہ عباسی خلفاء اس کی پشت پناہی کرتے تھے۔

بہا مصر تو یہ حلیفہ مہدی عباسی کے عہد خلافت میں حنفی فقہ سے روشناس ہوا... جب تک عباسی خلفاء مصر پر قابض رہے وہاں حنفی فقہ غالب رہا مگر عبیدی ملاحضہ کی حکومت میں فقہ حنفی کو مصر میں اسی بغض و عناد سے خلفاء عباسی کی بنا پر سرکاری حیثیت حاصل نہ ہو سکی اور ہوئی تو اس وقت جب سلطان عسائی صلاح الدین ایوبی نے نام نہاد فاطمیہ کو ختم کر کے پرچم عباسی دیا مصر میں اہل اہل ہوا۔

**دوسرے مذاہب** | بڑی حد تک اپنی کتاب میں امام مالک کا جس طرح استخفاف کیا ہے اس کی تنقید تو کر چکی۔ یہاں ہم منصب رسالت تمیر سے

ان کی ایک اور خوبی پر توجہ دینا چاہیے کہ وہ متوجہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں (حاشیہ ص ۲۸۴) امام ابوحنیفہ کے بعد تدریس قانون اسلامی کا دوسرا کارنامہ امام مالک نے انجام دیا اور وہ بھی محض اپنی اخلاقی طاقت کے زور سے اندلس اور شمالی افریقہ کی مسلم ریاستوں کا قانون بن گیا۔ پھر امام شافعی اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل نے خالص غیر سرکاری حیثیت میں قوانین اسلامی کی تدریس کی اور یہ

دونوں بھی محض عام مسلمانوں کی رضا سے متعدد ریاستوں کے قوانین قرار پائے جو شخص حقائق سے آنکھیں بند کر لے وہ ہی یہ بیان نہ سکتا ہے۔ تا نظرین ملا کر لیا ہو گا کہ مؤطا شریف کی تالیف امیر المؤمنین المنصور کو فرمان کے تحت کی گئی پھر چار عباسی خلفاء نے خود امام مالک سے اس کی سماعت کی یعنی امیر المؤمنین مہدی، امیر المؤمنین ہارون الرشید، امیر المؤمنین محمد الرشید اور امیر المؤمنین عبدالرشید المأمون۔ امیر المؤمنین ہارون الرشید نے جس نسخے سے سماعت کی تھی وہ مصر کے خزائن میں محفوظ تھا سلطان صلاح الدین ایوبی کو جب اس کا پتہ چلا تو انھوں نے بھی اس کی سماعت کے لئے مصر کا سفر کیا، علامہ سیوطی کہتے ہیں تاریخ الخلفاء طبع مصر) وقال القاضي الفاضل في بعض رسائله ما اعلم ان لملك رحلة قط في طلب العلم الا الرشيد فاجل رجل بولديه الامين والمأمون نسى اصل الموطاء على مالک رحمہ اللہ قال وكان اصل الموطاء بسماع الرشيد في خزانة المصريين قال ثم رحل لسماعه السلطان صلاح الدين بن ايوب الی الاسكندرية فسمع على ابن ظاهرا بن عوف ولا اعلم لهما ثالثاً

کیا اس صورت حال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلافت عباسیہ میں مؤطا شریف کی سرکاری حیثیت کیا تھی۔ جب بھی عہود ہی یہ مؤطا لے کر مغرب میں تشریف لے گئے اور اسے وہاں کی اموی حکومت میں مقبولیت حاصل ہوئی تب مالکی مذہب ان علاقوں میں پھیلنا۔ اسی سے یہ بھی اندازہ ہو گا کہ جماعت المسلمین میں دین کا کوئی اختلاف نہ تھا اور وہ روحانی معاملات

میں کسی یا سیاسی چشمک کو حاصل نہیں ہونے دیتے تھے۔ مشرق کے عباسی ہوں یا مغرب کے اموی سب ایک دین اور ایک طرز زندگی کے پابند تھے۔ جس طرح عباسیوں نے موطا شریف میں امیر المؤمنین مروان اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کو دین کے بارے میں حجت سمجھا اسی طرح مغرب کے اموی امراء اور بعد میں خلفائے اس کا خیال نہیں کیا کہ موطا شریف کی تدوین عباسی امام کے اہتمام سے ہوئی ہے۔ یہ شعائر اہل باطل کلمہ ہے وہ فرقہ وارانہ تصورات کے تحت دین کو کٹے کٹے پر ہمیشہ مصر رہتے ہیں۔

امام شافعی، امام احمد کے مذہبوں کی اشاعت بھی اسی وقت ممکن ہوئی کہ عباسی خلفاء نے ان کی سرکاری حیثیت تسلیم کی۔ امیر المؤمنین القادر بالله عباسی فقہ شافعی کے ائمہ میں ہیں۔ اور امیر المؤمنین المستقر بالله عباسی بھی جو عمدة الدین والدین کہلاتے تھے اور ان کے اسی لقب کی مناسبت سے امام ابو بکر الشافعی نے اپنی کتاب العمدۃ لکھی [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۱ طبع مصر] پھر امام شافعی بھی امیر المؤمنین ہارون الرشید کے قاضی تھے اور ان کے ساتھ انھیں گہرا ربط تھا اور ان کے جلال علم کے سبب بارگاہ خلافت سے ان پر العام واکرام کی بارش ہوتی تھی۔

امام احمدی شافعی بھی اس وقت ابھری جب امیر المؤمنین جعفر المتوکل علی اللہ عباسی کے ساتھ ان کا ربط بڑھا۔ اور ان کی عظمت کو چار چاند لگے۔ یہ سب کچھ ان کی علمی جلاست اور علوم مرتبہ کی بنا پر ہوا۔ سیاست کو اس میں مطلقاً کچھ دخل نہ تھا اور نہ کبھی ہوا۔ اپنی فضل کی فضیلت اپنی فضل ہی جلتے ہیں۔ اسی طرح امیر المؤمنین الناصر بن علی، امیر المؤمنین المستضیٰ باللہ وغیرہما جنہی المذہب تھے۔

**جعفری اور زیدی مذہب** مودودی صاحب کہتے ہیں تفصیلاً کہ یہ مذہبوں کا تعلق ہے (۲۸)

اشخاص نے پراپیٹری حیثیت میں مرتب کی ہیں۔ اور وہ بھی صرف افلاکی طاقت سے شیعہ ریاستوں کا قانون نہیں۔

اس بیان میں صداقت کا شائبہ بھی نہیں، زیدی مذہب اس وقت مدون ہوا جب

بلاد عرب میں زیدیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور وہاں کے حاکم حسن الاطرش و قیرہ اس حکومت کے امام کہلائے اور علم قرار دے گئے۔

یہ خلافت اس کے جسے فقہ جعفری کہا گیا ہے تو اسے صدیوں بعد مدون کیا گیا، تیسری صدی کے آخر میں کلینی نے مجرد سندوں کے ساتھ الکافی مرتب کی۔ اور یہ زمانہ آن بوشیعی امراء کے عروج میں آنے سے کچھ سال پہلے کا ہے۔ پھر بھی باقاعدہ فقہی مذہب کی حیثیت سے جعفری فقہ کا نام اس وقت سے سننے میں آتا ہے جب ایران میں صفوی حکومت قائم ہو گئی اور اس مذہب پر کتا میں لکھی جاتے لگیں۔

تاریخ اسلام میں صرف دو مذہب ہیں جو باطل بنیادوں پر مدون کئے گئے اور زید شمشیر ہزاروں علماء و فقہاء اور لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیتے پیرانج ہو سکے، ایک عبیدی فاطمیوں کا اور دوسرا یہ جعفری مذہب جس کے وجود سے عالم اسلام صفویوں کے پہلے تباہ ہوا تھا۔ امت مسلمہ کا سوا ان سے ہمیشہ بے تعلق رہا۔

**اصل صورت حال** کوئی مذہب جو جن ہو یا باطل اگر وہ تشریحی ہے یعنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے اس میں شعائر اور قوانین متعین ہیں۔

تو وہ ہرگز راجح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی پشت پر سیاسی قوت نہ ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جماعت المسلمین میں مذاہب حقہ کو راجح کرنے کے لئے کبھی طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے جماعت اور اس کے ائمہ میں دوئی نہ تھی۔ خلیفہ کو امیر المؤمنین اور امام المسلمین کہتے ہی اس لئے ہیں کہ ایک طرف وہ اقوام عالم میں اسلام کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسری طرف تمام مسلمان اس کی امامت میں اپنے انفرادی اور اجتماعی فرائض ادا کرتے ہیں۔ اس طرح امت ایک تنظیم کے ساتھ دین برپا رکھتی ہے اور اس کی نشر و اشاعت کے وسائل بردے کار لاتی ہے۔

اگر جماعت المسلمین اور حکومت قائمہ میں دوئی ہو اور حاکم وقت علماء و فقہاء کی طرف معاندانہ نظر ڈالے تو ایک تشریحی دین کا قیام ناممکن ہے، اب یا تو حاکم وقت رائے عامہ کے خلاف طاقت استعمال کر کے دین کو غارت کر دیتا ہے یا پھر رائے عامہ اپنی اجتماعی

قوت سے حکومت کا تختہ الٹ دیتی ہے، دنیا میں جتنی تحریکیں اٹھیں اور جتنے اجتماعی نظام برپا کئے گئے وہ صرف اس طرح کہ حکومت قائم اور رائے عامہ میں باہمی تعاون و اعتماد تھا۔ کیا سفیان ثوری اور دوسرے فقہاء و نظام اپنا اپنا فقہی مذہب نہیں رکھتے تھے اور کیا امت ان کا احترام نہیں کرتی۔ لیکن ان کے مذاہب کا ذکر صرف کتابوں میں ہے امت کی عملی زندگی میں تو انہی چاروں مذاہبوں کی کار فرمائی ہے جن کی پشت پر حکومت کی طاقت تھی۔

مودودی صاحب نے ایک اور دلچسپ بات کہی ہے (منصب رسالت نمبر ۱) وہ اورنگ زیب جیسے پرمیٹر کار فرماں بردار نے بھی وقت کے نامور علماء کی کوجھ کیا جنہیں مسلمان اپنی حیثیت سے بھروسے کے قابل سمجھتے تھے اور ان کے ذریعہ اس نے فقہاء و حنفیہ ہی کے فتاویٰ کا مجموعہ مرتب کرا کے اس کو قانون قرار دیا۔

معلوم نہیں اس بیان سے وہ کتنا کی چلبتے ہیں۔ ہمارے جن علماء کرام نے فتاویٰ عالیہ مرتب کئے وہ اگر ایک طرف مسلمانوں میں بھروسے کے قابل تھے تو دوسری طرف عالمگیر کے بھی تو معتقد تھے۔ اگر وہ معتقد نہ ہوتے تو کیا سلطان موصوف یہ قدرت ان کے سپرد کرتے، سلطان اورنگ زیب چونکہ خود بڑے عالم و فقیہ تھے۔ اس لئے انھوں نے ایسے ہی علماء کرام کو اس خدمت کے لئے متعین کیا اور وہ بھی حضرت امیر المؤمنین المنصور عباسی کی طرح کہ علماء جو کچھ کر رہے تھے اس پر پوری طرح نگاہ رکھیں۔ سلطان موصوف فتاویٰ عالمگیری کا ایک ایک صفحہ خود ملاحظہ فرماتے تھے۔ جب وہ مستند قرار پایا۔

یہ ہے فرق جماعت اور اس کے ائمہ میں تعاون اور عدم تعاون کا، اعتماد اور عدم اعتماد کا، باہمی رنگت اور بے گانگی کا۔ لہذا مودودی صاحب نے جتنی فرضی اور خلا واقعہ باتیں بیان کی ہیں اور ہمارے حلقہ و ائمہ پر بہتان بائیسے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ صحابہ کرام کا یہ باکرہ جو نظام خلافت اس امت میں بیسویں صدی تک برقرار رہا۔ وہ تمام کمزوریوں اور غلطیوں کے باوجود نثار نبوی کے مطابق تھا۔

## تدوین فقہ

امیر المؤمنین عبداللہ المنصور عباسی کا عہد مبارک ثقافت اسلامیہ کی تہذیب تدوین میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، دعوت عباسیہ کی کامیابی کے نتیجے میں غیر عرب نسلیں حکومت میں داخل ہوئیں اور اپنے ثقافتی درجے اپنے ساتھ لائیں، نیز تعلیمات قرآنیہ کے مطابق امیر المؤمنین نے تمام متمدن اقوام کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کر کے ساری دنیا کا مشترکہ سرمایہ فکر بنانے کا منصوبہ مرتب فرمایا تو یہ قدرتی بات تھی کہ آپ صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہ کے تمام آثار کو تحریر و کتاب دینے پر متوجہ ہوں اور یوں دین مبین کے مسائل جو اس وقت تقریری تھے اور سببہ بینہ منتقل ہو رہے تھے، انہیں کتابی صورت دیں تاکہ بعد میں آنے والی امت اس تعداد کے نتیجے میں گم راہ نہ ہو جو مختلف ثقافتوں کے مابین اس وقت ناگزیر ہو گیا تھا۔

گویا دعوت محمدیہ کو اپنے صحیح خط و حال کے ساتھ کتابی صورت میں مدون کرانے کا سہرا امیر المؤمنین ابو جعفر عبداللہ المنصور کے سر ہے۔ آپ چونکہ عیسٰی القدر عالم اور ماہر علم حدیث و فقہ و لغت عرب تھے۔

اور ابو جعفر المنصور نے اپنے عنقوان  
وَكَانَ الْمَنْصُورُ فِي شَيْبَةِ يَطْلُبُ  
الْعِلْمَ مِنْ مَنَظَانِهِ وَالْحَدِيثَ وَ  
الْفِقْهَ فَتَالَ جَانِبًا جِيدًا وَطَرَفًا  
صَالِحًا الْبَدِيَّةَ وَالنَّهْيَةَ نَجًّا مَلَأَهَا  
اور شباب میں ہر گوشہ علم حاصل کیا جہاں سے  
حاصل کر سکتے تھے، علوم حدیث و فقہ میں  
دستگاہ و بہرہ وافر رکھتے تھے

نیز علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ (ص ۱۸) میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور کا جو درجہ اور مرتبہ علم اور دین میں قبل خلافت اور بعد غلبہ ہونے کے ساتھ معلوم ہے۔ وقد كان ابو جعفر بمكان من العلم والددين قبل الخلافة وبعد هاهنا هم على كام امير المؤمنين خود کر سکتے تھے۔ اگر خلافت کا بارگراں آپ کے دوش مبارک پر نہ ہوتا اور بزرگان پیشین کی طرح آپ بھی حلقہ درس قائم کرتے تو اپنے قدر



تأمور جبرالامہ حضرت ابن عباس کے حلقہ درس کی یاد تازہ ہو جاتی اور مختلف علوم و فنون کے شیدائے آپ سے مستفین ہونے کے لئے اسی طرح ہجوم کیا کرتے۔ کیونکہ آپ تحریر علمی کی بنا پر ایک مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور آپ کی یہ حیثیت تمام مالک جیسے بزرگوں نے تسلیم کی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

ابھی عظیم مقصد کیلئے انہوں نے علماء وقت کو تصنیف و تالیف کا حکم دیا اور دارالخلاہ کی تعمیر سے پہلے ہی اس کے بارے میں احکام نافذ فرمادیئے۔

۱۔ امام ذہبی کا ایک بیان علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے تاریخ الخلفاء ص ۲۶۱ طبع مصر  
فی سنة ثلاث واربعمین شرع  
علماء الاسلام فی هذا العصر  
تدوین الحدیث والفقہ والتفسیر  
فصنف ابن جریر بحمكة ومالك  
الموطأ بالمدينة والاوزاعی  
بالشام وابن ابی عصبہ وحماد  
بن سلمة وغيرهما بالبصرة و  
معمر بن یزید بن سفیان الثوری  
بالکوفتہ

وَصَنَّفَ ابْنُ اسْمَاعِيلَ الْمُعَاوِي  
وَصَنَّفَ ابُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ  
الْفَقْهَ وَالرَّايَ ثُمَّ بَعْدَ يَسِيرٍ  
صَنَّفَ هُثَيْمِ وَاللَيْثُ وَابْنُ  
هَيْبَةَ ثُمَّ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَالْبُلُو  
وَابْنُ وَهْبٍ وَكَثَرَتْ تَدْوِينُ الْعِلْمِ  
وَتَبَوَّسَتْ وَدَوَّنَتْ كُتُبُ

ابن اسحاق نے مغازی کی تصنیف  
کی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے  
فقہ اور رائی کی تدوین کی پھر کچھ  
عرصے بعد بشیم اور امام لیث اور ابن  
ہیبہ نے پھر امام ابن المبارک (امام  
ابو یوسف اور ابن وہب نے۔ اس طرح علمی کی  
تدوین اور اسکی تبویب کی کثرت ہو گئی اور

العربية واللغة والتاريخ وایام  
الناس وقيل هذا العصر كان  
الائمة يتكلمون من حفظهم  
اويرون العلاء من صحف صحیحة  
غير مرتبة

لغت، تاریخ اور لغت کے کوائف پر  
کتابیں لکھی گئیں۔ اس عرصے پہلے، ائمہ  
اپنی یاد سے زبانی تقریر کیا کرتے تھے یا  
صحیح مگر غیر مرتب نوشتوں کی روایت کیا  
کرتے تھے۔

یہاں امام ذہبی نے اس کی تفریح ضروری نہیں سمجھی کہ یہ سب کام امیر المؤمنین عبداللہ  
المنصور عباسی کی توجہ فرمائی کا نتیجہ تھا، مگر ہمیں دوسرے ذرائع سے ان میں سے چند  
بزرگواروں کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ ان سب کی کاوش امیر المؤمنین موصوف ہی کے  
حکم سے تھی۔ امام ذہبی کو یہ معلوم نہ تھا کہ صدیوں بعد مودودی صاحب جیسے لوگ یہ سیدھا  
ہو جائیں گے جن کی تحریروں کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوگا کہ علماء امت اور ان کے اماموں کے  
ماہین دوئی تھی۔ یعنی اس وقت کی امت سیاسی اور علمی میدان میں دو مختلف بلکہ حریف  
قیادتوں کی طرف دیکھتی تھی۔ مودودی صاحب نے سلف صاحبین پر یہ محض انتہا کیا ہے  
کہ وہ حکومت قائمہ کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تھے یا خلفاء اسلام ان بزرگوں کو اپنا  
حریف جانتے تھے ابتدائی اموی و عباسی خلفاء خود صاحب سیف والقلم تھے اور علماء کے قدر دان۔  
یہاں سب سے پہلے بات جو ہر سمجھدار آدمی کو دیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ امام ذہبی  
نے جن اکابر علماء کا ذکر کیا ہے ان سب کی تصنیف و تالیف کا کام ایک ہی سال یعنی ۱۷۰ھ  
میں شروع کیا جب امیر المؤمنین المنصور واطعی امور پر حاوی ہونے کے بعد اس کے لئے  
نارغ تھے کہ اپنے تعمیری عزائم بردے کار لائیں۔ دوسری بات دیکھنے کی وہ ملاقاتیں ہیں  
جو انہوں نے ہم عصر علماء سے کیں۔ انھیں تدوین علم پر متوجہ کیا۔ اور علماء کو اسکی امیر المؤمنین  
سے تقریب حاصل رہا۔

امام ابو حنیفہ نے باون سال عہد اموی میں گزارے تھے، طریق تدوین  
قدار کے اصول پر تقریر تھا۔ اس عرصے میں فقہ اسلامی پر کوئی کتاب  
نہیں لکھی، زندگی کے آخری اٹھارہ برس عباسی عہد میں گزرے۔ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور

سے ان کی ملاقات کا ذکر تاریخ انجمن الدیار بکری کی روایتوں میں (ص ۲۶) طبع اولیٰ سن ۳۱۸ھ  
 (۱) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ دَخَلْتُ عَلَى أَبِي  
 جَعْفَرٍ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ لِي ابْنُ  
 أَخَذْتَ الْعِلْمَ قَالَ قُلْتُ عَنْ جَمَادٍ  
 عَنْ أَبِي بَرَاهِيمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَطَّابِ  
 وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدِ اللَّهِ  
 بْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ لُجَيْبٍ  
 قَالَ خَرَجْتُ مِنْ أَسْتَوْتِ فَقَدْ مَشَيْتُ  
 يَا أَيُّهَا حَنِيفَةُ الطَّبِيبِينَ لَطَاهِرِينَ  
 الْمِيَاكِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
 (۲) قِيلَ دَخَلَ أَبُو حَنِيفَةَ يَوْمًا  
 عَلَى الْمَنْصُورِ هُوَ أَبُو جَعْفَرٍ  
 رَأَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَعِنْدَهُ عِيسَى  
 بْنُ مَوْسَى قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ إِنَّ  
 هَذَا الْعَالَمَ الدُّنْيَا الْيَوْمَ فَقَالَ  
 يَا تَعْجَانُ ابْنُ أَخَذْتَ الْعِلْمَ  
 قَالَ عَنْ أَصْحَابِ عَمْرِو بْنِ عَمْرِو  
 عَنْ أَصْحَابِ عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ وَعَنْ  
 أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ  
 وَمَا كَانَ فِي وَقْتِ ابْنِ عَبَّاسٍ  
 عَلَى الْأَرْضِ أَعْلَمُ مِنْهُ قَالَ  
 لَقَدْ اسْتَوْتِقتُ -

راہم) ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میں ابو جعفر  
 امیر المؤمنین کے پاس گیا انہوں نے پوچھا  
 تم نے علم کس سے حاصل کیا میں نے بتایا  
 کہ تمام درین سلیمان سے انہوں نے ابراہیم  
 راسخی سے انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب  
 سے نیز علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن  
 مسعود اور عبداللہ بن عباس سے امیر  
 المؤمنین نے فرمایا واہ واہ ایسے ابو حنیفہ  
 تم نے پختگی حاصل کی یہ حضرات بڑے  
 پاکیزہ و پاکباز اور بیکت والے تھے رضی اللہ  
 عنہم (۲) کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ ایک دن راہم  
 المؤمنین) ابو جعفر المنصور کے پاس گئے اس وقت  
 عیسیٰ بن موسیٰ (عباسی) بھی ان کے پاس  
 تھے۔ ابو جعفر المنصور نے عیسیٰ سے کہا دیکھو  
 یہ شخص آج زمانہ میں بیگنا عالم ہے پھر فرمایا  
 اے نعمان تم نے علم کس سے حاصل کیا ہوا  
 نے کہا اصحاب عمر سے انہوں نے عمر سے اور  
 اصحاب علی سے انہوں نے علی سے اور  
 اصحاب عبداللہ بن عباس سے انہوں نے  
 عبداللہ بن عباس سے اور عبداللہ بن عباس  
 کے وقت میں سے ان کے برابر ساری دھرتی  
 پر کوئی عالم نہ تھا یہ سن کر خلیفہ موصوت نے

کہا تم نے پختہ علم حاصل کیا۔

امیر المؤمنین المنصور سے ملاقاتوں کے بعد سے میں تمہارے کہ تمہیں بغداد کے سلسلے میں  
 جب آپ کو طلب کیا گیا اور آپ پانچ برس وہاں رہے تو اس مشغولیت کے ساتھ ساتھ  
 اپنے اپنے چھوٹے شاگرد امام محمد کو سیکر کی دونوں کتابیں املا کر لیں۔ لیکن اس املا کی  
 حیثیت محض ایک تفصیلی خاکے کی تھی۔ سیکر کی یہ دونوں کتابیں امام محمد نے اپنے آخری  
 زمانہ میں یا قاعدہ مدون کیں اور اس انداز میں کہ صحیح معنی میں انہیں امام محمد ہی کی تصنیف  
 کہی جاسکتی ہے۔

اس سے پہلے کوثر میں کتاب الآثار کی ترتیب شروع کی تھی اور امر زعفر کو اب اس  
 تقسیم کیا تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اسے میں بتدوین الصنیفہ فی مناقب ابی حنیفہ  
 من مناقب ابی حنیفۃ السنی  
 انفرجھا انت اول من ذکون  
 علم الشریعۃ و مرتبہ ابواب  
 ثم تبعہ مالک بن انس فی  
 ترتیب المؤطاء و لہو سینیق  
 ابی حنیفۃ احد  
 امام ابو حنیفہ کے فضائل میں ہے، اور  
 اس بارے میں وہ منفرد ہیں کہ وہ پہلے  
 شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون  
 کیا اور فقہی مسائل کی ابواب کے اعتبار سے  
 مرتب کیا۔ پھر ان کی پیروی راہم مالک بن انس  
 مؤطاء کی ترتیب میں کی۔ ابو حنیفہ سے پہلے  
 یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا۔

سیوطی کا یہ بیان تو صحیح ہے کہ آثار ابواب کے مطابق مرتب کرنے کی ابتداء امام ابو حنیفہ  
 نے کی لیکن یہ محض ابتدائی بنیادی کام تھا۔ ان کے زمانے میں کتاب الآثار کی حیثیت  
 ایک مدون کتاب کی نہیں تھی۔ یہ کام تو ان کے شاگردوں نے کیا یعنی امام ابو یوسف اور  
 امام محمد نے۔ اسی بنا پر دونوں کی روایت کردہ کتابوں میں فرق معلوم ہوتا ہے، اگر  
 کتاب الآثار کو خود امام صاحب کتابی صورت دے گئے ہوتے اور اس کی ترتیب و  
 ضخامت متعین ہوتی تو یہ فرق کیوں ہوتا۔

امام مالک | سیوطی نے امام مالک کے متعلق جو کلمہ ہے وہ بھی غلط ہے۔ امام مالک نے

تو شاید اس کی تحریر ہی نہ تھی کہ امام ابوحنیفہ کس طرح کام کر رہے ہیں، موطا شریف کی تدوین بالکل امیر المؤمنین المنصور کے فرمان کے مطابق ہوئی جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے بیان کیا، اور مقدمہ ص ۸۰ بطبع مہر یہ فرمان یہ تغیر الفاظ دوسری کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ابن خلدون کے بیان کردہ الفاظ فرمان امیر المؤمنین کے یہ ہیں۔

یا ابا عبد اللہ لمریثی علی وجه الارض اعلم منی و دنک وانی قد شغلتنی الخلافۃ و وضع انت للناس کتابا ینتفعون بہ تجنب فیہ رخص ابن عباس شدائد ابن عمر و وطلحہ للناس توطئة

اے ابو عبد اللہ! روئے زمین پر مجھے اور آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا۔ مجھے خلافت نے مشغول کر رکھا ہے ہذا آپ ایک کتاب لوگوں کے لئے مرتب کیجئے جس کے فائدہ اٹھائیں۔ اس میں ابن عباس کی نرمی اور ابن عمر کی سختی سے پرہیز کیجئے اور لوگوں کے لئے اسے خوب روند ڈالئے یعنی بغایت تحقیق کو کام میں لائیے

امام مالک فرماتے ہیں واللہ قد علمنی التصنیف یومئذ ولذا سئمتی کتابا للموطا و بعد اس فرمان کے ذریعے انھوں نے مجھے تصنیف کا طریقہ سکھا دیا۔ اسی لئے کتاب کا نام موطا رکھا۔ یعنی خوب روندی ہوئی یعنی محقق) دوسرے لوگوں نے بعض نام اور بھی دیے ہیں۔ یعنی فرمان میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ کا بھی ذکر تھا کہ فلاں کی یہ بات تہ ہوا اور فلاں کی یہ بات نہ ہو۔

مردودی صاحب نے اپنی مخصوص گستاخانہ ذہنیت کے تحت لکھا ہے اختلاف دلتو اس غرض کیلئے (یعنی امام حنیفہ کے مدرسہ فکر کے "مضر" اثرات سے بچاؤ کیلئے) المنصو اور المہدی نے اپنے اپنے زمانوں میں امام مالک کو سلفے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے بھی ۱۹۸ھ میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب الموطا کو ملک کا قانون بنا یا جائے۔ گویا مردودی صاحب کے نزدیک امام مالک خود اس قابل نہ تھے کہ علماء امت کے شیخ اور امام

ہوں بلکہ خلفائے انھیں اپنا آلہ کار بنایا اور یوں وہ سامنے آئے۔ بے ادبی اور سرخو قلب کی انتہا ہو گئی۔ امام مالک کی عظمت ان خلفائے کے دلوں میں اس لئے بھی تھی کہ چار خلفاء ان کے شاگرد تھے۔ اور سب نے امام مالک سے موطا شریف کی سماعت کی تھی۔ پچھلے صحیفات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مردودی صاحب نے امام ابوحنیفہ اور خلفاء کے مابین باہمی تعلق اور عدم تعاون کا جو مفروضہ پیش کیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ عوامی مکتبہ فکر اور حجازی مکتبہ فکر میں کوئی حریفانہ چشمک ہے اور نہ دونوں جیسے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ شاید مردودی صاحب اور ان جیسے دوسرے لوگ اس میں عیبت محسوس کریں گے امام ابوحنیفہ کے جیسے شاگرد امام محمد نے امام مالک سے باقاعدہ تحصیل علم کیا تھا۔ اسی طرح امام اوزاعی سے بھی، مولانا عبد اللہ سندھی صاحب موطا امام مالک کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہی سائے نقی مذاہب کی اصل ہے ایک طرف امام شافعی نے جو غزنی فقہ کے بانی ہیں امام مالک سے موطا پڑھی، دوسری طرف امام ابوحنیفہ کے دونوں شاگردوں نے موطا سے استفادہ کیا۔ موطا کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے مذاہب کی چھان بین کرے اور انصاف سے کام لے تو لا محالہ اسے ماننا پڑے گا کہ امام مالک کے مذاہب کی اساس اور مدارق موطا ہی ہے۔ شافعی اور احمدیوں کے مذاہب کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کے مذاہب کے لئے موطا ہی شمع ہدایت ہے گویا یہ مذاہب شرح ہیں اور موطا متن، یہ شافعی اور وہ تنہا اس کے علاوہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حدیث کی کتاب میں مثلاً صحیح مسلم، ابوداؤد نسائی، صحیح بخاری اور ترمذی موطا کی شرحیں ہیں ۲۵۵ھ مولانا عبد اللہ سندھی از محمد سرور) غرض یہ کہ ایک مذاہب کے علماء برابر دوسرے مذاہب کے علماء سے استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں اور سب ائمہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ ائمہ امت کے متعلق یہ تصدیق پیدا کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے حریف تھے خلاف واقعہ ہونے کے علاوہ نہایت درجہ تحریر ہی تصور ہے اور کوئی صاحب ایمان ان فضولیات کو قبول نہیں کر سکتا۔

(۳) امام اوزاعی امام اوزاعی کا لیا جا سکتا ہے جو فقہ شافعی

تجدید میں۔ اس صفحہ آئی کے حلیۃ الاولیاء میں امیر المؤمنین المنصور سے ان کی ملاقات کی بڑی تفصیل دی ہے (ج ۶ ص ۱۳۵-۱۴۰) اور عمر اہت کی ہے کہ امیر المؤمنین نے مذاکرات علیہ کے وسط طلب فرمایا تھا اور رخصت کے وقت تاکید کی تھی کہ برابر اپنے علمی کارناموں سے باخبر رکھیں اور فرمایا تھا۔

شکرت انک نصیحتاک و قبلہ تا  
یقبول وانلک الموفق الخیر و  
المعین علیہ و دیہ استعین  
و علیہ اتوکل و هو حسبی و اع  
الوکیل فلا تخلنی من مطالعتک  
ایای یعتلہ فانک الملقبول  
غیر المہمہ فی النصیحة قلت  
افعل ان شاء اللہ

میں آپ کے نصائح کا شکر گزار ہوں، میرے  
اتھیں قبول کیا، اللہ تعالیٰ یہ ملائیموں کی  
توفیق دینے والا ہے اور اس میں مدد فرماتا  
ہے میں اسی سے مدد چاہتا ہوں، اسی پر  
میرا بھروسہ ہے وہی میرے لئے کافی  
ہے اور وہ بہترین کارساز ہے آپ اس  
قسم کی توجہات سے مجھے محروم مت  
رکھئے گا، کیونکہ خیر خواہی کے بارے میں  
آپ مقبول ہیں اور تمہیں نہیں۔ میں نے  
عرض کی یعنی امام اور اعلیٰ نے) کہ انشاء اللہ  
ایسا کرتا رہوں گا۔

اگرچہ یہاں خاص تدوین فقہ کے سلسلے میں کچھ تذکرہ نہیں مگر یہ کام انھوں نے اسی ملاقات کے بعد شروع کیا اور امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے تدوین فقہ کے وقت ان کی تحریریں اپنے سلسلے رکھیں۔

(۴) جو خانام محمد بن اسحاق کا ہے جو اکیلا بیانی الاصل شخص تھے، جوانی کی بعض بے اعتدالیوں کے سبب امیر مدینہ نے انھیں شہر بدر کر دیا تھا، وہاں سے اسکندریہ چلے گئے اور مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے امیر المؤمنین المنصور کی خدمت میں حاضر ہوئے، امیر المؤمنین سیرۃ پاک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے پر مامور کیا، کتاب لکھ کر لے کر بہت طویل بھی تھی اور میں میں روٹے یا بس روایتیں بھری ہوئی تھیں ملاحظہ کر کے فرمایا لقد طولتہ یا ابن

اسحق اذہب فاختصرہ والقی الکتاب الکبیر فی خزانتہ امیر المؤمنین المنصور  
السیرۃ النبویہ ابن ہشام) اسے ابن اسحق نے اس کو زیادہ طویل کر دیا، جاؤ مختصر کر کے  
لاؤ۔ چنانچہ تعین حکم کی اور ضخیم کتاب کو امیر المؤمنین کے خزانے میں داخل کیا گیا۔ ان کی  
کتاب میں جو وضعی اور غیر مستند باتیں درج کر دی تھیں، اس لئے وہ یہ کام نہ کر سکے۔ بعد میں  
ابن ہشام نے یہ کام کیا مگر ان کی تنقیح بھی متعجب طلب ہے۔

ان چند اسماء سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین المنصور نے تدوین ملام کا ایک بہ گیر  
منصور بہ ترتیب فرمایا تھا جس کے تحت چاروں طرف ایک ہی سال کام شروع کر دیا گیا، آپ نے  
محض اتنا ہی نہیں کیا بلکہ کام کی نگرانی بھی کی اور وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے تھے، امام مالک  
کو زمان کے ذریعہ طریقہ کار بتا دیا تھا۔ اسی طرح محمد بن اسحاق کو صحیح انداز میں کام کو دوبارہ  
کرنے کا حکم دیا، پھر امام ابوحنیفہ کو بھی ایک خط کے ذریعہ متنبہ کیا کہ قیاس کی حدیث پر  
مقدم نہ رکھیں۔ یہ اس سبب سے تھا کہ بعض لوگوں نے اسے شہرت دیدی تھی کہ امام کے ہاں  
مدار کار قیاس پر ہے۔ چنانچہ شیخ ابو زہرہ اپنی کتاب ابوحنیفہ میں کہتے ہیں (ص ۲۱)

یروی عن ابی جعفر المنصور کتب  
الیہ بلغنی انک تقدم القیاس  
علی الحدیث فرد علیہ ابوحنیفہ  
برسالۃ جاء فیہا، و لیس الامر  
لما یبلغک یا امیر المؤمنین  
انما عمل اولاً بکتاب اللہ ثم  
بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم ثم بقضیۃ ابی بکر  
عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم  
ثم بقضیۃ بقیۃ الصحابۃ  
ثم اقیس بعد ذلک اذا اختلفوا

روایت کی گئی ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر  
نے انھیں یعنی امام اعظم کو لکھا "مجھے  
یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث  
پر مقدم رکھتے ہیں" تو امام ابوحنیفہ نے  
جواب میں لکھا "امیر المؤمنین بات وہ  
ہیں جو آپ کو پہنچی ہے۔ میں تو اول کتاب  
اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر حضرت ابوبکر  
و حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی  
کے فیصلوں پر رضی اللہ عنہم پھر باقی صحابہ  
کے فیصلوں پر پھر اس کے بعد حدیث میں

ولیس بین اللہ و بین خلقہ اختلافت ہوتا ہے تب قیاس کرتا ہوں  
قربتاً۔

اللہ اور اس کی مخلوق کے مابین قربت کا  
کوئی رشتہ نہیں ہے

یہ آخری فقرہ بہت دلچسپ ہے ان حتمی کلمات میں ان لوگوں کی نزدیک کی گئی ہے، جو  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے کے سبب دین کو اپنے گھر کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ پھر عالم کی تعریف  
بھی اس میں مضمر ہے کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ کے بعد ہی انھوں  
کی روئے میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے اور اسے اپنی رائے دیتے وقت غضب الہی سے  
ڈرنا چاہئے۔

### حتمی فقہ

عرف عام میں جسے حتمی فقہ کہا جاتا ہے دراصل وہ مدون فقہی نظام ہے جو امام  
ابوحنیفہ کے عظیم مرتبت شاگردوں نے خلافت عباسیہ کے مناصب پر فائز  
ہونے کے بعد فقہ عراق، فقہ حجاز اور فقہ شام کو سامنے رکھ کر مرتب کیا۔ امام ابو یوسف  
اور امام محمد کو چونکہ اصل فیض امام ابوحنیفہ سے تھا اس لئے یہ مرتد توئی ہے کہ ان کے سبب  
کو بدلائل ترجیح دی اور اصل حجت فقہ امام ہی کو سمجھائی سب فقہوں کی طرف انتساب  
کی بجائے اس کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف ہو گئی درحقیقت یہ تمام فقہوں کا منتخب مجرب علم  
اس ذیل میں موجود ہی صاحبین جو کل انسانی فرمائی ہے، اول منصب رسالت کریم  
اور پھر خلافت و ملکیت میں، اس کی تفسیح یہاں لازم ہے۔ فرماتے ہیں (خلافت و ملکیت

(۲۳۷)

لیکن امام ابوحنیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انھیں اسلامی تاریخ میں لازماً  
عظمت عطا کی یہ تھا کہ انھوں نے اس عظیم خلائق کو اپنے دل بوتے پر بھرا دیا جو  
خلافت راشدہ کے بعد شوری کا مہتاب ہو جائے اسے اسلامی قانونی نظام  
میں واقع ہو چکا تھا۔

اس نقصان کو خلفاء گورنر حکام اور قاضی صوبہ محسوس کر رہے تھے کیونکہ  
انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف

مسائل کو بروقت حل کر لینا ہر منہی، حاکم، جج اور ناظم محکمہ کے سین کا کام نہ تھا اور  
اگر فرد افراد انھیں حل کیا بھی جاتا تھا تو اس سے بے شمار متفاد فیصلوں کا  
ایک خمبھی پیدا ہو رہا تھا

مگر دشواری یہ تھی کہ ایک ایک ادارہ حکومت ہی قائم کر سکتی تھی اور حکومت  
ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو خود جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ان کا  
کوئی اخلاقی وقار و اعتماد نہیں ہے۔ ان کے لئے فقہاء کا سامنا کرنا تو درکنار  
ان کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا۔ ان کے تحت بننے والے قوانین کسی حالت  
میں بھی مسلمانوں کے نزدیک اسلامی نظام قانون کا جز نہ بن سکتے تھے  
ابن المقفع نے اپنے رسالۃ الصحابہ میں اس خطا کو بھرنے کے لئے  
المنفوع کے سلسلے یہ تجویز پیش کی کہ خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے  
جس میں ہر نقطہ نظر کے علماء پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال  
پیش کریں۔ پھر خلیفہ خود ہر مسئلے پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو  
لیکن المنصور اپنی حقیقت سے اتنے بے خبر نہ تھا کہ یہ چاہتا کرتا۔ اس کے  
فیصلے ابو بکر اور عمر کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی عمر  
خود اس کی اپنی عمر سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی، بلکہ اس کی زندگی میں بھی یہ  
توقع نہ تھی کہ پوری مملکت میں کوئی ایک مسلمان ہی ایسا مل جائے گا، جو  
اس کے منظور کے ہوئے قانون کو خالصتاً پابندی کرے۔ وہ ایک  
لائی (SECULAR) قانون تو ہو سکتا تھا، مگر اسلامی قانون  
کا ایک حصہ ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔

یہ بیان صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس نے حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہوں اور  
ماخذ علمیہ کی تفصیلات کو کھول کر نہ دیکھا ہو، پھر نسلی تعصب اور شخصی انا پرستی نے بھی  
عقل ایمانی سلب کر لی ہو۔ ناظرین کرام نے کچھ صحیفات میں ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ کتاب نشہ  
کے بعد سب سے صحیح کتاب الموطا کی تردید کس طرح ہوئی اور امیر المؤمنین المنصور علیہ السلام

کس پایہ کے امام تھے اور یہ کہ حجازی، شامی، اور خراسانی فقہ کے ائمہ کس درجہ ان کے مطیع تھے اور ان کے احکام کی پذیرائی اپنے آپ کو دیکھ کر تدریجاً دوسری اور تیسری اور چوتھی جانتے تھے۔ موردی صاحب کے نزدیک امیر المؤمنین المنصور کی حیثیت نہ ہو سکتی تھی بلکہ تو ائمہ دینیہ کے تحت ان کے ساتھ تعاون اپنے آپ کو پر فرض سمجھتے تھے۔ اسی کا یہ ظہور ہوا کہ دین محفوظ ہو گیا اور اہل بدعت و کفر کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔

موردی صاحب نے ابن المقفع کے رسالۃ الصحیباں کا حوالہ تو دیا ہے کاش وہ اس میں یہ بھی دیکھ لیتے کہ ابن المقفع کو اعتراض کس بات پر تھا۔ اس نجومی الاصل نے حج بکرم اور امام امیر المؤمنین المنصور کے حکم سے قتل کیا گیا اس نے، اعتراض یہ کیا تھا کہ بلا وجہ اسلام کے قاضی امیر المؤمنین عبدالملک کے تادیبی کو حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس نے یہ نہ جانا کہ انقلاب حکومت اور سیاسی اختلافات کے معنی یہ نہیں کہ بزرگانِ پیشین کی جلال و عظمت کا بھی انکار کر دیا جائے۔ ہر جگہ امیر المؤمنین عبدالملک جیسے سرتاج علماء کا۔

سیاہیوں اور موردی صاحب جیسے لوگوں کے نزدیک حلقہ اسلام علم و فضل کے اعتبار سے کیسے ہی بے حیثیت ہوں لیکن ائمہ دین کے ہاں ان کی یہ عظمت تھی کہ ان کے تادیبی مؤہار شریف، صحیح بخاری اور صحیح کی دوسری کتابوں میں مرقوم چلے آتے ہیں اور شریعت اسلام میں انہیں حجت سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری میں (طبع مصر ج ۲ ص ۱۱۱) القسامۃ (جہاں امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہما اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے فیصلے بطور نشانہ بیان ہوئے ہیں۔ ایسے ہی صحیح مسلم میں (ج ۲ ص ۱۱۱) القسامۃ اور خلیفہ عبدالملک کا فیصلہ مرقوم ہے۔ حجت ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے ویسے بالاستیعاب مطالعے سے اور بھی بہت کچھ مل سکتا ہے۔

موردی صاحب کہتے ہیں ص ۲۲۱

امام ابوحنیفہ  
تھا ان کا سزا  
سوچنا۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ حکومت سے بے نیاز ہو کر خود ایک غیر سرکاری

مجلس وضع قانون (PRIVATE-LEGISLATURE) قائم کریں، یہ تجویز ایک انتہائی بدیع الفکر آدمی ہی سوچ سکتا تھا، اور مزید برآں اس کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اپنی قابلیت پر اپنے کردار پر اور اپنے اخلاق و وقار پر اتنا اعتماد رکھتا ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی ادارہ قائم کر کے قوانین مدون کرے گا تو کسی سیاسی قوت نافذ

(POLITICAL-SANCTION) کے بغیر اس کے مدون کردہ قوانین اپنی خرابی، اپنی صحت اپنی مطابقت اس حوالہ اور اپنے مدونہ کئے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے، قوم خود ان کو قبول کرے گی اور سلطنتیں آپے آپ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے جو موردی صاحب نے کہی کہ امام ابوحنیفہ نے کوئی غیر سرکاری مجلس وضع قانون بنانی تھی، جیسا ہلکے دوس ان کا تھا ویسے ہی ہلکے دوسرے فقہاء و علماء کے بھی تھے اور وہاں بھی مسائل کی اسی طرح تفریح ہوتی تھی اور ہر امام کے شاگرد اپنے اپنے طور پر یاد دہاشتیں محفوظ کر لیتے تھے۔ ان میں امام مالک جیسے حضرات کو تادیبی ہمت مل گئی کہ وہ اپنے نوشتے چھوڑ گئے۔ لیکن امام صاحب کا فقہ پر کوئی نوشتہ دنیا میں موجود نہیں، تحریری کام آپ کے شاگردوں نے آپ کے بعد کیا اور وہ بھی اس وقت جب خلافت عباسیہ کے مناصب پر فائز ہوئے۔ ان کتابوں کا مطالعہ جو شخص چکا کرے گا وہ کسی درجے میں بھی انہیں امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں کہہ سکے گا، اس پر یہ کھل جائے گا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے جو کچھ تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے وہ محض اس علم کی بنا پر نہیں ہے جو انہیں اپنے استاد و شیخ امام ابوحنیفہ سے ملا تھا بلکہ ان تصنیفوں میں دوسرے ائمہ کے فیوض سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ کتابیں خود امام ابو یوسف اور امام محمد کی ہیں اور اس شان کی جن سے ان کا مجتہد مطلق بنا ہوا ہوتا ہے نہ کہ محض اپنے شیخ کا مقلد ہوتا۔

ہذا یہ تصور خلافت واقعہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنی فقہ پوری طرح مدون کر کے تحریر

اور ہی اس وقت فقہ حنفی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں اور نہ آپ  
اپنی فقہ کی تکمیل کر سکے، آپ کا عقلمند درس قدام کے طریقے پر تقریری تھا اور آپ کے شاگردوں  
جو یادداشتیں مرتب کی تھیں انھیں من و عن کتابی شکل انھوں نے نہیں دی، بلکہ جب انھیں  
کتابی شکل دی تو اس وقت یہ شاگرد درجہ اجتہاد تک پہنچ چکے تھے اور یہ سب تصانیف انکی  
اپنی ہیں یعنی اس وقت کی جب وہ خلافت عباسیہ کے منصب قضا پر فائز تھے اور خلفاء  
کرام نے انھیں اس علی کاوش کا مکلف کر کے اس کام کے لئے ناسخ کر دیا تھا کہ نذر و نظر  
سے آگے بڑھ کر عدلیہ کے علمی مسائل کا تجربہ حاصل کر کے کتاب مدون کریں۔ گویا یہ تصانیف  
کسی غیر سرکاری مجلس قانون سازی کی نہیں ہیں بلکہ خالص سرکاری مجلس قانون سازی کی  
ہیں اور عباسی خلفاء کی نگرانی و سرپرستی میں ان کی تالیف و تدوین ہوئی ہے۔

امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، یہ سب امیر المؤمنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ  
کے عہد کے قاضی تھے اور امیر المؤمنین موصوف کو امام مالک کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے  
غرض یہ کہ تدوین فقہ کے سلسلے میں جو کچھ کام ہوا ہے وہ خلفاء اسلام اور علماء و  
فقہاء ملت کے باہمی تعاون سے ہوا۔ اور اسی لئے خلفاء کرام نے اس فقہ کو مملکت اسلامیہ  
میں رائج کیا، اور امت میں اسے مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ مودودی صاحب صحیح  
لوگ زعمی باتیں کہتی ہی بنائیں لیکن واقعہ اپنی جگہ ہے کہ امت میں فقہ حنفی کی مقبولیت  
اسی لئے حاصل ہوئی کہ اس فقہ کے مدون کرنے والوں پر جہاں امت کو اعتماد تھا وہاں علماء  
و فقہاء سب اپنے اپنے وقت کے خلفاء کے بھی معتمد تھے۔ اگر خلفاء کو ان علماء پر اعتماد نہ ہوتا  
تو ان کا مرتب کردہ نظام کبھی بھی رائج نہ ہو سکتا۔

امیر المؤمنین المنصور اپنی مساعی جلیلہ کے ثمرات اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے حتیٰ کہ  
موطا و شریف بھی انھوں نے ملاحظہ نہیں فرمائی۔ لیکن جو ابتداء انھوں نے کی تھی وہ بارور  
ہوئی اور ان کے بیٹوں، پوتوں کے زمانے میں امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی تصنیفات سامنے  
آئیں اور امام ابو یوسف جب قاضی القضاة ہو گئے تو آپ نے امیر المؤمنین ہارون الرشید  
رضوان اللہ علیہ کی منشاء کے مطابق مملکت اسلامیہ کا عدلیہ اپنے تصورات و اجتہادات

کے ذریعہ منظم کیا اور یوں فقہ حنفی کا عباسی خلافت کے جملہ ممالک میں ڈھلنے لگا۔  
مالکی کا جو بیان مودودی صاحب نے دیا ہے (ص ۲۳۹) ۱۵۰۵ء میں اعتبار سے بے  
پایہ ہے کہ انھوں نے فقہ حنفی کی تدوین کی تکمیل امام ابو حنیفہ کے ہاتھوں بیان کی ہے  
کہتے ہیں:-

ابو حنیفہ نے اپنا مذہب ان کے یعنی اپنے فاضل شاگردوں کے ہمشورے  
سے مرتب کیا ہے وہ اپنی حدود مع مکہ مدین کی خاطر زیادہ خانقہ نشینی کرنے  
کا جو جذبہ رکھتے تھے اور خدا و رسول خدا اور اہل ایمان کے لئے جو کمال درجہ  
کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انھوں نے شاگردوں کو  
چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالنا پسند نہ کیا، وہ ایک  
ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان کے سامنے  
لائے تھے جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی  
بیان کرتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے  
ہمینہ ہمینہ بھرا اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا۔ آخر جب ایک ایک  
قزاق پاجاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کرتے۔

یہ تمام تفصیلات کچھ امام ابو حنیفہ کے ساتھ مختص نہیں، اس وقت جتنے بھی علمی  
تھے سب میں اسی طرح کام ہوتا تھا، اور امام ابو یوسف کی طرح سب کے شاگرد اپنی  
یادداشتیں اسی طرح ثبت کرتے تھے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور بعد میں امام شافعی  
سب کا یہی طریقہ تھا۔ فرق اتنا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ امام مالک اور امام شافعی اپنے  
انکار و اجتہادات کو مدون کر کے اپنی زندگی ہی میں کتابی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے  
چنانچہ امام مالک کی الموطا اور امام شافعی کی الامم اس پر شاہد ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ  
کے تمام فیوض ان کے شاگردوں کے ہاتھوں ایسی تصانیف کے ذریعہ سامنے آئے جنہیں کسی  
وجہ میں بھی امام صاحب کی تصنیف نہیں کہی جاسکتی، انھیں امام ابو یوسف اور امام محمد  
کی ایسی مستقل تصانیف کہا جائے گا جن میں دوسرے انہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کوئی غیر سرکاری مجلس دستور قائم کی تھی اور وہ فقہ اسلامی کا نظام اپنی زندگی ہی میں مرتب فرماتے تھے، مودودی صاحب کے تقورات محض ان کے دماغ کی پیداوار ہیں اور واقعات کے سراسر خلاف۔ جیسا کہ ہم نوٹ کر چکے نقہ حنفی کی تدوین امام ابوحنیفہ کی بجائے امام ابو یوسف اور امام محمد نے کی۔ بلکہ کہنے والا اپنے اس بیان میں سچا ہو گا کہ جسے عرف عام میں نقہ حنفی کہا جاتا ہے اس کا تدوین کا ہر صحیح معنی میں امام محمد کے سر ہے۔ جو حضرت امیر المؤمنین ہارون الرشید کے نہایت مقرب و معتمد قاضی تھے۔ اور ان ہی کے ایما سے یہ اہم کام انجام دیا تھا۔ خلافت عباسیہ کے قیام اور امیر المؤمنین المنصور سے پہلے تحریری کام اور تصنیف تالیف کا کوئی سلسلہ موجود نہ تھا۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ ہوا وہ عباسی خلفاء اسلام شکر اللہ سبحانہ کی توجہ و تائید سے خود ان کی نگرانی میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں عبیدی ملاحہ کی حکومت قائم ہو گئی تو دہلی مالکی اور شافعی قاضیوں کو توبرہ داشت کیا جاتا تھا، لیکن حنفی قاضی کا تقرر انہیں منظور نہ تھا۔ اسی لئے کہ جسے حنفی مذہب کہا جاتا ہے وہ سرکاری حیثیت سے خلافت عباسیہ اسلامیہ کا مذہب تھا۔ تاریخ کا جسے ادنیٰ ظم ہے وہ ہمارے اس بیان کی تردید نہیں کر سکتا۔

**قانونی خلافت؟** امیر المؤمنین معاویہ صلوات اللہ علیہ کے عہد مبارک سے صحابہ کرام نے جس سیاسی نظام پر اجماع کیا تھا اسے مودودی صاحب انراں جیسے فرقہ نشناس لوگ شاہی حکومت اور ملکیت سے تعبیر کرتے رہیں لیکن جو لوگ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ در اجماع صحابہ پر اپنے دین کا مدار رکھتے ہیں وہ ایسی لغویات نہیں کہہ سکتے۔ ان کے نزدیک اس نظام کی حیثیت وہی تھی جو اس سے پہلے کی چاروں خلافتوں کی تھی۔

مودودی صاحب کے زعم باطل میں اس نظام خلافت کی یہ حیثیت تھی کہ اس پر یا کوئی قانون ایک لادینی حکومت کا قانون تو ہو سکتا تھا۔ مگر شریعت اسلامیہ کا جوڑ نہیں ہو سکتا تھا اور ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جو خلوہوں کے ساتھ اسے اسلامی قانون تسلیم کر کے اپنی سرپرستی

لیکن واقعات تو شاہد ہیں کہ امیر المؤمنین معاویہ، امیر المؤمنین مروان اور امیر المؤمنین عبدالملک رضی اللہ عنہم کے فیصلے اب تک شریعت اسلامیہ کے بزرگوں اور اعلیٰ قانونی نظائر کی حیثیت سے صحاح میں درج کیا گیا ہے۔

مودودی صاحب نے خلافت و ملکیت اور اس سے پہلے مذہبی حالت کو برباد جو خیالی باتیں کی ہیں اور امت میں قانونی طوائف الملوکی کا روزگار زیادہ ہے تو ایسے تصور میں خلفاء اسلام کے علاوہ جہو صحابہ کرام اور تابعین نظام کی انتہائی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو خلافت میں بزرگوں میں پھیلی ہوئی تھی وہ بے ربط اور غیر متوازن قوانین کے تحت سو برس تک چلتی رہی۔

ان صاحب نے اپنے قارئین کو اتنا بے خیر سمجھ رکھنے ہے کہ وہ جو دھو بیٹھدی کے کوائف کو قرون اولیٰ پر منطبق کرنے کی غلطی کر سکتے ہیں۔ اس زمانے میں ایسے مسائل پیدا کیا تھے جن کے لئے "قانون" کی کوئی مدد کتاب کی ضرورت ہو۔ اللہ کی کتاب پر جو تمہی جس نے چند بچک وار کلیات بیان فرمائے ہیں۔ سنت کے چند نکات تھے جنہیں بیان کرنے والے اصحاب کرام موجود تھے۔ اور ان کے شاگردوں سے اسلام کے مرکز بھر ہوئے تھے۔ سادہ سامعہ شرع تھا اور قانون کی تعبیر اور اس کے نفاذ میں موٹکانی کی قطعاً ضرورت نہ تھی ہے

اسی لئے اس زمانہ میں ہمیں تصنیف و تالیف کا کوئی ادارہ نظر نہیں آتا۔ علماء و فقہاء کے ہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ زبانی تھا اور سب علم سینہ بسینہ چلتا تھا۔ اموی عہد مبارک میں اس کی قطعی ضرورت نہ تھی کہ قانون اسلامی پر کتابیں لکھی جائیں۔ اور پھر جب عہد عباسیہ میں کتابیں لکھی گئیں تو کیا علماء کا اختلاف ختم ہو گیا یا تصنیف اور مفتیوں کی قوت اجتناد سلب کر لی گئی؟

آج بڑا دعویٰ منظم و منضبط و مبسوط قانون رکھنے کا کیا جاتا ہے تو کیا آج علماء کے منب فیصلے یکساں ہوتے ہیں؟ اور عدالت ماتحت سے لیکر وفاقی عدالت تک کہہ سکتے کو ایک ہی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور کیا عدالتوں کے یہ فیصلے بڑی بڑی صحیح کتابوں



میں قانونی نظام کی حیثیت سے محفوظ نہیں رکھے جاتے اور ان کے متعلق یہ نہیں سمجھا جاتا کہ قانون کی تہذیب اور تقاریر ہی سبیل ہے۔ کیا کسی نے آج تک نظائر کی ان کتابوں کو قانونی طوائف الملوک کی تفصیلات کا محفل کہا ہے۔ گویا جسے قانونی طوائف الملوک کا نام دیا گیا ہے وہ آج بھی سو سو سے اور ہمیشہ رہے گی۔ لہذا مودودی صاحب نے صحابہ اور ائمہ کی جناب میں جو کتنی سچی باتیں کہیں لاقانونی کی زندگی بسر کرنا تو ایسا ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

اب علم کو ہم اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس صورت حال کو مودودی صاحب نے سخت عقل اور نسبی تعصب کی بنا پر قانونی طوائف الملوک کہا ہے وہ ہمارے ائمہ کے نزدیک ایک عالمگیر معاشرے کے بالکل قطعی بات تھی اور خدا و رسول کے نشانہ سے نہیں مطابق۔ چنانچہ خود وہ بھی حلیۃ الآخر لیباع کے حوالے سے آدمی بات کہتے ہیں۔ یعنی اس بات کا جو مغرب سے وہ اڑا گئے۔ انھوں نے امام مالک کو یہ حیثیت ثابت کرتے کئے یہاں تک لکھ دیا (ص ۲۷۹)

اس غرض سے کہ یعنی بقول مودودی صاحب عاقبتی مدرسہ فکر کے عدم تعاون کا اثر کرنے کے لئے، المنصف اور المہدی نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں امام مالک کو سامنے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے بھی ۹۷ھ میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب الموطاء کو ملاک قانون بنا دیا جائے۔

اس سنا خانہ تحریر پر ہم کچھ صفحات میں تنقید کر چکے ہیں لیکن یہاں پوری عبارت نقل کرنا چاہتے ہیں جس کا حوالہ مودودی صاحب نے تالیف میں کیا ہے۔ اس پر تعظیم صفحہ ۳۲۲ اور تا نظرین کرام دیکھیں کہ بات کیا تھی اور مودودی صاحب نے اسے کس طرح پیش کیا ہے۔

حد ثنا سلیمان ابن احمد اطلاق ثنا  
مقدم بن داؤد ثنا عبد اللہ  
ہم سے سلیمان بن احمد نے بطریق الماریان  
کہا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے مقدم بن داؤد نے کہا

بن عمیر لکھ قال سمعت مالک بن انس يقول شاورني هارون الرشيد في ثلاث، في ان يعاق الموطاء في الكعبة ويحمل لنا من علي ماقبه وفي ان ينقض منبر النبي صلى الله عليه وسلم ويجعله من جوهر وذهب فضة وفي ان يقدم نافع بن ابي نعيم اماما يصلي في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

فقلت يا امير المؤمنين اما تعليق الموطاء في الكعبة فان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في القراء وتفرقوا في الافاق وكل عند نفسه مصيب۔

واما نقض منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم واتخاذ اياها من جوهر وذهب فضة فلا اري ان تحرم الناس منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وامانقدم نافع اماما

وہ کہتے ہیں ہم سے عبد اللہ بن محمد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں میں نے امام مالک بن انس کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ مجھ سے امام المؤمنین ہارون الرشید نے تین باتوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ ایک یہ کہ موطاء منبر کو کعبہ میں لٹکادیں اور لوگوں کو اس کی پیروی کا مکلف کر دیں، دوسرے یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر شریف کو لٹکا کر اسے جواہرات اور سونے چاندی کا بنا دیں اور تیسرے یہ کہ امام نافع بن ابی نعیم کو امام پیش کر دیں کہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی نماز پڑھایا کریں۔

میں نے کہا امیر المؤمنین موطاء کو کعبہ میں لٹکانے کی بابت تو یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے فروری مسائل میں اختلاف کیا اور وہ در در دیکھیں چکے ہیں اور ان میں ہر حق اپنے نزدیک صحیح موقوف رکھتے ہیں رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تو رونا اور اسے جواہر سونے اور چاندی کا بنانا تو مجھے یہ پتہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کی زیارت سے لوگوں کو محروم کر دیں۔

اور رہا آپ کا نافع کو مسجد نبوی میں نماز کا امام

يصلى بالناس في مسجد رسول  
الله صلى الله عليه وسلم فان  
نافعا امام في القراءات لا يخرج  
ان تتلاوه نادرا في المحراب  
فحفظ عليه-

قال وقفك اللہ یا  
ایا عبد اللہ!

بنانا تو نافع علم قرآن کے امام ہیں اور  
اس کا اطمینان نہیں کہ ان کی زبان پر  
محراب میں قرآن شاذہ آجائے۔ اور  
لوگ اسے یاد کر لیں، امیر المؤمنین نے  
فرمایا:

الوجہ اللہ آپ کو اللہ تعالیٰ اسی طرح  
نیک رائے کی توفیق دیتا رہے۔

اس روایت سے تین باتیں اہم معلوم ہوئیں۔

۱) فروعات میں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف مجتہد ہے اور اسی  
طرح ان کے اتباع میں علماء و فقہاء اور قاضیوں اور مفتیوں کا، سب اپنے اپنے دلائل رکھتے  
ہیں۔ اور کسی کے مذہب پر حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔ مجتہد کا کام صرف یہ ہے کہ اپنا موقف  
وہ اپنے دلائل کے تحت متعین کرے اور جو لوگ اس پر اعتماد کرتے ہوں وہ اسکی پیروی کریں  
موردی صاحب کے نزدیک (ص ۲۳۸) اس طرح بے شمار تضاد فیصلوں کا  
ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا، لیکن امام مالک کے نزدیک یہ عین مصلحتِ ربیہ تھی، اگر موردی  
صاحب کو ہمارے ائمہ کے طرز عمل سے کچھ بھی لگاؤ دیتا اور محاسن شریعت پر ان کی نگاہ مٹی  
تو اس قسم کی فقرہ بازی سے پرہیز کرتے۔ لیکن انھیں تو اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے  
تلاذہ اور خلفاء پر چوٹ کرنی تھی کہ وہ "قانونی طوائف الملوک" کا شکار ہو گئے تھے۔  
۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو بالکل اصلی حالت میں رکھنے کی کوشش  
کرنی ضروری تھی۔ تاکہ جب تک وہ آثار موجود ہوں آپ کی امت اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر  
۳) امام نافع چونکہ قرأت کے امام تھے اور شاذ و نادر قرأتوں پر بھی انھیں عبور تھا  
اس لئے یہ بات بعید نہ تھی کہ تنقیح علیہ قرأت کی بجائے شاذ قرأت کا کلمہ ان کی زبان سے  
ادا ہو جائے۔ اس طرح مصحف عثمانی پر جو اجماع ہے اس پر چوٹ آتا تھا اور قریش کی  
زبان بجائے کسی دوسرے قبیلہ کی زبان کا لفظ منہ سے نکل سکتا تھا چونکہ مصحف شریف

کی موجودہ ترتیب اور قرأت پر جمہور صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اس لئے یہ جائز نہیں رہا کہ اس  
قرأت کے علاوہ کسی دوسری قرأت کو تحت سمجھا جائے۔ چونکہ اختلاف قرأت کا موضوع  
دیسع ہے اور ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے اس لئے مزید تصریح کی یہاں ضرورت نہیں۔  
ہمیں تو یہ دکھانا ہے کہ جس چیز کو موردی صاحب قانونی طوائف الملوک اور  
مقتضو قوانین کا جنگل کہتے ہیں وہ امام مالک اور دوسرے ائمہ کے نزدیک "توسعہ"  
کہلاتا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ چاروں مذہبوں کے علماء و فقہاء اور اصحاب جہاد  
احوال حاضرہ کے مطابق نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کے خلاف دوسرے مذاہب  
پر فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ فقہ و انجمن خاندک کے بارے میں حنفیوں کا فتویٰ مالکی مذہب  
ہے۔ اور ایسے ہی اور بھی مسائل ہیں۔ یہ موضوع بھی ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے اس لئے  
اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔

غرض یہ کہ موردی صاحب نے فقہ حنفی کی تدوین کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے  
وہ ان کے دماغ کی پیداوار ہے واقعات سے اس کا کچھ تعلق نہیں، فقہ حنفی کی تدوین  
خالصہ عیسائی خلفا کی سرپرستی میں ہوئی جب کہ امام ابو یوسف عمالت اسلامیہ کا مہتمم  
القضاة مقرر ہوئے اور ان کے بعد اس فقہ کے خط و خال امام محمد نے درست کئے، ابو  
فقہ حنفی کا ارتقاء ہوا اور خلافت عیسائیہ کے زیر نگیں علاقوں میں زیادہ تر اس کا  
رواج ہوا۔

امیر المؤمنین المنصور اور امام ابو حنیفہ کے متعلق جو احوال درج ہیں  
حاصل کلام موردی صاحب نے بیان کی ہیں اور تبلیغ و افتراء کے ذریعہ حالات  
واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا ہے اس کی تنقیح کے بعد ہم اختصار کے ساتھ ناظرین کو  
کو واقعات کی صحیح صورت حال پر پھر متوجہ کرتے ہیں۔

۱) امام ابو حنیفہ بالکل جماعت سے وابستہ رہے اور سنت کے پابند انھیں کسی  
درجے میں بھی فرقہ پرستوں اور نسبی ٹیگن مارنے والے باغیوں سے کوئی علائقہ نہ تھا۔  
تفسیر المنار میں (ج ۸ ص ۲۱۵) ابن بطال کی ایک روایت درج ہے جس سے

امام کا موقف معلوم ہو جاتا ہے اور عطار بن ابی رباح سے تلمذ کا واقعہ بھی۔

حکلی ابن بطال فی شرح البخاری  
عن ابی حنیفۃ انہ قال لقلت  
عطاء بن ابی رباح ہکلتہ فسألتہ  
عن شیئ فقل من ابن انت؟  
قلت من اهل الکوفۃ۔ قال انت  
من اهل القریۃ الذین فرقوا  
دینہم وکانوا شیعا؟ قلت  
نعم۔ قال من ای الاصناف  
انت؟ قلت ممن لا یسب  
السلف ویؤمن بالقدر ولا  
یکفر احدا بذنب۔ فقال  
عطاء عرفت فالزم  
ابن بطال نے شرح بخاری میں امام ابو حنیفہ  
کا بیان نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں "میں  
عطار بن ابی رباح سے ملا اور ان سے کچھ  
سوالات کئے، انھوں نے دریافت کیا تم  
کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے عرض کیا  
کہنے کا۔ فرمایا تم ایسی بستی کے رہنے والے  
ہو جہاں کے لوگوں نے دین کو ٹکڑے  
ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے؟ میں  
عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "ان میں سے  
کس گروہ سے تمہارا تعلق ہے؟ میں نے  
عرض کیا "ان سے جو سلف پر طعن نہیں  
کرتے، تقدیر الہی پر ایمان رکھتے ہیں اور  
گنہگار کو کافر نہیں کہتے۔ تو فرمایا "تمہیں  
دین کا عرفان ہے اس پر بیعت رہو۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کسی درجے میں فرقہ بازوں سے کوئی تعلق  
نہیں رکھتے تھے یعنی نہ آپ کو ردائلف کے تصورات سے جو مفروضہ حقوق علی کے غضب  
کرتے پر سلف پر طعن کرتے ہیں کوئی غلامانہ عقانہ منکرین قدر سے اور نہ تواریخ سے، تب ہی تو  
حضرت عطار نے انہیں اس قابل سمجھا کہ اپنے اور صحابہ کرام کے فیوض سے متمتع کریں۔

(۳) امام ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کا ارتکاب  
اس وقت تک قطعاً ناجائز و حرام تھا جب تک کہ اس سے کھلا کھنا کفر ظاہر نہ ہو الا  
ان شرکوا کھرا ابو احار (نفرہ حدیث صحیح بخاری) ان کو ان لوگوں سے قطعاً کوئی  
دلچسپی نہ تھی جنہوں نے خلیفہ اور امام المسلمین کے خلاف وقتاً فوقتاً خروج و بغاوتیں

کیں نہ انہوں نے جیسا کہ تفصیلاً ذکر ہو چکا زید بن علی کا مالی مدد سے ساتھ دیا اور نہ محمد  
الارقط و ابراہیم کا۔

۳۔ حکومت وقت کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ تعاون کیا، دین کے تمام تقاضے  
پورے کرنے کے لئے خلفاء اسلام کی تعمیری حیرت میں انکے ہمنوا اور مطیع و منقاد رہے۔ رضی  
روایتوں میں جو یہ جھوٹی باتیں کہی گئی ہیں کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے عہدہ قضا قبول کرنے سے  
انکار پر انہیں کوڑے لگوائے، قید و بند کی سزا دی یا نہ ہر دو کو مر واد یا یہ سب کچھ لایعنی  
خزانات ہے۔ الملکی ہی کی کتاب مناقب النعمان کی ان روایتوں سے جو موردی صاحب  
کاآخذ ہے ان کا زبیب کی تردید ہو جاتی ہے (ج ۲ صفحہ ۱۷)

ان ابو جعفر کان نقل ایا حنیفۃ  
من الکوفۃ الی بغداد وحبسہ  
عند نفسه و اراد علی القضاء  
غیر مرۃ فاعتذر و استعفی  
واحتال بكل حیلة فی رفق  
و مداراة حتی عفا عنہ و  
احمر لا بالاقامة علی بابہ حتی  
یعرض علیہ ما ورد من المسائل  
والقضایا من الامصار فی نظر  
فیہا ویامر ما یجب بہ ان یومر  
فلم یزل مقیماً عندک ببغداد  
لا یأذن لہ فی الانصراف  
الی الکوفۃ حتی مات بہا۔

امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے  
(امام ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد منتقل  
کرا کے ان کو اپنے ہی پاس بٹھرایا، چند  
بار قاضی مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے عذر  
پیش کیا اور ملائمت و مدارات کیا تھے  
حیلہ و بہانہ سے معذرت خواہ ہوئے  
حتی کہ معاف رکھا گیا مگر بابا القصر پر متمتع  
رہنے کا حکم دیدیا گیا تاکہ جو مسائل اور  
قضاے مختلف شہروں سے وصول ہوں  
ان کا مطالعہ کر کے مناسب فتویٰ دیں کہ  
اسی کے مطابق حکم دیا جائے چنانچہ اس  
کام کے لئے امیر المؤمنین کے پاس بغداد  
میں اقامت گزیر رہے۔ کونے کو واپسی  
کی اجازت نہ ملی یہاں تک کہ وہیں بغداد  
میں انکی وفات ہو گئی۔

اہلکی کی دوسری روایت میں بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے امیر المؤمنین کے تعین حکم میں صرف دو دن ہی قیصرہ تضا یا کیا تھا کہ بیمار پڑ گئے۔ فرعون سنتہ ایام شہوات رچھ دن تک بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ امیر المؤمنین نے خود نماز جنازہ پڑھائی (وجاء المصویر فصلى عليه) اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا امام مرحوم کو امیر المؤمنین نے اپنے خاندانی قبرستان "مقابر الخیران" میں دفن کر دیا۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کی کوئی غیر سرکاری مجلس دستور ساز کبھی نہیں بنائی ان کا حلقہ درس و تدریس اپنے زمانے کے رواج کے مطابق بالکل ویسا ہی تھا جیسے دیگر علماء و فقہا کا تھا۔

(۵) امام صاحب نے کوئی تحریری کام بھی فقہ میں نہیں کیا بلکہ ان کے حلقہ درس و تدریس میں پیش آمدہ مسائل کی تفسیح ہوتی تھی ان کے بعض شاگرد یادداشتیں لکھتے تھے حقیقی مکتبہ فکر ہے کہتے ہیں اس میں اور خلافت قائم میں عدم تعاون کی ادنیٰ رفق بھی نہیں تھی بلکہ امام صاحب اور ان کے عظیم المرتبت شاگرد پوری طرح اور صمیم قلب عبادی خلفاء کی بیعت میں تھے اور اپنے آپ کو ان کے احکام کی پذیرائی کا پابند سمجھتے تھے، امام ابوحنیفہؒ نے جہاں امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور کے انتقال امر میں کبھی پس و پیش نہیں کیا وہاں ان کی زندگی میں ان کے سب سے بڑے شاگرد امام زفر بن الہذیل بصرہ کے قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ اور صرف اس وقت اس عہدے سے مستعفی ہوئے جب امام صاحب کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے فرائض ادا کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوئی یا تو معتد و شاگردوں اور امام صاحب کی اولاد خصوصاً ان کے حقیقی پوتے اسمعیل بن حماد ابن امام ابوحنیفہؒ نے محکمہ قضا کے عہدے منصب لئے اور ایک دوسرے بڑھ چڑھ کر خلفاء عباسی سے اپنا ربط قائم کر کے ثقافت اسلامیہ کے تحفظ کی راہ ہموار کی۔

(۶) یہ امام صاحب کے شاگرد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ وغیرہما ہیں جنہوں نے ان یادداشتوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مکاتب فکر سے پورا استفادہ کر کے فقہ کی تدوین کا جو بنیاد عام میں فقہ حقیقی کہلاتی ہے۔ لیکن تدوین و ترتیب کا یہ سب کام انہوں نے

اس وقت کیا جب خلافت عباسیہ کے مناصب تضا یا فرما کر ہوئے پھر یہ کام بھی مقلدانہ نہیں مجتہدانہ ہے اس لئے اس فقہی نظام کو امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے غیر سرکاری طور پر حکومت وقت کے امضاء کے بغیر پچیس برس میں پورا فقہی نظام تدوین کر کے رکھ دیا۔ امام صاحب کے زمانہ میں تدوین و تالیف کا قطعاً کوئی کام نہیں ہوا۔

۷۔ امام صاحب کو جب کوئٹہ سے بغداد بلا یا گیا تھا اور اہلکی کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب باب فقہ خلافت میں ان کو مقیم رکھا گیا تھا تو یہ کام بھی ان کے سپرد تھا کہ عسکرت اسلامیہ کے مختلف مقامات سے جو تصدیق طلب مسائل و قضایا دربار خلافت میں آتے ان پر غور و خوض کر کے احکام شریعت کے مطابق فتویٰ دیں ان کی یادداشتیں بھی محفوظ رکھیں جن سے بعد میں امام محمدؒ نے استفادہ کیا اپنی عمل کے آخری تاریخ برس میں جب دارالخلافت بغداد میں امام صاحب کا قیام رہا تعمیر کے کاموں کی نگرانی کے علاوہ انہوں نے حکومت قائمہ کے لئے سیکرٹری و دونوں کتابوں کا خاکہ اپنے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ کو املا کرایا۔

۸۔ امیر المؤمنین ابو جعفر کے فرمان کے تحت مسلمانوں سے مسائل کی تفسیح و فقہ کی تدوین کا جو کام شروع کیا گیا تھا وہ امام صاحب اور امیر المؤمنین کے عہد مبارک میں پورا نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کی اور اس کے ساتھ دوسرے علوم و فنون کی تدوین کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی، معتد و علماء جیسا پہلے اور ان میں بیان ہوا امیر المؤمنین المنصور اور راج کے جانشینوں کی سرپرستی میں جو بذات خود علم و تحقیق سے بہرہ ور تھے تصنیف و تالیف کا کام کر رہے تھے۔ کتب تاریخ و سیر میں جن طرح محمد بن اسحاق مولف سیرۃ نبویہ کے بارے میں بیان ہے کہ "انصل بالہذا المصویر مات بیغداد وکان عالماً بالمغازی و السیارہ یعنی خلیفہ منصور کے ظل عاقلیت میں رہے بغداد میں ہے۔ مغازی و سیر کے عالم تھے، کتاب سیرت تالیف کی اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ ان کو بھی خلیفہ المنصور کے قریب ہی طرح حاصل ہوا۔ ابوحنیفہ النعمان فشاہ و

یا کوفۃ و اتصل بابی جعفر المنصور۔ تاریخ بغداد قدیم و الحدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہر علم و فن کے علماء سے کام لیکر امیر المؤمنین نے بغداد میں حیات علمیہ کی بنیاد رکھی تھی، علم طب و علوم دینیہ کے مدارس قائم ہوئے اور ترویج علوم کے لئے کثیر رقم خرچ کی گئیں۔

وہكذا اسس المنصور لحياة علمية ادبية في بغداد وكان اول انشاء بها مدارس الطب والعلوم الدينية انفق سبيلها اموالا طائلة (ص ۱۷۱)

اور اس طرح امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے بغداد میں حیات علمیہ ادبیہ کی بنیاد ڈالی سب سے اول وہاں مدارس طب و علوم دینیہ قائم ہوئے جن پر بڑی کثیر رقم خرچ کی گئیں۔

امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور نے دیگر علوم کی ترویج کے لئے دارالترجمہ بھی قائم کر دیا اور یقین ابن الاثیر خود ان کی اپنی مدد سے علمیہ کا ذخیرہ بھی تھا۔ علوم کی نشر و اشاعت کے لئے اس درجہ توجہ تھی کہ یہی مورخ کہتے ہیں وہاں شدید الولع بھاو الحوص علیہا، اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند کو جہاں اور نصیحتیں و وصیتیں کی تھیں ترویج و اشاعت علم پر خاص طور سے متوجہ کیا تھا۔ ان کی اولاد و اخلاف سب ہی علوم دینیہ میں درجہ بہرہ دیتے تھے کہ علامہ شبلی نے بھی فقہ حنفی کی ترویج کے سلسلہ میں یہ اعتراف کرتے پر مجبور ہوئے کہ "عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی وہ اکثر حنفی فقہ کے ہی پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ خاندان جب تک عروج پر رہا یہ لوگ تنوار کے ساتھ علم کے بھی مالک تھے یعنی ان کو خود دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو امام ابو حنیفہ کی" (سیرۃ النعمان مطبوعہ دیوبند) علامہ شبلی تحقیق و تفحص سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ متعدد عباسی خلفاء نہ صرف شافعی و حنبلی مسلک تھے بلکہ ان کے ائمہ میں سے تھے۔ ان ہی کے ذوق علمی اور علماء و فضلاء کی سرپرستی کی بدولت دارالسلام بغداد پانچ چھ صدیوں تک علم کا گہوارہ رہا۔ کتاب المعارف کے مقدمہ نویس ثروت و کاشف نے اسی حقیقت کا اظہار

کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کانوا من الخلفاء العلماء فرغبوا فی العلم و احسنوا و اذوا اہلہ و شجعوہم علیہ و انتعشت بغداد من فیہا و من وفد الیہا و اصبحت میدا الخوكة علمية فکریة و واسعة (ص ۱۷۱) بغداد کے مرکز علم ہونے کی بنیاد جیسا بیان ہوا۔ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور جیسے بلند پایہ محدث و فقیہ و اہل علم نے ڈالی تھی۔ ان کے اخلاف نے اسے ارتقار کے نام اعلیٰ تک پہنچایا اسلئے علم کے علاوہ دیگر اقوال و عمل کا سرمایہ ہر ملک و ہر جگہ سے حاصل کر کے عربی میں منتقل کیا گیا۔

وہ اسرار بقراط و دوسرے فلاطون  
اور سقراط کے درمیانوں  
پڑے تھے کسی قبر کتبہ میں مدون  
پہنیں آگے قبر سکوت ان کی لونی  
اسی تاریخ رعنا سے یوان کی پھوٹی

ہذا "علاقات و بلوکیت" اور اپنی دوسری تحریروں میں موروثی صاحب نے جو عربی باتیں اموی و عباسی خلفوں کی تفصیل میں کہی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں اور اہل تحقیق کے نزدیک ان کی تمام تحریروں جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہے یاد ہوا ہے اس سے تو ان کی بسائیت زدہ ذہنیت بخوبی آشکارا ہے۔ جس سے محض انکی فتنہ انگیزی و تخریب پستی ثابت ہوتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص سیاسی منصوبے کے تحت انہوں نے اپنی تحریک اٹھائی ہے اور جب قدم چم گئے تو "علاقات و بلوکیت" کے آئینہ میں پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آگئے۔

حدیث و تاریخ کا قرق  
ایک عجیب منطق

ماخذ کی بحث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں (ص ۳۱۴)  
"بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کیلئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے اور فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت تو وہ سچے تھا یا پیدیا لہ دارالسلام بغداد سے مراد ہے۔"

نہیں ہوا تھا اور فلان راوی ایک روایت جس کے حوالے سے بیان کرتا ہے اس سے تو وہ ملا ہی نہیں۔۔۔۔

خاص طور پر واقدی اور سیف بن عمر اور ان جیسے دوسرے راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال نقل کر کے بڑے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حدیث ہی نہیں۔ تاریخ میں بھی ان لوگوں کا کوئی بیان قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن جن علماء کی کتابوں سے ائمہ جرح و تعدیل کے یہ اقوال نقل کئے جاتے ہیں انہوں نے صرف حدیث کے معاملہ میں ان لوگوں کی روایات کو رد کیا ہے۔ رہی تاریخ و مخازی اور سیر تو انہی علماء نے اپنی کتابوں میں جہاں کہیں ان موضوعات پر کچھ لکھا ہے وہاں وہ بکثرت واقعات اپنی لوگوں کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حافظ ابن حجر کو دیکھیے جن کی ہند میں لہتذیب سے ائمہ رجال کی یہ جرہیں نقل کی جاتی ہیں وہ اپنی تاریخی تصنیفات ہی میں نہیں بلکہ اپنی شرح بخاری شرح الباری تک میں جب فتوحات اور تاریخی واقعات کی تشریح کرتے ہیں تو اس میں جگہ جگہ واقدی اور سیف بن عمر اور ایسے ہی دوسرے مجروح راویوں کے بیانات بے تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں خود ابوحنفہ کی سخت مذمت کرتے ہیں اور کبیر خود ہی ابن جریر کی تاریخ کے بکثرت وہ واقعات نقل بھی کرتے ہیں، جو انہوں نے اس کے حوالے سے بیان کئے ہیں۔۔۔

یہ عجیب منطق ہے کہ جو شخص حدیث کے بارے میں مردود الروایت ہر وہ تاریخ و سیر میں مقبول الروایت سمجھا جائے گا۔ معنی متعلق آدمی کی سمجھ سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو شخص روایت میں ناقابل اعتماد ہو اور آنحضرت سے غلط قول اور جھوٹی بات منسوب کرنے کی جسارت کر سکتا ہو، وہ کسی صحابی یا غیر صحابی پر اتر کر لے اور جھوٹے قول منسوب کرنے میں اور بھی ڈھٹائی سے بیباک ہو گا جن مورخین و علماء نے یہ لفظ

بلکہ کذاب راویوں کی روایتیں بلا تنقید و جرح اپنی تالیفات میں درج کر دی ہیں بیان کی شدید بے احتیاطی اور غلطی ہے۔ مودودی صاحب نے چونکہ ان کتابوں سے چھانٹ پھا کر مخرج و کذاب راویوں کی قاعدہ روایات نقل کر کے بعض اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء و صحابہ کرام پر بہتان طرازی کا اس طرح جواز پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے انہیں اصرار ہے کہ ان علماء و مورخین کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے بلکہ ان کتابوں اور مولفات کو مستند سمجھ کر یہ جھوٹی اور قاعدہ روایات قبول کر لی جائیں۔ مودودی صاحب تو ایک عرصے سے تفسیر قرآن کا شغف بھی رکھتے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

کیوں قابل التفات نہ سمجھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَئِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِمِثْلِ الَّذِي صِيبُوا عَسَىٰ مَا فَعَلْتُمْ تَادِبَ عَيْنَيْ

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی جانچ کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت کی وجہ سے کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے فعل پر تمہیں ندامت اٹھانا پڑے

اللہ تعالیٰ کے اس مرتج حکم کے ہوتے ہوئے جس کا تعلق خبر سے خواہ وہ خیر حدیث ہو یا تاریخی روایت بغیر جانچے پرکھے آنکھیں بند کر کے لے قبول کرنے کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے خصوصاً قرح صحابہ و خلفاء کے بارے میں یہ فعل تو دشمنان صحابہ اہل بدعت و فسادت کا ہے۔ اہل علم کا تو یہ زاویہ نگاہ نہیں وہ واقعات کو واقعات کی حیثیت سے دیکھتے اور روایت قبول کرنے کے جو اصول ہیں ان کے مطابق روایت لیتے اور قبول کرتے ہیں۔ جو شخص تحقیق و تامل سے اس کے بارے سے راضی ہو جائے کہ وہ اگر ایسی روایت کو عقلاً و قلباً باطل اور مجروح راویوں سے مروی ہوں نیز جن میں کوئی تاریخی تحریر کا مدار ان پر رکھے گا اس کے متعلق بجا طور پر یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی نیت خراب ہے اور اس کا مقصد تحریفی ہے۔ ابوحنفہ و سیف بن عمر جیسے کذاب و ضاع راویوں کی سطح حمایت کے مودودی صاحب نے اپنی بے حیثیت پوری طرح ثابت کر دی۔ ابوحنفہ کذاب ہی تو

کر بلکہ وضعی و من گھڑت داستانوں کا تہارا وی ہے۔ چنانچہ خود مودودی صاحب کے محمد  
تآخذ البدایۃ والنہایۃ میں صراحتاً بیان ہے (ج ۸ صفحہ ۱۰۱)

واللشیعة والرافضة فی صفتہ  
مصیح الحسین کذب کثیرا جلا  
باطلۃ و فیما ذکرنا کفایتہ و فی  
بعض اوردناہ نظر و لولا ابن  
جریر و غیرہ من الحفاظ و  
الائمۃ ذکر ما سقتہ

و اکثرہ من روایۃ

ابی مخنف لوط بن یحیی و قد  
کان شیعیا و هو ضعیف الحدیث

عند الائمۃ... و عندہ من

ہذا الاشیاء ما لیس عندہ

غیرہ و ہذا ایتر اھی علیہ کثیر

من المصنفین فی ہذا الشا

من یعدہ۔

ابو مخنف متوفی ۱۷۰ھ نے کتاب مقتل حسین جو اس سبب پر سب سے پہلی کتاب ہے  
واقعہ کر بلکہ تقریباً ایک صدی بعد مرتب کی تھی جو اکثر و بیشتر دیوانی طرز کی خرافات  
و اکاذیب پر مشتمل ہے۔ اس کے دو سو برس بعد شیعی مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ  
نے اکاذیب ابو مخنف کو نوک و پیک درست کر کے قال ابو مخنف کی تکرار کے ساتھ اپنی  
تاریخ میں درج کر دیے اس سے ابن کثیر راہب اللہ نے یہ مواد اخذ کیا۔ اس طرح ابو  
کے اس سربراہ کذب و زور کو ایسے لوگوں کی نظر میں جو اسماء الرجال سے روایتوں کے جانچنے  
کی اہلیت نہیں رکھتے تاریخی حیثیت حاصل ہوتی گئی۔ زمانہ حال کے ایک شیعہ مورخ

شاہر حسین نقوی جنہوں نے اس بحث پر فریقین کی صداہا کتب مطالعہ کر کے واقعہ کر بلا کے  
اکثر من گھڑت قصوں کی روایتاً و درایتاً کذب بھی کہے "مقتل ابو مخنف" کے بارے  
میں لکھتے ہیں۔ (رجا ہد اعظم ص ۱۷۱)

ابو مخنف لوط ابن یحیی از دی... کر بلا میں خود موجود تھے اس لئے یہ سب  
واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا  
دقت نہیں پھر لطف یہ ہے کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پلے جلے ہیں  
جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔

یہی شیعہ مؤلف "جہاد اعظم" مزید لکھتے ہیں (صفحہ ۱۷۱)

صداہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں، واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے  
بعد ہوئی... جس مؤلف کو جو قبر جس ذریعہ سے مل گئی اس نے وہی

لکھی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ صحیح کو جھوٹ سے  
اور جھوٹ کو صحیح سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا... مختصر یہ کہ شہادت

امام حسین کے متعلق تمام واقعات ابتدائے انتہا تک اس قدر اختلاف  
سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر نرسا ہم

ہو جائیں اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پائی کا بندر سنا  
فوج مخالف کالاکھوں کی تعداد میں ہونا... شمر کا سینہ مہلر پر بیٹھ کر

سر ہدا کرنا آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں کا اتار لینا، نعلین مہلر کا  
لنگر کو بیٹھ سنا کیا جانا، سر اوقات اہل بیت کی غارت گری اور

بخی زاویوں سے چادریں تک چھین لینا... وغیرہ وغیرہ نہایت  
مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض

سرے سے غلط ہیں بعض مشکوک بعض ضعیف اور بعض مبالغہ آمیز  
اور بعض من گھڑت ہیں۔

مودودی صاحب نے وصارح و کتآب راویوں کی روایتیں حدیث کے علاوہ

تاریخ میں قبول کر لینے کے سلسلے میں جو یہ مثال پیش کی ہے ص ۲۱۵ کہ  
 "حافظ ابن کثیر اپنی کتاب الہدایۃ والنہایۃ میں خود ابو مخنف کی بھرت  
 مذمت کرتے ہیں اور پھر خود ہی ابن جریر طبری کی تاریخ سے بھرت  
 وہ واقعات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے (یعنی ابن جریر نے) اس کے  
 ابو مخنف کے حوالے سے بیان کئے ہیں"

مگر حافظ ابن کثیر نے، جیسا قارئین ملاحظہ فرما رہے ہیں، اپنی مندرجہ بالا عبارت  
 میں اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ شیعہ اور روافض میں حضرت حسینؑ کے واقعہ کے  
 متعلق بکثرت جھوٹے بیانات اور اخبار باطلہ ہیں اور وہ بیشتر ابو مخنف ہی کی روایت  
 سے ہیں اس کے سوائے کسی اور راوی کے بیان کردہ نہیں ہیں ابن جریر طبری اگر ان کو  
 اپنی کتاب میں درج نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے یا نہ ہم ابن کثیر شافعی مورخ نے  
 باعتبار طمیزیہ اس امر خاص کا لحاظ اور التزام رکھا کہ تاریخ طبری سے ابو مخنف کی  
 روایتیں نقل کرتے وقت روافض کے وہی بہانات و اکاذیب ترک کر دیئے اور  
 بعض کی تردید و تکذیب بھی کر دی۔ جو ابن جریر نے اپنے مسلک کے اعتبار سے درج  
 کئے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو مودودی صاحب یہ کارستانی کہ اپنی کتاب خلافت و ملتو  
 رشتہ میں ابو مخنف کے مندرجہ ذیل قول کو اکاذیب جو ابن کثیر نے طبری سے واقعات  
 کر لیا کی روایتیں نقل کئے وقت لٹو سمجھ کر ترک و حذرت کر دیئے تھے مودودی  
 صاحب نے جو حوالہ دیئے ہیں اور طبری کے علاوہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایۃ  
 کے ہم صفحات رشتہ لغایت ۲۰۳ کا مزید حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ ابن کثیر کے  
 یہاں ان میں سے کسی کا لفظ بیان نہیں ہے سزا تے ہیں۔

جب وہ حضرت حسینؑ کی ہرگز ٹھہرے تھے اس وقت ان کو ذبح  
 کیا گیا پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے  
 کپڑے تک اتار لئے گئے اور اس پر گھر سے وہ لٹا کر اسے روند کر لیا

اس کے بعد ان کے قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں  
 تک اتار لی گئیں اس کے بعد ان سمیت تمام شہداء کے بلکہ کے سر کا کر  
 کوٹنے لے جائے گئے، اور ابن زیاد نے نہ صرف ہر سر عام ان کی نمائش  
 کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا الحمد للہ ان کی  
 اظہر الحق و اھلہ و نصرا امیر المؤمنین یزید و حزن  
 وقتل الکنز اب ابن الکنز اب الحسين بن علی و شلیفہ  
 پھر یہ سارے سر نہید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے پھرے  
 دربار میں ان کی نمائش کی "

لطف یہ ہے کہ خود شیعہ مجتہدین و شیعہ مورخین کو ان وہی اکاذیب کے  
 قبول کرنے سے انکار رہا ہے جو مودودی صاحب لکھ رہے ہیں مثلاً شیعہ مجتہد  
 علامہ کلینی نے کافی میں پامالی لاش حسینؑ سے انکار کیا ہے اور علامہ مجلسی بھی  
 بحار میں لکھتے ہیں و المعتمد عندی ما سبائی فی روایت الکافی انہا  
 لہ تیسرے لہم لہم ریرے نزدیک کتاب کافی روایت معتبر ہے کہ لاش حسینؑ  
 کا لٹا لیا نہیں ہوئی (مجاہد اعظم ص ۲۸۳) ابن کثیر نے بھی پامالی لاش کے بارے میں  
 لکھ دیا ہے لا یصلہ ذلک (یہ صحیح نہیں ہے) ص ۱۸۵

پامالی لاش کے نعل شیعہ کے سلسلے میں ابو مخنف نے فاتح ایران اور سابقون  
 الاولون صحابی سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند عمر بن محمد کو مستہم کیلئے جن کا حضرت  
 حسینؑ سے رشتہ تو غالباً مودودی صاحب کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے ماموں زاد بھائی ہونے کے تعلق سے وہ حضرت حسینؑ اور ان کی بہن  
 سیدہ زینب کے نانا ہوتے تھے، ابو مخنف ہی کی یہ روایت بھی طبری نے لکھی  
 ہے کہ سیدہ زینب نے اپنے رشتہ کے ان نانا عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے  
 اس وقت کہ بقول مودودی صاحب حضرت حسینؑ جن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی  
 ذبح ہو رہے تھے یہ کہا کہ ابو عبد اللہ تو قتل ہو رہے ہیں اور تم کھڑے دیکھ رہے ہو "



یہ دیکھ کر راوی کہتا ہے کہ عمر بن سعد ایسے زار و قطار روئے کہ رخسار اور ڈار بھی پر  
 آنسو بہنے لگے (طبری ج ۶ ص ۲۵۹) شیعہ مؤلف جماہر اعظم فرماتے ہیں عمر بن سعد کو  
 جو قریشی اور رشتہ دار تھا زینب نے ملامت کرتے ہوئے کہا "ابو عبد اللہ تو قتل  
 کئے جا رہے ہیں اور تو کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے (ص ۲۷۷) قتل حسینؑ کان کی گریہ  
 رازی برطری میں راوی کے یہ الفاظ درج ہیں فکانی النظر الی الاموح عمر بن  
 سعد وہی تسیل علی خدیما و لحیتہ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا  
 عمر بن سعد کے آنسو ان کے رخسار اور ڈار بھی پر بہنے لگے (اب دیکھئے ایک طرف تو  
 قتل حسینؑ پر عمر بن سعد کی گریہ و زاری کی یہ روایتیں ہیں دوسری طرف ان سے یہ  
 وحشیانہ فعل منسوب کیا ہے کہ اپنے دس گھوڑ سواروں کو حکم دیکر حسینؑ کی لاش  
 کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔ مودودی صاحب ہی بتائیں کہ حضرت  
 حسینؑ کے ایک قریبی رشتہ دار کے طرز عمل کی ان متضاد روایتوں کو درایت کا آنکھ  
 بند کرنے کیا محض روایتاً قبول کر لیا جائے۔ مودودی صاحب نے حضرت حسینؑ  
 کے ذبح کئے جانے، جسم پر سے کپڑے تک اتارنے اور خواتین کے جسم سے چادریں  
 اتار لینے کا ذکر تو رنگ آمیزی سے کیا ہے مگر ابوحنفہ نے ان لوگوں کا نام بنام ذکر کیا  
 ہے جنہوں نے افعال شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا، وہ مودودی صاحب شاید اس لئے  
 چھپا گئے کہ وہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤساء سردار، ذی ثروت و ذی حیثیت  
 اشخاص ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے فرزند بھی تھے  
 اور رشتے میں حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کے برادر بستی ہونے کے علاوہ ان کے ایسے  
 جان نثار طرہت داروں میں تھے کہ صفین کے معرکوں میں شامیوں کے مقابل صف  
 آرا ہو کر لڑائی میں زخمی بھی ہوئے تھے۔ مودودی صاحب نے شاید عراقی قبائل  
 کی آپس کی محاصرتوں اور محلی لفظوں کے حالات پر نظر نہیں ڈالی ابوحنفہ کے اردنی  
 قبیلہ اور بنو کلاب و بنو کنذہ میں عرصہ سے حقیقت چلی آتی تھی اس کتاب راوی نے  
 کربلا کی وضعی روایتیں گھڑتے وقت اپنے مخالف قبائل کے سرداروں کے نام بھی لکھے

معلقوں کرنے کی فرض سے بعض روایتوں میں درج کر دئے۔ قتل حسینؑ کے سلسلے میں  
 اول سے آخر تک اس نے شمر بن ذوالجوشن پر الزامات عائد کئے ہیں، سبائیت زدہ  
 لوگوں میں شمر کا نام سخت مکروہ ہے اور گالی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ شخص حضرت ذوالجوشن  
 کا جنہیں ابن کثیر صحابی جلیل لکھتے ہیں (البدایہ ج ۸ ص ۷۷۱) کا بیٹا اور حضرت  
 علیؑ کا سالارہ تھا یعنی ان کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبد اللہ  
 ابنائے علیؑ کا ہم عید تھا اور جنگ صفین میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے حضرت  
 علیؑ کی طرف سے اہل شام سے نبرد آزما رہا تھا، چہرے پر تلوار کا زخم کھا کر بھی  
 رجز یہ اشعار پڑھتا ہوا تیر باری کرتا رہا تھا (طبری ج ۶ ص ۷۵) دوسرا شخص جس کا  
 نام حضرت حسینؑ کی لاش سے کپڑے اتارنے میں لیا گیا ہے وہ عراقی قبیلہ بنو کنذہ  
 کے جیسے قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ مشہور سردار اور صحابی حضرت  
 اشعث بن قیس الکندی کا ایک بیٹا بتایا جاتا ہے یہ حضرت اشعثؑ حضرت ابوبکر  
 الصدیقؓ کے بہنوئی بھی تھے اور حضرت حسنؑ کے خسر بھی انہی کی دختر حضرت سیدہ  
 جعدہ کو اپنے شوہر حضرت حسنؑ کو زہر خورانی سے متہم کیا گیا ہے اس کے دوسرے بیٹے  
 محمد بن اشعثؑ کا نام مسلم بن عقیلؑ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کے سلسلے میں لیا گیا  
 ہے۔ غرضیکہ ابوحنفہ اور اسی تماش کے دوسرے بھروسہ و کذاب راویوں کی  
 وضعی روایتوں کو تاریخ میں آنکھ بند کر کے قبول کرنے کی منطق تو مودودی صاحب  
 نے اسی مقصد سے چلائی ہے کہ حضرت معاویہؓ و یزیدؓ اور دیگر خلفاء کی تنقیص  
 میں مواد ایسے ہی وضع و کذاب راویوں سے مل سکتا ہے انہوں نے ابن زیاد  
 سے جو حد درجہ قبیح کلمات حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کی طرف بدگوئی کے منسوب  
 کئے ہیں سبائیت زدہ ذمہ داری کے سوائے اور کون صحیح العقل شخص یہ سمجھ سکتا ہے  
 کہ ابن زیاد جس کے باپ حضرت علیؑ کے خاص محترم علیہ اور ایسے طرفدار تھے کہ اپنی  
 شہادت کے بعد بھی ان کے ہوا خواہ و طرفدار رہے۔ وہ کونے میں جہاں حضرت  
 علیؑ کے حب و معتقد ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں ان کے سامنے اور مسجد کے

مذہب سے ان کی توہین و تمذیل میں یہ قبیح کلمات زبان پر لاسکتا تھا جو اشتعال انگیز اور ہتکامہ مظہم پیدا کرنے والے ہوتے کوئی گورنر دوسرا ستواں ایسی خطرناک غلطی کا جو عام ہندیات کو ہیمان میں لانے والی ہوا لکاب نہیں کر سکتا تھا۔ مودودی صاحب۔  
خالی الذہن ہو کر اس قسم کے اکاذیب کو درایتاً دروایتاً جانچنے کی زحمت گوارا کرتے  
ان پر یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے کہ ابن زیاد و عمر بن سعد اور دوسرے عمال  
حکومت قتل حسین کے فعل شنیعہ کے ارتکاب سے قطعاً غیر متعلق تھے اسی لئے حکومت  
کی جانب سے کوئی باز پرس ان سے نہیں ہو سکتی تھی۔ قتل حسین کے مرتکب تو کوئی  
امترار کے سوا کونسی اور نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پچھلے اوراق میں بھی اس پر گفتگو  
آچکی ہے۔ مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو خلافتِ معاویہ دیریزید و تحقیق مزید۔

”خلافت و ملوکیت“ کی ضرورت اور وجہ تالیف

معتزین کے اعتراضات اور سوالات کے جواب میں کہ ایسی کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی جس میں ان کا برہمنیہ و غفاریہ کے حسن کردار اور بہترین سیرتوں پر نہ صرف معاندانہ جرح و تنقید کی گئی ہے بلکہ انرا با نوازی، خاندانی عصبیت، بیت المال کے بجا استعمال و نا انصافی اور احکام شریعت کی صریح خلاف ورزی کے لغو اتہامات بھی ان پر عائد کئے گئے ہیں نیز اموی و عباسی خلفائوں کو بھی ظالمانہ اور تاریک دور ثابت کرنے کی سعی لاصح کی گئی ہے۔ مودودی صاحب بعنوان ”سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت“ (۲۹۹ صفحہ) پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ:-

”جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین

کتابوں سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں ان کے پورے پورے

حوالے درج کر دیئے ہیں۔ کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی۔“

کتاب تاریخ کی نوعیت

اسی ایک بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تاریخ اسلام مودودی صاحب کی نظر بہت سطحی ہے، تاریخ کی جن کتابوں کو وہ تاریخ اسلام کے مستند کتابیں کہتے ہیں اور ان ہی سے مواد بھی لیا ہے وہ کتابیں درحقیقت

مجموعہ اندر ذخیرہ ہیں ہر قسم کی رطب و یابس، صحیح و غلط، وضعی و من گھڑت، سچی جھوٹی روایتوں کا، ان میں سے کسی کتاب کو نہ کلیتاً مستند و معتبر کہا جاسکتا ہے نہ غیر مستند و غیر معتبر ان کتابوں کے جملہ اذہن کا حوالہ دیکھ کر کوئی واقعہ بیان کرنا روایت واقعہ کی صحت و عدم صحت کی دلیل نہیں، تاؤ تیکہ جیسے سب سے بھی مراد کیا گیا ہے۔ روایت کی ان اصولوں کے مطابق جو انہیں فرار دینے میں پوری طرت چھان بین نہ کریں جائے، چنانچہ وہ خود بھی اسکے معترف ہیں، اور فرماتے ہیں (صفحہ ۳۰)۔

”اس میں شک نہیں کہ تاریخ کے معاملے میں چھان بین اسناد و تحقیق کا وہ

اہتمام نہیں ہوا ہے جو عادت کے معاملے میں پایا جاتا ہے۔“

پھر ابن جریر طبری وغیرہ چند مورخین و مصنفین کے نام لیکر جن کی کتابوں کے حوالے انہوں نے دیئے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ ان جیسے حضرات کے بارے میں یہ کہنا بھی تو مشکل ہے کہ انہوں نے حالات نقل کرتے وقت (ایضاً صفحہ ۳۰)۔

”اسی سہل انگاری اور بے حد غلطی برتی ہے کہ بالکل بے اصل باتیں اپنی کتابوں

میں صحابہ کی طرف منسوب کر دیں، کیا وہ ان باتوں کو بیان کرتے وقت اس

بات سے اتنے بے خبر تھے کہ ہم کن بزرگوں کی طرف یہ واقعات منسوب کیے ہیں۔“

یہاں ہم ابن جریر طبری کی کتاب سے جو مودودی صاحب کے مکذوبہ روایتیں

نزدیک اسلامی تاریخ کی مستند ترین کتاب ہے سہل انگاری و بے احتیاطی ہی نہیں بلکہ کذب بیانی کی طرف ایک قبیح روایت بطور مثال پیش کرتے ہیں حالانکہ اس کتاب سے جو حد کے مؤرخین کا مذہب ہے بے شمار روایتیں سی قیاس کی پیش کی جاسکتی ہیں، یہ روایت خلیفہ اول و بلا فصل حضرت ابو بکر الصدیق کے خلیفہ منتخب ہونے کے اس واقعہ کے متعلق وضع کی گئی ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی گھنٹے بعد پیغمبر بنی ساعدہ کے اجتماع میں انصار اور مہاجرین کے سابقوں الاولیاء صحابی بزرگوں حضرت سعد بن عبادہ انصاری اور حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم کے مابین پیش آیا تھا۔ اب دیکھئے کہ ابن جریر طبری جن کے متعلق مودودی صاحب کہتے ہیں کہ وہ انکی جلالت

بحیثیت مفسر، محدث، نقیہ اور مؤرخ مسلم ہے۔ دو کٹر رافضی راویوں ہشام کلبی اور ابو مخنف کی سند سے جن کو ان کے فن نے کذاب کہا ہے یہ وضعی روایت اکابر صحابہ کے گام کا راج، جدال قتال کی دھمکیوں اور مدینے کی کلیوں میں کلمہ گو یوں کے خون پانے کا انتہائی مکروہ نقشہ پیش کرتے ہوئے درج کر ڈالی ہے رطری ج ۳ صفحہ ۲۱ صبح اوں مطبع الحسینہ مدری روایت کا لفظ بلفظ ترجمہ یہ ہے۔

اب ہر طرف سے آ کر لوگ ابو بکر کی بیعت کرنے لگے قریب تھا کہ وہ سعد کو رو دند ڈالتے۔ سعد کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد کو بچاؤ، سعد کو رو دند۔  
 وہ عمر سے کہا اللہ اسے ہلاک کرے، اس کو قتل کر دو اور خود ان سے سر ہانے آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو رو دند کر ہلاک کر دوں، سعد عمر کی داڑھی پکڑ لی، عمر نے کہا چھوڑو اگر اس کا ایک بال بھی بریک ہو، تمہارے منہ میں ایک دانت بھی نہیں رہے گا۔ ابو بکر نے کہا، عمر خاموش رہو اس موقع پر نرمی پر تراز یادہ سود مند ہے۔ عمر نے سعد کا چھوڑ دیا۔ سعد نے کہا اگر مجھ میں لکھنے کی طاقت ہوتی تو میں تمام سینے کے گائے کو چوں کو اپنے حامیوں سے بھر دیتا۔ کہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے ہوش و حواس جالتے ہتے اور بچد اس وقت میں تم کو ایسی قوم کے حوالے کر دیتا جو میری بات نہ ملتے بلکہ میں ان کی اتیاع کرتا۔ اچھا اب مجھے یہاں سے چلو۔ لوگ نکلے گا۔ ان کے گھر لگے چند روزان سے تعرض نہیں کیا گیا اس کے بعد ان کو کہا بھیجا گیا چونکہ تمام لوگوں نے اور خود تمہاری قوم را انصار نے بھی بیعت کر لی ہے تم بھی آ کر بیعت کر لو۔ سعد نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، تا وقتیکہ میں تمہارے مقابلے میں اپنا ترس نہ خالی کر دوں، اپنے نیرے تمہارے خون سے نرنگ لوں اور اپنی تلوار سے جس پر میرا بس چلے دار نہ کر لوں اور اپنے خاندان اور قوم کے ان افراد کے ساتھ جو میرا ساتھ دین تم سے نہ لڑ لوں میری بیعت نہ کر لوں گا اس کے بعد سے سعد ابو بکر کی امامت میں نہ نماز پڑھتے تھے، اور نہ جماعت لے یہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری کہا جاتا ہے کہ بیمار تھے اور کھلے اور سے بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے

میں شریک ہوتے تھے۔ حج میں بھی مناسک کو ان کے ساتھ ادا کرتے۔ ابو بکر نے انتقال تک ان کی یہی ورش رہی۔

اس مردود روایت کے مضمون کا لفظ لفظ ہی صاف بتا رہا ہے کہ یہ روایت خود ان ہی دونوں رافضی راویوں کی من گھڑت ہے جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

ابو مخنف و ہشام بن محمد بن السائب کلبی و امثالہما من المعروفین بالکذب عند اهل العلم و منہاج السننہ صحیح ہے۔

یہیے دروغ گو اور جھوٹے لوگوں کی سند سے اکابر صحابہ کے بارے میں یہ مردود روایت ابن جریر طبری نے اپنے رافضیانہ رجحانات سے درج کر ڈالی، سنی مفسر و محدث و مؤرخ ابن کثیر نے البتہ تعقیبی ساعدہ کے واقعات لکھتے ہوئے اس مردود روایت کو درج نہیں کیا بلکہ حضرت سعد بن عبادہ کے حضرت ابو بکر الصدیق کی بیعت کرنے کو بھی یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ حضرت سعد نے حضرت صدیق اکبر کی گفتگو پر صاف کہہ دیا تھا صدقت سخن الوزراء و انتم الابرار (البدایۃ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۲) یعنی آپ سچ کہا ہم را انصار وزیر ہوں اور آپ مجھ جیسا امیر یہ ہے میں فرق صحابہ کے معاملے میں۔ ابن جریر طبری شیعی مؤرخ کی "سہل ساری دے اہتیا طی، اور کذب بیانی کا اور سنی مؤرخ کی تحقیق و احتیاط کا باہر بہا بن کثیر اور بعد کے دوسرے مؤرخین نے جنہوں نے تاریخ طبری سے اخذ کیا ہے، اکثر و بیشتر روایتوں کی، جن پر مورود صحابہ نے اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے، چھان بین نہیں کی۔ حضرت سعد بن عبادہ انصاری کے سخاوت جو بیعت عقبہ میں موجود اور ان بارہ نقباء میں سے تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تبلیغ دین کے لئے متعین فرمایا تھا، سبائی راویوں کا بہتان ہے کہ حضرت ابو بکر سے انہوں نے بیعت نہیں کی نہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے اور نہ حج کے مناسک ان کے ساتھ ادا کرتے تھے، یہی نلط بات کا مورود صحابہ نے بھی یہ کہہ کر اعادہ کیا ہے کہ "اگر حضرت سعد بن عبادہ کی

کی بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو ایسا یا مہ صحابہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت علیؓ کی خلافت کیسے مشتبہ قرار پاسکتی ہے" (ص ۱۲۲)

**اجتماع و اختلاف اُمت** حضرت محمدؐ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے۔ اور اپنے نام کے پیچھے جیسے خود رسول اللہ نے نام مقرر کیا تھا اتنا ہی رہے چنانچہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت پر تمام اُمت متفق و متحد رہی تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول حقیقت پر مبنی ہے کہ:-

فان الثلاثة اجتمعت الامم  
 علیہم و قوتل بہم الکفار و  
 فتحت بہم الامصار (منہاج  
 السنۃ ص ۱۱۱)

تینوں خلفاء رابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے  
 پوری اُمت کو اپنی خلافت پر مجتمع کر لیا تھا  
 اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا  
 مقصد حاصل ہو گیا تھا اور ان کی امت  
 کے ساتھ ہو جانے کی وجہ سے، انہوں نے کفار  
 پر جہاد کیا اور ملکوں کو اپنے اقتدار کے تحت  
 لے آئے۔

**وحدت اُمت اور اسلامی فتوحات**

صدیقی و نازقی و عثمانی خلافتوں کے عہد میں  
 اور ان کے بعد اموی و عباسی خلافتوں میں عیسائی و فوجی طاقتوں کے خلاف جو جہاد ہوئے  
 اور فتوحات حاصل ہوئیں وہ محض ملک گیری کے مقصد سے نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیت  
 هُوَ الَّذِي ارْسَلَكُمْ بِالْحُدَايَا وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ  
 الْكَلِمَةَ وَكَوْنَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَوْنًا طَائِفًا مِّنْهُم مَّا كَانَتْ تَرْتِيبًا  
 دینا اور اسلام کے بین الاقوامی بلند نظریہ کو فرسودہ نظاموں پر غلبہ دیکر اعلیٰ کلمۃ اللہ کا  
 فرض ادا کرنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملک عرب کے تمام حصے اسلامی  
 مملکت میں شامل ہو چکے تھے، آپ کے دین سے تشریف لے جانے کے بعد عرب کے قبائل میں ارتداد  
 کی وبا پھیلی، حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کی بے مثال ہمت و استقامت سے اس کا قلع قمع ہو گیا  
 جس میں مکہ کے قریشی مسلمانوں نے جنہیں مودودی صاحبؒ "طلقاً" کا طعنہ دیتے ہیں بڑھ

بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں شام و ایران و ایشیا کے علاوہ  
 اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے، ان کی شہادت کے وقت جو ایک ایرانی عجمی کے قاتلانہ حملے  
 سے ہوئی تھی، اسلامی مملکت ساٹھ بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ خلیفہ  
 سوم حضرت عثمان غنیؓ ذی النورین کے عہد میں فتوحات کی اور بھی زیادہ وسعت ہوئی اور  
 انطاکیہ، قبرص، اردوس، طرابلس، مراکش ایک طرف اور قبرستان و جرجان کے علاقے  
 دوسری طرف اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے

**فتح یورپ قسطنطنیہ کا عثمانی منصوبہ**

حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کی تجویز سے  
 اسلامی بیڑہ جہازات تیار کرایا تھا کہ براہِ  
 یورپ کو اسلامی اقتدار کے تحت لاکر عیسویت و یہودیت پر ذیبن اسلام کو غلبہ حاصل ہو، حضرت  
 عثمانؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو جو مراکش فتح کر چکے تھے حکم دیا کہ اسپین (اندلس) کو فتح  
 کر کے فرانس ہوتے ہوئے مشرق کی طرف بڑھیں اور ادھر سے بیڑہ جہازات کے ذریعہ حضرت  
 معاویہؓ کی قیادت میں جنہوں نے پہلے ہی قبرص و مضیق قسطنطنیہ پر تسلط کر لیا تھا سمندری  
 جانب سے قسطنطنیہ پر جو عیسائیت کا مرکز تھا حملہ کیا جائے۔ ابن جریر و ابن کثیر اور دیگر  
 مورخین نے حضرت عثمانؓ کے فرمان کے الفاظ نقل کئے ہیں جو فتح اندلس و قسطنطنیہ کے سلسلے  
 میں اپنے دو مہنامہ جرنلوں عبداللہ بن نافع بن عبد اللہ بن نافع بن ابی بکر صہبانی کو  
 بھیجے تھے۔ البدایہ والنہایہ (ج ۱، ص ۱۵۱) میں بعنوان "غزوة الاندلس" فرمان عثمانی کے  
 الفاظ ہیں کہ:-

ان القسطنطنیۃ انما تقف من  
 قبل البحر وانتم اذا فتحتم  
 الاندلس فانتم شركاء  
 لمن یفتح قسطنطنیۃ فی الجہد  
 اخر الشان والسلام  
 ابن کثیر میں نیز طبری و ابن الاثیر و ابوالفوار و ابن المنعم کی کتاب جبر الاقطار میں بتغیر الفاظ  
 قسطنطنیہ سمندری جانب سے زبردستی  
 جہادی مہم، جب فتح ہو گیا اور تم نے بھی  
 اندلس فتح کر لیا تو تم بھی فاتحین قسطنطنیہ  
 کے بشمول اجر و ثواب کے ہمیشہ کے لئے  
 شریک سمجھے جاؤ گے والسلام۔  
 ابن کثیر میں نیز طبری و ابن الاثیر و ابوالفوار و ابن المنعم کی کتاب جبر الاقطار میں بتغیر الفاظ



ببین اہلہ و طمع فیہم عدلہم  
من الکفار والنصارى والمجوس  
بالشام والمشرق زمہج السنۃ ۲  
خلافت اسلامیہ کا القطار و اجبار

موردی صاحب خلافت عثمانی کے واقعات کو آغاز فتنہ کا سبب قرار دیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ میں اس کتاب میں تاریخ نہیں لکھ رہا ہوں خلافت علوی کے واقعات نہ بحث لائے سے گریز کرتے، حال تک یہ تقریباً بیچ سالہ دور وہ افسوسناک دور تھا کہ جس میں جہاد بالکلبیہ منقطع ہو گیا، مسلمانوں کی ایک جہتی میں فرق آ گیا اور باہمی اتفاق و اتحاد معدوم ہو گیا۔ جدال و قتال کی وہ ہولناک نوبت پہنچی کہ جمل و صفین و نہروان کی خانہ جنگیوں میں بروایت مختلفہ تقریباً ایک لاکھ جانیں صدر اسلام و خیر القرون کے مسلمانوں کی تلف ہو گئیں۔ اجتماع و امتلاف امت کے بجائے افتراق و انتشار کی نحوست طاری ہو کر خلافت اسلامیہ علی منہاج نبوت کا القطار ہو گیا۔ تاریخی واقعات شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی کی تائید ہوتی ہے کہ جس  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ راہ نزدیک  
مقتل حضرت عثمان پیدا شد... آنرا  
حدفاصل نہادہ اندر در میان زمانہ خیر و  
زمانہ شر و گواہی دادہ اند کہ درین وقت  
خلافت علی منہاج نبوت منقطع شود  
ازالہ الخفاج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کو جو  
حضرت عثمان کی شہادت کے قریب پایا  
.... زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان  
حدفاصل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ بعد  
شہادت عثمان کے خلافت بر طریق نبوت  
منقطع ہو جائے گی۔

رحمت الہی سے امت کو تباہی سے بچنا تھا کہ علوی عہد کی طوائف الملوکی اور خانہ  
جنگیوں کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت پر تمام امت متفق و مجتمع ہو گئی اور اس سال کا  
نام ہی عام الجماعۃ رکھا گیا یعنی ملت کے اجتماع کا سال۔  
بعد حضرت رضی جوں معاویہ بن ابی سفیان حضرت علی کے بعد جب حضرت معاویہ بن

تمکن شد اتفاق ناس بر روی بجمہول  
پیوست و فرقت مسلمین از میان بر خا  
ابوسفیان متمکن ہوتے تو لوگوں کا اتفاق  
ان کی رغبت اور صل ہو گیا اور  
مسلمانوں کی باہمی اتفاقیاں ٹھکنیں  
(ازالہ الخفاج ۱)

امت کے اسی اجتماع و امتلاف کی فتنوں میں امیر المؤمنین حضرت معاویہ نے  
اسلام دشمن طاقتوں خاص کر رومی عیسائی قوت کے خلاف جہادی سرگرمیاں پھیلنے  
کر دیں جن میں ان کے لائق فرزند امیر بیزینٹ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان کا  
تذکرہ پچھلے اوراق میں تفصیلاً آچکا ہے، کتب عقائد میں خلافت اسلامیہ کی تعریف میں  
جو کہا گیا ہے کہ وہ الہی اسلامی حکومت ہوگی جو ارکان اسلام کو قائم رکھے گی نیز القیام  
بالجہاد و حفظ حد و دال اسلام و ما يتعلق بہ من ترتیب الحیوین  
والفروض للمقاتلہ۔ جہاد کا سلسلہ و نظام درست رکھے گی اسلامی مملکت کو  
دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے فوجی قوت کی ترتیب اور سامان جنگ وغیرہ  
کا انتظام کرے گی ان جملہ فرائض و خدمات کے سلسلے میں احکام شریعت کے بموجب اسلامی  
حکومت کا نظام و انتظام درست کرے کہ حضرت معاویہ نے خلافت اسلامیہ کا گویا اجبار  
کر دیا چنانچہ بعد علی علیہ السلام شروع عہد خلافت معاویہ یعنی سلسلہ سے تیرہ صدی بعد تک  
یعنی ترکوں کی خلافت کے آخری ایام تک جو اسلامی حکومتیں عالم اسلام کی مرکزی قیادت  
کی حیثیت میں امت مسلمہ کی مندرجہ بالا خدمات انجام دیتی رہیں وہ سب خلافت ہی  
سے موسوم رہیں اور اسی طریق و منہاج پر چلتی رہیں جو حاضر الوقت حالات کے اعتبار  
صحابہ کی رائے و مشورے سے حضرت معاویہ نے اسلام دشمن عجمی سازش کے پیش نظر  
اختیار کیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر الفاروق کا ایک ایرانی غلام کے ہاتھ سے قتل  
ہو جانا، محض اتفاقی حادثہ نہ تھا، گہری عجمی سازش کے نتیجے میں پیش آیا تھا، پھر ہی عجمی  
سازش امت میں تفرقہ و اختلال پیدا کرنے کے لئے حضرت عثمان کے مطلوبانہ قتل  
نیز حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کے اندوہناک واقعات میں ملوث  
کارگر رہی ان ہی حالات کا رد عمل تھا کہ صحابہ کرام نے ضروری سمجھا کہ جس طرح قریش

کی منزات و سیادت و اثر و سرور کے اعتبار سے جو انہیں دیگر عربی قبائل پر قدیم الایام سے حاصل تھا یہ اصول بطور حکمت عملی اختیار کیا گیا کہ امت کے سربراہ و خلیفہ و امام قریش سے ہوں۔ الامۃ من القریش اس طرح اسلام دشمنی ساری سازشوں اور تحریکی غناصر کی ریشہ درانیوں کا استیصال نیز اسلامی تحریک کی حفاظت اور ادیان عالم پر اس کے نفع دینے کی خدمات کی بہترین انجام دہی کے لئے خلافت و سربراہی امت کو قریش کے اسی خاندان بنی امیہ میں مخصوص کیا گیا جس کے افراد کی انتظامی اہلیت و صلاحیت کے لحاظ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مملکت اسلامیہ کے انتظامی قیصر عمال اموی مقرر فرمائے تھے، علوی ایام کے انتشار کے بعد حضرت معاویہ اور ان کے اہل خاندان بنی امیہ کا برسر اقتدار آنا پھر مولیوں کے آخری زلزلے کی سیاسی اتبری سے عباسی خلافت کا قیام اسلامی اصولوں سے کسی قسم کی بغاوت یا اسلامی خلافت کی طریق و مہنجر سے انحراف نہ تھا بلکہ مقصد کے حالات سے تھا۔ صی و تابعین اور پوری امت نے جبر و قہر سے کیا تھا۔ اسکے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

**اموی و عباسی خلافت** | اموی و عباسی خلفاء کی اکثریت قریش منصفی کی ادائیگی میں اسلامی اصولوں کی ہمیشہ متبع رہی۔

بیت المال کے سلسلے میں تفصیلاً بیان ہو چکا۔ موذی صاحب نے خلفاء کے اپنے ذاتی بیت المال اور بیت المال مسلمین کی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریباً سب کے جو بیانات کی ہر وہ حقیقت خلافت، ان ہی کتب تاریخ میں جواز کا آخذ ہے اس کی تصریحات موجود ہیں مثال کے طور سے امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور عباسی کا واقعہ طبری (ج ۳ ص ۳۱۶) میں مذکور ہے کہ اپنے آخری سفر حج پر جلتے ہوئے انہیں جب یہ احساس ہوا کہ اسی سفر میں شاید منزل آخرت طے ہو جائے انہوں نے اپنے فرزند و جانشین محمد ہمدانی کو نصیحت و وصیتیں کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو تین تین لاکھ روپیہ خرچ ہے وہ تم اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا بیت المال مسلمین سے ہرگز نہ لینا فرمایا تھا نسبت استعمال بیت المال المسلمین میں اس کو حلال نہیں سمجھا کہ بیت المال مسلمین سے روپیہ لوں) حالانکہ بروایت السنوی (المتبر

والاشرف) یہی عباسی خلیفہ المنصور جعیا نے کر ڈر روپیہ اندوختہ بیت المال مسلمین میں چھوڑ کر جا رہے تھے بجا سیکرہ اپنی ذات سے تین لاکھ کے مفروض تھے، اسی واقعہ کو ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں بیان کیا ہے۔ طبری وغیرہ نے خلیفہ موصوف کے متبع شریعت ہونے کے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ کے کسی سفر کے بار برداروں نے اپنی اجرت کا دعویٰ ان کے خلاف قاضی مدینہ کی عدالت میں دائر کیا تھا، قاضی نے جواب ہی کے لئے امیر المؤمنین کو طلب کیا آپ بلا تامل تنہا حاضر عدالت ہوئے اور مدعیان کے ساتھ کھڑے رہے قاضی صاحب نے دعویوں کے حق میں فیصلہ صادر کر کے پوری اجرت کا روپیہ ان سے دلوا لیا۔ امیر المؤمنین نے عدلیہ کی آزادی اور قاضی کی انصاف پروری سے خوش ہو کر فرمایا جزاک اللہ عنی بینک احسن الجزاء اور قاضی صاحب کو انعام و اکرام سے نوازا، ایسے متبع شریعت اور دیانت دار و پرہیزگار و متقی خلیفہ کو ظلم و جور سے قہم کرنے کے لئے موذی صاحب نے وضعی روایتوں کا سہارا لیا ہے، حالانکہ ان ہی کے کتب کا خذ میں ایسی متعدد روایتیں ان واقعات کی موجود ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے اور مخالفین سے یرتاؤ میں کس درجہ علم و کرم سے کام لیتے تھے۔ مورخ بن عمر و السدوسی متوفی ۳۵۹ھ جو امیر المؤمنین کے ہم عصر مورخ و نساب تھے اپنی تالیف، حذت من نسب قریش، میں اپنی ذاتی و نقیبت سے خلیفہ ابو جعفر المنصور کے بارے میں کہتے ہیں۔ کان اعظم الناس عقواً و اعلیٰ یعنی ابو جعفر المنصور (لوگوں کی خطائیں معاف کرنے میں سب انسانوں سے بڑھ کر معاف کرنے والے تھے۔

اندلسی مؤلف عقد الفرید نے بھی خلیفہ ابو جعفر المنصور کی دعوت کے الفاظ نقل کیے ہیں جو محمد لاریق حسنی کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں فوجی دستے کے قائد کو منجملہ اور باتوں کے جن کا ذکر گزرا چکا ہر ایتا کہے تھے۔ فرمایا تھا۔

فاذا نظرت بہ فلا تخیفن پس اگر تم باغیوں پر فتح پا جاؤ تو اہل

اهل المدينة وعمرهم بالعفو  
فانهم الاصل والعشيرة و  
ذرية المهاجرين الانصا  
وجيان قبر النبي صلى الله  
عليه وسلم راج ۳ ص ۲۵۷

کو خوف زدہ مت کرنا۔ لوگوں کو علم معانی  
دینا، کیونکہ یہ ہماری ذات برادری کے  
ہیں، ہماجرین اور انصار کی نسل ہیں  
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک  
کی ہمسائی رکھنے والے ہیں۔

محمد الارقط حسنی کی شورش و بغاوت کی ناکامی کی کیفیت تو قارئین پچھلے صفحات میں  
ملاحظہ کر چکے ہیں یعنی ایک قلیل التعداد کردہ باغیوں کا ان کے ساتھ اتنا سا ہو گیا تھا کہ  
پنڈ گھٹنے بھی مقابلہ میں نہ بھڑک سکا، آخر میں محمد الارقط تنہا رہ گئے تھے مودودی صاحب  
کا مقصد چونکہ اموی و عباسی خلفاء کی تفتیش و تصحیح ہے فرماتے ہیں (ص ۲۶۹)

”جب رجب ۱۲۵ھ میں نفس نرکیہ یعنی محمد الارقط م نے مدینے سے عیلاً خرچ کیا تو  
منصور سخت گھبراہٹ کی حالت میں بغداد کی تعمیر چھوڑ کر کوفہ پہنچا  
اور اس تحریک کے خاتمے تک اسے یقین نہ تھا کہ اس کی سلطنت باقی رہے گی  
یا نہیں بسا اوقات بدحواس ہو کر کہتا ”بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا  
کردن.....“

دو ہفتے تک وہ ایک ہی لباس پہنے رہا، بستر پر نہ سویا، رات رات بھر  
مصلے پر گزار دیتا تھا، اس کے کوفہ سے فرار ہونے کے لئے ہر وقت تیز  
زقار سواریاں تیار رکھ چھوڑی تھیں اگر خوش قسمتی اس کا ساتھ نہ دیتی تو  
یہ تحریک اس کا خانوادہ عباسی کی سلطنت کا شخبہ اٹھ دیتی۔

مودودی صاحب کی اس تراژڈی کی تردید میں شیعہ مورخ المسعودی کا جو ان کا  
تآخذ بھی یہ قول کافی ہے جو خلیفہ المصنوع کی عادات و خصائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ  
لا یدخل فتور عند حادثات  
ولا تعرض له وینبئ عند  
خوفه... وینبئ و ثوب

جب کوئی حادثہ پیش آتا ان کے خلیفہ  
منصور کے مزاج میں مطلق نمونہ ہوتا  
اور کسی خوف کی حالت میں سستی و کمزوری

الاسبد العادی لایبالی ان  
یحرس من ملکہ بہلاک غیرہ  
رہ ص ۲۲۱ التنبیہ والاشراط مطبوعہ بیروت

عارض نہ ہوتی.... حملہ آور شیر بہر کیم طرح  
اٹھ کھڑے ہوتے اور اس بات کی ذرہ  
بھر پروا نہ کرتے کہ ان کی سلطنت کی  
حفاظت غیر کی ہلاکت ہی میں ہے۔

ایرالمؤمنین موصوف کے ہم عصر مورخ و نسب مورخ بن عمر والسدوی اپنی تالیف  
”حزف من نسب قریش“ میں (مکتبہ دارالحدیث) اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ اسطیانی  
ملک درقویں ان کی مطیع ہو گئی تھیں لکھا ہے ولحرینا وسیہ قط الاظفر بہا  
یعنی جو کوئی بھی ان کے مقابل آیا خلیفہ منصور اس پر غالب آئے۔ مورخ السدوی متوفی  
۱۹۷ھ نے خلیفہ المنصور کے علاوہ خلیفہ محمد المہدی، موسیٰ الہادی اور ہارون الرشید  
متوفی ۱۹۳ھ کے زمانے پائے تھے۔ خلیفہ محمد المہدی عباسی کی جو دو سخا کا ذکر تو اور  
مورخوں نے بھی کیا ہے، شرفاء و صلحا و علما اور اہل حاجت کو سجد و حساب و عطا پائیے  
لکھا ہے کہ بدمایوں اور لاداروں کے لئے آذوئے کے انتظامات بھی کئے گئے تھے، خلیفہ موسیٰ  
الہادی اور ہارون الرشید کے خصائل و اوصاف حمیدہ کے بیان کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ  
دشمنان اسلام کے خلاف جہادی مہموں میں شرکت کی بڑی رغبت رکھتے تھے المسعودی کے  
اس بیان سے ہم عصر مورخ کے بیان کی تائید مزید ہوتی ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید تمام  
آداب اخلاق میں کامل و اکمل، فیاض، بہادر و شجاع، حج اور جہاد کا بڑا شوق تھا اپنی  
خلانت کے عہد میں آٹھ حج اور آٹھ ہی جہاد کئے تھے۔ اموی اور عباسی خلفاء ابتدائی  
چند صدیوں تک اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد کرنے، کلمہ حق دینا میں  
بلند کرنے اور کلمہ کفر کو ناکام کرنے کے لئے ہدایت خود شریک جہاد ہوتے تھے اماکن مقدہ  
مسجد الحرام مکہ و مسجد نبوی مدینہ اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس کی صیانت و حفاظت  
قرض اولیٰں سمجھتے، اموی و عباسی خلفاء کے بعد ہی فدایات ترکی خلفاء نے انجام دیں سچی  
اور یہودی مسلمانوں کے دائمی حریف و دشمن رہے ہیں۔ ۲۳۳ھ میں رومی عیسائی بادشاہ  
نے مقام ملطیہ پر حملہ آور ہو کر بہت مسلمانوں کو تیغ کر کے مسلم خواہین کو اسیر کر لیا تھا



اس واقعہ کی خبر جس وقت خلیفہ المعتمد یا لشکر نرند امیر المؤمنین ہارون الرشید کو پہنچی کہ یہ مسلمان عورتیں ان سے فریادی ہیں لبتیاف لبتیاف کہتے ہوئے اور فوج کو بھیجے بسرعت چلنے کا حکم دیتے ہوئے سوار ہو کر چلے گئے کوئی ایک ہزار میل کا سفر کیے دشمن کو پسپا کیا اور مسلمان بہنوں کو ان کی قیدی سے آزاد کر لیا پھر عورتوں پر شہر کو جو عیسائیوں کا قسطنطنیہ کے بعد دوسرا مقام تھا فتح کر کے جیسا پہلے بیان ہوا انقرہ پر بھی تسلط کر لیا اس زمانہ کی مسلمان خواتین کی نظریں اسلامی مرکزی حکومت کے سربراہ کی جانب امداد و استغانت کے لئے اٹھتی تھیں، اسی مرکزی حکومت کا دوسرا نام ہی تو خلافت ہے۔ حضرت معاویہ کے شروع زمانہ سلطنت سے ترکی خلافت کے آخری ایام تک یہ تیرہ سو برس کا زمانہ ہوتا ہے مسلمانوں کی وہ اور کونسی طاقتور مرکزی حکومت تھی جس نے یہ خدمات تلبیہ اسلامیہ جو لازماً خلافت میں انجام دی ہوں، عالم اسلام کی مرکزی حکومت بالفاظ دیگر خلافت قوت و شوکت اور ضعف و اضمحلال دونوں حالتوں کے اعتبار سے پچھلی تیرہ صدیوں میں یوں منقسم رہی ہے۔

۱۔ اموی خلافت (دمشق)	۳۱ھ لغایت ۱۳۲ھ	مدت ۹۱ سال
۲۔ عباسی خلافت (بغداد)	۱۳۲ھ لغایت ۶۵۶ھ	مدت ۵۲۴ سال
۳۔ عباسی خلفاء (مصر)	۳۱۱ھ لغایت ۶۴۳ھ	مدت ۳۳۲
۴۔ ترکی خلافت	۶۲۳ھ لغایت ۱۳۲۵ھ	مدت ۷۰۲ سال

بغداد میں عباسی خلافت تا تاریخوں کے دیشیانہ یلغار سے جب مٹ گئی ۶۶۵ھ سے مصر میں عباسی خلفا کا سلسلہ کارواں رفتہ کے ایک نمود غبار کی طرح تقریباً ڈھائی سو برس قائم رہا، سیاسی قوت کے بجائے منصب خلافت کے مذہبی امتیازات انہیں حاصل رہے۔ نیز بعض تبرکات و آثار نبویہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ردا آپ کی تلوار اور ایک جھنڈا خلیفہ کے پاس احتراماً رہتا اور مقامات مقدسہ اور حرمین کی کنجیاں بھی اس منصب کی عظمت دینی کا یہ حال تھا کہ ہندوستان کا مسلمان بادشاہ اپنی حکومت کو

شرعی طور پر منوانے کے لئے عباسی خلفائے مصر سے پروانہ نیابت حاصل کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے، شاہان ہند کے خطبوں میں عباسی خلیفہ کا نام ناصر امیر المؤمنین وغیرہ الفاظ سے لیا جاتا اور مسکوں اور عمارتوں پر کندہ ہوتا، بالآخر سلسلہ سلطنت کی عالمی جنگ کے ذریعہ بعد ہی عیسائی یہودی سازش نے شریف حسین جسنی کو جو ترکی خلافت کی جانب سے صدر ججانت کے والی تھے، یہ سیر بارغ دکھا کر کہ جملہ عرب ملکوں کی متحدہ حکومت کے وہ سربراہ ہوں گے ترکی خلافت سے بغاوت پر آمادہ کر لیا، شریف حسین نے بغاوت کی قیمت میں پچاس ہزار پونڈ نقد ماہانہ کے علاوہ اسلحہ اور قہر کم کے غلہ دیگر اشیاء کی کثیر مقدار حاصل کی۔ شریف حسین جسنی نے برٹش حکومت کی سازش سے ۵ جون ۱۹۱۶ء کو ترکی خلافت سے بغاوت کر دی، دارالامان مکہ میں کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور درحرم میں گولہ باری ہوئی، ترکی کی حکومت کے حصے بخرے گئے، برطانیہ کے یہودی سگریٹری آف اسٹیٹ بالفور نے فلسطین میں یہودی اسٹیٹ (اسرائیل) کے قیام کا اعلان بھی کیا، عالم اسنادی خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں میں خلافت اسلامیہ کی تباہی سے سخت اضطراب پیدا ہوا، خلافت کمیٹی قائم ہوئی، جس کا جال سارے ملک میں پھیل گیا "جان بیٹیا خلافت پر دیدر" نعرے ہر جگہ لگنے لگے۔ موردوری صاحب بھی خلافت کی تحریک میں عملی حصہ لیتے رہے، ان مختصر تاریخی حالات کا یہاں اعادہ موردوری صاحب کے اس دعوے کے سلسلے میں کیا گیا کہ اسلامی تاریخ کو غلط پیش کیا جا رہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ صفت ۳

### اسلامی تاریخ غلط رنگ میں

اگر ہم صحت نقل اور معقول دلیل اور متوازن طریقے سے اس تاریخ کو خود بیان کریں گے اور اس کے صحیح نتائج نکال کر مرتب طریقے سے دنیا کے سامنے پیش نہ کریں گے تو مغربی مستشرقین اور غیر معتدل ذہن مزاج رکھنے والے مسلمان مصنفین، جو اسے نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں اور آج بھی پیش کر رہے ہیں، مسلمانوں کی نئی نسل کے دماغ

میں اسلامی تاریخ ہی کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور اسلامی نظریہ

زندگی کا بھی غلط تصور سٹھادیں گے۔

**مستشرقین** | اسلامی تاریخ کو آخر کس در نہایت غلط رنگ میں پیش کر رہے ہیں

کس زور کو اس کے اور کئی تاریخی شخصیات کو کس رنگ میں دکھا رہے ہیں اور مسلمانوں کو

کیا ضرر پہنچانا چاہتے ہیں مودودی صاحب ان باتوں کو گول کر گئے، مثال کے طور پر

کسی ایک تاریخی واقعہ کے متعلق بھی یہ نہ بتایا کہ مستشرقین نے اسے کس غلط رنگ میں

پیش کیا ہے نہ اس سلسلہ میں کسی مستشرق کا یا اسکی تالیف کا نام لیا، حالانکہ متعدد

مستشرقین کی تصنیفات پاکستانی یونیورسٹیوں کے سلیبس میں شامل ہیں مودودی

صاحب کے اس بغایت مبہم دعوے سے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اگر مستشرقین

کے غلط رنگ کی مثالیں پیش کرنے کی کوشش کرتے بھی تو خود ان کو اپنے اور مستشرقین

کے رنگ میں فرق اور امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا، کیونکہ مستشرقین نے بھی مودودی صاحب

کی طرف بالعموم مذبذب روایتوں پر زور دیا ہے۔ بایں ہمہ بعض یورپین مصنفین وہاں ذرا

ویزہ لے کر جنگ صفین اور واقعہ حکیم کے سلسلے میں بے لاگ تحقیق اور مسکت و قوی دلیل

سے ان کا ذہن کی تردید کی ہے جو حضرت معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ پر مذبذب روایتوں

میں عام کر کے گئے تھے مودودی صاحب نے بھی ان ہی کا ذہن کو دہرانے کی بجائیل خوش

سعادت حاصل کی ہے۔ وہاں ذرا نے اپنی تالیف ”عرب سلطنت اور اسکی زوال

کے پیش لفظ میں ایہ مخفص کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ اس کی ہمدردیاں ہل شاک

کے مقابلہ میں اہل عراق کے ساتھ اور امویوں کے خلاف حضرت علیؓ کی طرف داری میں

رہی ہیں اور بعض اوقات وہ ایسے واقعات کو چھپا بھی جاتا ہے جو اس کے مفید

مطلب نہیں ہوتے، مثال کے طور سے اس واقعہ کا اخفا کر دیا گیا کہ حضرت عقیلؓ

جنگ صفین میں اپنے بھائی (حضرت علیؓ) کے مقابلہ میں ہنر داز یا ہونے لگے تھے۔

Aqil at siffin fought against  
his brother Ali

اس طرح کے حقائق تاریخ حیر کے اظہار و بیان ہی کو مودودی صاحب اسلامی تاریخ کا ہنر

غلط رنگ کہتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مفید مطلب نہیں مگر علوی دور کے واقعات کے اخفا

اور کتمان حق کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق بھی بتاتے ہیں اور ان

نے بھی اسی بات کو بیخ البلاغت کے خطبے (نمبر ۲) میں جس کی شرح مودودی صاحب کا

تآخذ ہے خود حضرت علیؓ ہی کی زبان سے یوں کہلوا دیا ہے۔

اما والله لقد تقصمها فلاں (کنایہ

قسم خدا کی فلاں شخص (مراد ہے ابو بکرؓ)

عن ابی بکر وانہ لیعلم ان محلی

منہا محل القطب من الریح ...

فرايت ان الصبر علی ہاتا تا اجمی

فصبرت و فی العین قدی و

فی الجلف شجاری تراشی بنہا

حتی مضی الاول لسبیلہ فلا لی

بہا الی قال ان راعنی عمی بعدہ

سے جو عین مذکورہ کو چھٹی میں ہے۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ صبر کرنا ہی عقلمندی

آ نکھیں غبار آلود تھیں اور حلق میں سچکوں

سے پھنکے پڑ گئے تھے اور میں دیکھ رہا تھا

کہ میری میراث کس طرح لٹ رہی ہے یہاں تک

کہ وہ پہلا اپنے رستے گذر گیا، اور اپنے بول چال

کے، ڈول کو فلاں (عمرؓ) کی طرف پھینک گیا

اسی قول نمونہ کی گویا یہ تفسیر سمجھئے جو مودودی صاحب حضرت علیؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ ”وہ اپنے

آپ کو خلافت کیلئے احق سمجھتے تھے“ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ”انہوں نے خلافت حاصل

کرنے کے لئے کبھی کسی درجے میں کوئی ادنیٰ سی کوشش بھی نہیں کی۔ یعنی مصنفین بیخ بلاغت

کے قول کے مطابق اپنی ”میراث“ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ہاتھوں لٹے دیکھ کر بھی ہنر کرتے رہے

پھر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا شخص اپنے آپ کو احق سمجھتا اور اس کے خلاف قرار نہیں دیا

جاسکتا، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کس بنا پر وہ اپنے آپ کو خلافت کیلئے احق سمجھتے تھے کیا فرمایا

”میراث“ کی بنا پر؟ مگر زیادہ تو شرعی وارث نہیں ہوتا اور مودودی صاحب بھی خلافت کو میراثی

نہیں جانتے رہی دینی اور ملی فرائض اور شخصی فضائل یعنی جہاد باللسان اس میں تو حضرت ابو بکرؓ

ہی کا سب زیادہ حصہ تھا، حضرت علی کا نہیں، مطلق کوئی حصہ نہ تھا، جہاد بالاموال اس میں خلفائے ثلاثہ  
حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا بڑا حصہ تھا حضرت علیؓ کا بلکہ نبی ہاشم میں سے کسی فرد کا بھی کوئی  
حصہ نہ تھا، جہاد بالسیف اس میں حضرت علیؓ کا حصہ بیشک تھا۔ مگر اس میں بھی وہ منفرد  
نہیں متحد صحابہ انکے ساتھ شامل ہیں اور پھر سالنت کے بعد کے جہادوں میں تو حضرت علیؓ  
کا کوئی حصہ تھا ہی نہیں، علی فضیلت میں حضرت ابو بکرؓ کا صحابہ میں کوئی مماثل نہیں حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پورے زمانہ خلافت میں حضرت ابو بکرؓ ہی کو امام نماز جماعت  
مقرر کرنا اور ایک وقت کی نماز ان کے ساتھ ادا کرنا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ  
علم میں حبیب صحابہ سے بڑھ کر تھا، اور بقول ابن حزم ابو بکرؓ و عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ بھی اس کو جانتے تھے۔ جب ان تمام ہدایت اور  
دخالت میں یہ بزرگوار حضرت علیؓ سے بلند و برتر تھے تو آخر کس بنا پر حضرت علیؓ اپنے آپ کو  
خلافت کا حق سمجھ سکتے تھے۔ مودودی صاحب کا یہ قول بابت زدہ ذہنیت کا غماز  
جو باعتبار حقائق تاریخہ محض باطل ہے۔ اسی ذہنیت کی وضعی حدیث انامدینۃ  
العلم و علی یا بہما کا کسی نے جواب دیتے ہوئے چاروں خلفاء کی بون تعریف کی ہے  
یعنی انامدینۃ العلم و ابو بکرؓ اسما سے ہا و عمس جدا ارھا و عثمان سقیھا  
و علی یا بہما میں علم کا شہر ہوں، ابو بکرؓ اس کی بنیاد عمر اسکی دیواریں، عثمان اس کی  
چھت اور علی اس کا دروازہ ہیں، مگر یہ سب مومنوعات ہیں۔ حصول خلافت کی جدوجہد  
کے بارے میں، مودودی صاحب ہی کے ستنہ یا فظطیری کی متعدد روایتوں میں صراحتاً  
بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے الیکشن کے زمانہ میں حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی  
وقاصؓ سے اپنی قرابت کا دامن طرہ دیکھان کی رائے اپنے حق میں حاصل کرنے کی کوشش  
کرتے تھے، کتولینگ میں ناکام رہ کر اپنے چچا حضرت عباسؓ سے شکوہ کرتے رہے کہ  
حضرت عمرؓ نے مجلس مشاورت ایسی بنا دی ہے کہ مجھے اپنی کامیابی کی کوئی توقع  
ہیں حصول خلافت کی اس طرح کی جدوجہد کی بنا پر ہی تو امام مالکؓ انہیں خلفائے ثلاثہ  
کے مرتبہ میں نہیں رکھتے تھے۔ حیات امام مالکؓ کے مولف ابو زہرہ لکھتے ہیں (ص ۸۲ مطبوعہ

کتاب منزل لاہور۔)

”حضرت علیؓ امام مالکؓ کی نظر میں خلافت کیلئے درڑتے تھے اور خلافت  
طلب کرتے تھے، اور یہ بات ان کی کمی کا باعث تھی اس لئے وہ انہیں  
اس شخص کے مرتبہ پر نہیں رکھتے تھے جو خلافت طلب نہیں کرتا.....  
حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قتل نے مختار بنا دیا اس لئے ان کا برتر  
اختیار ہونا ان لوگوں کی طرح نہیں ہوا جس طریقے سے ان کے پہلے  
(تینوں خلفاء) برتر اختیار آئے۔“

امام مالکؓ کے مندرجہ بالا قول کے مضمرات و مطالب کو کہ شہادت عثمانؓ کے ذمے  
نے حضرت علیؓ کو برتر اختیار کر دیا تھا، مستشرقین نے وضاحت کے ساتھ اپنی تصانیف  
میں بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ خلیفہ سوم کے خلافت شورش برپا کر نیوالے مفسرین اور  
ان کے قائلین کے زور سے جیسا پھیلے اور اراق میں فہمنا ذکر آیا ہے حضرت علیؓ مسند  
خلافت پر متمکن ہوئے اور بلوائیوں کے برپا کردہ اس انقلاب کے نتیجے میں انہوں نے  
خلافت لی تھی، اہل حل و عقد نے مشاورت سے خلافت انہیں دی تھی اور یہ خلافت  
دولت کے لئے ہی اخیر تک ان کی سیاست میں ایسے ذخیل رہے کہ قتل عثمانؓ کا نقصان  
یعنے کے بجائے وہ ان کی خواہشات پوری کرنے پر مجبور ہے حتیٰ کہ قائلین و مفسرین  
کو گورنری کے بڑے بڑے عہدے بھی دیدئے۔ مستشرقین کے ان ہی بیانات کی بنیاد  
صاحب بھی معناتاً تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ص ۱۱۱)

”وہ لوگ ان کے (حضرت علیؓ کے) ہم ہاں تقرب حاصل کرنے چلے گئے، جو  
حضرت عثمانؓ کے خلافت شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے  
کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن  
ابن بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دئے درنحالیکہ قتل عثمانؓ نے  
میں ان دونوں صاحبوں (۹) کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔“

”ان دونوں صاحبوں“ (۹) کے علاوہ نہ معلوم مودودی صاحب نے تیسرے

رضا صاحب "کنایہ بن بشر" بتجیبی کا نام اس زمرے میں کیوں نہ شامل کیا جسے حضرت علیؑ نے گورنر مصر کے عہدے پر مقرر کر دیا تھا اور اس کا لیکہ ہی وہ غیرت تھا جس نے حضرت خلیفہ شہید کے جسم اطہر پر بخیرے کئی وارے کئے تھے۔

حضرت علیؑ کی بے جا رد کالت کے الزام سے اپنی برارت کا اظہار کرتے ہوئے پھر اسی بات کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں (صفحہ ۱۲)

صرف ایک مالک الاشرار اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا نفل

ایسا تھا جس کو کسی تادیل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش تھی

نہ مل سکی اسی بنا پر میں نے اس کی ملاقت سے معذوری ظاہر کر دی

مستشرقین نے اسلامی تاریخ کے اس دور پر آشوب کے متعلق یہی باتیں جو

مودودی صاحب کہہ رہے ہیں قدرے تفصیل سے باضافہ چند امور اپنی تصانیف میں

بیان کی ہیں پس اگر قائلین سے قصاص لینے کے بجائے جو ازر دے شریعت و مقتضا

سیاست و لغزین تحفظ حرمت منصب خلافت واجب تھا۔ حضرت علیؑ نے قائلین کو

گورنری کے بڑے بڑے عہدے دیکر ان لوگوں کے مطالبات و خواہشات کو پورا کرنے کی

کوشش کی جن کے زور سے خلافت حاصل کی تھی تو ان حالات کے اظہار اور بیان سے

مستشرقین پر "اسلامی تاریخ" کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرنے کا الزام اگر عائد

ہو سکتا ہے تو مودودی صاحب بھی ایک حد تک ان کے شریک ہیں۔ لہذا اپنی کتاب کی

تالیف کا یہ عذر و حیلہ تو ان کا باطل ہوا کہ مستشرقین نے نسل کے دماغ میں اسلامی تاریخ

کا غلط تصور پٹا دیں گے

مسلمان مصنفین اسلامی تاریخ کے قدیم و جدید مسلمان مصنفین کے متعلق مودودی صاحب

کو شکایت ہے کہ مغربی مستشرقین کی طرح وہ بھی اسلامی تاریخ کو "تہایت غلط رنگ میں پیش کرتے ہوئے"

اور آج بھی پیش کر رہے ہیں، لیکن انہوں نے ان قدیم و جدید مسلمان مصنفین اور ان کی تصانیف کی

نہ کوئی نشان دہی کی اور نہ یہ بتایا کہ یہ مسلمان مصنفین جنہیں وہ غیر معتدل ذہن اور مزاج کا

کہتے ہیں اسلامی تاریخ کے کس عہد اور کس دور کے کن حالات اور واقعات اور کون تاریخی شخصیات

کو کیوں اور کس غرض و مقصد سے "تہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی پیش کر رہے

ہیں" مثال کے طور سے بھی وہ ایسے کسی ایک مصنف اور اس کی تالیف کا نام ظاہر نہیں کرتے

البتہ دوسرے موقع پر "وکالت کی بنیادی کمزوری" کے ذیلی عنوان (صفحہ ۳) سے ائمہ اہل

سنت والجماعت کے ان تین عالی منزلت قدیم مصنفین کا نام اس ضمن میں لیتے ہیں یعنی

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۳۸۶ھ مصنف العواصم من القواصم کا شیخ الاسلام

و ترجمان السنۃ امام ابن تیمیہ مصنف منہاج السنۃ متوفی ۷۲۸ھ کا ابو اخیر زمانہ کے شاہ

عبدالعزیز مصنف تحفۃ اثنا عشریہ کا مودودی صاحب ان بزرگوں سے اپنی عقیدہ تہذیبی

کا اظہار کرتے ہوئے پہلے تو مصلحتاً یہ کہتے ہیں کہ:-

"میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدہ مند ہوں اور یہ بات میرے حاشیہ خیال

میں بھی کبھی نہیں آئی کہ یہ لوگ (؟) اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق

کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں۔"

لیکن بعد میں ان ہی ائمہ دین مصنفین کی نادر تصانیف کو جن کی دیانت و امانت ہی

انہیں بلکہ صحت تحقیق بھی ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے وہ اس حیلہ سے ناقابل اعتماد

واستشہاد قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں کہ ان کی تصانیف میں صحابہ کرام و خلفاء عظام

و اکابر بنی امیہ پر سبائیوں کے عائد کردہ اتہامات کی حقائق تاریخیہ کے اعتبار سے چونکہ

پروردگار وید و تکذیب کرتے ہوئے رد شیعیت کیا گیا ہے خصوصاً العواصم من القواصم

اور منہاج السنۃ کی چاروں جلدوں میں جس کا خلاصہ امام ذہبی نے المنتقی نام سے

پہلے ہی کر دیا تھا۔ اب اسکا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے اور بحث خلافت کے سلسلے میں

ان نادر تصانیف کے مندرجات سے چونکہ مودودی صاحب کا موقف اسدرجہ کمزور پڑ جاتا

ہے کہ تاریخ کیسے کیسی ہو سکتی ہے اس میں باقی نہیں رہتی اس لئے وہ ان عالی منزلت

ائمہ دین کی ان خدمات جلیلہ یعنی تطہیر تاریخ اسلامی و تحفظ ناموس صحابہ کرام و خلفاء عظام

سے اپنی ناپسندیدگی کے جذبے میں انہیں "وکلی صفائی" کہتے ہیں اور ایک نتیجے ہوئے

جو فلسفہ کے شاطرانہ انداز میں ان بزرگ مصنفین کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

لہذا اردو ترجمہ المنتقی کے ناشر ہیں مولانا خالد گھر جاہلی، مقام گھر جاکھ، ضلع گوجرانوالہ

”عملاً انکی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے اور وکالت خواہ الزام کی ہوا  
صفائی کی اس کی علین نظر ت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدنی اسی مواد کی طرف  
رجوع کرتے ہیں جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہوا اور اس مواد کو نظر انداز  
کردیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے، خصوصیت سے اس معاملے  
میں قاضی ابوبکر تو عد سے تجاوز کر گئے“

مودودی صاحب کے اس قول رکبیک ہی نے یہ موقف ان کا طشت ازبام کر دیا کہ تمہ  
سنت و اجماع کی تصانیف خصوصاً العواصم من القواہم میں جو مواد حضرت عثمان  
الانورین اور دیگر صحابہ و خلفاء برسیابیوں کے نام ذکرہ اتہامات کی تردید میں نیز خلفاء کے  
تین کردار کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اسی طرح مہلج السنۃ میں اموی خلفاء کا ذکر  
معی بہتانات سے جن وقائع تاریخیہ کی بنا پر پاک وصاف کیا گیا وہ ان کے خیال باطل سے  
الاعتقاد نہیں اس لئے انہوں نے ان تصانیف پر حصر کرنا پسند نہ کیا اور بطور خود السیاق  
ادا کھا کرنے کی تاگ و دو کی جس سے اکابر صحابہ حضرت عثمان و حضرت معاویہ وغیر ہم پر  
ن کرنے کا مقدمہ ان کا مضبوط ہوتا ہو پس اگر یہ بزرگ قدیم مصنفین اور ان کی  
تانیف سے استفادہ کرنے والے جدید مصنفین تاریخ اسلامی ان کے نزدیک ”کلیہ صفائی“  
نیثیت رکھتے ہیں تو خود مودودی صاحب بھی اکابر صحابہ کی تنقیص اور اموی خلفاء کی مذ  
رتکاب کرنے سے وکیل الزام کی حیثیت بدرجہ اولی رکھتے ہیں۔

سیاسی مودودی بحیثیت وکیل الزام۔

مصلحتاً جھوٹ بولنا مودودی صاحب کے نزدیک بعض حالات میں نہ صرف جائز بلکہ واجب  
تے ہیں۔ ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۹ء

”علمی زندگی میں لیکن ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ  
بعض حالات میں اس کے واجب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے“

جھوٹ بولنا خواہ فتوے سے واجب ہو یا عقیدے سے تقیہ کہلا تبہ اور دیگر کوئی الزام ترا  
سیاسی ذہنیت والوں میں تقیہ و تبرا متعہ کی طرح بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ بحالت انتظار

منعہ کرنے کو مودودی صاحب بارہ برس پہلے ہی جائز بنا چکے ہیں ترجمان القرآن ۱۹۵۵ء البتہ  
وکیل الزام کی بحیثیت میں ازل الذکر دو سیاسی اہدوں کو حضرت علیؑ اور ادراد لاد علیؑ کے مرنوعہ سیاسی  
حرفیوں کی عیب جوئی و الزام تراشی میں مودودی صاحب نے جس میں طرح برتا ہے اور صحیح مہار  
ادریب احادیث کے پاکیزہ مواد سے غرض بصر کے علاقات پسند کھی کی طرح لافعی مصنفوں  
اور کتب اب راہوں کے گندے مواد کو جس میں نوعیت میں چین لیا ہے وہ ان کے طبعی و جبئی رجحان  
کا ثبوت ہے۔ تسلماً و بسباً مصنفوں کے گھرنے سے ہیں۔ اور صورتیت نے شیعیت و سبائیت کی  
پرورش و تبلیغ میں جو کردار ادا کیا ہے اظہر من الشمس ہے۔ مودودی خاندان میں بھی شیعہ  
حلقوں کی طرح حسینؑ و زینبؑ اور کریمؑ کا چرچا ارتقا ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ اپنے عالم شباب میں  
کہ ۲۵، ۲۶ کا سن تھا، جب وہ بتلاش معاش اس وقت کے نوجوان شرفا کی مزدورہ وضع قطع  
میں وارد ملکہ حیدرآباد دکن ہوئے، سرپرست کی ٹوٹی، علی گڑھ کوٹ پانچامہ، حیدرآبادی وضع کی  
شیروائی، دارمی نادر، موٹھیں بھی منڈی ہوئی، انگریزی تراش کے بال، دھوپ میں بیٹھ کا  
استعمال اور دوستوں کے گھر مٹھ میں سینما بینی اور گلے سجانے کے جلسوں میں شرکت مگر کرائی  
ذہنیت سے مضامین ”شہادت حسین اور قرآن“ کی اشاعت کا ذوق۔ حیدرآباد پہنچے ہی  
”شہید کریم قرآن کی روشنی“ کتاب کے سائیت زدہ مؤلف ابو محمد مصلح سہلری بہاری  
سے مراسم یگانگت ان کے خوب ہو گئے تھے، ابو محمد مصلح نے ”عالمگیر تحریک قرآن مجید“ اور  
”قیام حکومت الہیہ“ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے چھوٹی تقطیع کا ماہنامہ ترجمان القرآن“  
چند سال سے جاری کر رکھا تھا۔ مودودی صاحب نے مالک رسالہ کے شریک کار ہو کر اپنی قابلیت  
اور صحافیانہ اہمیت سے رسالہ میں امتیازی شان پیدا کر دی کچھ عرصہ بعد جو جب مالی معاملات میں  
تنازعہ پیش آیا ثالثی تک ذہنیت ہوئی، تصفیہ میں ”ترجمان القرآن“ رسالہ تو انہیں دلوایا گیا  
لہ مودودی صاحب اور آخر سلسلہ میں حیدرآباد دکن سے چودہری نیاز علی خاں کے قائم کردہ دارالاسلام  
پٹھان کوٹ چلے آئے یہاں آکر ”گیارہ گیارہ“ کی اور سر کے ہل بھی بڑھائے دوستوں کے پچھنے پر فرمایا یہاں  
اب مصلحت اسی کی متقاضی ہے، چودہری صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ ابو محمد مصلح جو لاہور آئے تھے  
اور اپنی اہلیہ زینبؑ کے پاس پٹھان کوٹ میں چھوڑ کر بہار چلے گئے تھے مودودی صاحب نے انہیں لکھا تھا  
کہ یہ قابل اعتماد شخص نہیں ان سے بچنے رہتے۔ بہار سے واپس آکر لاہور پہنچے پھر حیدرآباد چلے گئے۔

اور ابو محمد نے نواب مرزا یار جنگ اور دوسرے عثمانیوں حیدرآباد کی سرپرستی سے سہ ماہی انگریزی رسالہ "ٹرانک ورلڈ" جاری کروایا۔ غرضیکہ مودودی صاحب کی ادارت میں جو پہلا شمارہ ترجمان القرآن کا صدر عدد و ابیت ۱۳۵۲ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا، اس کا پہلا ہی مضمون "شہادت حسین اور قرآن" جو ان کے بھائی ابو الخیر مودودی کے قلم سے تھا، باعتبار مر طالب طرز نگارش کسی عالی شیعہ مضمون نگاری کا سمجھا جا سکتا تھا۔ مودودی صاحب خود بھی داستان کر بلا گو یا حسین" والوں ہی کے انداز میں پیش کرتے رہے ہیں ان کا اہل سنت کی تحقیق پر جھڑکنا اور تاقی ابو بکر ابن العربی متوفی ۳۵۰ھ کی ذات سے اپنی گہری عقیدت کے انہار اور انکی صحت تحقیق کے اقرار کے بعد بھی یہ فرمانا کہ "اس معاملے میں قاضی ابو بکر تو دوسرے بڑھ گئے ہیں" اسی وجہ سے تو ہے کہ ان امام اہل سنت نے غایت تحقیق اور مسکت دلائل سے حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ اور دیگر صحابہ کے ساتھ امیر زین العابدینؓ پر وادھن کے عائد کردہ اتہامات کی پر زور تردید کی ہے۔ امام ابن العربی کا زمانہ مودودی صاحب سے تقریباً نو سو برس پہلے کا ہے انہوں نے مصر و فلسطین و عراق کے مراکز علمیہ سے بہرہ وافر حاصل کر کے حجۃ الاسلام غزالیؒ سے استفادہ کیا تھا۔ جنہوں نے امیر زین العابدینؓ پر قتل حسینؓ کے اتہام کی تردید کرتے ہوئے ان پر رحمت بھیجے اور رحمۃ اللہ علیہ کہنے کو مستحب قرار دیا ہے، امام ابن العربی نے مجملہ اپنی ۳ تصانیف کے جنہیں تفسیر قرآن کی نو جلدیں ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات کی شامل ہیں اپنی مختصر کتاب العواصم من العقواصم میں امیر زین العابدینؓ کی عدالت و تقویٰ و طہارت کے ذکر میں امام احمد بن حنبلؓ کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے کتاب الزہد میں امیر زین العابدینؓ کا تذکرہ نہ دیا صحابہ کے بعد اور زہادین سے پہلے کرتے ہوئے ان کے خطیب سے ایک قول زہاد صحابہ کے ان اقوال کے شمول میں نقل کیا ہے جن سے نصیحت حاصل کی جاتی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اس کا ثبوت اور دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؓ کے نزدیک جن کا مرتبہ علم دین و زہد و ورع، صدق مقال و استقامت علی الحق میں نہایت رفیع ہے امیر زین العابدینؓ کی پاکیزہ خصائل شخصیت کی کسی کچھ منزلت ہے کہ زہاد صحابہ کے بعد ہی زہاد تابعین سے پہلے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کی نفسیاتی کیفیات و عصبیت نسبتہ و بغض بنی امتیہ کی قبول حق میں مانع رہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ و امام ابن العربیؒ وغیرم کی تحقیق کے علاوہ انہوں نے زمانہ حال کی تاریخی ریسرچ کے انکشافات کو بھی لائق اعتقاد نہ

سمجھا۔ جو کتاب "خلافت معاویہؓ و زین العابدینؓ" میں کئے گئے ہیں اور اس نوعیت سے کہ وضعی داستان کر بلا ہمیشہ کے لئے مسماں ہو گئی۔

**خلافت معاویہؓ و زین العابدینؓ** کسی علمی مجتہد کی تحقیق اور کسی عہد کے تاریخی واقعات کے سلسلے میں جن پر وضعی روایات کے دین پر بڑے صدیوں سے پڑے ہوں کسی نئے انکشاف اور دریافت کی نظر استحضار دیکھا جاتا ہے نئی دریافتیں ہی تو علمی ترقی کا موجب ہوتی ہیں انہی سے نئی نسل کے زاویہ نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ماہنامہ مشاق لاہور میں جو مولانا ابن احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ لیکن تبصرہ محمودی اس ریسرچ و تحقیق کے سلسلے میں "کہا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ عباسی صاحب کی تحقیق اور وسعت مطالعہ لائق داد ہے، انہوں نے اپنے دوسرے ہر شخص کو چونکا دیا ہے جسے اسلام اور تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے ان کی دریافتیں قیمتی ہوں گے یہ کہا جلتے کہ انہوں نے تاریخ کے اس دور پر آشوب کے بارے میں سوچ کے دہارے کا رخ موڑ دیا ہے تو بالکل بجا ہو گا۔"

اس پر کسی صاحب نے مولانا اصلاحی صاحب کی سابقہ تحریروں کا حوالہ دیکر جنہیں حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ اور زین العابدینؓ کے بارے میں وہی نقطہ نظر مترشح ہوتا ہے جو علوم کا ہے، وضاحت چاہی گئی، مولانا موصوف نے جو جواب تحریر فرمایا بشاق کے شمارہ نومبر دسمبر ۱۳۵۲ء میں شائع کیا گیا ہے اس کے بعض فقرات جو ذیل میں نقل میں مولانا موصوف کی حق گوئی و حق پسندی کی درخشاں مثال ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"میں پوری صفائی کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں تاریخ کا طالب علم کبھی نہیں رہا۔ میں ابتدا سے قرآن پاک کا طالب علم رہا ہوں اسوجہ سے تنقید کے ساتھ میں نے تاریخ کا وہی حصہ پڑھا ہے جو براہ راست قرآن سے متعلق ہے، مشاجرات صحابہ سے متعلق واقعات جب میں پڑھتا تھا تو مجھے ان سے الجھن تو ہوتی تھی لیکن اپنا حق نہ ہونے کے سبب سے نہیں انکی تحقیق پر کبھی وقت صرف نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی کبھی عام تاریخی روایات کے

زیر اثر میرے قلم سے بھی وہی باتیں نکل گئیں جو تمام تر جھوٹ اور افتراء میں اس میں فی الواقع میں محمود احمد عباسی صاحب کا بڑا متون ہوں کہ انکی تحقیقات سے مجھے بڑا فائدہ پہنچا۔ میں آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ انکی کتابیں ضرور پڑھئے، علم کے معاملے میں تعصب نہیں ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ میری کتابوں میں کوئی بات سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کے متعلق ایسی نکل گئی ہے جو تحقیق سے جھوٹ ثابت ہو گئی ہے تو میں نے اس سے رجوع کر لیا۔۔۔ میں ان کو گوں کے لئے دعا کرتا ہوں جو سیاسی خرافات سے ہماری تاریخ کو صاف کر رہے ہیں۔“

مولانا امین احسن اہلحج صاحب کے اس اعتراف نے انکی عالمانہ شان اور عظمت کو دو بالا کر دیا۔ یہ ہے میں مثال مولانا اصلاحی کی حق پر وہی دلیل تشریح کی

**غیر معتدل ذہن اور مزاج** | مودودی صاحب ذہین و فطین اور وسیع المطالعہ عالم ہونے کے باوجود خاندانی فخر اور شرف کے اظہار میں وہی نسل پرستوں کی غلط اصطلاح ”سادات اہل بیت“ زبان قلم پر لیتے ہیں، اہل زبان عرب قریشی و ہاشمیوں کے سید و سادات باظہار نسب و قوم و قبیلہ نہ کبھی استعمال کئے اور نہ آج کرتے ہیں اور نہ یہ الفاظ لغوی معنی میں کسی خاندان اور قبیلہ کے اظہار نسب میں مستعمل کئے جاسکتے ہیں رضیہ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو ”تحقیق سید و سادات“ اور ”اہل بیت“ تو انہ کے کلام میں صرف اور محض ازدواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، اس میں نہ آپ کے کوئی چچا شامل ہیں نہ چچا زاد بھائی اور نہ شادی شدہ کوئی بیٹی اور نہ انکی اولاد۔ کلام اللہ کے مفسر ہو کر بھی ایسی بڑی غلطی کا ارتکاب جو صرف کلام اللہ کی تحریف معنوی ہے، نسلی عصمت ہی کی بنا پر ہے اور یہی جذبہ اموی و عباسی خلفاء کی بدگوئی و تنقیص میں کار فرما ہے، وہ ایک سیاسی جماعت کے امیر ہیں جس کا مطمح نظر سیاسی اقتدار اور حکومت حاصل کر کے بزرگ خود اسلامی نظام کا احیا کرنا ہے، حیرت ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین ابو جعفر المنصورؑ کی بدگوئی میں جو غلط اور دہائی باتیں کہی ہیں ان میں قومی افتراء کو نہ بھی پیش کیا ہے۔ فتوے سے حکومت وقت کے خلاف حکم عدول پر آمادہ کرنے کی محض جھوٹی مثال بھی بڑے

آب و تاب سے پیش کی ہے جس کا گذشتہ اوراق میں تاریخی واقعات سے تذکرہ فرمادہ گیا جا چکی ہے۔ ”خلافت و ملکیت“ کے مباحث کی نوعیت بیشتر ان کی جماعت کے سیاسی پروپیگنڈے کی ہے، ہم نے صرف علمی و تاریخی پہلو کے اعتبار سے تنقید کی ہے سیاسی مباحث ہماری تالیف کا کوئی تعلق نہیں البتہ غیر معتدل ذہن اور مزاج رکھنے کا الزام تو وہ مسلمان مصنفین تاریخ اسلامی پر عائد کرتے ہیں مگر خود ان ہی کی ماری صحافی زندگی غیر معتدل مزاجی کیفیت کی مثال ہے۔ انہوں نے اپنی تحریرات میں نہ عام مسلمانوں کو کبھی بخشا جنہیں کہتے ہیں کہ ہزاروں مسلمانوں سے تو سوتا سوتا نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ سخن و باطل کی تمیز اور نہ انہوں نے قومی اداروں میں مسلم لیگ اور مسلم لیگ کو کبھی بخشا بلکہ اس قومی سیاسی جلسے کے سربراہ قاضی کے بارے میں تو یہ فتویٰ بھی صادر کر دیا کہ اول روز سے اس قومی تحریک کے اجراء ترکیبی میں میں نمون اور منافق اور کھلم کھلم شامل تھے بلکہ دین میں جو جتنا ہلکا تھا وہ اتنا ہی اوپر آیا۔۔۔۔۔

ترجمان القرآن جولائی ۱۹۶۴ء تک لطف تو یہ کہ تجدید و اجیلہ دین کے یہ بر خود غلط علم دار تو اس وقت درود بھائی سال کے طفل بے شعور تھے جب باسٹھ برس پہلے مسلمانان ہند کی واحد سیاسی جماعت قائم کئے جانے کی تحریک توابی قار الملک مولوی مشتاق حسین علیہ الرحمہ جیسے بالغ نظر و متقی بزرگ نے جو فی الواقع سلف صاحبین کے خصائل حمیدہ کا پاکیزہ نمونہ تحریر اپنے ہی وطن مالوت امر وہ میں بٹھ کر لکھا تھا یعنی علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دیگر اخبارات میں مضامین لکھے اور ملک کے ہر حصہ کے مسلمان زعماء سے خط و کتابت کر کے انکی تائید حاصل کی اس زمانہ میں بنگالہ سے اس خط کے مسلمانوں کو جواب مشرقی پاکستان ہے بنگالی ہندوں کی چیر بستی سے نجات ملی تھی اس لئے اس قومی سیاسی تحریک کا پہلا اجلاس اسی خط میں منعقد کیا جانا تجویز ہوا، ڈھاکہ سے نواب سر سلیم اللہ مرحوم کی دعوت پر جو مسلمانان مشرقی بنگال سے ملے قائد تھے، اور جن کی پر جوش قومی خدمات کی دشمنی میں اس زمانہ کا سامنا ہندو بنگالی پرس تنقیصاً ”سبلی ملا“ لکھا کرتا تھا مسلم لیگ کا یہ تالیسی اجلاس ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوا تھا۔ راقم الحروف کو مسلم لیگ کے محترم موسس توابی قار الملک کے پندرتھی حیثیت سے جلسہ میں حاضری کا موقع ملا تھا۔ اس وقت مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے دوش بدوش مولانا لہ دروہر اجلاس مسلم لیگ کا یہاں کراچی میں سربراہ ایم رحمت اللہ کے زیر صدارت ایک کونسل کا انٹرنس باقی ۱۹۶۷ء پر

ابوالکلام آزاد نے بھی اس قومی سیاسی جماعت کی تاسیس میں نمایاں حصہ لیا تھا، جس کے اجراء ترقی میں مودودی صاحب کے غیر معتدل دماغ نے منافق اور کھلے کھلے ملحد لوگوں کو شمار کرتے ہوئے انہیں بھی شامل کر لیا جن کے نقش قدم پر چلنے کی خود انہوں نے سعادت حاصل کی اور انہی کے ”اہلانی“ و البلاغ، کے مضامین و مقالات سے استفادہ کیا، حتیٰ کہ بقول مولف مولانا مودودی اور تحریک اسلامی مسلم ”مودودی صاحب کی ”صالح جماعت“ اصل مولانا آزادی کی ”حزب اللہ“ کا نقش ثانی ہے اور مودودی صاحب کی تمام تر دعوت ”مولانا آزادی کی دعوت کی نقل ہے، وہ آج کچھ کہہ رہے ہیں، مولانا آزاد سالہ ۱۹۰۷ء میں ہی سب باتیں سی زبان اور اسی انداز میں کہہ چکے ہیں مولانا آزادی ”حزب اللہ“ اور انکی ”دعوت“ کا جو حشر بعد میں ہوا سب کو معلوم ہے اسلام کے اجتماعی سیاسی نظام کے متعلق اپنی کتاب ”مسئلہ خلافت“ میں مولانا آزاد نے اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں جو کچھ لکھا تھا اسی کا عکس مودودی صاحب کی ”خلافت و بلوکیت“ کے صفحات پر نظر آتا ہے البتہ اس فرق و امتیاز کے ساتھ کہ مولانا آزاد کو بخلاف مودودی صاحب حضرت معاویہ اور دیگر اموی و عباسی خلفائے کوئی اجنبی و غدار نہ تھا، علمی و نظری بحث میں وہ شخصیتوں کو نہیں لائے بلکہ مسلمانوں کی جس مرکزی سیاسی قوت کو انہوں نے خلافت کہا ہے اب نصف صدی بعد مسلمان حکومتیں اپنے تعاون و اتحاد سے ایسی قوت کو برک و کاروائی کی تدبیریں کر رہی ہیں یہی تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے نہ کہ مودودی صاحب کے غیر معتدل دماغ و ذہن کی خیالی باتیں۔

**دیگر تالیفات** | اسلامی تاریخ کے دو فن کے سلسلے میں اب متعدد تالیفات منظر پر آ چکی ہیں خصوصاً حضرت امیر معاویہ اور امیر یزید کی سیرت اور ان کے ایام خلافت کے رقیبہ حاشیہ ۵۵۵ء سالانہ اجلاس کے موقع پر جو عقد ہوا تھا، کانفرنس کے صدر مولانا حالی نے ”تاریخ کی حیثیت میں“ نامی تقریر کو حاضر کی کا موقع ملا تھا پھر اگلے سال ۱۹۰۷ء سے لیگا، کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں کا اہتمام اہلکار کانفرنس کی حیثیت میں نام احمدیہ کے پیر صدر تک ہا، ڈھاکہ کے اجلاس کی مطبوعہ روڈیا مرتبہ مولانا محمد علی جوہر مرحوم جو لیگ و فریڈم لیا بھی موجود تھی راقم الحروف نے بعض کاغذات اور تصاویر کو تو خصوصاً ۱۹۰۷ء کے مسلم لیگ کے عظیم الم ان اجلاس کا قیام جسکی صارت قائد اعظم نے کی تھی پاکستان میوزم کو پیش کر دئے ہیں۔

صحیح واقعات کے متعلق، اموی خلفاء کے خلاف صدیوں سے الزام تراشی اور کڑے انفرادی اور کابو پروپیگنڈا ہوتا رہا اب اس کی حقیقت کھلتی جاتی ہے، لوگ اس لٹریچر کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور ان چند ہی تالیفات کی اشاعت اور ان کے مضامین کے مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ سلاطین کرام کے جن ناموں کو مفسرین نے عوام میں مبغوض بنا رکھا تھا لوگ اپنے بچوں کے نام مردان و زبیر و معاویہ رکھنے لگے ہیں۔

**حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی** | مولفہ پروفیسر مولوی علی احمد عباسی سلمہ، یہ معرکہ الآرا کتاب بڑے سائز کے ساڑھے چار سو صفحات پر چند سال پہلے چھپی تھی اپنی نوعیت کا اعتبار سے اعلیٰ معیار کی تالیف ہے۔ اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ قانونی یا ہندی کے باوجود مانگ برابر جاری ہے اور لوگ دو گنی قیمت دیکر مطالعہ کے لئے حاصل کر سکیے مشتاق نظر آتے ہیں۔ اسی مضمون پر ایک اور کتاب حکیم محمود احمد ظفر کی مولفہ شائع ہوئی ہے ”سیدنا معاویہؓ کی شخصیت و کردار“ جس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی، کتاب سے استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرتب کر ڈالی، قدرے لفظی تزیین کے ساتھ عنوانات بھی اسی طرح کے اور مضمون بھی اکثر و بیشتر وہی۔ یہ صاحب کراچی آکر راقم الحروف سے کئی بار ملے اپنا عنذیہ ظاہر کرتے اپنی اور اپنے بھتیجے کی کتاب سے مواد لینے کی اجازت بڑے شوق سے دیدی جاتی، کیونکہ مقصد تو تحریک کی اشاعت ہے، یوں بلا اجازت مضامین نقل کر کے کتاب مرتب کر لینا کہاں تک مناسب ہے۔ اسی سبب پر ابو یزید محمد دین بٹ کی کتاب ”رشید ابن رشید“ اچھی تالیف ہے۔ نیز کتابچہ معارف بزرگ بھی۔

**شکر یہ واعتراف** | پروفیسر مولوی حکیم علی احمد عباسی سلمہ ربرادر زادہ نے اپنے تدریس فقہ حنفی کے مسئلہ میں حیرت و پہلو بھج بہت کچھ لکھ چکے ہیں جو مواد اس کتاب کے لئے فراہم کیا شکر یہ کے ساتھ اس کا اظہار واجب ہوا۔ اسی کے ساتھ بقیہ محمدی حصہ دوم میں ترجمان القرآن (رسالت بزرگ جو عبارت ہوا نقل ہو گئی اسپر تاسف کا اظہار پہلے ہی کیا گیا تھا، وہ عبارت خارج کر دی گئی۔



## ماخذ کی بحث

الاماتہ والسیاستہ - جہول الاسم لافضی کی اس کتاب کے متعلق مورودی صاحب کا یہ قول محض باطل ہے کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا وہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے، صرف شک ظہر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حتمی طور سے ثابت ہے کہ علامہ ابن قتیبہ اس لغو کتاب کے مصنف نہیں اور نہ یہ انکی ۳ عدد تصانیف کی فہرست میں شامل ہے جو مقتدر بن دینار نے سب ہی نے شمار کی ہیں، کتاب کی اندرونی شہادتوں سے بھی قطعی طور سے واضح ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ سے غلط منسوب ہے کیونکہ اس میں (۱) مصنف کے دو علمائے کبار سے روایتیں ہیں درآسخائیکہ ابن قتیبہ کبھی مصنف نہیں گئے (۲) فتح اندلس کی خبر بھی کتاب میں ہے درآسخائیکہ فتح اندلس ابن قتیبہ کی ولادت سے ۱۲۰ برس پہلے ہوئی تھی (۳) قاضی ابوسلمی سے بھی روایت لی گئی ہے درآسخائیکہ ابوسلمی ابن قتیبہ کی ولادت سے ۶۵ برس پہلے قاضی بنڈا دتھے، (۴) ابن قتیبہ کی دمشق میں موجودگی کا ذکر کتاب میں ہے، درآسخائیکہ ابن قتیبہ دمشق کبھی نہیں گئے (۵) اس لغو کتاب کے پڑھنے والے نے افسوس منوں نے امیر المؤمنین زید سے حضرت حسینؑ کی مخالفت کی وجہ سے عراق کے ایک مفروضہ والی عبداللہ بن سلام کی پیری چہرہ منکوحہ کو بردھا و فریب طلاق ہو جانے کے بعد اپنے نکاح میں لانے کی بتا کر حضرت حسینؑ کو زمانہ خلافت حضرت معاویہؓ میں عراق میں موجود مقیم بتایا ہے۔ نیز حضرت معاویہؓ کو طرح طرح کے مکر و فریب کی کارروائیوں سے متہم کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے نکاح کی تدابیر میں دروغ و حیل القدر صحابہوں حضرت ابوہریرہؓ و حضرت ابوالدرداءؓ کو بیگانہ نکاح کے سلسلے میں دمشق سے عراق بھیجنے میں ملوث کیا جو درآسخائیکہ نہ عبداللہ بن سلام نام کا عراق میں کوئی والی تھا نہ حضرت حسینؑ کی شہادت علیؓ و صلح معاویہؓ نہ عراق جا کر مقیم ہوئے تھے نہ حضرت ابوالدرداءؓ متوفی ۳۲ھ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں بقید حیات تھے، ابن قتیبہ نے اپنی اصل کتاب المعارف میں حضرت معاویہؓ کی خلافت سے نو برس پہلے ابوالدرداءؓ کے ۳۲ھ میں وفات پانے کو جب ملاحظاً بیان کیا ہے تو کیا وفات پانے کے نو برس بعد بھی اگر یہ منسوب کتاب انکی تالیف ہوتی وہ ان کو بقید حیات بتا سکتے تھے، جہول الاسم لافضی مؤلف نے چونکہ حضرت معاویہؓ کی ذات گرامی سے

متکاری و تمیاری کی ذمیل کارروائیاں منسوب کی ہیں شاید اسی لئے مورودی صاحب کو بعض حوالہ کے بعد یہ سے یہ اصرار ہے کہ یہ کتاب علامہ ابن قتیبہ کی تصنیف قرار دیں۔

تاریخ طبری مورودی صاحب نے ابن حجر کے حوالے سے شیخ ابن جریر و شیعہ ابن جریر کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے (تعلیقہ مسئلہ) کہ آج کل لوگ بڑی بے تکلفی کے ساتھ تاریخ طبری کے مصنف کو شیعہ متوجح بلکہ غالی شیعہ قرار دے رہے ہیں۔ غالباً انکا خیال یہ ہے کہ بے چارے اردو خواں لوگ کہاں اصل کتاب کو پڑھ کر حقیقت حال معلوم کر سکیں گے؟ جی ہاں یہ بے چارے اردو خواں بھی واقف ہیں کہ کوئی دوسرا شیعہ طبری نہیں ہے، جس کی کوئی کتاب تاریخ طبری پر ہو۔ روایت پرسی کی دیا ایک ہی، ابو جعفر محمد بن جریر طبری کے دو ابو جعفر محمد بن جریر طبری اس طور سے قرار دئے ہیں کہ دونوں کے نام و کنیت ایک، دونوں کی دلالت اور سن ولادت ایک یعنی دونوں ایک ہی جینیے اور ایک ہی دن پیدا ہوئے اور ایک ہی سال و جینیے اور دن میں مرے ایک ہی قبر میں دفن ہوئے اور شاید ایک ہی بطن سے یہ دونوں پیدا ہوئے ہوں، دونوں کی شخصیت تو ایک ہی تھی، دادا کے نام میں رستم اور زید ناموں کا فرق کر دیا ہے حالانکہ اسلام لانے کے بعد رستم علی نام کے بجائے زید اسلام نام ہوا۔ آبائی وطن آمل تھا جو طبرستان کے علاقے میں شیعیت کا گڑھ تھا، ان کا حقیقی بھائی محمد بن العباس الخوارزمی جو جوگوشا تھا اپنے ماموں کے گھر پلا پڑھا تھا وہ اپنے ماموں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار بقول یا قوت حموی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آمل میرا بولہ ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور شخص اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے تو سن رکھو میں درآسخائیکہ رافضی ہوں، میرے سوا جو رافضی ہے وہ دور کے لگاؤ سے ہے، ابن حجر کو خود بھی اعتراض ہے کہ ابن جریر میں شیعہ بن تھا، پھر ان کے شیخ الشیوخ ابن حبان تو ابن جریر طبری کو فرقا امامیہ کے اماموں سے ایک امام کہتے تھے علامہ سلیمان بن متولد ۳۲۲ھ فرماتے ہیں ابن جریر طبری نے اپنے بھائی کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ ابن جریر طبری و ضو میں پاؤں پر سرج کر کے قائل تھے اس پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا، مخم غدیر والی شیعوں کی وضعی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتاب بھی لکھی تھی، امامت کے منصوص ہونے کے شیعہ عقیدہ پر ان کی تالیف تھی، پھر وہ شیعہ شعراء کے مطابق حضرت علیؑ امدان کے اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں

ان کی تاریخ کی آخری جلد (طبع اول مطبع حسینیا) کے صفحہ ۲۲ پر حضرت معاذؓ کے نام پر  
 تحریر ہے اور صفحہ ۲۹ پر حضرت معاذؓ اور زیدؓ کے ناموں پر نعمہا اللہ لکھ مارا ہے۔ اپنی  
 تاریخ اور تفسیر کی روایتوں کے غلط اور جھوٹے اسناد بھی لکھنے میں تامل نہ تھا، اور ایک  
 مثالیں ملاحظہ ہوں۔ (۱) تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۵۵ و تفسیر طبری ج ۱ صفحہ ۱۱۱ میں حد  
 زکسایا بن ابی زائدہ کہہ کر ان سے روایت کی ہے درآخرا لیکہ یہ زکریا بن ابی  
 زائدہ الکوفی سلمہ میں اور بقول ابو نعیم سلمہ میں مرگئے تھے۔ یعنی ابن جریر طبری کی  
 ولادت سے ۷۶ برس پہلے تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۳ و تاریخ صغیر امام بخاری صفحہ ۱۱۱  
 (۲) تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲ پر حد ثناہشام بن محمد عن ابو مخنف کہہ کر  
 ثقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر الصديقؓ کے انتخاب کی وہم و دود روایت درج کی ہے  
 جس کا ذکر ابو آجکھے ہے درآخرا لیکہ یہ ہشام بن محمد جو خود بھی راہنہی کذاب تھا اور اس کا باپ  
 محمد بن اسائب الکلبی کوئی بھی اسی قماش کا تھا وہ سلمہ میں بیچا ابن جریر طبری کی ولادت  
 سے بیس برس پہلے مر گیا تھا۔

ابن جریر طبری کی میت کو مسلمانوں نے مقابر المسلمین میں نہ دفن ہونے دیا تھا اسلئے  
 مکان مسک نہ میں دفن ہوئے، مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نساہ حنبلیوں نے پویا تھا  
 کیونکہ ان کو فقہ اس بات پر تھا کہ ابن جریر امام احمد بن حنبل کو محدث تو مانتے تھے فقہ  
 نہیں، اگر واقعہ بھی ہوتا اور ابن جریر کو واقعی اہل السنۃ میں کوئی مقام حاصل ہوتا اور اہل السنۃ  
 بغداد کے باشندے انہیں کٹر راہنہی نہ سمجھتے تو بغداد کے قلیل المقدار حنبلیوں میں دوسرے  
 سنیوں، شافعیوں وغیرہ کے مقبلے میں یہ طاقت کہاں تھی وہ ابن جریر کی میت کو مقابر  
 المسلمین میں دفن نہ ہونے دیں۔ مودودی صاحب نے حنا بلکہ کے متعلق یہ روایت  
 لکھ کر ابن جریر طبری کی صفائی پیش کرنے کی تمام کوششوں کو خود ہی منہدم کر دیا، اور  
 ان کے ذہن پر چہر لگا دی۔ ابن الاثیر و ابن کثیر وغیرہ نے تو طبری ہی سے اخذ نقل کیا ہے بلا ذری  
 متونی سلمہ ہا البتہ طبری سے پہلے میں انکی کتاب انساب للشراف میں چونکہ اموی خلفاء و امیر  
 یزید کی میرت کے بعض روشن پہلو دکھانے گئے ہیں، مودودی صاحب کے نظر انداز کر گئے۔